مِصْبَاحُ النَّحْو

شَرحْ اُردُو هَدایۃُ النحو

عَربی نحو کی مشہور و معروف اور مُستند کتاب ہے

المصباح

70

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مصباح النحو

شرح اردو ھدایۃ النحو

عربی نحو کی مشہور و معروف
اور مستند کتاب ہے

المصباح

کتابت کے جملہ حقوق بحق المصباح محفوظ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ حامداً و مصلیاً **قولہ بسم** مصنف نے اپنے اس رسالہ کو تسمیہ سے شروع کیا ہے۔ تاکہ کتاب اللہ کی اقتدا ہو جائے نیز حدیث کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللہ فھو ابتر پر بھی عمل ہو جائے اور سلف کا طریقہ بھی ہاتھ سے نہ جاوے۔ چونکہ سلف کا طریقہ ہے کہ شروع کتاب میں تسمیہ کو ذکر کرتے ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث پر عمل ناممکن ہے کیونکہ تسمیہ بھی اک امر ذی بال ہے اور ہر امر ذی بال کی ابتدا تسمیہ سے ضروری ہے لہذا ضروری ہوا کہ اس تسمیہ کی ابتدا دوسرے تسمیہ اور پھر اس تسمیہ کی دوسرے تسمیہ سے ابتدا کی جاوے علیٰ ہذا القیاس غرضیکہ تسلسل لازم آویگا۔ تو جواب یہ ہے کہ حدیث مخصوص ہے ذی بال سے مراد غیر مبسملہ ہے یا کہا جائے کہ ذی بال سے مراد ذی بال مقصود اصلی ہے اور تسمیہ مقصود اصلی نہیں نیز اگر کوئی کہے کہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کسی امر ذی بال کو تسمیہ سے شروع نہ کیا جاوے تو وہ ابتر یعنی بالکل ہوتا ہے حالانکہ بہت سے امور کی بلا تسمیہ ابتدا کی جاتی ہے اور بالکل نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ ابتر سے مراد بے برکت ہے لہذا اعتراض وارد نہیں ہوتا ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حدیث میں باسم اللہ ہے اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کے کسی نام سے شروع کرنا کافی ہے اس تسمیہ مخصوص کیساتھ لازم شروع حدیث نہیں سمجھا جاتا لہذا مصنف کو شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا لانا ضروری نہ تھا بلکہ کوئی سے اسم سے ابتدا کرنا کافی تھا جواب حدیث اصل میں لفظ باسم اللہ کیساتھ نہیں ہے بلکہ بسم اللہ کیساتھ ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ مخصوص کیساتھ شروع کی جاوے بعض کہتے ہیں کہ حدیث لفظ باسم اللہ کیساتھ ہے اور اس سے مراد یہ کلمہ مخصوص ہے واللہ اعلم جب آپکو اس کلمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتدا کی وجہ معلوم ہو چکی تو اب جاننا چاہیے کہ اس کلمہ میں ب جار ہے اور اس کا مدخول مجرور ہے اور ہر جار مجرور کیواسطے ایک متعلق کا ہونا ضرور کا ہے چونکہ اسکے مدخول کا ربط دوسری شے کیساتھ ہوتا ہے تو جب وہ متعلق ظاہر ہوتا ہے تو اسکا نام فرض فرض کیا جاتا ہے اور جب ظاہر نہیں ہوتا تو اسکا نام مستقر رکھا جاتا ہے یہاں پر متعلق ظاہر نہیں اس وجہ سے لامحالہ مقدر ہوگا اس مقدر میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے کہ آیا فعل مقدر کیا جائے یا اسم بصری کہتے ہیں کہ فعل مقدر کرنا چاہیے چونکہ یہ متعلق مقدر اس جار اور مجرور میں عمل کرے گا اور عمل میں فعل اصل ہے کیونکہ فعل عمل کیواسطے موضوع ہوا ہے بخلاف اسم کے کہ وہ اصل میں عمل کیواسطے موضوع نہیں ہوا بلکہ فعل سے جو اسکو مشابہت ہے اس واسطے عمل کرتا ہے اور کوفی کہتے ہیں کہ اسم مقدر کرنا چاہیے چونکہ اصل تقدیر میں مفرد ہے لہذا اس اختلاف کی بنا پر بصریوں کے نزدیک فعل مقدر ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اسم یہی بات کہ جو فعل مقدر کیا جائے یا اسم عام میں سے مقدر کیا جائے یا افعال خاصہ سے تو بصریوں کی تصریح ہے کہ فعل عام مقدر کیا جائے چونکہ وہ تمام افعال کو شامل ہوتا ہے البتہ اگر افعال خاصہ میں سے کسی فعل خاص کو مقدر ماننے کیلئے کوئی قرینہ ملجائے تو اس صورت میں فعل خاص مقدر کر لیا جاویگا اور اس مقام پر فعل خاص کی تقدیر پر قرینہ (کتاب کے شروع میں واقع ہونا) موجود ہے اس وجہ سے یہاں پر اشرع فعل خاص مذہب بصریین پر ماننا اولیٰ ہوگا نیز اسکا مؤخر محذوف ماننا بہ نسبت مقدم محذوف ماننے کے اولیٰ ہوگا کیونکہ جب متعلق مقدم ہوگا تو اس وقت شروع اسم اللہ سے نہ ہوگا بلکہ فعل سے شروع کرنا لازم آجاویگا حالانکہ مصنف کا مقصود اسم اللہ سے شروع کرنا ہے اگر کوئی کہے کہ متعلق مؤخر کرنے پر بھی اسم اللہ سے شروع کرنا نہیں ہوگا۔ چونکہ لفظ اسم اسم اللہ نہیں ہے بلکہ لفظ اللہ اسم اللہ ہے جواب امر تو ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو لیکن اگر باللہ کہنا چاہیے لفظ اسم زائد کر دیجئے تو جائے قسمیہ سے التباس واقع ہوتا اس وجہ سے مصنف نے لفظ اسم زائد کر دیا۔ دوسرے اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ جس چیز کا بھی اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوتا ہے اس سے تبرک اور استعانت حاصل ہوتی ہے خواہ وہ لفظ اللہ یا الرحمٰن وغیرہ تیسری وجہ اس لفظ کے بڑھانے کی یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سب اسماء اللہ سے استعانت اور برکت حاصل کرنا درست ہے۔ نیز یہ اعتراض شروع سے ساقط ہے کیونکہ ابتدا بسم اللہ سے مراد اس کلمہ مخصوص کے ساتھ ابتدا کرنا ہے نیز مؤخر مقدر کرنیکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مؤخر مقدر کرنے میں اختصاص حاصل ہوتا ہے جو تقدیم کی صورت میں نہیں ہوتا کیونکہ جب اسکا حق تقدیم کا تھا اور اس کو مؤخر کر دیا تو اس قاعدہ پر تاخیر ما حقہ التقدیم فائدہ اختصاص کا دیتا ہے اسکے مؤخر مقدر کرنیسے اختصاص حاصل ہو جاویگا جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیے کہ بصریوں کے مذہب پر بسم اللہ جملہ اسمیہ فعلیہ ہے اور کوفیوں کے مذہب پر جملہ اسمیہ بصریوں کے یہاں تقدیر عبارت بسم اللہ اشرع اور کوفیوں کے نزدیک ابتدائی ثابت باسم اللہ ہے نیز جاننا چاہیے کہ بسم اللہ میں ہمزہ کو کتابت میں حذف کرنا کثرت استعمال کی وجہ سے ہوا ہے اور اقرأ باسم ربک میں سے کتابت میں ہمزہ کو حذف نہیں کیا چونکہ اسکا استعمال قلیل ہے۔ **قولہ اللہ** محققین کے نزدیک لفظ اللہ ایسی ذات جامع جمیع صفات کا علم ہے جس کا وجود ضروری ہے لیکن بعض مناطقہ ذات کا علم نہیں کہتے بلکہ مفہوم کلی مذکور کا اسم بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مفہوم ایک فرد جزئی میں منحصر ہے لیکن یہ انکا وہم ہے کیونکہ اگر اس قول کو حق مانا جاوے تو کلمہ طیبہ سے جو توحید مقصود ہے ہرگز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ بھی مفہوم کلی مذکور کا اسم ہے اگر لفظ اللہ بھی ایسا ہو تو استثنار کشی عن نفسہ لازم آویگی جو محال ہے جاننا چاہیے کہ اس لفظ میں اختلاف ہے کہ یہ اسم عربی ہے یا عجمی ایک جماعت اسکے عجمی ہونیکی قائل ہے اور ایک جماعت اسکے عربی ہونیکی قائل ہے جو عربی کہتے ہیں ان میں پھر اختلاف ہے آیا یہ اسم جامد ہے یا اسم مشتق بعض اسم جامد ہونیکے قائل ہیں اور بعض اسم مشتق کے جو اسم مشتق کہتے ہیں پھر ان میں اختلاف ہے کہ یہ اسم کونسے مادہ سے مشتق ہے بعض الٰہ سے کہتے ہیں بعض ولہ سے غرضیکہ اس میں بیس قول ہیں جسکی تحقیق تفسیر بیضاوی میں ہے طوالت کے خوف سے ترک کی جاتی ہے **قولہ الرحمٰن الرحیم** ۔ دونوں لغت میں نرم دلی کے معنی میں ہیں چونکہ رحمت کے معنی ایسی نرم دلی کے ہیں جو احسان کو مقتضی ہے اس پر کہ نرم دلی ہو رہا ہے یہاں پر احسان اور انعام مراد ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کیواسطے دل جو لازم مذمومیت ہے نہیں ہے اسوجہ سے رحمت کی غایت جو کہ احسان ہے وہ مراد ہے ایسے ہی اسطرح کی ہر صفت سے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے اس سے مراد اس صفت کی غایت ہے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ اللہ چونکہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور یہ موصوف ہوتا ہے اور صفت نہیں ہوتا اسوجہ سے اسکو تقدم کیا ہے اور الرحمٰن کو الرحیم سے اس وجہ سے مقدم کیا کہ الرحمٰن علم کی مانند ہے چونکہ اسکا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں بخلاف الرحیم کے کہ اسکا اطلاق ذات باری اور اسکے غیر سب پر ہوتا ہے اور یہ اعتراض کہ الرحیم کو الرحمٰن سے پہلے لانا چاہیے کیونکہ مشہور مقام مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے الرحمٰن الرحیم سے اعلیٰ اسوجہ سے ہے کہ الرحمٰن الرحیم سے بلیغ ہے کیونکہ فعلان فعیل سے ابلغ ہوتا ہے کیونکہ زیادتی مبنی پر دلالت ہوتی ہے اور الرحمٰن کی بنا الرحیم سے زیادہ ہے رحمۃ سے الرحمٰن کے معنی میں بے نہایت رحم والا اور الرحیم کے بہت رحم والا کے ہیں ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف اس وقت ضروری ہے جبکہ موصوف سب صفات میں غایت کمال میں نہ ہو اور جبکہ موصوف تمام صفات میں غایت کمال میں ہو تو پھر ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف ممکن نہیں ہوتی ہے چونکہ اس وقت کوئی ادنیٰ اور اعلیٰ نہیں رہتا ہے لہذا الرحمٰن کی تقدیم الرحیم پر ابلغ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کی مانند ہونیکی وجہ سے ہے۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ الرحمٰن الرحیم میں اعراب کے اعتبار سے تین وجہ درست ہیں صفت کی بنا پر جر اور اعنی کے مفعول ہونیکی بنا پر نصب تقدیر عبارت یہ ہوگی اعنی الرحمٰن الرحیم اور مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر رفع اس وقت تقدیر عبارت ہوا الرحمٰن الرحیم ہوگی ۱۲

❖ ❖ ❖

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

قولہ الحمد ۔ مصنفؒ نے حمد اللہ سے ابتداء کی تاکہ کتاب اللہ کی اقتداء ہو جاوے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امر ذی بال لم یبدء بحمد اللہ فھو اقطع واجذم پر بھی عمل ہو جاوے نیز اس میں سلف کے طریقہ کا اتباع بھی ہو جاویگا لیکن اس علت پر کہ حدیث مذکور کی بنا پر مصنفؒ نے ابتداء تحمید سے کی کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک اعتراض یہ ہے جو تسمیہ پر تسلسل کا واقع ہونا قابل اس کا جواب بھی اسی طرح پر ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اب ابتداء کے بارہ میں دو حدیثیں ہو گئیں ۔ ایک حدیث تسمیہ دوسری حدیث تحمید حدیث تسمیہ مقتضی ہے کہ تسمیہ سے ابتداء کیجاوے اور حدیث تحمید چاہتی ہے کہ حمد سے ابتداء ہو چونکہ ابتداء کے معنی کسی چیز سے شروع کرنا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ شروع کرنا ایک ہی امر سے ہو سکتا ہے نہ کہ متعدد امور سے اس وجہ سے لازم آیا کہ دونوں حدیثوں پر عمل نہ ہو کیونکہ اگر بسم اللہ کو شروع میں ذکر کیا تو حمد اللہ تعالیٰ شروع میں نہ ہوگی بلکہ تسمیہ کے بعد ہوگی ایسے ہی اگر حمد اللہ تعالیٰ شروع میں ذکر کی جاوے تو بسم اللہ سے شروع نہیں ہو سکتا لہذا دونوں حدیثیں متعارض ہو گئیں لہذا ساقط ہونی چاہئیں اور جب دونوں ساقط ہو گئیں تو شروع کی علت نہیں ہو سکتی ۔ جواب ابتداء تین قسم پر ہے حقیقی اضافی عرفی ۔ ابتداء حقیقی وہ ہے جو سب چیزوں پر مقدم ہو یعنی مقصود اور غیر مقصود سب پر مقدم ہو اور ابتداء اضافی وہ ہے جو پہلے ہو خواہ سب سے یا بعض سے ابتداء عرفی وہ ہے جو مقصود سے پہلے ہو جب آپکو ابتداء کی ہر قسم کی تعریف معلوم ہو گئی تو اب جاننا چاہئے کہ حدیث تسمیہ میں ابتداء سے مراد ابتداء حقیقی ہے اور حدیث تحمید میں ابتداء سے مراد ابتدائے اضافی ہے یا عرفی یا یہ کہ حدیث تسمیہ اور تحمید دونوں میں ابتداء سے مراد ابتدائے اضافی یا عرفی ہو لیکن حدیث تحمید میں ابتداء ابتدائے حقیقی پر محمول نہ ہوگی اور جب حدیثوں میں ابتداء سے مذکور ابتدائیں مراد ہو جائینگی تو تعارض باقی نہیں رہیگا ۔ رہا یہ امر کہ حدیث تحمید میں ابتداء سے مراد ابتدائے حقیقی کیوں نہیں ہے تو اس وجہ سے کہ حدیث تسمیہ اللہ تعالیٰ کے تین ناموں پر مشتمل ہے اور تحمید ایک پر اس وجہ سے حدیث تسمیہ ابتدائے حقیقی پر محمول ہوگی نہ حدیث تحمید ۔ اگر کوئی کہے کہ حمد کو بھی اسمائے ثلثہ پر مشتمل کر دیا جاوے اور یوں حمد کی جاوے الحمد للہ الرحمٰن الرحیم تو حمد بھی اسمائے ثلثہ کو شامل ہو جاوے گی جو ابتدائے حقیقی پر حمل کرنیکا سبب ہے اسوجہ سے مصنفؒ ایسا کر کے حمد کو تسمیہ سے مقدم کر دیتے تو جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے میں ترتیب بدل جائیگا اور حسن نہیں ہے بعض نے کہا ہے کہ حمد سے مقصود صفات کا ثابت کرنا ہے اور تسمیہ سے مقصود اسم ذات کا بیان کرنا ہے اور اس سے برکت اور استعانت حاصل کرنا ہے اور ذات صفات پر اصل میں مقدم ہے اس وجہ سے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا جاتا ہے نیز جواب دیا ہے کہ حدیث تحمید میں اگر ابتداء سے مراد ابتدائے حقیقی ہو ۔ اور حدیث تسمیہ میں اضافی یا عرفی تو حمد کا بسم اللہ پر مقدم کرنا لازم آجائیگا حالانکہ حمد کی تقدیم اہل شرع کے عرف اور اطلاق سے ثابت نہیں واللہ اعلم بالصواب حمد پر جو لام تعریف ہے اس میں اختلاف ہے بعض اسکو جنس کہتے ہیں اور بعض استغراق کا اور بعض عہد خارجی کا اور مفہوم وہ عبارت ہے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے چنانچہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الحمد اللہ اضعاف ما احمد وجمیع خلقہ کما یحبہ ویرضاہ ۔ ہر ایک اپنے قول کی وجہ توجیہ بیان کرتے ہیں جس کا کچھ ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آویگا حمد کے معنے نعمت میں تعریف کرنا ہیں اور اصطلاح میں زبان سے تعریف کرنے کو کہتے ہیں جو قصد تعظیم پر ہو چاہے اسکا متعلق نعمت ہو یا غیر نعمت اور شکر اس فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم پر آگاہی بخشے اسکے انعام کے سبب سے خواہ وہ فعل زبانی ہو یا اعتقادی یا عملی حمد اور شکر میں عموم اور خصوص من وجہ کی نسبت ہے چونکہ مورد حمد خاص ہے اور اس کا متعلق عام اور مورد شکر عام اور اس کا متعلق خاص دونوں کے تصادق کا مادہ وہ زبانی تعریف ہے جو نعمت کے مقابلہ میں ہو اور وہ مادہ جہاں حمد بلا شکر کے پائی جاوے وہ زبانی تعریف ہے جو نعمت کے مقابلہ میں نہ ہو اور وہ مادہ جہاں شکر بلا حمد کے پایا جاوے یعنی وہ عملی یا اعتقادی فعل جو نعمت کے مقابلہ میں ہو اور تعظیم منعم پر آگاہی بخشے شکر کا ہے مدح اور حمد کے درمیان عموم وخصوص مطلق ہے خاص ہے اور مدح عام ہے حمد فعل اختیاری پر تعریف ہوتی ہے اور مدح میں فعل اختیاری کی شرط نہیں ہے فعل اختیاری پر زبان سے جو تعریف ہو اس کو بھی مدح کہتے ہیں اور فعل غیر اختیاری پر جو زبان سے تعریف ہو اس کو بھی مدح کہتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ مدح حمد سے عام ہے لہذا جو تعریف زبان سے فعل اختیاری پر ہو اس کو مدح اور حمد دونوں کہہ سکتے ہیں اور جو فعل غیر اختیاری پر ہو اسکو مدح کہیں گے حمد نہیں بعض نے مدح اور حمد کو مترادف کہا ہے اور بعض نے گمان کیا ہے کہ ان دونوں میں فرق نہیں ہے ۔ لیکن یہ درست نہیں ۔ رہا یہ امر کہ ان کو یہ گمان کیوں ہو گیا تو اسکی یہ وجہ ہے کہ محاورات میں یہ سب امور متضاد ہو گئے ۔ چنانچہ محاورہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کو حمد کہتے ہیں اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان کو نعت وثنا کہتے ہیں اور بزرگوں کی اچھی عادتوں کے بیان کرنے کو مدح اور بعض مدح اور حمد کو مترادف کہتے ہیں چنانچہ زمخشری کہتے ہیں الحمد والمدح اخوان جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے لفظ حمد کو بجائے لفظ مدح کے کیوں اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے کہ حمد کے ذکر سے مدح بھی ہو جاویگی کیونکہ وہ خاص ہے اور مدح عام ہے اور وجود خاص مستلزم ہے وجود عام کو اور وجود عام وجود خاص کو مستلزم نہیں ہے ۔ رہا یہ بات کہ بجائے لفظ شکر کے لفظ حمد کیوں اختیار کیا جب کہ اس مقام کے مناسب شکر ہے چونکہ تالیف ایک نعمت ہے اور شکر کے مقابلہ میں واجب ہے تو اسکے اختیار کی وجہ دو طور پر بیان کی جاتی ہے ایک تو یہ کہ صیغہ حمد جب نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو وہ شکر کے معنی میں ہوتا ہے چونکہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شے دوسری شے کے مقابلہ میں ہو یعنی اس کی جگہ واقع ہو تو اسکا حکم وہی ہوتا ہے جو دوسری شے کا ہوتا ہے جیسے تیمم محل وضو میں وضو کا حکم پاتا ہے دوسرے یہ کہ شکر نعمت کے مقابلہ میں ہونیکے ساتھ مخصوص ہے اور حمد عام ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اگرچہ یہ مدح شکر ہے چونکہ تالیف ایک نعمت ہے لیکن اللہ سبحانہ کے مناسب حمد ہے کیونکہ اللہ سبحانہ ایسی ذات ہے کہ اسکی تعریف کی جانی چاہیے اسباب سے خواہ نعمت ہو یا نہ ہو تیسری وجہ اسکے اختیار کرنیکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے انعامات غیر متناہی ہیں جن کا شکر بندہ کی طاقت سے باہر ہے اسوجہ سے مصنفؒ نعمت سے قطع نظر کر کے بجائے شکر کے حمد کرتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ جملہ الحمد للہ اصل کے اعتبار سے جملہ فعلیہ ہے بعض کے نزدیک فعل فاعل بطور سماعی کے وجوباً حذف ہوا ہے بعض کے نزدیک بطور قیاس کے وجوباً حذف ہوا ہے چنانچہ رضی شارح کافیہ نے کہا ہے کہ جس مقام میں فاعل اور مفعول ایسے مصدر کے بعد مذکور ہوں جو اسکی طرف بلا واسطہ جیسے سبحان اللہ میں بواسطہ حرف جر جیسے حمد اللہ کی طرف مضاف ہو اس وقت فعل کو وجوباً حذف کر دیں گے بشرطیکہ وہ مفعول مطلق بیان نوع کے واسطے نہ ہو جیسے مکروا مکرہم میں بیان نوع کے واسطے ہے پھر اس پر لام داخل کر کے جملہ اسمیہ بنا لیا ہے چونکہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے بخلاف فعلیہ کے کہ وہ تجدد پر دال ہوتا ہے ۔

(باقی بر صفحہ ۴)

اس اور مقام کے مناسب دوام ہے اب اس میں کلام ہے کہ اس میں لام کیسا ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ لام تعریف کا ہے لیکن آیا جنس کیلئے ہے یا استغراق کیلئے یا عہد خارجی کیلئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے بعض لام استغراق کے قائل ہیں دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حقیقت میں تمام محامد خدا تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس معنی پر لام استغراقی کی دلالت ہو سکتی ہے اور لام جنس اس دلالت سے قاصر ہے چونکہ اسمیں افراد کا لحاظ نہیں ہوتا جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام محامد اللہ کے مملوک ہیں جو جنس کے لیئے کہتے ہیں وہ اسکی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ حمد اصل میں مصدر ہے فعل کے قائم مقام ہوا ہے اور فعل معنی حدثی پر دال ہوتا ہے یعنی ماہیت پر لہذا اسکا قائم مقام بھی ایسا ہونا چاہیے لہذا اگر استغراق کا لیویں گے۔ تو نائب کی منوب پر مزیت لازم آئیگی اور یہ یقیناً برا ہے اب رہا استغراق والوں کی دلیل کا جواب تو کہا جاتا ہے کہ جنس کیلئے یعنے پر بھی یہ تمام جمیع محامد کے اللہ تعالیٰ کے مملوک ہونے پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہے کیونکہ للہ میں لام تخصیص کیواسطے ہے لہذا اسکا مطلب یہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالیٰ کیواسطے مخصوص ہے اور کسی جنس کا کسی کیساتھ مخصوص ہونا اسوقت ہو سکتا ہے جبکہ جنس کا ہر ہر فرد اسکے ساتھ مخصوص ہو۔ اور اسکا مملوک ہو ورنہ تو جنس اسکے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں قرینوں میں نزاع لفظی نزاع ہے معنوی نزاع نہیں اس لیئے کہ جو استغراق کیلئے لام تعریف کو لیتے ہیں وہ اللہ کے لام کو تملیک کیلئے لیتے ہیں دونوں صورتوں میں حمد کے ہر فرد کا ثبوت اللہ کے لیے ہی ہوتا ہے ان تمام تحقیقات پر نظر رکھتے ہوئے الحمد للہ کے معنی ہوئے کہ ہر حمد ازل سے ابد تک خواہ کسی حامد سے صادر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے مختص ہے حمد کی تعمیم لام تعریف سے سمجھ میں آتی ہے اور زمانہ کی تعمیم اسکے جملہ اسمیہ ہونے سے اور حامد کی تعمیم اسوجہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی مخصوص حامد ذکر نہیں کیا۔ جب کوئی خاص مذکور نہیں تو یہ عام پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے اختصاص لام تخصیص سے مفہوم ہوتا ہے چونکہ یہاں پر للہ میں لام جارہ تخصیص کیواسطے ہے واللہ اعلم اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے للہ الحمد کیوں نہیں کہا یعنی لفظ اللہ کو لفظ الحمد پر مقدم کیوں نہیں کیا باوجودیکہ لفظ الحمد وصف کیلئے موضوع اور لفظ اللہ ذات کیلئے اور ذات وصف پر مقدم ہوتی ہے دوسرے ذکر اسمی حد ذاتہ اہم التقدیم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام مقام حمد ہے تو یہ اسکو مقتضی ہے کہ حمد کو پہلے ذکر کیا جاوے ورنہ مقتضائے حال کی رعایت نہ ہوگی۔ جو کہ کلام کی ضروریات سے ہے جس کی رعایت نہ کرنے سے کلام بلیغ نہ رہیگا۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صفت اللہ کیساتھ خاص ہے جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوا تو جب یہ وصف مختص ہے تو اسکی تقدیم اس ذات پر واجب ہوگی بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر مقصود وصف بیان کرنا ہے ذات کا ذکر تعلق وصف کیوجہ سے ہے اور جو چیز مقصود بالذات ہوتی ہے اسکی تقدیم غیر مقصود پر واجب ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں پر حمد کی تقدیم لفظ اللہ پر ضروری ہے سوال مصنف نے الحمد للہ میں اسم ذات کیوں ذکر کیا اسم صفت کیوں نہیں ذکر کیا مثلاً یوں کہہ دیتا الحمد مرحمن جواب اسم ذاتی اسم صفتی سے اشرف ہے اور اشرف ذکر افضل ہے غیر اشرف کے ذکر سے اسوجہ سے مصنفؒ نے اسم ذات ذکر کیا اور اسم صفت ذکر نہیں کیا۔ رہا یہ امر کہ اسم ذات اسم صفت سے کیوں اشرف ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسم ذات بمنزلہ مفرد کے ہے اور اسم صفت بمنزلہ مرکب کے چونکہ اسم صفت ذات مع الوصف پر دال ہوتا ہے بخلاف اسم ذات کے کہ وہ محض ذات پر دلالت کرتا ہے اور مفرد مرکب سے اشرف ہے دوسرا جواب ہے کہ اس اسم کو دوسرے اسماء پر ذکر میں اس وجہ سے ترجیح دی گئی ہے کہ اسم اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کو جامع ہے خواہ وہ ذاتی ہوں یا صفتی چونکہ یہ اسم اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو ذات کے تمام محامد اور صفات کمال کو جامع ہو یعنی اس میں تمام صفات کمال اور محامد موجود ہوں بخلاف اور اسماء کے کہ وہ ایسے نہیں ہیں مشکلین کے اقوال مطولات میں اس پر دال ہیں نیز یہ اعظم اسماء اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ اس کا اطلاق رب العلمین کے غیر پر کبھی نہیں ہوا بخلاف اور اسماء کے کہ انکا اطلاق غیر اللہ پر ہوتا ہے یا ہوا ہے اس وجہ سے اس اسم کو ذکر کیا دوسروں میں سے کسی کو ذکر نہیں کیا نیز اس اسم کی ترجیح کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی دوسرا اسم ذکر کرتا تو وہم ہوتا کہ حمد اس صفت کے اعتبار سے ہے اور دوسری صفت کے اعتبار سے نہیں ہے نیز مصنفؒ نے استحقاق پر تنبیہ کرنی چاہی کہ باری تعالیٰ حمد کا مستحق ذات اور انعام دونوں کے اعتبار سے ہے نیز مصنفؒ نے چاہا کہ اسکے بعد صفت کا ذکر کر دیا واللہ اعلم بالصواب **قولہ رب العلمین**

رب دراصل مصدر ہے بمعنی پرورش کرنا یعنے کسی چیز کو آہستہ آہستہ اسکی کمال کی حد پر پہنچانا۔ اس کا اطلاق خدا تعالیٰ کے ذات پر بطور مبالغہ ہے جیسے زید عدل میں عدل کا حمل زید پر بطور مبالغہ ہے یا اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی پرورش کرنے والا اور جو مدارک میں ہے کہ الرب ہو الخالق ابتداء والمربی غذاءً والغافر انتہاءً اس معنی کی طرف مشیر ہیں جو ہم نے ذکر کیئے ہیں ارباب لغت و تفسیر نے جو کہا ہے کہ الرب بمعنی مصلح و مدبر ہے یہ بھی اسی مذکور معنی کی طرف راجع ہے یا الرب راب صیغہ اسم فاعل کا مخفف ہے صاحب مجمع البحار کے قول سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ صفت مشبہ ہے جیسے صفت مشبہ اگرچہ فعل متعدی سے نہیں آتی لیکن یہ امر اہل فن کے مقررات سے ہے کہ جب فعل متعدی سے صفت مشبہ بنانا چاہیں اسکو فعل لازم قرار دیکر بنالیں۔ یعنی باب لازم میں لیجا کر بنالیں۔ رب موجد اور سید اور مصلح کے معنی میں بھی کہا گیا ہے اور بتخفیف الباء بھی آیا ہے صاحب مجمع البحار کہتا ہے کہ الرب بمعنے مالک و سید و مربی و مدبر و منعم کے بھی آیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بلا اضافت کے اسکا اطلاق اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے اور کسی پر نہیں ہوتا اور اضافت کی حالت میں بندہ پر بھی [illegible] اطلاق ہوتا [illegible]۔ البتہ اگر اضافت کی تقدیر پر [illegible] مانع ہو تو پھر مجیدہ پر اسکا اطلاق نہیں ہوتا۔ العالمین عالم کی جمع ہے بمعنے ما یعلم بہ الشئی یعنی جاننے کا آلہ اس لیے کہ فاعل [illegible] ہے جیسے خاتم بمعنے ما یقلب بہ ہے اور عرف عام میں اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں پر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کرتا ہے قال فرعون وما رب العلمین ط قال رب السمٰوٰت والارض وما بینہما ان کنتم موقنین۔ پھر عالم کی ہر جنس کو بھی عالم کہتے ہیں جیسے عالم افلاک عالم عناصر البتہ عالم کے ہر فرد کو عالم نہیں کہتے چنانچہ عالم زید عالم بکر نہیں بولتے مناسبت دونوں معنی میں ظاہر ہے چونکہ اس عالم سے صانع کا وجود جانا جاتا ہے بعض کے نزدیک عالم اصل میں علم بمعنی علامت تھا الف کو اشباع کیواسطے زائد کر دیا چونکہ عالم وجود باری تعالیٰ پر علامت ہے اس وجہ سے یہ نام رکھ دیا۔ ابن عباسؓ اور بعضوں کے نزدیک ذوی العقول ثلثہ یعنے ملائکہ جن و انس کو عالم کہا جاتا ہے ان کے سوا کو عالم حقیقۃً نہیں کہتے بلکہ انکے غیر کو شمول بالتبع ہے۔ اس صورت میں عالم علم بمعنی ادراک سے مشتق ہوگا۔ بعض کے نزدیک عالم نفس انسان سے عبارت ہے اسوجہ سے انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں اگر کوئی کہے کہ رب عالم بمعنی جمیع ماسوا اللہ ہے تو پھر اسکا جمع بنانا کیا معنے رکھتا ہے۔ جواب اللہ کے ماسوا جتنی اجناس ہیں سب میں ایک چیز قدر مشترک ہے اسقدر مشترک کیلئے یہ موضوع ہے اس کا اطلاق ہر ایک جنس اور تمام اجناس پر ایسا ہے جیسا انسان کا اطلاق اسکے ہر فرد اور تمام افراد پر مثلاً جب انسان بولتے ہیں تو ایک انسان بھی مراد ہو جاتا ہے اور تمام انسان بھی اور عالم کا اطلاق بھی اس طرح پر ہے تو اس کی جمع لانا درست ہو گیا جیسے انسان کی جمع اناس اور قرین کی اقران آتا درست ہے اس جواب سے یہ معلوم ہو گیا کہ لفظ عالم کی جمع بنانا درست ہے رہی اس پر دلیل کہ مصنفؒ جمع کیوں لایا۔ رب العالم کیوں نہ کہا تو مصنفؒ کے اس لفظ کو جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اطلاق ایک جنس پر شامل ہو گیا۔ لہذا اگر مصنفؒ اس کو مفرد لاتا (باقی بر صفحہ ۵)

تو وہم ہوتا کہ اللہ کسی مخصوص جنس کا رب ہے اس خصوصیت کے وہم کو دور کرنے کیلئے مصنف اسکو جمع لایا اعتراض یہ تھا کہ تمام اجناس پر دال کا وہم تو اسوقت ہوتا جبکہ مصنف لام مضاف الیہ ذکر کرتا مثلاً کہتا عالم الحیوان اور مصنف نے مضاف الیہ ذکر نہیں کیا تو یہ وہم نہیں ہوتا جواب یہ درست ہے لیکن چونکہ لفظ باعتبار معنی کے تمام اجناس پر دال ہے تو مصنف نے چاہا کہ یہ لفظ جس طرح معنے کے اعتبار سے تمام اجناس پر دال ہے۔ لفظ کے اعتبار سے بھی تمام اجناس پر دال ہو۔ دوسرا جواب جمع نہ لانے کی صورت میں وہم سابق بالکلیہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اسم مفرد جب معرف بلام ہوتا ہے۔ تو جس طرح وہ شمول کیلئے ہوسکتا ہے اسیطرح عہد کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہو۔ لہذا وہم باقی رہتا ہے۔ لہذا مفرد لانے سے جمع لانا بہتر ہے نیز مصنف کا اسکو جمع لانا رعایت سجع کیواسطے بھی ہوسکتا ہے اور رعایت سجع قبل اور بعد دونوں میں مدنظر رکھنا جائز ہے۔ ماقبل کے ساتھ مخصوص نہیں جاننا چاہیے کہ رب کو رفع منصوب مجرور تینوں طرح پڑھنا درست ہے مجرور پڑھنے کی صورت میں صفت اور بدل الکل اور عطف بیان تینوں بنانا درست ہے لیکن صفت بنانے پر ایک اعتراض پڑتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ رب کی اضافت العالمین کی طرف لفظی ہے۔ کیونکہ رب صفت ہے جو کہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہے اور اضافت لفظی تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے رب العالمین نکرہ ہے اور معرفہ کی صفت نہیں بنتا لہذا رب العالمین کو لفظ اللہ کی صفت بنانا درست نہیں جواب اضافت لفظی میں یہ ضروری ہے کہ صفت بمعنی حال یا استقبال ہو اور رب یہاں پر زمانہ استمرار پر مشتمل ہے قاعدہ ہے کہ جب شرط فوت ہوجاتی ہے تو مشروط بھی فوت ہوتا ہے اس وجہ سے رب کی اضافت معمول کی طرف لفظی نہیں ہے بلکہ معنوی ہے جو مفید تعریف ہے اور جب معرفہ ہوگیا تو اس کا صفت بننا درست ہوگیا جواب ثانی اگرچہ اضافت لفظی کی ہیئت ترکیبیہ تعریف کا فائدہ مطلقاً نہیں دیتی لیکن اس ترکیب خاص میں معنی کے اعتبار سے تعریف کا فائدہ دے رہی ہے چونکہ رب العالمین کا مصداق خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور جب منصوب پڑھیں گے تو حال یا منادیٰ یا مدح کی بناء پر منصوب ہوگا اور جب مرفوع پڑھیں گے تو یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہوگا تقدیر عبارت ھو رب العلمین ہوگی قولہ

والعاقبۃ للمتقین العاقبۃ مرادفۃ لخیر والعاقبۃ خیر

۴ یعنی صفات محذوف ہے کیونکہ اشرف صفات محذوف نہ مانا جاوے اور اسکو مطلق رکھا جاوے تو عاقبت کے معنی انجام کے ہیں خواہ وہ شر ہو یا خیر۔ تو اسکے معنی ہوں گے کہ انجام متقین کیلئے ہے خواہ انجام شر ہو یا خیر۔ اور متقین کیواسطے انجام شر درست نہیں اس وجہ سے اس سے مراد حسن العاقبۃ ہے المتقین المتقی کی جمع ہے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افتعال سے لفیف مفروق ہے بمعنی پرہیزگار شریعت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے کو ان چیزوں سے باز رکھے جن میں عذاب اور سزا مقرر ہے۔ صوفیاء کے مسلک میں اس شخص کو متقی کہتے ہیں جو اپنے دل میں خطرات شیطانی نہ آنے دے اور امراء اور سلاطین سے قطع تعلق کرے اور اکثر اوقات حضرت ربانی کے استحضار کا مراقب رہے اور زہد ریائی سے ڈرتا رہے جسکا منشاء طول امل اور حرص ہے بعض نے کہا ہے کہ متقی وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو کسی سے اچھا نہ سمجھے۔ سوال ہوتا ہے کہ مصنف اس جملہ کو کیوں لایا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ جملہ اعتراضیہ ہے ایک نکتہ کے بیان کرنے کے لیے لایا ہے اس سے یا تو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اعمال میں تقویٰ ایک عمدہ عمل ہے یا اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ہلاکت سے نجات پانا بذریعہ تقویٰ ہی ہوسکتا ہے یا اس سے ایک وہم کو دور کرنا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہوتا تھا جس کی تقریر یہ ہے کہ جب مصنف نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو اس سے وہم ہوا کہ جب اللہ جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تو تمام جہانوں کیواسطے خیر عاقبت ہی ہے تو مصنف نے والعاقبۃ کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا کہ تمام جہانوں کی پرورش سے یہ لازم نہیں آتا کہ خیر عاقبت بھی سب کے واسطے ہو بلکہ خیر عاقبت پرہیزگاروں کیواسطے ہے یا مصنف نے اس جملہ کو اس امر پر تصریح کیواسطے لایا ہے کہ آخرت کی خیر اور درجات خاشعین کیواسطے ہیں۔ چونکہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو کان للعلم شرف بدون التقویٰ لکان الشیطان اعلیٰ منزلۃ۔ یعنی اگر علم کے واسطے بغیر تقویٰ کے کچھ شرف ہوتا تو شیطان سب سے بلند مرتبہ ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ خیر و درجات خاشعین کیلئے ہیں یا مصنف نے اس جملہ کو اس غرض سے لایا کہ مصنف کو تعمیم کے بعد تخصیص کرنی ہے اس طرح پر کہ جب مصنف نے متقین ذکر کیا تو نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم چونکہ اتقی الاتقیاء از ہد الزہد ہیں اس وجہ سے اس میں داخل ہوگئے۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام متقین میں سے نکالکر صلوٰۃ کیساتھ مخصوص کر دیا ایسا مصنف نے دو وجہ سے کیا ہے ایک کمال مدح کی بناء پر دوسرے اس وجہ سے کہ ہمت تقویٰ کی طرف پھرے **قولہ الصلوٰۃ**

جاننا چاہیے کہ صلوٰۃ مع تسلیم کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عقلاً اور نقلاً دونوں طرح پر ثابت ہے لیکن نقل تو اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما یعنی اے مومنو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام بھیجو نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اس میں دو چیزوں کا حکم ہے یعنی الحمد للہ اور سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اس کے نبی کے ذکر کا حکم دیا ہے رہا عقل کا تقاضا سو وہ بھی اس امر کو مقتضی ہے کہ حضور پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا چاہیے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے بہت بعید ہے چونکہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور انسان نہایت کثیف لہذا انسان جب حمد کا ہدیہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں پیش کرے تو ضروری ہے کہ اس انسان اور خدا کے درمیان ایک ذات ہو جس کا تعلق دونوں سے ہو تاکہ اس قبول ہدیہ سے جو رحمت نازل ہو اس کیلئے یہ واسطہ بن جاوے کیونکہ فیض مالی کا پہنچنا مستفیض کیطرف اکثر بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں واسطہ کی ضرورت ہے ایسی ذات ہمارے لئے فقط حضور کی ذات ہے، اس وجہ سے ضروری ہوا کہ حضور پر صلوٰۃ وسلام کی دعا کی جاوے۔ جاننا چاہیے کہ یہ ہماری تقریر قولہ تعالیٰ نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے منافی نہیں کیونکہ اسی آیت سے جو قربت مفہوم ہوتی ہے۔ وہ قدرت کے اعتبار سے ہے بندہ کا بعد جو خدا سے ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے لائق بندوں کے اعمال نہیں لہذا قربت دوسرے اعتبار سے ہے اور بعد دوسرے اعتبار سے اسلئے ان دونوں میں کچھ منافات نہیں کہ خدا بندے سے قریب ہو اور بندہ خدا سے بعید ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے یعنی وجہ عقلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندوں کے درمیان احکام پہنچانے میں سفیر ہیں۔ لہذا آپ بندوں کے واسطے افادہ وارین کے حصول کیلئے وسیلہ ہیں تو جب حمد کیجاوے تو آپ پر صلوٰۃ کی جاوے تیسری وجہ یہ ہے کہ مصنف نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا کی تکمیل ہو جاوے اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ثنا کی چونکہ آپ کی ثنا فی الحقیقت خداوند تعالیٰ کی ثنا ہے جیسا کہ آپکا اتباع خدا تعالیٰ کا اتباع ہے۔ نیز صلوٰۃ کو لاکر مصنف نے اس امر پر تنبیہ کرنا چاہا ہے کہ یہ تالیف اہل اسلام کی تالیفات سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام مومنین کے خواص میں سے ہے بخلاف حمد کے کہ یہ مسلمان اور دوسرے سب آدمی کرتے ہیں۔ جاننا کہ لفظ صلوٰۃ اصل میں صلوٰۃ تھی فتحوں کے ساتھ تھا بوجہ واؤ متحرک ہونیکے اور ماقبل کے فتح کے واؤ کو الف سے بدلا صلوٰۃ ہوگیا اس کے الف کی کتابت واؤ کیساتھ مشہور ہے۔ صاحب فصول اکبری نے اصول میں کہا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور ایسے ہی مشکوٰۃ اور الربوٰ ان سب کے الف کو واؤ کیساتھ لکھا جاتا ہے کیونکہ ان کلمات کو تفخیم کیساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی واؤ کی طرف مائل کرکے پڑھا جاتا ہے۔ البتہ جب ان کی اضافت کی جاتی ہے تو الف سے لکھے جاتے ہیں جیسے صلاتی (باقی بر صفحہ ۶)

نیز انکی کتابت الف کیساتھ غیر حالت اضافت میں بھی واقع ہے اسی وجہ سے قرآن شریف میں عن صلاتہم ساہون جو الف سے لکھا ہوا ہے اس پر اعتراض نہ ہوگا۔ اگرچہ اسکا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کے رسم الخط کا اعتبار نہیں کہ اس کا رسم الخط عام لوگوں کے رسم الخط سے جدا ہے واللہ اعلم جاننا چاہیے کہ صلوٰۃ تصلیہ کا اسم ہے اسی وجہ سے یہ مفعول مطلق واقع ہوسکتا ہے عبداللہ بن عباسؓ اور انکے تابعین کے نزدیک یہ لفظ مشترک لفظی ہے جب خدا تعالےٰ کیطرف منسوب ہوتا ہے خواہ کلام الٰہی میں ہو خواہ کلام ناس میں فقط رحمت کے معنے ہوتے ہیں اور جب ملائکہ کیطرف منسوب ہو تو دعا کے معنی میں ہیں اور جب طیور و ہوام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اسکے معنی تسبیح کے ہیں بعض محققین کے نزدیک مشترک معنوی ہے عظمت اور افادہ خیر کے واسطے موضوع ہے۔ یہ افادہ خیر مذکورہ بالا سب معانی پر صادق آتا ہے یہاں پر مراد یہ ہے کہ اللہ آپکو دنیا میں عظمت بخشے۔ ذکر کے بلند کرنے اور اسلام کی ترقی سے اور آخرت میں امت کے واسطے شفیع کرنے سے اور اعمال کا دوچند ثواب دینے کیساتھ السلام لفظ سلام کے لغت میں دو معنی ہیں ایک معنے تسلیم اور دوسرے معنے عیبوں سے بچا ہوا ہونا مصنفؒ چونکہ متاخرین میں سے ہے اسوجہ سے تصلیہ کیساتھ تسلیم بھی ذکر کرتا ہے **قولہ رسولہ** رسول لغت میں بمعنی مرسول ہے اور اصطلاح میں اس انسان کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ نے مخلوق کی طرف احکام پہنچانے کیلئے مبعوث کیا ہو۔ اور اس کے ساتھ نئی کتاب اور نئی شریعت ہو اور نبی عام ہے یعنی اسکے مفہوم میں کتاب اور شریعت کی شرط نہیں یہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے اللہ تعالیٰ کا قول وما ارسلنا قبلک من رسول ولا نبی اس پر دلیل ہے اعتراض رسول کی یہ تعریف آدم علیہ السلام پر صادق نہیں آتی چونکہ وہ مخلوق کی طرف مبعوث نہ تھے اسوجہ سے کہ جب وہ مبعوث ہوئے انسان نہ تھے۔ بلکہ انکی بعثت کے بعد مخلوق وجود میں آئی جواب مخلوق کی طرف انکا تعلق احکام پہنچانے کے اعتبار سے ہے پہنچنے کیساتھ نہیں یعنی تعریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اس انسان کو کہتے ہیں جسکو اللہ تعالےٰ نے اس غرض سے بھیجا ہو کہ وہ مخلوق کو احکام پہنچا دے جاننا چاہیے کہ اس مقام پر بڑا اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ رسولوں کی گنتی جیسا کہ حدیث میں تین سو تیرہ ہیں اور کتابوں کا شمار ایک سو چار باوجود اس کے ایک رسول پر متعدد کتب اور صحیفے نازل ہوئے ہیں تو اگر اسکا نزول ہر رسول پر ضروری ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو چاہیے کہ کتابوں کی گنتی رسولوں سے کم نہ ہو۔ حالانکہ امر بالعکس ہے ایسے ہی اگر نئی شریعت کا ہونا ہر رسول کیساتھ ضروری ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو لازم آتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رسول نہ ہوں کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ان کی شریعت پر تھی نئی شریعت نہ رکھتی تھی جیسا کہ صاحب بیضاوی نے وکان رسولا نبیا کے تحت میں بیان کیا ہے شارح مواقف نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ رسول میں معتبر کتاب کا ساتھ ہونا ہے اگرچہ اس پر نازل نہ ہوئی ہو پس ہوسکتا ہے کہ ایک کتاب متعدد رسولوں کے ساتھ ہو اگرچہ نازل ایک پر ہی ہوئی ہو یا مکرر نازل ہوئی ہو جیسا کہ سورۂ فاتحہ مکہ شریف میں ایک دفعہ اور بمکہ دفعہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی اس تقدیر پر ایک شخص کی تخصیص کسی کتاب کے ساتھ اول نزول کے اعتبار سے ہوگی۔ لیکن جاننا چاہیے کہ یہ دونوں جواب محض احتمال عقلی ہیں جن کا روایت کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہیں معتزلہ کا مذہب اس میں یہ ہے کہ نبی اور رسول دونوں متحد بالذات اور مغائر بالاعتبار ہیں لیکن مذکورہ بالا آیت اور قولہ تعالیٰ وکان رسولا نبیا اس کے خلاف دلالت کرتی ہے بعض کے نزدیک رسول عام ہے اور نبی خاص چونکہ رسول انسان اور فرشتہ دونوں کو شامل ہے بخلاف نبی کے کہ وہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے اس معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول سے ہوتی ہے وہ یہ ہے وکان رسولا نبیا بعض کے نزدیک کتاب اور نئی شریعت کا نہ ہونا نبی کے مفہوم میں شرط ہے اس تقدیر پر دونوں کے درمیان تباین ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ محمدؐ** جب اس کو مجرور پڑھا جاوے تو بدل یا عطف بیان ہوگا بندے کے نزدیک عطف بیان بنانا بدل بنانے سے اولےٰ ہے۔ کیونکہ بدل کی صورت میں رسولہ مقصود نہ رہیگا حالانکہ اسم گرامی سے زیادہ یہ وصف محمود مقصود ہے کما لا یخفیٰ اور جب اس کو مرفوع پڑھا جاوے تو مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی بنا بر حال کے نصب پڑھنا بھی جائز ہے لغت میں اسکے معنی ہیں بہت تعریف کیا ہوا چونکہ یہ تحمید سے ماخوذ ہے جسکے معنی بہت تعریف کرنا ہے یہاں باب تفعیل مبالغہ کیلئے حضور پر نور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القریشی الابطحی المکی کا اسم گرامی ہے۔ حضورؐ کی ذات گرامی کا اسم اس لفظ کے ساتھ اسوجہ سے رکھا گیا ہے کہ حضورؐ کی ذات بہت ہی زیادہ محمود ہے صلی اللہ علیہ وسلم فاضل اسفرائنی نے اطول میں لکھا ہے کہ حمد سے دو نام مبالغہ کے واسطے مشتق ہوئے ہیں ایک محمد جو محمود کے مبالغہ کیواسطے ہے اور دوسرا احمد جو حامدیت کے مبالغہ کیلئے **قولہ وآلہ** لفظ آل میں دو بحثیں ہیں ایک بحث باعتبار لفظ کے اور دوسری بحث باعتبار معنے کے اور مصداق کے آل اسم جمع ہے سیبویہ کے نزدیک اصل اسکی اہل ہے ہا کو قیاس کیخلاف الف سے بدلا ہے دلیل اس پر اہیل ہے جو اسکی تصغیر ہے اور بصریوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور کوفی کہتے ہیں اصل اسکی اول ہے واو کو الف سے بدلا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اسکی تصغیر اویل آتی ہے چنانچہ کوفیوں میں سے کسائی کہتا ہے کہ میں نے ایک فصیح اعرابی سے آل واویل واہیل سنا ہے اصمعی لغوی سے بھی یہی منقول ہے آل اور اہل میں کئی طرح سے فرق کیا جاتا ہے ایک فرق تو یہ ہے کہ آل کی اضافت ذوی العقول کیطرف کی جاتی ہے چنانچہ یہ اللہ اور حق اور زمان اور مکان اور معانی اور حروف کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ آل اللہ وآل الحق وآل الزمان وآل المصر وآل العلم وغیرہ نہیں کہتے بخلاف اہل کے کہ وہ ان سب کے ساتھ متصل ہوتا ہے دوسرا فرق اسکی اضافت ذوی العقول میں بھی ذکور کیطرف کی جاتی ہے بخلاف اہل کے کہ اسکی اضافت ذکور اور اناث سب کی طرف درست ہے تیسرا فرق یہ ہے کہ ذکور میں سے بھی اشراف اور ارباب عظمت کی طرف مضاف ہوتا ہے چنانچہ آل حالانکہ نہیں بولا جاتا بخلاف اہل کے کہ یہ عام ہے چوتھا فرق یہ ہے کہ اس کی اضافت ضمیر کی طرف نادر ہے بخلاف اہل کے کہ اسکی اضافت ضمیر کیطرف نادر نہیں جاننا چاہیے کہ آل کے معنی لغت میں کنبہ کے ہیں لیکن آل النبیؐ کے مصداق میں اختلاف ہے اس میں پانچ مذہب ہیں اول مبنی اتباع یہ جابرؓ بن عبداللہ اور سفیانؒ الثوری کا مذہب ہے بعض اصحاب شافعی نے بھی اسکو پسند کیا ہے نوویؒ اور ازہریؒ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے دوم بمعنے بنو ہاشم اور بنو المطلب یہ شافعیؒ کا مذہب ہے سوم بمعنے بنو ہاشم فقط یہ امام اعظمؒ کا مذہب ہے بعض مالکیہ کا بھی یہی معیار ہے۔ چہارم بمعنی ازواج وبنات وداماد آنحضرتؐ اور آپکی اولاد اور بعض کے نزدیک خادم بھی داخل ہیں پانچواں قول اہلبیت جبکہ اول معنی مراد لیے جائیں اسوقت صحابہؓ کا ذکر عطف الخاص علی العام کے طور پر ہوگا **قولہ اصحابہ** صحب کی جمع ہے نہ صاحب کی چونکہ فاعل کی جمع افعال نہیں آتی صاحب رسولؐ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حضورؐ کے دیدار سے حالت اسلام وایمان میں مشرف ہوا ہو۔ اور خاتمہ اسکا ایمان پر ہوا ہو واللہ اعلم بالصواب اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیہ ولجمیع المسلمین۔

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ جُمِعَتْ فِيهِ مُهِمَّاتُ النَّحْوِ عَلٰى تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ

قولہ اما بعد اما حرف ہے کیلئے آتا ہے اس کے استعمال کے دو طریق ہیں ایک استیناف کیلئے جبکہ اس سے پہلے اجمال ذکر نہ ہو نہ خارجاً نہ ذہناً اور وہ اما جو اوائل کتب میں واقع ہے اسی قسم میں داخل ہے دوسرے اس شے کی تفصیل کیواسطے آتا ہے جس کو متکلم پہلے اجمالاً ذکر کرے خواہ خارج میں یا ذہن میں۔ یہاں پر استیناف کیلئے ہے چونکہ اس سے پہلے اجمال نہیں ہے اس کی اصل میں اختلاف ہے جس کی تحقیق بحث اما میں انشاء اللہ تعالےٰ اسی کتاب میں آوے گی۔ بعد مبنی علی الضم ہے چونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف معنوی ہے اصل میں عبارت یوں تھی۔ اما بعد البسملۃ والحمدلۃ والصلوٰۃ واللہ اعلم **قولہ فہذا مختصر** فاما کے جواب میں ہے کلمہ ہذا مشار الیہ محسوس کی طرف اشارہ کرنے کیواسطے موضوع ہوا ہے۔ یہاں اس کے مشار الیہ میں سات احتمال ہیں معانی یا الفاظ یا نقوش یا دونوں کا مجموعہ یا تینوں کا مجموعہ اگر نقوش کی طرف اشارہ ہو اس وقت اگر خطبۃ الحاقیہ ہو یعنی خطبہ تصنیف کے بعد لکھا ہو جیسا کہ بعض مصنفین کا دستور ہے تو اس وقت مشار الیہ اس کا محسوس ہوگا۔ اور اگر خطبہ ابتدائیہ ہو یعنی تصنیف سے پہلے اسکو لکھا ہے تو اس وقت اگر مشار الیہ نقوش محض کو ہی قرار دیا جائے تب بھی یہ اشارہ محسوس کی طرف نہ ہوگا چونکہ نقوش اس وقت خارج میں محسوس موجود تھے اور اگر معانی یا الفاظ دونوں کے مجموعہ یا الفاظ اور نقوش کے مجموعہ یا معانی اور نقوش کے مجموعہ یا تینوں کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہو تو بھی اشارہ محسوس کی طرف نہ ہوگا بلکہ معقول کی طرف ہوگا خواہ خطبہ الحاقیہ ہو یا ابتدائیہ چونکہ یہ خارج میں محسوس موجود نہیں جیسا کہ ظاہر ہے رہا یہ امر کہ مصنفؒ نے اس لفظ سے امر معقول کی طرف اشارہ کیوں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ سے امر معقول کی طرف اشارہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اس سے اس امر معقول کے کمال ظہور پر تنبیہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے طالبین کو اس امر کے حاصل کرنے کی رغبت بڑھ جاتی ہے یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب معانی کیلئے اشارہ ہوگا تو ہذا کا مطلب ہوگا کہ یہ کلام نفسی ہے۔ اور جب الفاظ کی طرف اشارہ ہوگا تو ہذا کا مطلب ہوگا کہ یہ کلام لفظی قول مصنفؒ مختصر ہذا کی خبر ہے مختصر اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کی عبارت تھوڑی ہو۔ اور معنی بہت ہوں اور مضبوط مختصر کی صفت ہے یعنی یہ معانی یا الفاظ جو حشو و تطویل سے محفوظ ہیں مختصر کلام ہیں حشو اس زائد کلام کو کہتے ہیں جو مقصود میں خلل انداز اور بے فائدہ ہو۔ اور تطویل اس زائد کلام کو کہتے ہیں جو مقصود میں خلل انداز نہ ہو اور فائدہ رکھتا ہو اور فی النحو ظرف مستقر ہے جو مرفوع ہے وصفیت کی بنا پر یعنی مختصر کی صفت بعد صفت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم نحو میں ثابت ہے۔ اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ یہاں ظرف مظروف مرکب ہے اور شی واحد ان واحد میں ظرف مظروف نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مختصر کا ظرف مظروف ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ جواب اصل میں عبارت فیہ النحو ہے ضمیر مجرور کو یہاں حذف کرکے فاعل ظرف اسکے قائم مقام کر دیا۔ جب عبارت اس طرح پر ہوگی تو اعتراض مذکور لازم نہیں آتا چونکہ مختصر کا مظروف بننا لازم نہیں آتا بلکہ مختصر مظروف ہوگی اور نحو ظرف عبارت کا مطلب یہ ہوگیا کہ یہ مختصر کلام حشو و تطویل سے محفوظ ایسا ہے جس میں علم نحو حاصل ہے واللہ اعلم **قولہ جمعت فیہ** یہ جملہ بھی مختصر کی صفت بعد صفت ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مختصر سے حال ہو اور اس وقت عامل اس میں معنی اشارہ ہے۔ اور اس جملہ میں مہمات مہم کی جمع ہے۔ یا مہم کی ہمت بمعنی قصد سے ماخوذ ہے۔ ہم بمعنی رنج سے ماخوذ نہیں۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے لیکن اول اولیٰ ہے یہاں پر اس سے مراد نحو کے مقاصد جزئیہ اور مسائل ہیں اور اگر ہم سے ماخوذ ہو تو بمعنے مشکلات ہیں اس وقت اس سے مراد مشکل مسائل ہیں چونکہ مہمات جمع مونث سالم ہے اور اسکا اعراب حالت نصبی اور جری میں یکساں ہوتا ہے یعنی کسرہ کے ساتھ اور یہاں پر جمعت کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اس وجہ سے کسرہ کے ساتھ اس کا اعراب ہوگیا اس مقام پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں اول کی تقریر یہ ہے جبکہ فی النحو تقدیر میں فیہ النحو کی ہے تو اس سے مستفاد ہوا کہ اس مختصر میں نحو ہے اور جمعت فیہ بھی اس پر دال ہے۔ کہ اس مختصر میں مصنفؒ نے نحو کے مسائل جمع کئے ہیں تو دونوں کا ایک مطلب ہوا۔ جب دونوں کا مطلب ایک ہوا اب سوال یہ ہوا کہ مصنفؒ نے ایسا کس نکتہ کی بنا پر کیا کیونکہ اگر اس میں کوئی نکتہ نہ ہو تو مصنفؒ کی یہ عبارت مستدرک اور فضول ہے جواب یہ عبارت ماقبل عبارت کے واسطے بیان ہے اس سے غرض ایک وہم کا دور کرنا ہے چونکہ جب مصنفؒ نے کہا کہ فیہ النحو یعنی اس مختصر میں نحو ہے یعنی اس مختصر میں علم نحو کے مسائل ہیں تو وہم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مختصر کیسے ہو سکتی ہے بلکہ مطول ہوگی۔ چونکہ مہمات اور زوائد دونوں کو شامل ہے جب یہ وہم ہوا تو مصنفؒ نے جمعت فیہ کی عبارت کو بڑھا دیا تاکہ وہم مذکورہ بالا دفع ہو جاوے تقریر دفع یہ ہے کہ یہ کتاب مختصر ہے اور مطول نہیں چونکہ اس میں نحو کے مقصودات ہی بیان کئے گئے ہیں جو تطویل کے منافی ہیں۔ دوسرے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مصنفؒ کو مہمات النحو کی بجائے مہامہ کہنا چاہیے تھا۔ چونکہ جس کا ذکر ایک مرتبہ پہلے ہو چکے تو اس کی جگہ ضمیر لاتے ہیں مصنفؒ نے یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کیوں رکھا۔ جواب اسم ظاہر کا ضمیر کی جگہ میں لانا زیادت تمکن کی وجہ سے ہوا ہے۔ یعنی اگر یہ مہماتہ کہتے میں اختصار زیادہ تھا۔ لیکن اس طرح کہنے پر ذہن میں خوب جگہ پکڑنا حاصل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے مہماتہ نہیں کہا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لے آئے **قولہ علی ترتیب الکافیۃ**۔ لفظ الکافیہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ کافیہ کتاب کا نام ہوگا اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے نحو کے مسائل کو اس مختصر میں کتاب کافیہ کی ترتیب سے ملا ہوا جمع کیا ہے۔ کافیہ شیخ جمال الدین ابن حاجب کی کتاب کا نام ہے جو کہ علم نحو میں ہے۔ یہاں پر دو باتوں میں غور کرنا ہے ایک یہ کہ مصنفؒ نے کافیہ کی ترتیب پر کیوں جمع کیا۔ دوسرے ہم کو اس بات کی کیوں اطلاع دی گئی بات یعنی مصنفؒ کا اس کتاب کو کافیہ کی ترتیب پر لکھنا تو اس وجہ سے ہوا ہے کہ کافیہ ایسی ترتیب پر واقع ہے جس کو۔ (باقی بر صـ ۸)

مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا

طبیعت سلیم تقاضا کرتی ہے۔ نیز عند اللہ بھی بڑی مقبول ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے چاہا کہ میں بھی اپنی اس مختصر کو اسی ترتیب پر لکھوں تاکہ یہ کتاب بھی اسی طرح مقبول ہو جاوے اور قواعد میں بہترین ہو رہا مصنفؒ کا ہم کو اطلاع دینا کہ یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر مرتب ہے تو اس وجہ سے ہوا کہ ذہنوں میں اسکی عظمت جاگزین ہو کیونکہ جب کسی عظیم الشان شے کی طرف نسبت کرتے ہیں تو منسوب الیہ منسوب کی عظمت کا موجب اور باعث ہو جاتا ہے چنانچہ کعبہ کو بیت اللہ اسی وجہ سے کہتے ہیں اور جب اذہان اسکو مہتم بالشان سمجھنے لگیں گے تو اسکی طرف متوجہ اور ملتفت ہونگے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی کافیہ کی طرح مشارق اور مغارب میں مشہور ہے اور تمام اسلامی درسگاہوں میں داخل درس ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح کافیہ میں اول بحث اسم واقع ہے۔ پھر بحث فعل پھر بحث حرف اور بحث اسم میں پہلے مرفوعات اور پھر منصوبات اور پھر مجرورات کی ابحاث ہیں اسی طرح اس مختصر میں واقع ہیں۔ ایک اعتراض ہوتا ہے۔ کہ کافیہ میں بہت سے ایسے مسائل مذکور ہیں جو اس مختصر میں نہیں جیسا کہ تضمن مبتدا معنی شرط کا مسئلہ لہذا یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر نہ ہوئی۔ چونکہ اس کی ترتیب پر ترتیب ہوتی جب اس میں تمام مسائل ہوتے جواب عبارت فی ترتیب کافیہ سے مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ جو کچھ اس مختصر میں مذکور ہے وہ کافیہ کی ترتیب پر ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ جو کچھ کافیہ میں مذکور ہے ان سب کے اعتبار سے یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر واقع ہے کیونکہ یہ کتاب مختصر ہے اگر اس میں کافیہ کے سارے مسائل ہوں تو پھر [illegible] نہ رہے گی۔ اعتراض اس مذکورہ بالا بیان پر کہ یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر نہیں کیونکہ اس میں بعض مسائل جو کافیہ میں مقدم ہیں مثلاً مسئلہ منادی مسئلہ تحذیر سے اس میں مؤخر ہے اور [illegible] میں مسئلہ تحذیر [illegible] منادی سے مؤخر ہے نیز اسم فعل حرف کی تعریف اور اسکے خواص اس مختصر میں شروع میں ہیں۔ اور کافیہ میں ہر ایک اپنی اپنی بحث میں مذکور ہے لہذا یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر پھر [illegible] نہ ہوئی نیز مقدمۃ الکتاب نحو کی تعریف اور غرض اور موضوع کے بیان اس مختصر میں ہے اور کافیہ میں نہیں ہے ایسے ہی اور بہت سے مسائل میں لہذا پھر یہ کہنا کہ یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر مرتب ہے سراسر غلط ہے جواب کافیہ کی ترتیب پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اقسام اور بحاث کلیہ میں یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ ابحاث جزئیہ میں بھی کافیہ کی ترتیب پر ہے۔ اور اس مراد مذکورہ کے اعتبار سے یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر ہے۔ رہا حدود و تعریف و خواص سے اعتراض تو یہ بھی نہیں پڑتا چونکہ یہ امور کافیہ کے شروع میں موجود ہیں کیونکہ یہ امور دلیل حصر سے سمجھے جاتے ہیں چونکہ حدود کتاب میں واقع ہے لہذا حدود کے اعتبار سے تو کافیہ کی ترتیب پر ہے ایسے ہی اسم کے خواص بھی صدر کتاب میں ہیں۔ البتہ حروف و فعل کے خواص کو مصنفؒ نے اسم کے اتباع سے نہیں ذکر کر دیا رہا مقدمہ تو یہ شروع کے لیے تمہید ہے جس میں نہ مختصر کے مسائل ہیں نہ کافیہ کے بلکہ جملہ معترضہ کی مانند ہے جو مسقوط کے حکم میں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ مختصر ہر طور سے کافیہ کی ترتیب پر واقع ہے غرضیکہ مصنفؒ کی عبارت الکافیہ میں کتاب کافیہ مراد لینے پر مذکورہ بالا مطلب ہوگا اور علی ترتیب میں باعتبار ترکیب کے چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ جمعت کے متعلق ہو دوسری یہ کہ مختصر کی صفت واقع ہو۔ تیسرے یہ کہ مہمات النحو سے حال ہو نیز جاننا چاہیئے کہ در صورت اول ترجمہ ہوگا کہ میں نے اس مختصر میں نحو کے مقاصد کو کافیہ کی ترتیب پر جمع کیا صورت ثانی میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اس مختصر میں جو کافیہ کی ترتیب پر ہے تیسری صورت میں یہ معنی ہونگے کہ جمع کیا میں نے اس مختصر میں نحو کے مقاصد کو درانحالیکہ اسکا بیان قواعد کافیہ کی ترتیب پر شامل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مختصر سے حال ہو یا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہو۔ یعنی جمعت جمعا مشتملا علی ترتیب الکافیۃ الکافیۃ کی تا یا تو تانیث کی ہے اس وقت موصوف مقدر ہوگا یعنی الرسالۃ الکافیۃ یا مبالغہ یا حکایت کیلئے اس طور سے کہ مصنفؒ نے اس لفظ کو دوسری جگہ سے نقل کیا ہے یا اسمیت کی ہے اس طور پر کہ کلمہ کے حروف سے ہو کیونکہ یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کیطرف منقول ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ الکافیہ کتاب کا نام نہ ہو۔ بلکہ اپنے حقیقی معنی پر ہو کہ موصوف محذوف کی صفت ہو یعنی القواعد الکافیہ یا اسم فاعل کے وزن پر مصدر ہو جیسے **قولہ تعالیٰ** لیس لوقعتہا کاذبۃ ویل تری لہم من باقیہ میں اسم فاعل بمعنی مصدر ہے اس صورت میں احتمال ہے کہ مہمات النحو سے حال ہو یا مختصر کی صفت واقع ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ کافی قواعد کی ترتیب پر شامل ہے ثانی پر یہ معنی ہونگے کہ ان میں قواعد کافی رکھے گئے ہیں یا وہ مختصر کفایت کی وضع پر ثابت ہے۔ **قولہ مبوبا و مفصلا** ان دونوں صیغوں میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ صیغہ اسم فاعل ہو بکسر الواؤ و الصاد دوسری یہ کہ اسم مفعول کا صیغہ ہو۔ بفتح الواؤ و الصاد۔ اول صورت میں دونوں ضمیر مفرد سے جو جمعت کے اندر ہے۔ حال ہوں گے اور دوسری صورت میں فیہ کی ضمیر مجرور سے مبوب تبویب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں باب باب کرنا کسرہ کی صورت میں اسکے معنی ہونگے باب باب کرنے والا اور فتح کی صورت میں باب باب کیا ہوا۔ اور مفصلا تفصیل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فصل فصل کرنا کسر صاد کی صورت میں اسکے معنی ہونگے فصل فصل کرنیوالا۔ اور فتح صاد کی حالت میں فصل فصل کیا ہوا ہونگے۔ جب جمعت سے حال ہوں گے۔ تو یہ معنی ہونگے کہ جمع کیا میں نے ایسی حالت میں کہ میں باب باب اور فصل فصل کرنیوالا تھا اور جب فیہ کی ضمیر سے حال واقع ہونگے تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے اس میں مہمات نحو کو جمع کیا۔ درانحالیکہ یہ مختصر باب باب اور فصل فصل کیا ہوا ہے یعنی یہ مختصر ابواب اور فصول پر مشتمل ہے غرضیکہ جب الکافیہ سے مراد کتاب کافیہ ہو۔ اور کافیہ کی ترتیب پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ نفس کافیہ کے ڈھنگ پر ہے۔ تو مصنفؒ کا یہ قول بمنزلہ استثناء ہوگا یعنی نفس کافیہ کے طرز پر ہے لیکن اس میں ابواب اور فصول مقرر کئے ہیں اور اگر کافیہ کی ترتیب ہونے سے مراد ترتیب بالکلیہ ہے۔ تو چونکہ قواعد کلیہ بھی مبوب اور مفصل ہیں جیسا کہ ادنے ملاحظہ سے معلوم ہو کتاب ہے تو مصنفؒ کا تبویب اور تفصیل کا ذکر کرنا محض مدعی کے انکشاف کے واسطے ہوگا اور بمنزلہ استثناء نہ ہوگا۔ باب کے معنے لغت میں (باقی برصفحہ)

بعبارۃ واضحۃ مع ایراد الامثلۃ فی جمیع مسائلہا من غیر تعرض للادلۃ والعلل

گھر کے دروازے کے ہیں۔ اور فصل بمعنی قطع اور اصطلاح میں قواعد کلیہ کے اعتبار سے کتاب کا جو حصہ ہوتا ہے اس کو باب کہتے ہیں اور کلام کے اس حصہ کو جو ایسے دو مشترک کلاموں کے درمیان لایا جاوے۔ جس میں قدر مشترک مفہوم کلی ہو اور خواص اور بعض امور جزئیہ میں وہ دونوں کلام باہم مخالف ہوں تو اسکو فصل کہتے ہیں۔ جیسے فاعل اور مبتدا کہ دونوں مفہوم کلی یعنی مرفوعیت میں مشترک ہیں۔ اور مفہوم جزئی میں مخالف۔ چنانچہ فاعل عامل لفظی کا معمول ہے اور مبتدا عامل معنوی کا ایسے ہی دونوں خواص میں مختلف ہیں۔ تو ان دونوں کے جدا کرنے کے واسطے کلام کا جو حصہ لایا جاتا ہے اس کا نام فصل ہے لہذا یہ امر اس پر تنبیہ کرنے کیلیے لایا جاتا ہے کہ اس کے مابعد کا کلام ماقبل کے ساتھ مفہوم کلی میں شریک ہے اور خواص اور بعض امور جزئیہ میں مختلف لہذا کتاب بمنزلہ خانہ کے ہے۔ اور باب بمنزلہ دروازے کے اور فصول بمنزلہ تعلیم اور تعلیم کی کوٹھریوں کی مصلحت کی بناء پر کتاب کو ان اقسام یعنی ابواب و فصول کی طرف منقسم کر دیئے ہیں وہ مصلحت وہ خرمی اور خوشی اور مسرت و فرحت ہے جو کتاب کے کسی باب یا فصل کے ختم کر دینے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

قولہ بعبارۃ واضحۃ العبارت لغت میں خوابوں کے معنے بیان کرنے کو کہتے ہیں ویقال عبر تہا عبارۃ ای فسرتہا بجر الفاظ کہ معنی پر دلالت کرتے ہیں ان کو عبارت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ الفاظ ان معانی کے جو نفوس انسانیہ میں مضمر اور مستور ہیں مفسر ہیں۔ واضحۃ وضاحت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں روشن ہونا مطلب یہ ہے کہ ایسی عبارت کے ساتھ جمع کیا جس کے معنی صاف اور روشن ہیں اور اس سے معنی کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور پہلی ہی نظر میں سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مصنفؒ نے اپنے قول بعبارۃ واضحۃ سے ایک وہم کا ازالہ فرمایا ہے چونکہ جب مصنفؒ نے علی ترتیب الکافیہ کہا۔ تو اہم ہوا کہ اس مختصر کی عبارت بھی کافیہ کے ہی مانند ہوگی تو مصنفؒ نے اس کے دور کرنے کے لیے فرمایا کہ عبارت اس مختصر کی واضح ہے کافیہ کی عبارت کی طرح معلق نہیں۔ **قولہ مع ایراد الامثلۃ** مع مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منصوب ہوا کرتا ہے باعتبار متعلق کے یا واضحۃ سے متعلق ہے یا عبارۃ کی صفت ہے ایراد مصدر ہے اس کے معنی ہیں لانا۔ اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے امثلۃ مثال کی جمع ہے جیسے ائمہ امام کی۔ مثال اس شئ کو کہتے ہیں جس کو قاعدہ کی ایضاح کے لئے لایا جاوے اور شاہد اس کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں دیکھی چیز کو دوسرے کے سامنے پیش کرے اثبات قاعدہ کی غرض سے بیان کیا جاوے مثال اور شاہد میں عموم و خصوص مطلق ہے ہر وہ شے جو شاہد بننے کے قابل ہوتی ہے مثال بن سکتی ہے اور جو شے مثال ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ شاہد بھی ہو کیونکہ کسی مسئلہ کا ثابت کرنا ہر کلام سے ممکن نہیں ہے بخلاف ایضاح مسئلہ کے کہ وہ ہر کلام سے ہو سکتا ہے شاہد چونکہ مقتدا ہوتا ہے لہذا اس کا پہلے سے ہونا ضروری ہے وہ قرآن مجید فرقان حمید یا احادیث سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم یا اس شخص کے کلام سے جس کی عربیت پر وثوق کامل اور اعتماد کلی حاصل ہو۔ **قولہ فی جمیع مسائلہا** فی بیان لام اختصاص کے معنی میں ہے۔ اور مسائل مسئلہ اسم ظرف (بمعنی جائے سوال وقت سوال) کی جمع ہے اصطلاح شرع میں مسئلہ کہتے ہیں کسی امر کی نسبت اللہ تعالیٰ یا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم یا مجتہدین کی رائے کی طرف کرنے کو اور اہل فنون کی اصطلاح میں مسئلہ کہتے ہیں اثبات محمل للموضوع بالدلیل یا بلا دلیل بیان کرے کو مسائلہا کی ضمیر مجرور میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ مہمات النحو کی طرف راجع ہو اس وقت کچھ اشکال نہیں دوسرے یہ کہ مختصر کی طرف پھرتی ہو۔ البتہ اس وقت یہ اشکال ہوتا ہے کہ ضمیر مؤنث مذکر کی طرف کیسے راجع ہو سکتی ہے چونکہ راجع اور مرجع میں مطابقت . . . . . .

ضروری ہے۔ اس اشکال کے دفع کرنیکی دو صورتیں نکالی ہیں۔ ایک یہ کہ مختصر کافیہ کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے مؤنث ہے چونکہ کافیہ مؤنث ہے اگرچہ اس میں تاء مبالغہ کے لیے ہے۔ لیکن تانیث کے معنی سے مبالغہ کی صورت میں خارج نہیں ہوتی یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر کافیہ کی طرف راجع ہے نہ مختصر کی طرف۔ چونکہ مختصر کے مسائل بعینہ کافیہ کے مسائل ہیں۔ لہذا مختصر کے مسائل کی مثال لانا گویا کہ کافیہ کے مسائل کی مثال لانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ضمیر مختصر کی طرف راجع ہے بتاویل رسالہ حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ کہتا ہے کہ میں نے تمام مختصر کے مسائل کی امثلہ پیش کی ہیں۔ لیکن یہ کہنا اغلب کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض مسائل کی مثالیں نہیں بھی بیان کیں۔ **قولہ من غیر تعرض للادلۃ والعلل** تعرض اور اعتراض دونوں کے معنی اقدام علی الشئ (کسی شئے کے آگے آنا اور درپے ہونا) ہیں ادلہ دلیل کی جمع ہے جیسے اجنہ جنین کی دلیل کے معنی لغت میں راہ نمائیدہ یعنی راستہ بتانیوالے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں وہ شئے ہے کہ جس کے جاننے سے دوسری چیز کا جاننا لازم آجاوے۔ اس معنی پر دلیل شے مفرد ہوگی۔ مناطقہ کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو دو مقدموں سے مرکب ہو کہ اس سے مطلوب کا علم حاصل ہو جاوے۔ اور العلل علۃ کی جمع ہے لغت میں بمعنی مؤثر ہے اصطلاح میں وہ شئے ہے جس پر دوسری شے کا وجود موقوف ہو۔ یہاں دلیل سے مراد مناطقہ کا مصطلح ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ دلیل اور علت دونوں مترادف ہیں اور خطبہ میں الفاظ مترادفہ کا جمع کرنا مذموم نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ ادلہ اگرچہ جمع قلت ہے لیکن جمع قلت کثرت کی جگہ اور جمع کثرت جمع قلت کی بجائے مستعمل ہوتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے لفظ ادلہ یہاں پر کثرت کیلئے مستعمل ہے اور مصنفؒ کا یہ کہنا کہ اس مختصر میں مسائل پر دلیلیں اور علتیں بیان نہیں کی گئیں۔ یہ اغلبیت پر محمول ہے۔ یعنی اغلب اور اکثری یہ ہے کہ دلائل اور علل بیان نہیں کی گئیں۔ اگرچہ بعض مسائل میں بیان بھی کی ہیں۔

لِئَلَّا یُشَوِّشَ ذِهْنُ الْمُبْتَدِیْ عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ وَسَمَّیْتُهٗ بِهِدَایَةِ النَّحْوِ رَجَاءَ اَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهِ الطَّالِبِیْنَ وَرَتَّبْتُهٗ عَلٰی مُقَدِّمَةٍ وَثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ بِتَوْفِیْقِ الْمَلِكِ الْعَزِیْزِ الْعَلَّامِ

قولہ لئلا یشوش الخ۔ التشویش پریشان کرنا اللذہن نفت میں بمعنی فہم ہے۔ اور اصطلاح میں وہ قوت ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہے اور اس میں معنی کا انطباع ہوتا ہے جس کو مدرکہ ودراکہ وقوت علمیہ وغیرہ بھی کہتے ہیں المبتدی لغت میں شروع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو کسی شے کے جزاول کو باقی تمام اجزاء کی تحصیل کے ارادہ پر شروع کرے۔ مبتدی کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی، اکتسابی۔ طبعی وہ شخص ہے جو مسائل کو اپنی طبیعت اور سمجھ سے حاصل کرے اور اکتسابی وہ شخص ہے جو غیر سے سیکھے جیسے شاگرد استاد سے سیکھتا ہے۔ مصنفؒ کی عبارت میں المبتدی سے مراد اکتسابی ہے نہ کہ طبعی لئلا یشوش میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کو معروف پڑھا جاوے اور ذہن المبتدی کو اسکا مفعول بنا کر منصوب پڑھیں۔ اور فاعل اس میں ضمیر ہوگی۔ جو ایراد ادلہ کیطرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ادلہ کا نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ ایراد ادلہ ذہن مبتدی کو تشویش میں ڈالتا ہے اور پریشان کرتا ہے کیونکہ اگر ادلہ وعلل سے تعرض کیا جاتا اور ان کو بیان کیا جاتا تو مبتدی اور طالب اولاً مسائل میں مشغول ہوتا پھر دلیلوں اور علتوں میں پڑ جاتا تو اس بیچارے کا ذہن خراب اور پریشان ہو جاتا اور نفس مسئلہ کو بھی نہ سمجھ سکتا۔ کیونکہ مبتدی اکتسابی کا ذہن قاصر ہے مجموع امور ثلثہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لئلا یشوش کو مجہول پڑھا جاوے اس وقت ذہن المبتدی نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع پڑھا جاویگا۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ پریشان نہ کیا جاوے مبتدی اکتسابی کا ذہن نیز جاننا چاہیے کہ لئلا میں لام جمعیت کے متعلق ہے یعنی میں نے مہمات نحو کو جمع کیا ان مثالوں اور حالتوں اور صفات میں تاکہ ذہن مبتدی کو پریشان نہ کیا جاوے نیز جاننا چاہیے کہ المسائل میں الف لام یا تو عہد خارجی کیلئے ہے یا معنی الیہ کے عوض اور بدلے میں ہے اور اس سے مراد مسائل مختصہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب **قولہ سمیتہ الخ** سمیت واحد متکلم تسمیہ سے اسکے معنی نام رکھنا ہیں۔ یہ دو مفعولوں کی طرف بلا واسطہ بھی متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے یہاں پر اس کے دو مفعولوں میں سے اول ضمیر متصل ہے اور دوسرا ہدایۃ النحو ہے اور باء ہدایۃ النحو میں زائدہ ہے اور یہ زیادتی باخلاف قیاس ہے کیونکہ باء زائدہ جب ہوتی ہے جبکہ نفی اور استفہام کے تحت میں ہو اور یہاں پر ایسا نہیں ہے اس وجہ سے یہ سماعاً زیادتی ہے۔ ہدایۃ کی اضافت النحو کی طرف معنوی ہے۔ قیام اللیل صیام النہار کی مانند یعنی مصدر کی اضافت مفعول فیہ کی طرف ہے النحو کے معنی لغت میں قصد ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جس کو مصنفؒ آگے بیان کرے گا۔ ہدایت کے معنی لغت میں راہ دکھانے کے ہیں جو مطلوب تک پہنچا دے۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلوب تک پہنچانا ضروری ہے زیادہ بحث حواشی شرح تہذیب میں دیکھو۔ مصنفؒ نے اس کا نام ہدایۃ النحو رکھا ہے۔ وجہ تسمیہ رجاء ان یہدی سے خود بیان کرتا ہے۔ رجاء سمیت کا مفعول بہ ہے جس کی اضافت مصدر تاویلی کی طرف ہو رہی ہے۔ جو رجاء کا مفعول بہ ہے بتقدیر فاعل ای لرجائی ہدایۃ النحو۔ یعنی اس مختصر مذکور کا میں نے ہدایۃ النحو اس وجہ سے نام رکھا کہ مجھے خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے طلباء علم کی رہنمائی فرمائیگا لہٰذا اس صورت میں اس کتاب کا نام ہدایۃ النحو رکھنا تسمیہ سبب باسم المسبب کے قبیل سے ہو جائیگا اور ممکن ہے کہ رجاء مصدر بمعنی فاعل ہو کر حال ہو بارادہ کا مبالغہ جیسے زید عدل (فائق) اس کتاب کے مصنف کا نام ابو حیان نحوی ہے **قولہ ورتبتہ** رتبت صیغہ واحد متکلم ماضی ترتیب سے ماخوذ ہے ترتیب کے معنی لغت میں ہر چیز کو اس کی جگہ رکھنا اور اصطلاح میں ترتیب اسے کہتے ہیں کہ اشیائے کثیرہ کو اس طرح پر کر دینا کہ ان سب پر ایک اسم کا اطلاق ہو اور ان میں تقدیم اور تاخر کے ساتھ تعلق ہو **قولہ علی** بعض شراح کہتے ہیں کہ علی یہاں من تبعیضیہ کے معنی میں ہے اور استعلاء جو اسکے ذاتی معنی ہیں۔ اسکے لیے نہیں کیونکہ استعلاء میں ضرور ہے کہ متعلی اور متعلی علیہ میں تغایر ہو۔ اور یہاں پر تغایر نہیں کیونکہ مختصر کی حقیقت خود بھی امور ثلثہ ہیں جو علی کے مدخول ہیں **قولہ مقدمۃ** اس سے مصنفؒ کتاب کے اجزاء کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اس کتاب کے پانچ جزو ہیں۔ ایک مقدمہ اور تین قسم ایک اسم اور ایک فعل اور ایک حرف میں اور ایک خاتمہ جاننا چاہیے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا کتاب کے اجزاء کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اور بعض اسکو واجبات سے قرار دیتے ہیں اور بعض مستحبات سے تبلاتے ہیں مسئلہ کی تحقیق مطولات میں تلاش کیجائے **قولہ وخاتمۃ** لفظ خاتمہ صحیح نسخوں میں نہیں ہے بظاہر یہ ناسخوں کے سہو سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ خاتمہ الکتاب اس کتاب کے آخر میں پایا ہی نہیں جاتا **قولہ بتوفیق الملک** توفیق لغت میں کام کے اندر کسی کی مدد کرنیکو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا بندہ کے اسباب کو اس چیز کے موافق کر دینا جو اسکے حق میں بہتر ہو جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے بتوفیق الخ رتبتہ کے بعد دو وجہ سے ذکر کیا ہے ایک یہ کہ تالیف وتصنیف امور عظام اور محال خطرات سے ہیں۔ لہٰذا اس میں خداوند تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ضروری ہے اس وجہ سے مصنفؒ نے بتوفیق الملک کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر لی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ رتبت صیغہ متکلم ہے جس میں فعل کی نسبت اپنے نفس کی طرف ہے اور فعل کی نسبت اپنی طرف عجب اور کسر نفسی کیخلاف ہے اور یہ مقام مقام نفس اور عجز کا ہے اسوجہ سے مصنفؒ نے رتبتہ کے بعد بتوفیق کہا کیونکہ اس میں بھی عجز اور عجز ہے جو مقتضائے مقام ہے رہا یہ کہ مصنفؒ نے ان دونوں کو کیوں اختیار کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ساتھ مہمات سے ہیں اللہ تعالیٰ مجھ کو اور کسر نفسی کو ظاہر کرنے کیلئے یہ اسلوب مناسب ہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اور نیز اسوجہ سے اختیار کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے اگر کوئی کہے کہ ایک اور پانچ بھی تو وتر ہے لہٰذا ایک اور پانچ کیوں نہیں اختیار کئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ نے خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث خیر الامور اوسطہا پر عمل کیا یعنی تین اوسط ہے ایک اور پانچ وغیرہ کے درمیان اس وجہ سے تین کو اختیار کیا۔ ۱۲۔

امّا المقدّمة فی المبادی التی یجب تقدیمها لتوقّف

قولہ المقدمۃ اس کے تلفظ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا اسکو بفتح الدال پڑھنا چاہیے یا بکسر الدال زمخشری نے فائق میں بفتح الدال کو غلط یعنی باطل قرار دیا ہے یہ باب تفعیل سے ہے کسر دال کی صورت میں اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں آگے کرنے والا فتح دال کی صورت میں اسم مفعول ہے جسکے معنی ہیں آگے کیا ہوا۔ بعض نے مقدمہ بفتح دال کو غلط قرار دینے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جو امور اس عنوان کے تحت میں بیان کئے جاتے ہیں وہ بنفسہ متقدم ہیں جو اسکے مقتضی ہیں کہ اگر بفتح دال پڑھیں گے تو لازم آویگا کہ اس عنوان کے تحت میں جو امور ذکر کئے جاتے ہیں ان کے متقدم کرنے کیلئے کوئی عامل ہو۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس وجہ سے زمخشری نے بفتح دال پڑھنے کو غلط قرار دیا ہے اور جب یہ بات ثابت اور متحقق ہوگئی تو دوسری صورت بکسر دال ہے لیکن اس پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے کہ مقدمہ بکسر دال کے معنی ہیں آگے کرنیوالا تو جب اسکو بکسر دال پڑھیں گے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس عنوان کے تحت میں جو امور ذکر کئے جاتے ہیں وہ امور ایسے ہیں کہ ان پر غیر کو مقاصد سے آگے کرنے والے ہیں حالانکہ وہ کسی کو بھی آگے کرنیوالے نہیں اس وجہ سے بکسر دال پڑھنا بھی غلط ہوا اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مقدمہ بکسر دال بمعنی متقدمہ ہے یعنی باب تفعیل باب تفعل کے موافق اور ہم معنی ہے۔ اور متقدمہ کے معنی آگے ہونیوالا ہیں۔ لہٰذا مقدمہ کے معنی ہیں آگے ہونیوالا۔ اب وہ اشکال جو فتح دال اور کسر دال کی صورت میں پڑتے ہیں وارد نہیں ہوتے چونکہ جو امور اس عنوان کے تحت میں بیان کئے جاتے ہیں وہ خود مقدم ہیں مقاصد پر اور بھی متقدمہ کے ہیں۔ اس لفظ کو اہل فن مقدمۃ الجیش (لشکر کا وہ حصہ جو انتظام کیلئے آگے جاوے) سے مستعار لیتے ہیں دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ مقاصد مثل جیش کے ہیں اور مقدمہ کے ماتحت جو امور بیان کیے جاتے ہیں وہ انتظام کے لیے آگے جانیوالوں کے مانند ہیں۔ چونکہ یہ امور مقاصد میں امداد و تعاون کرتے ہیں جیسے جیش کو مقدمۃ الجیش نصرت و مدد پہنچاتا ہے اہل فن مقدمہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ مقدمہ وہ شے ہے جس پر شروع فی العلم موقوف ہو۔ مقدمہ کے تحت میں تین امور بیان کرتے ہیں ایک علم کی رسم دوسرے تصدیق بموضوع علم تیسرے تصدیق بغایت علم۔ حالانکہ ان تینوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جس پر شروع فی العلم متوقف ہو۔ اس وجہ سے بعض نے علی وجہ البصیرۃ کی قید کا اضافہ کیا ہے یعنی مقدمہ وہ شے ہے جس پر شروع فی العلم علی وجہ البصیرۃ موقوف ہو۔ بعض نے توقف کے معنی میں تاویل کی ہے کہ یہاں پر توقف سے مراد لولا ہے امتناع نہیں ہے۔ (یعنی اگر اس شے کا علم نہ ہو تو شروع ممتنع ہو) بلکہ اس سے توقف مصحح لا دخول فار ہے۔ (یعنی اگر وہ شے جس پر شروع فی العلم متوقف ہو معلوم ہو جاوے تو شروع کرنا درست ہے) مراد ہے متاخرین مقدمہ کی دو قسم کرتے ہیں۔ مقدمۃ العلم مقدمۃ الکتاب مقدمۃ العلم کی تعریف مذکورہ بالا ہے۔ اور مقدمۃ الکتاب کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ مقدمۃ الکتاب وہ شے ہے جو مقصود سے پہلے ذکر کی جاوے اس وجہ سے کہ اس میں اور مقصود میں تعلق ہے۔ جس کے علم مقصود میں ایک قسم کا نفع ہوگا کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں تباین کلی کی نسبت ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مقدمۃ الکتاب الفاظ ہیں لیکن بندے کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ مقدمۃ الکتاب کتاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور کتاب پانچ چیزوں سے مراد ہو سکتی ہے معانی۔ الفاظ۔ نقوش دو کا مجموعہ تینوں کا مجموعہ تو جس وقت کتاب سے مراد معانی ہوں گے تو مقدمہ سے بھی مراد معانی ہوں گے۔ اس وقت مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب دونوں ایک چیز پر صادق آئیں گے۔ لہٰذا تباین کا قول غلط ہوگا۔ زیادہ تحقیق مطولات میں ہے۔ ان الشئ فار جعوا الیہا جاننا چاہیے کہ توقف دو قسم پر ہے۔ ایک بمعنی امتناع یعنی موقوف کا تصور موقوف علیہ کے تصور کے بغیر ممتنع ہو جیسے نتیجہ کا تصور طرفین کے تصور پر موقوف ہے جب تک طرفین کا تصور حاصل نہ ہوگا اس وقت تک نتیجہ کا تصور بھی ظہور پذیر نہ ہوگا دوسرے توقف بمعنے دخول فار یعنی موقوف علیہ موقوف میں من وجہ داخل ہو۔ اس طور پر کہ دونوں کے درمیان علاقہ ذاتی نہ ہو جیسے چھت کا توقف دیوار یا ستون پر اگرچہ چھت کا توقف دیوار مخصوص یا ستون مخصوص پر ہوتا ہے لیکن چھت کا وجود دیوار مخصوص یا ستون مخصوص کے بغیر ممتنع نہیں کیونکہ اگر اس دیوار کی جگہ اور دیوار قائم کی جائے تو تب بھی چھت کا وجود ہو جاویگا۔ مقدمہ کی تعریف میں توقف سے مراد یہی توقف ہے کیونکہ شروع کیواسطے اس علم اور غرض کا تصور من وجہ کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا رسم علم اور تصدیق بغرض شروع کیواسطے موقوف علیہ تام ہیں اسی کو توقف مصحح لدخول فار کہا جاتا ہے اس قسم ثانی توقف کی پھر دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور دوسری عادی یعنی مجازی۔ اور لفظ اور معنی شروع کے موقوف علیہ بمعنی حقیقی ہیں اور لفظ شروع کا موقوف علیہ بمعنی عادی ہوتا ہے جب آپ کو یہ باتیں معلوم ہوگئیں۔ تو اب مصنف کی عبارت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ مصنف کہتا ہے اما المقدمۃ فی المبادی یعنی مقدمہ ایسے مبادی میں ہے جن کی تقدیم ضروری ہے چونکہ مسائل کا توقف اول مبادی پر ہے کہ مبادی سے کیا مراد ہے مبادی مبدار کی جمع ہے مبدار بدء کا اسم ظرف ہے یعنی شروع کی جگہ اول اصطلاح میں مبدا کے معنی وہی ہیں جو مقدمہ کے معنی ہیں یعنی وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہو۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جبکہ مقدمہ اور مبدار ایک ہی ہیں۔ تو مصنف کی عبارت میں ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آویگی۔ کیونکہ عبارت کا مطلب یہ ہے لیکن وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہے ان چیزوں میں ہے جن پر شروع کرنا موقوف ہے اور یہ ظرفیۃ الشئ لنفسہ ہے اور یہ باطل ہے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مقدمہ سے مراد مخصوص معانی ہیں جن پر شروع فی العلم موقوف ہو۔ اور مبادی سے مراد الفاظ مخصوصہ ہیں یا اس کا عکس مراد لیا جاوے اس وقت ظرفیۃ الشئ لنفسہ کا شبہ رفع ہو جاویگا کیونکہ اس وقت عبارت مصنف کا مطلب ہوگا معانی مخصوصہ الفاظ مخصوصہ ہیں یا الفاظ مخصوصہ معانی مخصوصہ ہیں اگر کوئی کہے کہ الفاظ کا معانی کے واسطے ظرف ہونا اگر کسی درجہ میں مان لیا جاوے لیکن معانی الفاظ کے واسطے ظرف نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا مقدمہ سے مراد الفاظ اور مبادی سے مراد معانی نہیں لیے جا سکتے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس صورت میں فی بمعنی لام ہے یعنی لیکن الفاظ پس (باقی بر صہ ۱۲)

المسائل علیہا وفیہا فصول ثلثۃ فصل النحو علم باصول

معانی کیلئے ہیں کہ یہ عنوان ایسے امور کے بیان کیلئے ہے جن کا شروع کرنے سے پہلے بیان کردینا ضروری ہے چونکہ مسائل ان پر موقوف ہیں۔ اس ثانی ترجمہ پر مقدمہ سے مراد مقدمۃ الکتاب ہوگا اور اول ترجمہ پر مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب دونوں مراد ہوسکتے ہیں جیسا کہ پہلے گذرا ہے جب آپ کو کتاب کی عبارت معلوم ہوگئی تو اب جاننا چاہیئے کہ وہ امور جو مسائل کے لیے موقوف علیہ ہیں۔ تین ہیں ایک تعریف علم اس پر فہم مسائل اس وجہ سے متوقف ہے کہ اگر تعریف شئے معلوم نہ ہو تو شئے مجہول کی طلب لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے دوسری شئی غرض چونکہ اگر غرض کا شروع فی العلم سے قبل علم نہ ہو تو طلب عبث لازم آتی ہے۔ اور یہ نادرست ہے تیسرے موضوع یہ اس وجہ سے موقوف علیہ بنتا ہے کہ اگر اس علم کا موضوع مجہول ہو جس کے شروع کرنے کا قصد اور ارادہ ہے تو وہ علم دوسرے علم سے ممتاز نہ ہوگا کیونکہ بین العلمین آلہ امتیاز یہ ہی ہے۔ یعنی ایک علم دوسرے علم سے بذریعہ موضوع جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے **قولہ المسائل علیہا** ضمیر علیہا کا مرجع المقدمہ اور المبادی یکے بعد دیگرے دونوں بن سکتی ہیں المسائل علم کا ترجمہ ہے۔ جو مقدمہ کی تعریف ما یتوقف علیہ الشروع فی العلم میں واقع ہے چونکہ علم کا اطلاق عرف میں پانچ چیزوں پر ہوتا ہے بلکہ علم۔ مجمع المسائل علم بعض مسائل بقدر مقدمہ خود تمام مسائل بقدر مقدمہ لہذا مصنفؒ کے قول یتوقف المسائل علیہا کا مطلب ہوا کہ چونکہ علم کا شروع کرنا مقدمہ یا مبادی پر موقوف ہے لہذا مبادی کی تقدیم مقصود یعنی علم (مسائل) پر ضروری اور لازم ہے **قولہ فیہا فصول** یعنی اس مقدمہ میں جبکہ ضمیر مجرور المقدمہ کی طرف راجع کردیا ان مبادی میں جبکہ ضمیر مجرور مبادی کی طرف لوٹاؤ حاصل یہ کہ اس میں تین فصلیں ہیں پہلی فصل اس علم کی تعریف اور غرض اور موضوع میں ہے جس کے شروع کے ہم مستدعی اور درپے ہیں اور دوسری اور تیسری فصل اس شئے کی تعریف میں ہے جو علم کا موضوع ہے مصنفؒ کی اس عبارت پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ایک اعتراض کی تقدیر یہ ہے کہ کلمۂ فی یہاں بے محل ہے کیونکہ فصول ثلثہ عین مقدمہ ہیں اور جب فصول ثلثہ عین مقدمہ ہیں تو ظرفیۃ الشئی لنفسہ لازم آویگی کیونکہ اصل میں عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ امور ثلثہ میں ہیں۔ کیونکہ مقدمہ یا مبادی امور ثلثہ ہیں اور فصول بھی امور ثلثہ ہیں جواب مصنفؒ کی یہ عبارت فی فصول ثلثہ کی تاویل میں ہے۔ لہذا اعتراض مذکور ساقط ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فصول موصوف ہے اور ثلثہ اسکی صفت ہے اور موصوف اور صفت میں جبکہ صفت بحال متعلق موصوف ہو۔ دس چیزوں میں موافقت ومطابقت ضروری ہے اور یہاں وہ مفقود ہے کیونکہ فصول جمع ہے اور ثلثہ مفرد جواب معنیً اتحاد وموافقت مفقود نہیں بلکہ موجود ہے کیونکہ ثلثہ جمع کے معنے میں ہے موافقت معنوی بمنزلہ موافقت لفظی قرار دے دی گئی ہے۔ چنانچہ من وجہ نظیر قرآن مجید فرقان حمید میں بھی موجود ہے۔ خداوند قدوس تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ او الطفل الذین لم یظہروا علیٰ عورات النساء الطفل اگرچہ لفظاً مفرد ہے۔ لیکن معناً جمع ہے۔ اسوجہ سے اس کی صفت الذین الخ آنا درست ہو گئی۔ **قولہ فصل**۔ جبکہ اسکو مابعد کیساتھ نہ ملادیں تو اس پر تنوین نہیں پڑھیں گے اور اسمائے معدودہ سے ہو کر مبنی ہو جاویگا۔ اور جب وصل کریں تو اعراب پڑھیں گے چونکہ یہ لفظ فصل اس وقت ترکیب میں واقع ہوگا رہا یہ امر کہ آیا کیا اعراب پڑھا جائے تو بنا بر خبریت کے اس پر رفع پڑھنا بھی درست ہے۔ عبارت کی تقدیر یہ ہوگی ہذا فصل اور فعل محذوف کا مفعول بنانے پر نصب بھی درست ہے تقدیر عبارت ہوگی خذ فصلاً۔ فصل کے معنی لغت میں کاٹنا جدا کرنا ہیں یقال فصلت الثیاب ای قطعتہا اور اصطلاح میں حاجز بین الحکمین کو کہتے ہیں۔ **قولہ النحو** نحو لغت میں بمعنی قصد کے بولا جاتا ہے نحوتہ ونحیتہ اے قصدتہ علم نحو کو نحو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس علم سے اس کا قصد ہوتا ہے کہ فصاحت کلام میں اہل زبان کی مانند ہو جاویں تاکہ گفتگو اہل زبان جیسی کرنے لگیں اور اصطلاح میں علم نحو کے معنی وہ ہیں جس کو مصنف علم باصول سے بیان کریگا۔ **قولہ علم باصول** ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ علم کے پانچ معنے آتے ہیں جس طرح علم پانچ معنے میں مستعمل ہے۔ اسی طرح علوم مدونہ کا اطلاق بھی ان ہی پانچ چیزوں پر آتا ہے۔ مثلاً نحو کا اطلاق اس ملکہ پر بھی ہوتا ہے جو ایسے قواعد کی ممارست سے حاصل ہو۔ جو کلام عرب میں خطا لفظی سے بچاتے ہیں۔ دوسرا اطلاق ان جمیع قواعد کے ادراک پر ہوتا ہے جن سے عصمت مذکورہ حاصل ہو تیسرا ان بعض قواعد کے ادراک پر جن سے عصمت مذکورہ حاصل ہو۔ چوتھا اطلاق خود تمام قواعد مذکورۃ الشان پر پانچواں اطلاق خود بعض قواعد ہی پر جن سے کلام عرب میں غلطی سے عصمت حاصل ہوتی ہے تو جو معنی نحو سے مراد ہونگے وہی علم سے مقصود ہوں گے۔ مثلاً اگر النحو سے مراد مصنفؒ کی عبارت میں ملکہ لیویں۔ تو علم سے مراد بھی ملکہ ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ نحو وہ ملکہ ہے جو ایسے اصول کے احاطہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کلمہ ثلث کے اواخر کی حالت معلوم ہوتی ہے اس وقت مصنفؒ کی عبارت ظرف مستقر متعلق فعل عام حاصل کے ہوگی اور یا کے بعد لفظ احاطہ مقدر ماننا ہوگا تقدیر عبارت علم حاصل باحاطہ اصول الخ ہوگی اور اگر النحو سے مراد ثانی یا ثالث معنے ہیں تو علم باصول سے مراد بھی ثانی یا ثالث معنی ہوں گے اور اس وقت باز زائد ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ نحو (اور ایک لجمیع القواعد العاصمۃ عن الخطا فی کلام العرب او لبعض القواعد العاصمۃ عن الخطا فی کلام العرب) ایسے جمیع یا بعض قواعد کا ادراک ہے اور اگر النحو سے مراد نفس جمیع قواعد یا نفس بعض قواعد ہوں تو علم باصول میں جو علم ہے اس سے بھی تمام قواعد یا بعض قواعد مراد ہوں گے اس صورت میں باصول علم کا عطف بیان ہے یا اسکی صفت کا شفہ ہے اور باز زائد ہے جس کے کچھ معنے نہیں محض تحسین عبارت کے لیے ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ نحو ایک علم ہے یعنی ایسے قواعد ہیں الخ غرضیکہ النحو سے جو معنی مراد ہوں گے۔ وہی علم سے مراد ہوں گے تاکہ علم کا حمل النحو پر درست ہو جائے۔ لیکن بظاہر مصنفؒ کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ علم النحو سے مراد ادراک بجمیع مسائل النحو لے رہا ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے علم باصول سے اسکی تفسیر کی ہے۔ اصول اصل کی جمع ہے لغت میں اس کے معنی اس شئے کے ہیں جس پر (باقی بر صـ۱۳)

یُعرَفُ بِهَا أحوالُ أواخرِ الكلِمِ الثلٰث من حيث الاعراب والبناءِ وكيفيّةُ تركيب بعضِها مع بعضٍ

کوئی شے قائم ہو۔ جو چیز قائم ہوتی ہے اس کو فرع کہتے ہیں اور اصطلاح میں اصل اس قضیہ کلیہ کو کہا جاتا ہے۔ جو اپنے موضوع کے تمام جزئیات پر صادق ہو۔ قاعدہ۔ قانون ضابطہ اس کے مرادف اور ہم معنی ہیں مثلاً نحو کا ایک قضیہ کلیہ کل فاعل مرفوع ہے جا زید میں جو زید ہے اس قضیہ کلیہ کا موضوع فاعل کا جزئی ہے۔ یہ اس پر صادق ہوتا ہے کہ جا زید میں زید فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہے۔ لہٰذا زید مرفوع ہے۔ یعنی قضیہ کلیہ کے موضوع کو اس طرح کی جزئی پر حمل کر کے ایک قضیہ بنا کر اس کو صغریٰ بنالیں گے اور قضیہ کلیہ کو کبریٰ اس وقت میں ثبوت مطلب کے واسطے شکل اوّل جو کہ بدیہی الانتاج ہے تیار ہو گی۔ مع شرائط انتاج کے لہٰذا مطلب ثابت ہو جاویگا۔ جاننا چاہیئے کہ مصنفؒ علم باصول سے نحو کی حد بیان کرنا چاہتا ہے اس میں علم باصول النحو کے واسطے جنس ہے چونکہ علم کے خواہ کوئی معنے مراد ہوں یہ لفظ تمام علوم کو شامل ہو گا واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب **قولہ یعرف الخ** یعنی جن قاعدوں کے ذریعہ سے تینوں کلموں کے اواخر کے حالات دریافت ہوتے ہیں اعراب اور بنا کے اعتبار سے یہ فصل ہے اس کے ذریعہ سے علم النحو کو تمام علوم سے امتیاز حاصل ہو گیا۔ چونکہ علم النحو کے ساتھ علم میں بعض ایسے علوم بھی شریک ہیں جن سے کلمہ کے حالات کی معرفت نہیں ہوتی جیسے فقہ حدیث تفسیر منطق وغیرہ۔ تو کلمہ کی قید لگانے سے یہ سب خارج ہو گئے اور بعض ایسے علم شریک تھے جن سے کلمہ کے حالات کی معرفت اور پہچان ہوتی ہے جیسے علم الصرف علم المعانی والبیان والبدیع وعلم الصیغہ وغیرہ تو ان سے علم النحو کو اواخر کی قید سے امتیاز حاصل ہو گیا۔ کیونکہ علوم مذکورہ بالا میں اگرچہ کلمہ ثلثہ کے حالات کی معرفت ہوتی ہے۔ لیکن اواخر کی نہیں ہوتی۔ نیز بعض ایسے علوم علم النحو کے ساتھ علم میں شریک ہیں جن میں کلمہ ثلثہ کے اواخر کے حالات کی معرفت ہوتی ہے مگر اعراب اور بنا کے اعتبار سے نہیں ہوتی اور علم النحو کی تعریف میں من حیث الاعراب والبناء کی قید ہے اس قید سے علم النحو علم القوافی وغیرہ سے بھی ممتاز ہو گیا البتہ علم ابجد والہیئۃ والہندسۃ والحساب ابھی تک علم النحو کیساتھ علم میں شریک ہیں ان سے امتیاز کیواسطے مصنفؒ نے قید کیفیت ترکیب الخ کو زیادہ کر دیا حاصل یہ کہ علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے دو امور کی معرفت ہوتی ہے جن میں سے ایک امر کلمہ ثلثہ کے اواخر کے حالات کی معرفت ہے دوسرا امر بعض کلموں کو بعض کیساتھ ملانے کی کیفیت کی معرفت ہے ملانیکی کیفیت سے کلمات کے وہ حالات مراد ہیں جو ان کی تقدیم و تاخیر تعریف و تنکیر وغیرہ کے اعتبار سے ان کو حاصل ہوتے ہیں جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیئے کہ قول مصنفؒ یعرف اصول کی صفت ہے اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں بصیغہ معروف و بصیغہ مجہول جب بصیغہ معروف پڑھیں گے تو اس میں ضمیر ہو گی جو المبتدی کی طرف راجع ہے جو سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے لہٰذا ضمیر بلا مرجع نہ رہے گی چونکہ مرجع کے لیئے ضمیر کا مراعیٰ ہونا ضروری نہیں بلکہ حکماً کافی ہے اور احوال منصوب ہو گا بنا بر مفعولیت کے اور جب بصیغہ مجہول پڑھیں گے تو اس وقت یعرف میں ضمیر نہ ہو گی بلکہ احوال نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہو جائے گا۔ اواخر الکلم الثلث مرکب توصیفی احوال کا مضاف الیہ ہے۔ الکلم الثلث پر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ الکلم حقیقت میں ثلث کی تمیز ہے اور ثلثہ سے لے کر عشرہ تک استعمال خلاف قیاس مذکر کیلیئے مونث اور مونث کیلیئے مذکر آتا ہے لہٰذا الکلم الثلثۃ بالتاء ہونا مناسب بلکہ انسب ہے۔ جواب امر تو اصل میں اسیطرح ہے جیسے تم کہتے ہو لیکن یہ ترکیب مرکب توصیفی کی طرف منقول ہو گئی ہے اس وجہ سے امر مذکور لازم نہیں رہا اور مصنفؒ کا قول کیفیۃ الخ احوال پر معطوف ہے اگر احوال کو منصوب پڑھا جاوے تو اس کو بھی منصوب پڑھنا چاہیئے اور جب احوال کو مرفوع پڑھا جاوے تو اس کو بھی مرفوع پڑھنا چاہیئے۔ نیز جاننا چاہیئے کہ مصنفؒ اصول کے ساتھ لفظ علم کو لایا اور احوال کیساتھ لفظ معرفت کو بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ عادات ضمیر و بلغاء میں علم کا اطلاق کلیات پر اور معرفت کا اطلاق جزئیات کے ادراک میں ہوتا ہے اور معرفت کا اطلاق جزئیات کے ادراک میں ہوتا ہے مصنفؒ نے بھی اصول (جو کہ قواعد کلیہ سے عبارت ہے) کو علم اور احوال (جو کہ امور جزئیہ سے مراد ہے) کو معرفت سے ملاحق و ملاحق کیا تاکہ محاورات فصحاء کا خلاف لازم نہ آئے۔ [illegible] کلام مرد دلیل اہل کلام کا قول ہے کہ ان کے نزدیک [illegible] عالم کہنا جائز ہے اور اللہ عارف کہنا بالکل ناجائز ہے علیٰ ہذا القیاس عرفت اللہ کہنا درست ہے اور علمت اللہ کہنا قطعاً نادرست ہے اور علم نحو کی اسی تعریف پر تین اعتراض کیے جاتے اوّل یہ کہ بہت سے مبتدی علم النحو پڑھتے ہیں اور ان کے اندر یہ قدرت اور طاقت پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اواخر کلم ثلث کے حالات دریافت کر سکیں لہٰذا علم النحو کی یہ تعریف غلط ہوئی جواب تعریف میں مضاف مقدر ہے اصل عبارت اسطرح ہے یعرف باستحضار احوال اواخر الکلم الثلث اور جس کو اصول مستحضر اور محفوظ اور ازبر ہونگے وہ لامحالہ شناخت کر سکتا ہے لہٰذا اعتراض مندفع اور ساقط ہے چونکہ جو پڑھے اور اس کو استحضار اور حفظ نہ ہو تو وہ عبور اور تلاوت ہو گی اور اس سے معرفت اور شناخت نہیں ہو سکتی دوسرا اعتراض یہ کہ نحو کی یہ تعریف جامع جمیع افراد کو نہیں کیونکہ احوال سے مراد یا کل احوال ہیں۔ جیسا کہ اضافت اس پر دلالت کرتی ہے۔ یا بعض غیر معین یا بعض معین اور تینوں صورتیں باطل ہیں اوّل اس وجہ سے کہ حوادث علم غیر محصور ہیں لہٰذا ان قواعد سے جو اس کتاب میں مذکور ہیں تمام حالات جزئیہ کی معرفت کیسے حاصل ہو سکتی ہے صورت ثانیہ بھی غیر ممکن ہے ورنہ طلب مجہول مطلق لازم آئے گی۔ صورت ثالثہ بھی جائز اور نادرست ہے چونکہ ارادہ اور قصد دلالت کی فرع ہیں۔ اور معین پر دلالت نہیں ہوتی لہٰذا معین مقصود اور مراد بھی نہیں ہو سکتا۔ جواب جمیع احوال مراد ہیں اور معرفت سے مراد ملکہ استنباط ہے۔ مطلب تعریف یہ ہے کہ علم النحو ایسے قواعد کے ادراک کا نام ہے جن کی مزاولت اور ممارست سے (باقی بر صفحہ ۱۴)

والغرض منه صيانة الذهن عن الخطأ اللفظي في كلام العرب وموضوعه الكلمة والكلام

ایک ایسی قوت پیدا ہو جاوے جس کے سبب سے کلمہ ثلث کے حالات سے ہر ہر حالت کے استخراج پر بوجہ تفصیل قدرت حاصل ہو جاوے۔ یعنی ان حالات میں سے جس حالت کو حاصل کرنا چاہے تو اس ملکہ کے ذریعہ اور وسیلہ سے پہچان سکتا ہے اور اسکا مطلب یہ نہیں کہ تمام احوال کو وقت واحد میں اس قدرت وقوت کے ذریعہ حاصل کر سکے کہ مالا نہایۃ لہ کا وجود وقت واحد میں غیر ممکن ... اور محال ہے اسی کے مثل ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ معرفت احوال سے مراد یا تو تمام احوال کی معرفت ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی شخص نحوی نہ ہو۔ چونکہ جمیع احوال کی معرفت اور تمام حالات اور موارد صناعی کی شناخت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی دوسرے یہ لازم آتا ہے کہ تمہدن علم نحو نہ ہو بلکہ بعض نحو ہو یا معرفت احوال سے مراد بعض احوال کی معرفت ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو شخص نحو کے ان مسائل کا بھی عارف ہو وہ بھی نحوی ہے۔ چونکہ بعض احوال کی معرفت اس کو حاصل ہے حالانکہ عرف میں اس کو کوئی نحوی نہیں کہتا اور اگر معرفت احوال سے جمیع احوال مدونہ کی معرفت مراد ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جب کوئی اور نحوی آکر اور احوال کی تدوین کرے تو وہ سابق نحوی نحوی نہ رہے چونکہ وہ جمیع احوال مدونہ سابق ہذا الآن کا عارف نہیں اس شق پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جو اسکے زمانہ میں احوال مدونہ ہیں انکا عارف ہو اس وجہ سے غزالی مذکور کو لازم نہیں آتی جواب ہم یہ کہتے ہیں کہ نحوی سابق اس زمانہ میں نحوی نہ رہے حالانکہ وہ نحوی ہے اعتراض مذکور اس پر لازم نہیں آتا علاوہ اس کے کہ اگر کسی اور نحوی نے احوال مدون کئے تو اس کو ان مدون احوال کا عارف ہونا بھی ضروری ہے ورنہ وہ نحوی نحوی نہ رہے گا جواب معرفت سے احوال مراد معرفت جمیع احوال ہے اس طور سے کہ نحوی کو ایک ملکہ حاصل ہو جاوے جس کے ذریعہ سے جمیع احوال کی معرفت پر قادر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب **قولہ والغرض** جب مصنف علم نحو کی حد اور تعریف سے فراغت حاصل کر چکا تو اب نحو کی غرض کو سمط تحریر میں اور سلک تقریر میں منظم کرتا ہے چونکہ شروع اور ابتدار کے لیے جس طرح حد کا جاننا ضروری ہے اسی طرح غرض کا جاننا بھی حتمی اور لابدی ہے بخلاف موضوع کے کہ اس سے زیادت بصیرت حاصل ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں حد کے بعد بیان غرض کو لایا۔ غرض وہ شے ہے جس کی وجہ سے فعل فاعل سے صدور پاتا ہے اور غایت وہ شے ہے جو فاعل کے فعل کے وجود پر مرتب ہوتی ہے۔ ان دونوں میں اتحاد ذاتی ہے اور تغایر اعتباری مثلاً ذہن کا خطائے لفظی سے محفوظ و مصون رہنا اس اعتبار سے کہ تحصیل علم نحو پر مرتب ہے غایت کہلائیگا اور اس حیثیت سے کہ یہ اس کے تحصیل پر باعث اور محرض ہے اسکا نام غرض ہوگا مزید تحقیق کے لیے مطولات فن کی طرف رجوع کرو مصنف یہاں پر لفظ غرض لایا تاکہ غرض و غایت میں جو اتحاد ذاتی ہے اس پر تنبیہ ہو جائے چونکہ اساتذہ کے کلام میں اس مقام پر لفظ غایت مذکور ہے تو مصنف کا یہ لفظ لانا اس کے ساتھ متحد ہونے پر دال ہوگا **قولہ صیانۃ الذہن** صیانت مصدر ہے اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور فاعل عمدہ ہونیکی وجہ سے متروک ہے صاحب الہامیہ فرماتے ہیں کہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے بنا بر اول ترجمہ ذہن کو بچانا اور بنا بر ثانی ذہن کا بچنا اللفظی پہلی صفت ہے فی کلام العرب دوسری صیانت الذہن علم نحو کی غرض کے واسطے بمنزلہ جنس کے ہے اور عن الخطأ اللفظی بمنزلہ فصل کے تو صیانت الذہن میں علم النحو کی غرض کیساتھ تمام وہ علوم جن سے ذہن کی صیانت ہوتی ہے شریک ہیں اور الخطأ اللفظی سے وہ علوم خارج ہوگئے جن سے خطاء اللفظی سے صیانت نہیں ہوتی بلکہ خطائے معنوی سے جیسے علم بیان علم معانی وغیرہ یا خطائی الاحکام سے جیسے فقہ یا خطائی فی الفکر سے جیسے منطق یا خطائی العرف سے (جیسے علم العروض سے صیانت حاصل ہوتی ہے ایسے ہی علوم فی کلام العرب کی قید محض اصطلاح ہے۔ چونکہ یہ کتاب عربی خوانی ہے اس وجہ سے اس قید کا اضافہ کر دیا نیز جاننا چاہیئے کہ جب صیانت کی اضافت فاعل کی طرف ہوگی تو الذہن میں الف لام عوض مضاف الیہ کا ہوگا۔ اے ذہن المبتدی اور جب مصدر کی اضافت مفعول کی طرف مانیں گے جو مبتدی کا فاعل ہوگا تو یہ متروک ہے اس مقام پر ایک اعتراض ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا کہ علم نحو سے صیانت حاصل ہوتی ہے خطائے لفظی سے غلط ہے چونکہ ذہن لافظ نہیں کہ اس کو خطائے لفظی سے صیانت ہو کہ تلفظ لسان یعنی زبان سے ہی ہو سکتا ہے لہذا مصنف کو صیانت لسان المبتدی کہنا چاہیے تھا۔ اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں ایک یہ کہ تلفظ حقیقت میں ذہن ہے اور لسان مترجم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب حقیقت کی صیانت ہوگی تو فرع کی بھی ہو جاوے گی اس وجہ سے مصنف نے صیانت الذہن کہا جواب ثانی اصل میں یہاں مضاف مقدر ہے اصل میں عبارت اس طرح تھی صیانت مبین الذہن اور مبین الذہن زبان ہی ہو سکتی ہے لہذا اعتراض مذکور ساقط اور مدفوع ہو گیا **قولہ موضوعہ** جب مصنف بیان غرض علم نحو سے فارغ ہو گیا تو مقدمہ کے اجزاء سے جو تیسرا جز موضوع ہے اس کو بیان کرتا ہے چونکہ اس کے جاننے سے علم نحو کو دوسرے علوم سے امتیاز حاصل ہو جاویگا اور علوم میں امتیاز موضوع کے امتیاز سے ہوتا ہے موضوع کسی علم کا وہ شے ہے جس کے احوال ذاتی سے بحث کی جاتی ہے مزید تفصیل کتب منطق وغیرہ میں طلب کیجئے **قولہ الکلمۃ الخ** مصنف کہتا ہے کہ علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ کلمہ اور کلام موضوع علم نحو کا اس وجہ سے ہے کہ علم نحو میں ان دونوں کے احوال ذاتی سے بحث کیجاتی ہے اور جسکے احوال ذاتی سے جس علم میں بحث ہو وہ اس علم کا موضوع ہے اس وجہ سے کلمہ اور کلام علم نحو کا موضوع ہے یہاں پر ایک اعتراض پڑتا ہے کہ ہر علم کا موضوع ایک ہوتا ہے کیونکہ تعدد موضوع تعدد علم کو مستلزم ہے تو جب علم نحو کے موضوع کلمہ و کلام ہوئے تو اس سے لازم آتا ہے کہ علم نحو ایک علم نہیں بلکہ دو علم ہونگے جواب تعدد دو قسم پر ہے لفظی معنوی تعدد معنوی جیسے بالغ عاقل دوسری قسم تعدد لفظی فقط جیسے قاعد جالس۔ یہاں پر جو تعدد ہے وہ لفظ میں تعدد ہے معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں اس لیے کہ کلمہ اور کلام اگرچہ باعتبار لفظ کے متعدد ہیں مگر حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں چونکہ دونوں سے مراد وہ لفظ ہے جو معنے کے لئے نحو کا موضوع ہے اس لحاظ سے نحو کا (باقی بر ص ۱۵)

حقیقت میں ایک ہی موضوع ہے یعنی معنی نیز سوال ہوتا ہے کہ علم النحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں امر ہیں تو جب یہ دونوں امر ہیں تو اسکی کیا وجہ ہے کہ کلمہ کو کلام پر مقدم کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جزء ہے۔ لفظاً بھی اور معناً بھی۔ اس وجہ سے کہ زید مثلاً زید قائم کا جزء ہے۔ جو کہ کلام ہے اور معناً اس وجہ سے کہ زید قائم مجموعہ کے معنی ہیں۔ ہیوان ناطق مع ہذا الشخص وذات من لہ القیام اور لفظ زید کے معنی ہیں حیوان ناطق مع ہذا الشخص فقط یہ معنی پہلے مجموعہ معنی کا جزء ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کلمہ کلام کا جزء ہے اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے نیز کلام کے مفہوم ماینعقد بکلمتین بالاسناد میں کلمہ موجود ہے۔ تو کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء بن گیا۔ اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے۔ لہذا مصنفؒ نے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا اور جس طرح اس اجمال میں مقدم کیا ہے اسی طرح تفصیل میں بھی ایسا کیا تاکہ تفصیل اجمال کے موافق ہو جائے جاننا چاہیے کہ الکلمہ میں تین جزء ہیں ایک حرف تعریف دوسرے ھ و ک ل م، تیسرا جزء تا رہم ان تینوں کو تین بحثوں میں ذکر کریں گے۔ بحث اول الف لام کی دو قسمیں ہیں۔ اسمی۔ حرفی۔ اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور اسم موصول کے معنی دیتا ہے اسکا صلہ وہ اسم فاعل اور وہ اسم مفعول ہوتے ہیں جن پر یہ داخل ہوتے ہیں یہاں اسکلمہ میں الف لام اسمی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کلمہ جس پر الف لام داخل ہے نہ اسم فاعل ہے نہ اسم مفعول ان دونوں میں سے کوئی مقرر ہو لہذا معلوم ہوا کہ یہ الف لام حرفی ہے پھر الف لام حرفی کی چار قسمیں ہیں۔ جنسی۔ استغراقی۔ عہد خارجی۔ عہد ذہنی۔ چونکہ لام کے مدخول سے یا تو ماہیت مراد ہوگی یا افراد مراد ہوں گے۔ اول کو الف لام جنسی کہتے ہیں جیسے الرجل خیر من المرۃ یعنی ماہیت رجل ماہیت مرہ سے بہتر ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ افراد رجل افراد مرأۃ سے بہتر ہیں۔ دوسری صورت جبکہ مدخول الف لام سے افراد مراد ہوں تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا کل افراد مراد ہونگے یا بعض اول کو الف لام استغراقی کہتے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا الخ یہاں انسان میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ اگر استغراقی نہ ہوگا تو استثنا درست نہ ہوگی نہ متصل نہ منفصل۔ کیونکہ اول کے اندر مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا یقینی ہوتا ہے اور استثنائے منقطع کے اندر مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج یقینی ہوتا ہے۔ اور یہ دخول اور خروج یقینی طور پر جب ہی ہو سکتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ مدخول الف لام سے تمام افراد مراد ہوں اور یہ بدون استغراق اور بلا احاطہ تمام افراد ممکن نہیں لہذا لامحالہ آیت مذکورہ میں بقرینہ استثنا الف لام استغراقی ہوگا اور جب مدخول الف لام سے بعض افراد مراد ہوں تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ وہ بعض افراد خارج میں معین ہوں گے یا غیر معین اول کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں۔ جیسے قولہ تعالیٰ فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذا وبیلا۔ یعنی فرعون نے اس رسول معین یعنی موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کی جس کا ذکر سابقہ آیت کما ارسلنا الی فرعون رسولا میں آچکا ہے اور ثانی کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں۔ جیسے قولہ تعالیٰ واخاف ان یاکلہ الذئب یہاں ذئب مذکور سے خارج میں کوئی فرد معین مراد نہیں ہے معہود ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے اسکے ساتھ نکرہ کا معاملہ کرنا جائز ہے کما فی قول الشاعر ؎

ولقد امر علی اللئیم یسبنی ٭ فمضیت ثمۃ قلت لا یعنینی ۔

اب اس تفصیل کے بعد اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ الکلمہ میں الف لام ان اقسام میں سے کون سی قسم کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ الف لام جنسی ہے استغراق و عہد خارجی کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں ہوتی پس یہ الف لام اگر غیر جنسی ہوگا تو چونکہ اس وقت اس کے مدخول سے افراد مراد ہونگے۔ کلاً یا بعضاً لہذا ماہیت کی تعریف نہ ہوگی افراد کی ہو جاویگی اور یہ ناجائز ہے اور وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ تعریف سے مقصود معرف بالفتح کا استحضار ہوتا ہے اور اس کے افراد غیر متناہی ہیں جن کا استحضار ہو نہیں سکتا بخلاف ماہیت کے کہ وہ متناہی ہے۔ اسکا استحضار زمانہ متناہی میں ہو سکتا ہے لہذا ثابت اور محقق ہو گیا کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں ہوتی لیکن یہ ایک منطقی قاعدہ ہے نحوی نہیں ہے لہذا ان نحاۃ پر صحت نہیں ہو سکتا جو الکلمہ میں الف لام عہد خارجی کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تعریف افراد ہمارے نزدیک جائز ہے نیز یہاں پر کلمہ سے مراد وہ کلمہ ہے جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور اس کے افراد غیر متناہی نہیں ہیں کہ تعریف بلا افراد ناجائز ہو۔ بلکہ وہ تین قسموں (اسم، فعل، حرف) میں منحصر ہے پس الکلمہ میں الف لام عہد خارجی لینے میں کوئی اشکال نہیں۔

(بحث دوم کلم لغت میں بمعنی سخن یا قاعدہ (کذا فی الصراح) کلمہ اور کلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکا اشتقاق کلم بسکون اللام سے ہے جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں اسلئے کہ نفس میں کلمہ اور کلام کی تاثیر ایسی ہے جیسی زخم کی ہوتی ہے کما قیل ؎ جراحات السنان لہا التیام ٭ ولا یلتام ما جرح اللسان ۔ پھر لفظ کلم میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا اسم جنس۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم جنس ہے اور ان کی دلیل قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر وہ جمع ہوتا تو اسکی صفت طیب نہ آتی بلکہ طیبہ تاکے ساتھ آتی اور لوگ اس کو جمع کہتے ہیں وہ اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ تین سے کم پر اس کا اطلاق نہیں آتا اور اگر اسم جنس ہوتا تو تین سے کم پر بھی اس کا اطلاق آسکتا تھا اور وہ اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ کلم کی صفت مذکر لانے کی وجہ یہ ہے کہ جو جمع ایسی ہو کہ اس کے درمیان اور اسکے مفرد کے درمیان تا سے فرق ہو تو اسکی صفت میں تذکیر و تانیث برابر ہے۔ نیز احتمال ہے کہ طیب کلم کی صفت نہ ہو بلکہ اس کا موصوف محذوف ہوا ہے یعنی الکلم الطیب میں اس آیت سے جنسیت کلم پر استدلال کرنا صحیح اور درست نہیں (بحث سوم تا الکلمہ میں وحدت کیلئے ہے لیکن جب ہم اس تا کو وحدت کیلئے لیں گے تو یہ اعتراض وارد ہوگا کہ جنسیت الکلمہ میں کثرت اور عموم کی متقاضی ہے اور وحدت اس کے منافی ہے لہذا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ الکلمہ میں کثرت بھی ہو اور وحدت بھی کیونکہ دونوں میں منافات اور تضاد ہے پس اگر الف لام جنسیت کے لئے ہوگا تو وحدت کیلئے نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں ہیں شخصی، نوعی، جنسی، ان تینوں میں صرف وحدت شخصی عموم اور کثرت کے منافی ہے اور وہ یہاں مراد نہیں پس جب الکلمہ میں تا وحدت کے لئے لیں گے تو تخصیص کلمہ غیریہ کی صحیح ہو جائے گی اور کلمہ لغوی اور کلمہ شہادت سے احتراز ہو جائیگا اور یہ معنے ہوں گے کہ جنس کلمہ نحوی کی ماہیت نحویوں کے نزدیک یہ ہے ٭ ٭ ٭ ٭

فصل الکلمۃ لفظ وضع لمعنًی مفرد

لفظاً الخ لفظ کے معنی لغت میں کسی چیز کے پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں یقال اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ یعنی میں نے چھوہارے کو کھایا اور گٹھلی کو پھینک دیا اور اصطلاح نحات میں لفظ

لہ بہ الانسان من حرف فصاعدا کو کہتے ہیں یعنی جس کو انسان تلفظ کر سکے وہ لفظ ہے خواہ ایک حرف ہو یا زیادہ پس اس صورت میں لفظ کی یہ تعریف محذوف اور ضمیر مستتر کو بھی شامل اور متناول ہوگی۔ اس لیے کہ انسان ان دونوں کا تلفظ کر سکتا ہے محذوف کا تلفظ تو ظاہر ہے کہ انسان کر سکتا ہے۔ اور ضمیر مستتر کا تلفظ اس صورت میں ہوگا جبکہ اسکو ضمیر بارز مثلاً انت ہو وغیرہ سے تعبیر کیا جائے پھر انسان کا یہ تلفظ عام ہے کہ ابتداءً اس سے صدور ہوا ہو یا کسی دوسرے کا کلام ہو اس وقت یہ تعریف الفاظ الہیہ اور صیغہ کو بھی شامل ہوگی کلمہ کی تعریف میں لفظ مابہ الاشتراک ہے کہ مہمل اور موضوع مفرد اور مرکب سبکو شامل ہے اور باقی قیودات اس میں احترازی اور مابہ الامتیاز کے درجہ میں ہیں (ترکیب) الکلمۃ مبتدا اور لفظ اپنی صفت وضع سے مل کر اس کی خبر ہے لیکن اس ترکیب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مبتدا اور خبر کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت اور موافقت ضروری ہے۔ اور یہاں مبتدا مؤنث اور خبر مذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کے مابین مطابقت اس وقت ضروری ہے جبکہ خبر مشتق ہو اور اس میں ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو نیز وہ ضمیر تذکیر و تانیث میں برابر ہو۔ اور یہاں پر ضمیر اگرچہ تذکیر و تانیث میں برابر نہیں مگر وہ مشتق نہیں لہذا یہاں پر مبتدا اور خبر کے مابین مطابقت کا ہونا ضروری نہیں۔ وضع لغت میں بمعنی بنانا دن اور اصطلاح میں ایک شئی کو دوسری شے کیساتھ اس طرح خاص کرنے کو کہتے ہیں کہ جب شے اولی یعنی مخصص کا احساس یا اطلاق کیا جاوے تو شے ثانی یا مخصص لہ سمجھ میں آجاوے کلمہ کی تعریف میں اس قید سے مہملات جیسے جسق اور وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں جیسے آخ آخ خارج ہو گئے اس لیے کہ وضع اور تخصیص ان میں نہیں پائی جاتی اور ابھی تک اس میں الفاظ موضوعہ مفردہ مرکبہ کلامیہ اور غیر کلامیہ تمام داخل ہیں معنًی یہ باعتبار لغت کے یا تو بروزن مفعل اسم مکان ہے بمعنی جائے قصد یا مصدر میمی ہے معنی میں مفعول کے یا اسم مفعول کا صیغہ ہے دراصل معنوی تھا بقاعدہ سیبویہ واؤ ی سے بدل گیا اور مناسبت یا کی وجہ سے ضمۂ نون کسرہ سے بدل گیا پھر خلاف قیاس ایک یا کو حذف کر دیا اور کسرہ نون فتحہ سے بدل گیا پھر یا کو الف سے بدلا اور الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گرا دیا معنی ہو گیا۔ معنی کی قید سے حروف ہجا با تا وغیرہ خارج ہوئے اس لیے کہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لیے ہے معنی کے لیے نہیں اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ غرض حروف ہجا سے مقصود ہوتی ہے اور وہ شے جو کسی شئے سے مقصود ہوتی ہے وہ معنی ہے۔ لہذا غرض ترکیب کو معنے سے خارج کرنا درست نہیں جواب یہ ہے کہ معنی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو لفظ سے مقصود ہوں اور لفظ میں داخل ہوں غرض ترکیب باعث فعل ہونے کی وجہ سے چونکہ لفظ حرف سے خارج ہے اس میں داخل نہیں اس لیے اس کو معنی کہیں گے۔ نیز معنے کیلیے ضروری ہے کہ بوقت اطلاق لفظ مفہوم ہوں غرض ترکیب چونکہ بوقت اطلاق حروف ہجا مثلاً الف با تا ثا وغیرہ نہیں سمجھی جاتی اس لیے اسکو معنی نہیں کہیں گے۔ علاوہ ازیں اگر غرض ترکیب کو حروف ہجا کا معنی تسلیم کر بھی لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ باہم حروف ہجا ایک دوسرے کے مرادف ہو جاویں اور تا کا مثلاً سین پر اور جیم کا دال پر (وعلی ہذا القیاس سائر الحروف) اطلاق صحیح اور درست اور جائز ہو جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ شان ترادف کی ہے اس میں معنی ایک اور الفاظ متعدد ہوتے ہیں۔ اور لازم باطل ہے پس غرض ترکیب کو بھی حروف ہجا کا معنی قرار دینا سراسر باطل اور نادرست ہے (فائدہ) جاننا چاہیے کہ جب حروف کو انکے اسماء کیساتھ شمار کیا جاوے مثلاً کہیں الف لام میم وغیرہ تو انکو حروف ہجا کہیں گے۔ اور جب وہ کسی کلمہ کا جزو ہوں تو انکو حروف مبانی کہیں گے جیسے با ضرب زید میں اور جب ان کے کوئی معنی ہوں تو ان کو حروف معانی کہیں گے جیسے با مررت بزید میں . . . .

- - - - - - - - - - - - - - - - مفرد اس میں رفع نصب جر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں مرفوع ہونے کی حالت میں یہ لفظ کی صفت ثانیہ ہے اور

مفرد کے یہ معنی ہونگے کہ لفظ مفرد وہ ہے کہ اس کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے لیکن اس صورت میں مصنف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ لفظ کی پہلی صفت ماضی اور دوسری کو مفرد لائے ہیں دونوں کو ایک طرز پر نہیں لائے اس میں کیا نکتہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ لفظ کی پہلی صفت کو بصیغہ فعل ماضی اور دوسری کو مفرد لانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ کا موضوع ہونا پہلے اور لفظ کا مفرد اور مرکب ہونا بعد کو ہوتا ہے اور مجرور ہونے کی حالت میں مفرد معنی کی صفت ہے اور اس وقت مفرد کے یہ معنی ہیں کہ معنی مفرد وہ ہے کہ اس کے جز پر لفظ کا جز دلالت نہ کرے لیکن اس صورت میں بھی مصنف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو معنی صفت افراد کیساتھ پہلے سے متصف ہے، ان کیلیے وضع ہوئی جس سے معنی کا مفرد ہونا پہلے اور وضع کا بعد میں ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ وضع پہلے اور افراد و ترکیب بعد میں واقع ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے یہاں معنی کو وضع سے پہلے مفرد مجازاً کہا گیا ہے۔ جیسا طالب علموں کو مجازاً مولوی کہہ دیتے ہیں۔ نصب کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو یہ ضمیر وضع سے حال ہے یا معنی سے حال واقع ہوگا جو کہ درحقیقت مفعول بہ ہے بواسطہ حرف جر کے اور یہ صورت بھی اشکال سے خالی نہیں اس لیے کہ حالت نصبی میں رسم خط میں الف لکھا جاتا ہے اور عامل ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہی ہوتا ہے اور یہاں ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں بلکہ دونوں مفقود ہیں نہ تو رسم خط میں الف ہے اور نہ عامل ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہے جواب یہ ہے کہ رسم خط میں نصب اس وقت لکھا جاتا ہے جبکہ نصب کے سوا اس پر کوئی اور احتمال نہ ہو اور یہاں نصب کے علاوہ دو احتمال اور ہیں اور پھر عامل ذوالحال اور حال میں مقارنت بھی ہو سکتی ہے اور تقدم اور تاخر میں بھی مقارنت زمانیہ ہوگی اور تقدم اور تاخر ذاتی میں کوئی منافات نہیں اس لیے کہ مقارنت زمانی وہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں پائے جاویں اور تقدم اور تاخر ذاتی وہ ہے کہ مؤخر مقدم کا محتاج ہو۔ اور مقدم مؤخر کے لیے علت تامہ ہو (باقی بر صفحہ ۱۷)

وھی منحصرۃ فی ثلثۃ اقسام اسم وفعل وحرف لانھا اما ان لا تدل

جیسے حرکت ید اور حرکت قلم کو۔ دونوں کا زمانہ ایک ہے اور حرکت قلم حرکت ید کی محتاج ہے کہ بدون ہاتھ کی حرکت کے قلم کی حرکت متخیل اور ناممکن ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وضع اور افراد دونوں کا زمانہ ایک ہی ہو اور وضع افراد پر مقدم بھی ہو۔ لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا کیونکہ اس وقت عامل ذوالحال اور حال کا زمانہ بھی ایک ہو گیا اور وضع کا افراد پر تقدم بھی ہو گیا کلمہ کی تعریف میں مفرد کی قید لگانے سے قائمۃ اور بصریۃ۔ خارج ہو گئے اس لیے کہ قائم ذات من لہ القیام پر اور تانیث پر دلالت کرتی ہے اسی طرح بصرہ ایک شہر ہے اور یا سے نسبت مفہوم ہوتی ہے اور تانیث پر دلالت کرتی ہے **قولہ وھی الخ** اس مقام پر ایک اعتراض ہے کہ ہی ضمیر یا لفظ کلمہ کی طرف راجع یا مفہوم کلمہ کی طرف لوٹتی ہے اور دونوں صورتیں باطل اور غیر صحیح ہیں اول اسوجہ سے کہ لفظ کلمہ اسم ہے تو اس کا تو مطلب ہوا کہ لفظ کلمہ یعنی اسم ان اقسام ثلثہ یعنی اسم و فعل و حرف کی طرف منقسم ہو کر ان ہی میں منحصر ہے اس مطلب پر لازم آتا ہے کہ شے کی تقسیم اپنے نفس اور غیر کی طرف ہو رہی ہے یعنی خود اس اسم کی طرف اور اس کے غیر (فعل حرف) کی طرف ہوتی ہے اور یہ لازم صریح باطل ہے اور امر ناجائز۔ اور ثانی صورت اس وجہ سے باطل ہے کہ کلمہ کا مفہوم مذکر ہے اور ضمیر مونث مذکر کی طرف نہیں لوٹتی چونکہ ضمیر اور اس کے مرجع میں موافقت و مطابقت ضروری ہے اور وہ یہاں معدوم ہے جواب ضمیر ہی کا مرجع لفظ کلمہ باعتبار مفہوم کے ہے اور صرف لفظ اور صرف معنی نہیں اور قباحت مذکورہ جب لازم آتی جبکہ صرف لفظ یا صرف معنی ضمیر کا مرجع کیا جاتا اور جب ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ باعتبار مفہوم کے قرار دیا گیا تو اشکال مذکور مردود ہے چونکہ مونث ضمیر لفظ کلمہ کی رعایت سے لائی گئی اور تقسیم معنی کلمہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ اسم الخ** اس میں سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اسم کو فعل پر اور فعل کو حرف پر کیوں مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم افادہ میں مستقل ہے فعل و حرف کی طرف احتیاج نہیں رکھتا اور دہ جامع مذہب پر فعل سے مشتق ہے بخلاف فعل کے کہ وہ افادہ میں مستقل نہیں ہے بلکہ اسم کی طرف محتاج ہے اس وجہ سے اسم اصل ہوا اور فعل فرع اور اصل فرع پر مقدم ہوا کرتی ہے لہٰذا مصنفؒ نے اسم کو فعل پر مقدم کر دیا۔ پھر فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ فعل حرف کی طرف افادہ میں محتاج نہیں اور حرف دونوں کی طرف محتاج ہے۔ اور جو محتاج ہوتا ہے وہ غیر محتاج کی فرع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے فعل اصل ہوا اور حرف فرع لہٰذا فعل کو حرف پر مقدم کیا۔ **قولہ لانہا الخ** مصنفؒ نے چونکہ مفہوم کلمہ کے اقسام ثلثہ میں منحصر ہونیکا دعویٰ کیا تھا اور دعویٰ دلیل کو مقتضی ہے اس وجہ سے مصنف اپنے دعویٰ پر لانہا سے حصر فی اقسام ثلثہ پر دلیل بیان کرتا ہے اس دلیل پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ دلیل دو حال سے خالی نہیں یا تو عقلی ہے یا نقلی اور دونوں شق باطل ہیں اول اس وجہ سے کہ عقل حصر کا حکم نہیں کرتی کیونکہ قسم اول (غیر دال علی معنی فی نفسہ) میں تقسیم کا احتمال ہے عقلاً کہ وہ بھی مقترن باحد الازمنۃ الثلثہ اور غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثہ کی طرف منقسم ہو اور ایسے ہی قسم ثانی کی ہر قسم عقلاً تقسیم کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ جو قسم مقترن بالزمان ہوتی ہے عقل اس کے اقسام کو زمانہ ماضی و حال و استقبال کی طرف منقسم ہونیکو نہیں روکتی پھر مقترن بالماضی ماضی قریب و ماضی بعید وغیرہما کیطرف منقسم ہو سکتا ہے اسیطرح مقترن بالاستقبال مستقبل فی الدنیا و مستقبل فی الآخرۃ کی طرف منقسم ہونیکا محتمل ہے اور ایسے ہی غیر مقترن کو بھی مشتق اور غیر مشتق کی طرف منقسم ہونے سے عقل نہیں منع کرتی غرضیکہ تقسیم الی مالا تناہی لہ چلتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دلیل حصر عقلی نہیں اور نہ عقل کلمہ کے ان اقسام کے اندر محصور ہونیکو چاہتی ہے نیز یہ دلیل حصر نقلی بھی نہیں کیونکہ اگر یہ دلیل حصر نقلی ہوتی تو عرب کے کسی شخص سے منقول ہوتی حالانکہ یہ دلیل کسی آدمی سے منقول نہیں ہے جواب یہ دلیل عقلی ہے اور اسکے مقدمات اصطلاحی اور نقلی ہیں اسکا بیان یہ ہے کہ ہم نحات کی اصطلاح میں پاتے ہیں کہ کلمہ دو قسموں میں منحصر ہے ایک ما دل علی معنی فی نفسہ دوسرے مالا یدل علی معنی فی نفسہ اور نیز ان کی اصطلاح میں یہ بھی پاتے ہیں کہ کلمہ دو قسموں میں محصور ہے ایک ما یقترن باحد الازمنۃ الثلثہ اور دوسرے مالا یقترن باحد الازمنۃ الثلثہ اور یہ مقدمات اہل اصطلاح سے منقول ہیں جب یہ مقدمات ثابت اور متحقق ہو گئے تو عقل نے حکم کیا کہ یہ تقسیم اثبات اور نفی کے درمیان دائر ہے لہٰذا عقل نے حصر کو چاہا لہٰذا یہ دلیل عقلی ہو گئی کیونکہ اگر عقل حصر فی الاقسام الثلثہ کا تقاضا نہ کرے تو اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین دونوں لازم آجائینگے اور یہ دونوں عقلاً محال ہیں اور دلیل عقلی کے واسطے اس کے سب مقدمات کا عقلی ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے مقدمات کبھی عقلی ہوتے ہیں کبھی نقلی حسی اور کبھی نقلی تجربی اور کبھی متواترات جیسا کہ کتب منطق میں مذکور ہیں۔ فارجعوا الیہا واللہ اعلم دوسرا اعتراض اس دلیل پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ دلیل انحصار تعریف کلمہ سے مربوط نہیں ہے بلکہ اسکی مخالف اور معاند ہے۔ کیونکہ دلالت اور اقتران کلمہ کی حقیقت میں مذکور نہیں ہے جواب حقیقت کلمہ (لفظ وضع لمعنی مفرد) میں دلالت اور اقتران اگرچہ لفظاً موجود نہیں مگر تقدیراً موجود ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ صیغہ وضع تعریف کلمہ میں مذکور ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہے لہٰذا دلالت کا بھی ذکر کلمہ کی تعریف اور حقیقت میں مذکور ہے پس اعتراض مذکور ساقط اور باطل ہے **قولہ ان لا تدل** یہ ان کی خبر ہے اور ضمیر انہا میں جو ہے وہ اسم ہے اور خبر کا اسم پر محمول ہونا ضروری ہے اور ان لا تدل کا حمل ضمیر پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے اور یہ ذات ہے اور ان لا تدل بتاویل مصدر ہے اور مصدر وصف ہوتا ہے اور صرف وصف کا حمل ذات پر صحیح اور درست نہیں جواب یہ ہے کہ ان لا تدل اُن کی خبر نہیں بلکہ محذوف کی خبر ہے ای لانہا من شانہا ان لا تدل پس اس وقت وصف کا حمل ذات پر نہیں۔ لہٰذا اعتراض مذکور ساقط ہے اس اعتراض کے جوابات اور بھی مختلف طرز سے دیئے جاتے ہیں دلیل کی اس شق پر ایک اعتراض یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ ان لا تدل میں جیسا کہ مطلق دلالت کی نفی ہوتی ہے وضع کی بھی ہو جاتی ہے اس لیے کہ وضع خاص ہے اور دلالت عام کیونکہ دلالت بدون وضع کے دلالت عقلیہ و طبیعیہ میں پائی جاتی ہے اور قاعدہ ہے (باقی بر صہ ۱۸)

عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَهُوَ الْحَرْفُ اَوْ تَدُلُّ عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَيَقْتَرِنُ مَعْنَاهَا بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ الْفِعْلُ اَوْ تَدُلُّ عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَلَمْ يَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا بِهٖ وَهُوَ الْاِسْمُ فَحَدُّ الْاِسْمِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ

کہ انتفاء عام انتفاء خاص کو مستلزم ہے پس جب مطلق دلالت کی نفی ہوگئی تو وضع کی بھی ہوگئی اور جب وضع کی نفی ہوگی تو کلمہ کی بھی ہو جائیگی اس لئے کہ کلمہ کی تعریف میں وضع موجود ہے تو جب کلمہ کی نفی ہوگئی تو مصنفؒ کا ہوالحرف کہنا غلط ہے چونکہ حرف کیلئے کلمہ کا ہونا ضروری ہے جواب یہ ہے کہ اگرچہ مطلق دلالت وضع سے عام ہے لیکن ان لاتدل میں جو دلالت کی نفی ہے وہ مطلق دلالت کی نفی نہیں بلکہ اخص کی ہے یعنی دلالت فی نفسہا پس اس صورت میں دلالت فی نفسہا کی نفی ہو کر مطلق دلالت کی نفی ہوئی جب مطلق دلالت کی نفی نہ ہوئی تو وضع کی نفی بھی نہ ہوئی اور اس شق اول کو حرف کہنا درست ہوگا واللہ اعلم بالصواب **قولہ علی معنی فی نفسہا**۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ فی لغو ہو تدل کے متعلق لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ فی دلالت کے صلہ میں نہیں آتا تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ فی یہاں پر بار کے معنی میں مستعمل ہے یعنی کلمہ کی دلالت معنی پر بذاتہا نہ ہو بلکہ ضم ضمیر کیساتھ ہو دوسرا احتمال یہ ہے کہ فی مستقر ہو کر معنی کی صفت بنے تقدیر عبارت یوں ہوگی علی معنی حاصل فی نفس الکلمۃ یعنی کلمہ کا دلالت کرنا ایسے معنی پر ہو جو معنی نفس کلمہ میں حاصل ہیں یعنی مستقل بالمفہوم نہ ہو۔ **قولہ ہو الحرف** یعنی جس کلمہ کی دلالت معنی پر بالاستقلال نہ ہو حرف ہے مصنفؒ نے تقسیم میں حرف کو موخر بیان کیا تھا اور یہاں مقدم کر دیا اسکی کئی وجہ بیان کرتے ہیں اول یہ کہ حرف کے معنی لغت میں طرف کے ہیں جیسا کہ کتاب میں عنقریب آئیگا اس وجہ سے مصنفؒ نے اس کو ایک مرتبہ طرف اعتبار میں بیان کر دیا اور ایک مرتبہ طرف ابتدا میں تقسیم میں اعتبار میں ذکر اسوجہ سے کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ اسکا رتبہ مؤخر ہے اور دوسرا وجہ اس وجہ سے پہلے بیان کیا تاکہ بیان حصر میں قریب سے شروع ہو جاوے اگر برعکس معاملہ کرتا تو یہ بات ثابت نہ ہوتی بعض نے کہا ہے کہ دو وجہ حصر میں حرف کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ حرف عدمی ہے چونکہ اسکی نفس معنی دلالت نہیں ہوتی بخلاف اسم اور فعل کے کہ انکی دلالت معنی مستقل پر ہوتی ہے لہذا حرف عدمی ہوا۔ کہ اسکے نفس معنی پر دلالت نہیں ہوتی اور عدم وجود پر مقدم ہے یا حرف کو دلیل میں اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ کلمہ کی یہ قسم غیر منقسم ہے بخلاف دوسری قسم کے کہ وہ اقتران اور عدم اقتران کی طرف منقسم ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب **قولہ ہو الفعل**۔ یعنی وہ قسم جس کی دلالت معنی فی نفسہا پر ہوتی ہے اور اس معنی کا اقتران تین زمانوں سے ایک کے ساتھ ہو تو وہ فعل ہے فعل کو مصنفؒ نے اسم پر مقدم کر دیا حالانکہ تقسیم میں مؤخر بیان کیا تھا وجہ اسکی یہ ہے کہ تقسیم میں اس وجہ سے مؤخر کیا تھا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ فعل مرتبہ میں اسم سے مؤخر ہے اور یہاں اس بنا پر مقدم کیا کہ فعل کی تعریف وجودی ہے اور اسم کی عدمی اور العدام کی معرفت اسکے ملکات سے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے حصر میں فعل کو اسم پر مقدم کیا۔ **قولہ فحد الاسم**۔ اس میں فائے فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کے جواب پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ فانفجرت میں ہے ای واضرب موسیٰ الحجر بعصاہ فانفجرت لہذا تقدیر عبارت یوں ہوگی اذا بینا دلیل الحصر فحد الاسم الخ یعنی جب ہم نے دلیل حصر بیان کر دی تو اسم کی حد کلمہ تدل الخ ہے چونکہ مصنفؒ جب دلیل حصر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اس نے چاہا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کی تعریف بھی کر دی جاوے۔ اگرچہ دلیل حصر سے بھی ایک گونہ تعریف مستفاد ہو گئی تھی لیکن وہ تبعاً مستفاد ہوئی تھی نہ قصداً۔ حالانکہ حدود قصدی ہونی چاہئیں نہ تبعی اگر کوئی کہے کہ حد کی تقدیم دلیل حصر پر واجب ہے تو مصنفؒ نے یہاں کس وجہ سے حد کو دلیل پر مقدم نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ حد کی تقدیم وجہ حصر پر اس وقت ضروری ہوتی ہے کہ جب وجہ حصر حدود کو شامل نہ ہو اور یہ دلیل حصر حدود پر مشتمل اور ہر سہ تعریفات کو متضمن ہے اس وجہ سے اسکی تقدیم وجہ حصر پر جائز ہو گئی لیکن اس تقدیم کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ مصنفؒ کو دونوں قسم کی تعریف (ضمنی اور قصدی) پر مطلع اور متنبہ کرنا مقصود ہے اگرچہ یہ امر صورت تاخیر میں بھی ممکن ہے لیکن تصریح تضمین کے بعد امکن فی الذہن ہوتا ہے بخلاف تضمین بعد تصریح کے کہ وہ امکن فی الذہن نہیں ہوتی کیونکہ تعریف صریح کو ذکی اور غبی دونوں طبقہ کے لوگ سمجھتے ہیں بخلاف ضمنی تعریف کے کہ غبی اس کو نہیں سمجھتا لہذا تصریح بعد تضمین لامحالہ مفید عام ہوگی۔ حد کے معنی لغت میں منع (روکنا) ہیں اور مناطقہ کی اصطلاح میں شے کا وہ معرف ہے جو شے کی ذاتیات سے مرکب ہو اس کے مقابلہ میں رسم ہے اور وہ معرف ہے جو شے کی محض ذاتیات سے مرکب نہ ہو بلکہ ذاتیات یا عرضیات یا خالص عرضیات سے ترکیب پاوے اور اہل عربیت کی اصطلاح میں معرف جامع مانع کو حد کہتے ہیں یہ تعریف حد اور رسم دونوں کو شامل اور متناول ہے یہاں پر حد اہل منطق اور حد اہل عربیت ہر ایک بن سکتی ہے کما لا یخفی **قولہ کلمۃ تدل** مصنفؒ نے یہ اسم کی تعریف کی ہے اس میں کلمہ موصوف ہے اور تدل علی معنی اسکی صفت ہے اور فی نفسہا معنی کی صفت اول ہے اور غیر مقترن معنی کی صفت ثانی ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنے پر دلالت کرے جو نفس کلمہ میں حاصل ہیں اور وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن نہ ہو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ کلمہ فی یہاں مناسب نہیں چونکہ کلمہ معنی کیواسطے ظرف نہیں ہے اور فی ظرفیت کا تقاضا کرتی ہے جواب کلمہ فی بمعنی باء ہے یعنی بنفسہا لیکن مصنفؒ کلمہ فی کو اس وجہ سے لایا ہے کہ کلمہ جب ایسے معنی پر دلالت کریگا جو ذات کلمہ کے ساتھ ہیں بلا احتیاج دوسرے کلمہ کے ضم کے تو گویا وہ کلمہ اس معنی کو محیط ہوگا جیسے ظرف مظروف کا احاطہ کرتا ہے اس علاقہ کی وجہ سے مصنفؒ نے کلمہ فی وارد کیا ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی بمعنی باء ہو کیونکہ تدل کے متعلق ہو جاوے غرضیکہ معنی کا نفس کلمہ میں حاصل ہونا اور کلمہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے دلالت کرنا دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی معنی مستقل بالمفہوم اسطرح پر کہ دوسرے کلمہ کے ملانے کے اسکے معنی اسکے تلفظ کے وقت سمجھ میں آجائیں لیکن اس معنی کا اقتران زمانہ کے ساتھ نہ ہو ماضی ہو یا حال یا استقبال مصنفؒ کا کلمہ تدل اسم کے واسطے بمنزلہ جنس قریب ہے کیونکہ (باقی بر ص ۱۹)

علیٰ معنًی فی نفسِها غیرِ مُقترنٍ باحد الازمنۃ الثلٰثۃ اعنی الماضی والحال

اسم کے بعض شرکا اور بعض شرکا فی ہذا الجنس (فعل و حروف) کے جواب میں کلمہ ہی واقع ہوتا ہے اس وجہ سے جنس قریب ہے اسم کیساتھ اس میں فعل اور حرف شریک ہیں اور علیٰ معنی فی نفسہا فصل ہے اس سے حرف خارج ہوگیا کیونکہ حرف کی دلالت معنی پر ذات کلمہ کے اعتبار سے نہیں ہوتی بلکہ غیر کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور غیر مقترن کی قید سے اسم کو فعل سے امتیاز حاصل ہوگیا کیونکہ فعل کا اقتران زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تعریف اسم میں جیسا کہ تدل علیٰ معنی فی نفسہا کی قید سے حرف سے احتراز ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی اس قید سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں دلالت مطلق ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے لہذا بقاعدہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اس دلالت سے دلالت مطابقی مراد ہوگی جو کہ دلالت کا فرد کامل ہے اور یہ معنی ہونگے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت کرے اور فعل چونکہ معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت نہیں کرتا لہذا وہ تدل علیٰ معنی فی نفسہا کی قید سے خارج ہوگیا پس اب اس اخراج کیلئے تعریف اسم میں کسی دوسری قید کا لگانا یقیناً عبث ہوگا رہا یہ امر کہ فعل معنی مستقل پر مطابقۃً کیوں دلالت نہیں کرتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ فعل حدث یعنی معنی مصدری اور اقتران بالزمان اور نسبت الی فاعل تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے جن میں سے صرف معنی مصدری مستقل ہے اور باقی غیر مستقل ہیں اور چونکہ مستقل اور غیر مستقل سے جو مرکب ہوتا ہے وہ غیر مستقل ہی ہوتا ہے لہذا فعل کا مجموعہ معنی مطابقی غیر مستقل ہوا پس فعل چونکہ وہ معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت نہیں کرتا لہذا وہ تعریف تدل علیٰ معنی فی نفسہا کی قید سے خارج ہوگیا اب اسکے اخراج کیلئے کسی دوسری قید کا لگانا یقینی طور پر عبث اور لغو ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ تعریف اسم میں جو پہلی قید ہے فعل اخراجاً خارج ہو جاتا ہے لیکن چونکہ تعریفات کے اندر دلالات التزامی و تضمنی کا اعتبار نہیں ہے اس لئے قید ثانی کا اضافہ کرنا پڑا ہے کہ فعل سے بصراحت احتراز ہو جائے (فائدہ) اور اوپر جو مذکور ہوا ہے کہ مستقل اور غیر مستقل کا مجموعہ غیر مستقل ہوتا ہے یہ حکم ہر مستقل اور غیر مستقل کے مجموعہ کا نہیں بلکہ اس مرکب کا حکم ہے جس کی ترکیب کسی ایسے غیر مستقل سے ہو جو امر خارج اور اجنبی کا محتاج ہو پس یہ اعتراض کہ کلام کا ایک جزء اسناد ہے اور وہ غیر مستقل ہے لہذا مستقل اور غیر مستقل سے مل کر کلام بھی غیر مستقل ہوگا صحیح نہیں اس لیے کہ کلام میں کسی اجنبی کی طرف احتیاج نہیں ہے بلکہ مسند الیہ اور مسند کی طرف ہے جن سے اسناد اختراع کی جاتی ہے بخلاف فعل کے کہ اس کا ایک جزء یعنی نسبت الی فاعل اجنبی یعنی فاعل کا محتاج ہے۔ پس فعل کا مجموعہ معنی مطابقی مستقل اور غیر مستقل سے مل کر غیر مستقل ہوا اور کلام مستقل ہوا **قولہ غیر مقترن** کلمہ غیر یا تو معنی کی صفت کی بنا پر مجرور ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہونیکے اعتبار سے مرفوع ہے تقدیر عبارت غیر مقترن ہوگی یا معنی سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور معنی کے زمانہ کے ساتھ مقترن ہونے سے یہ مراد ہے کہ وضع اول کے اعتبار سے مقترن نہ ہو اس طور سے کہ کسی کلمہ سے زمانہ کیساتھ معنی کا اقتران مفہوم نہ ہو اقتران فہم میں نہ ہونیکا یہ مطلب ہے کہ جب کلمہ کا تلفظ کیا جاوے اور اس سے معنی مفہوم ہو تو اس معنی کے ساتھ زمانہ مفہوم نہ ہو اگرچہ مصادر کے معنی زمانہ کیساتھ مقترن ہوتے ہیں لیکن نفس الامر میں اور باعتبار حقیقت کے ہوتے ہیں فہم میں نہیں ہوتے نفس الامر میں اسی وجہ سے مقترن ہوتے ہیں کہ مصادر کے معنی کا تحقق اور ثبوت اور وجود کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور ہوگا مثلاً ضرب جب پائی جاویگی تو لا محالہ اور بالضرورۃ کسی زمانہ میں ہی پائی جاویگی اور جس زمانہ میں پائی جاویگی اسی زمانہ سے اسکا اقتران ہو جاویگا لیکن یہ اقتران تحقق کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ فہم کے اعتبار سے چونکہ جب ضرب کا تلفظ ہوتا ہے تو اس سے معنی مفہوم ہوتے ہیں زمانہ کے ساتھ اس معنی کا ملنا نہیں سمجھا جاتا ایسے ہی اسم فاعل و مفعول کے معنی بھی اگرچہ حقیقۃً کیساتھ مقترن ہوتے ہیں اور اقتران بھی فہم میں ہوتا ہے یعنی جب اسم فاعل مثلاً زیدٌ ضاربٌ غداً یا امس یا الآن کہا تو ضارب کے ضرب کا اقتران زمانہ کے ساتھ سمجھا گیا یعنی زمانہ استقبال یا ماضی یا حال کیساتھ لیکن یہ خود اسم فاعل ضارب سے نہیں سمجھا گیا بلکہ غدا اور امس اور الآن سے مفہوم ہوا ہے حاصل یہ کہ معاً اور اسم فاعل اور اسم مفعول میں چونکہ اقتران معنی کا زمانہ کے ساتھ اسی کلمہ سے سمجھ میں نہیں آتا لہذا یہ تعریف اسم میں داخل رہیں گے اور خارج نہ ہونگے ایسے ہی وہ کلمات جن کے معنی میں زمانہ ہو جیسے امس غدا الآن وغیرہ تعریف اسم سے خارج نہ ہونگے چونکہ معنی کا اقتران زمانہ سے نہیں ہے ایسے ہی لفظ ماضی و حال و مستقبل تعریف اسم سے نہ نکلیں گے اگرچہ ان کی معنی کی مقارنت زمانہ سے ہو رہی ہے۔ لیکن یہ مقارنت علیٰ سبیل الوصفیۃ ہے نہ علیٰ سبیل الجزئیۃ اور ہم نے جو اقتران کی تفسیر کی ہے اس سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اقتران سے مراد اقتران علیٰ سبیل الجزئیۃ ہے چونکہ ہم نے کہا ہے کہ جب کلمہ سے معنی مفہوم ہوں تو ایک زمانہ بھی اس کے ساتھ مقارن سمجھا جاوے ایسے ہی اسماء افعال بھی تعریف اسم میں داخل رہے چونکہ انکے معنی کا اقتران انکے زمانہ کے ساتھ اگرچہ خود ہی سمجھا جاتا ہے لیکن وضع اول کے اعتبار سے نہیں بلکہ وضع ثانی کے اعتبار سے سمجھا جاتا ہے اسی طرح افعال مقاربہ اور افعال مدح و ذم بھی تعریف اسم سے خارج ہوگئے چونکہ اگرچہ انکے معنی کا اقتران ان کے زمانہ کے ساتھ خود ان سے سمجھا نہیں جاتا۔ لیکن یہ بات وضع ثانی کے اعتبار سے ہے اول وضع میں انکے معنی کا اقتران ایک زمانہ مشخصہ کیساتھ خود ان سے سمجھا جاتا تھا اس تمام بیان سے حد اسم کی جامعیت اور مانعیت خوب روشن اور اچھی طرح واضح ہوگئی البتہ فوق تحت وغیرہ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان سب کو اسماء کہتے ہیں حالانکہ ان پر تعریف اسم صادق نہیں آتی کیونکہ جب تک انکا مضاف الیہ مذکور نہیں ہوتا اس وقت تک ان کے معنی پر ان کی دلالت نہیں ہوتی لہذا یہ دلالت میں ضم غیر کے محتاج ہوئے پس تعریف جامع نہ رہی جواب یہ ہے کہ یہ اسماء وضع کے اعتبار سے مستقل بالمفہوم ہیں ہاں البتہ باعتبار استعمال کے مستقل نہیں چونکہ یہ بلا اضافت استعمال میں نہیں لائے جاتے اور یہ ہی طریقہ معتاد ہوگیا ہے لہذا عدم استقلال ان کا استعمال ہے وضعی نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

والاستقبال کرجل وعلمٍ وعلامتہ صحۃ الاخبار عنہ نحو زیدٌ قائمٌ والاضافۃ

قولہ کرجل وعلم مبتدائے محذوف کی خبر ہے اے ہو کرجل وعلم مصنفؒ نے اسم کی دو مثالیں دی ہیں ایک مثال اسم معنی کی اور ایک مثال اسم عین کی **قولہ علامۃ صحۃ الاخبار عنہ وبہ** چونکہ اسم کی تعریف استقلال اور عدم استقلال پر موقوف ہے یعنی انکے سمجھے بغیر اور اسکو مبتدی متعلم عام طور سے نہیں سمجھ سکتا اس وجہ سے مصنفؒ نے تعریف حدی سے فارغ ہونے کے بعد اسم کی تعریف رسمی کردی تاکہ ذاتیات اور عرضیات دونوں سے خوب واضح طور پر روشن ہو جاوے علامۃ الشئی وہ ہے جو شے کے وجود پر دلالت کرے اور اس سے منفک اور علیحدہ نہ ہو چونکہ علامت کے مفہوم میں دلالت بر وجود شے ماخوذ ہے اور خاصہ کے مفہوم میں یہ معتبر نہیں ہے کیونکہ خاصۃ الشئی وہ ہے کہ جس شے کی ہو شے خاصہ ہو وہ اس میں پائی جاوے اور اس کے غیر میں نہ پائی جاوے اسی وجہ سے مصنفؒ نے لفظ خاصہ کو ترک کیا اور لفظ علامت کہا اگرچہ دونوں آپس میں متلازمین ہیں حد اور خاصہ میں فرق یہ ہے کہ حد میں جامعیت اور مانعیت شرط ہے اور خاصہ میں نہیں چنانچہ اول اعتبار سے یہ کہنا درست ہوگا کہ جو کلمہ فی نفسہ معنی پر دلالت کرے اور زمانہ سے مقترن نہ ہو وہ اسم ہے اور جو کلمہ ایسا نہ ہو وہ اسم نہیں اور یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جس میں الف لام ہو وہ اسم ہے اور جس میں الف لام نہ ہو وہ اسم نہیں بلکہ خاصہ میں جامعیت شرط نہیں اور یہ فرق حد اور خاصہ غیر شاملہ میں ہے اور حد اور خاصہ شاملہ میں فرق صرف ذات اور عرض کے اعتبار سے ہے چونکہ ان دونوں میں جامعیت اور مانعیت شرط ہے لیکن اسم کے جتنے خواص کتاب میں مذکور ہیں وہ خواص اور علامات غیر شاملہ ہیں اخبار عنہ کا مطلب ہے شے کا مخبر عنہ ہونا اور اخبار بہ کا مطلب ہے شے کا مخبر بہ ہونا اس عبارت کے سمجھنے سے پہلے ایک امر کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ بعض نسخوں میں عنہ کے بعد لفظ وبہ ہے اور بعض میں نہیں جن نسخوں میں موجود ہے بعض شراح نے اس کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ ناسخ کے قلم سے سہواً ہوا ہے یعنی ناسخین کے تصرف سے ہے اور انہیں حضرات کی کارستانی ہے بعض شراح کا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ وبہ میں واؤ عاطفہ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسم کی علامت مخبر بہ یعنی مسند ہونا ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شے کی علامت وہ ہے جو اس شے کیساتھ مخصوص ہو یعنی اس میں ہی وہ امر پایا جاوے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے تو جب مصنفؒ نے کہا ہے کہ اسم کی صحت کی علامت مخبر بہ ہونا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسند فقط اسم ہی ہوتا ہے فعل اور حرف نہیں ہوتا حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ فعل بھی مسند ہوتا ہے اس وجہ سے اس شارح نے کہا کہ یہ غلط ہے اس کے بعد یہ شارح کہتا ہے کہ اگر مذکورہ ذیل تاویل کرلی جاوے تو یہ نسخہ بھی صحیح ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اخبار عنہ وبہ کی بحث سے مراد یہ ہے کہ دونوں کا مجموعہ اسم کی علامت ہے یعنی کلمہ کا حالت واحدہ میں مسند الیہ ہونیکی صحت علامت اسم ہے جیسے اجنبی ضرب زید ضرب حالت واحدہ میں مسند الیہ اور مسند ہے اس کے بعد اس تاویل کو رد کرتا ہے کہتا ہے کہ مصنفؒ کی عبارت میں یہ تاویل جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ نحو زید قائم سے مثال بیان کرنا اس تاویل کے منافی ہے کیونکہ اس میں وقت واحدہ کے اندر کوئی سا کلمہ مسند الیہ و مسند نہیں ہے بعض نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے اور وبہ کا عنہ پر عطف ہے لیکن مع صحۃ اخبار عنہ وبہ کے بعد محذوف ہے اور مصنفؒ نے اسم کی یہاں تک دو علامتیں بیان کی ہیں تقدیر عبارت صحۃ کون الکلمۃ مسنداً مع صحۃ کونہ مسند الیہ یعنی ایک علامت اسم کی صحۃ کون الکلمۃ مسند الیہ ہے اور دوسری علامت اسم کی صحۃ کون الکلمۃ مسنداً اس سے معلوم ہوا کہ مسند ہونیکی صحت بغیر مسند الیہ ہونیکے صحت کے علامت اسم نہیں اگر ہو اس تاویل سے مطلب تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اس حذف پر کوئی قرینہ نہیں بعض شراح نے کہا ہے کہ واؤ بمعنی مع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اخبار عنہ کی صحت مع اخبار بہ کے اسم کی علامت ہے لیکن یہ تاویل اس تاویل کیطرف رجوع کرتی ہے جس کو بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک حالت میں مخبر عنہ وبہ ہونیکی صحت ہو لیکن صحت سے مراد صحت بالفعل نہ مانی جاوے بلکہ صحت بالقوہ مراد ہے یعنی قابلیت و قرع مطلب یہ ہے کہ اسم کی علامت کلمہ واحدہ مسند الیہ و مسند بننے کے قابل اور لائق ہونا ہے یعنی جو کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند الیہ بھی ہو سکے اور مسند بھی ہو سکے تو وہ اسم ہوتا ہے جیسے مثلاً زید قائم میں زید بھی اسم ہے اور قائم بھی اسم ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک مسند الیہ اور مسند ہونیکی قابلیت رکھتے ہیں مثلاً زید مثال مذکور میں مسند الیہ ہے اور نحو زید میں مسند اسی طرح قائم مثال مذکور میں مسند ہے اور القائم زید میں مسند الیہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ مسند ہو سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں ہو سکتا تو وہ اسم نہیں بلکہ کلمہ کا دونوں کے واسطے قابل ہونا ضروری ہے رہا یہ امر کہ دونوں کے قابل ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسم مستقل معنی پر مطابقۃً دلالت کرتا ہے اور فعل اور حرف دونوں ایسے نہیں اس وجہ سے اسم دونوں واقع ہو سکتا ہے اور فعل و حرف دونوں واقع نہیں ہو سکتے جاننا چاہیے کہ اسم کی اس علامت پر واذا قیل لہم اتقوا کہ اس میں لاتفسدوا فعل مسند الیہ ہے) اور اجنبی ان ضربت زیداً کہ اس میں حرف ہمسند الیہ واقع ہوا ہے) اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ علامۃ الاسم میں جو اسم ہے اس میں تعمیم ہے کہ وہ اسم صریح ہو جیسے زید قائم یا تاویلی اگر چہ بظاہر ان میں فعل اور حرف لفظ مہمل مسند الیہ ہیں لیکن یہ تاویلاً اسم ہیں چونکہ اسم کی تاویل میں ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے **قولہ والاضافۃ** مرفوع ہے چونکہ صحت پر معطوف ہے اور وہ علامۃ کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بتقدیر حرف جر مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے اس لیے کہ اضافت کو تعریف و تخفیف و تخصیص لازم ہے اور یہ تینوں اسم کے ساتھ مختص ہیں پس اگر اضافت غیر اسم میں پائی جاویگی تو ملزوم یعنی اضافت کا بدون لازم یعنی تعریف و تخفیف و تخصیص ہونا لازم آئے گا اور یہ محال و ناممکن ہے رہی یہ بات کہ صرف مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے یا مضاف الیہ ہونا بھی خواص اسم ہے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صرف مضاف ہونا وہ بھی بتقدیر حرف جر اسم کا خاصہ ہے اس لیے کہ فعل بھی مضاف ہوتا ہے جیسے قولہ تعالےٰ (باقی بر صفحہ ۲۱)

نحو غلامُ زیدٍ ودخولُ لامِ التعریفِ کالرجلِ والجرُّ والتنوینُ نحو بزیدٍ والتثنیۃُ والجمعُ

یوم ینفع الصادقین صدقہم میں ینفع فعل مضاف الیہ واقع ہوا ہے اور بتقدیر حرف جر کے شرط لگانے سے مررت بزید میں جو مررت فعل مضاف ہے وہ خارج ہو گیا اور اس سے اعتراض واقع نہ ہوگا کہ یہاں فعل مضاف ہے لہٰذا مضاف ہونا اسم کا خاصہ نہیں کیونکہ یہ تبلغط حرف جر مضاف ہے نہ بتقدیر حرف جر بعض دونوں کو اسم کے خواص میں سے مانتے ہیں اور جن مثالوں میں فعل مضاف الیہ واقع ہے ان کو بتاویل مصدر کرتے ہیں اے یوم نفع الصادقین واللہ اعلم بالصواب **قولہ ودخول لام التعریف** اسم کی علامتوں میں سے ایک علامت لام تعریف کا داخل ہونا بھی ہے چونکہ یہ معنی مستقل مطابقی کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی اسم کے بعد کسی اور میں نہیں پائے جاتے کیونکہ حرف کے معنی تو سرے سے مستقل ہی نہیں اور فعل اگرچہ معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ معنی مطابقی نہیں بلکہ تضمنی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ فعل باعتبار معنی مصدری کے مستقل ہے نہ باعتبار مجموعہ معنی مطابقی کے پھر یہاں پر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مصنفؒ نے دخول لام التعریف کیوں کہا دخول الف التعریف و لام کیوں نہ کہا تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میرے نزدیک سیبویہ کا مذہب مختار ہے کہ حرف تعریف فی الحقیقۃ لام ہے ہمزہ کو بوجہ متعذر ہونے کے ابتداء بسکون کے اس پر داخل کیا ہے بخلاف خلیل بن احمدؒ کے کہ وہ حرف تعریف مجموعہ الف و لام کو کہتا ہے اور بخلاف مبردؒ کے کہ وہ حرف تعریف صرف ہمزہ کو مانتا ہے اور اس کے نزدیک لام کو فقط ہمزہ استفہام اور ہمزہ تعریف میں ایک امتیازی شان پیدا کرنے کیواسطے لایا گیا ہے اگر کوئی کہے کہ تینوں مذہبوں میں سے مصنف نے مذہب سیبویہ کیوں اختیار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الف درج کلام میں گر جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف تعریف صرف ہمزہ ہے نہ مجموعہ الف و لام ورنہ الف درج کلام میں نہ گرتا کہ اس سے مذہب خلیلؒ پر ترجیح بلا مرجح اور مذہب مبردؒ پر اصل کا محذوف ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے پس ثابت ہو گیا کہ اصل تعریف میں لام ہے جو ہر حال میں ثابت رہتا ہے اور میم بھی چونکہ حرف تعریف ہے لہٰذا مصنفؒ کو چاہیے تھا کہ دخول حرف التعریف کہتے تاکہ میم کو بھی شامل ہو جاتا لیکن چونکہ مشہور اور متفق نہیں اس واسطے محض لام کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور میم کو ترک کیا تعریف کی قید سے تمام لامات سے احتراز ہو گیا جیسے لام ابتداء لام جواب لام امر وغیرہ کیونکہ یہ اسم کے علامات نہیں ہیں کیونکہ اسم کیساتھ مختص نہیں اور جو لام کہ فعل پر داخل ہے اس شعر میں ؎

واذا یخرج الیربوع من نافقائہ ومن مجرہ بالشیحۃ الیتقعقع

اس میں الیتقعقع پر لام داخل ہے تو یہ یا تو اشوذ ہے یا بنا بر ضرورت شعری کے داخل ہوا ہے چونکہ جو لام زائدہ تحسین کلام کیواسطے داخل ہوتا ہے وہ بھی لام تعریف پر محمول ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی اسم ہی پر داخل ہوتا ہے اس وجہ سے الیتقعقع پر جو لام ہے اسکو لام زائدہ برائے تحسین بھی نہیں کہہ سکتے لہٰذا شاذ ہی کہنا پڑیگا واللہ اعلم بالصواب **قولہ والجر** مجرور ہے لام تعریف پر اس کا عطف ہے لہٰذا یہ دخول کے تحت میں ہوا تقدیر عبارت ہوئی علامۃ الاسم دخول الجر یعنی جر کا دخول بھی اسم کی علامت ہے یہ اس وقت ہے کہ جر کے مصدری معنی یعنی اسم کا مجرور ہونا مراد نہ ہو بلکہ اس سے مراد کسرہ ہو اور اگر شے کا مجرور ہونا یعنی معنی مصدری مراد ہو تو اس وقت اسکا عطف صحت یا دخول پر ہوگا اور مرفوع ہوگا ورنہ معنی درست نہ رہیں گے چونکہ دخول کے معنی ہیں کسی اشیٔ کے اول میں لگنا یا آخر میں لگنا اور اشیٔ کا مجرور ہونا یہ معنی تداول میں اسم کے لگتے ہیں نہ آخر میں اسکے دخول کے تحت میں ہو کر مجرور نہ ہوگا یہ ہی حال قول مصنف والتنوین کا ہے کہ اگر اس کے اصطلاحی معنی یعنی نون ساکن مراد ہو تو پھر لام پر معطوف ہو کر مجرور ہوگا اور اگر تنوین کے معنی مصدری مقصود ہوں یعنی کسی اشیٔ کا منون ہونا تو صحت پر عطف ہوگا اور مرفوع رہیگا رہا یہ امر کہ جر اسم کی علامت کیوں ہے تو چونکہ جر مجرور پر ہی میں حرف جر کا اثر ہے خواہ حرف ملفوظ ہو جیسے مررت بزید خواہ مقدر ہو جیسے غلام زید اور یہ حرف جر اسم کا خاصہ ہے لہٰذا اس کا اثر بھی اسم کے ساتھ مختص ہونا چاہیے ورنہ اثر کا بغیر موثر ہونا لازم آئیگا اور یہ بدیہی البطلان ہے اب رہی یہ بات کہ دخول جر اسم کا خاصہ کیوں ہے سو اسکی دلیل یہ ہے کہ حرف جر اسلئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ معنی فعل کو اسم تک پہنچا دیوے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسم پر داخل ہو اور معنی فعل کو اسکی طرف پہنچائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ مطلق جر اسم کا خاصہ ہے اور دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جر جو کہ حرف جر لفظی اور تقدیری کا اثر ہوتا ہے وہ اسم کا خاصہ ہے اور وہ جر کہ حرف جر کا اثر نہیں جیسے حسن الوجہ میں تو اس کا مختص بالاسم ہونا اس دلیل سے ثابت نہیں ہوتا اس کیلئے دوسری دلیل درکار ہے پس دعویٰ اور دلیل میں مطابقت اور موافقت نہیں ہوگی تو جواب یہ ہے کہ بلاشک و شبہ اس دلیل سے اس جر کا مختص بالاسم ہونا ثابت ہوتا ہے جو کہ حرف جر لفظی اور تقدیری کا اثر ہے اور وہ جر جو اضافت لفظی میں ہوتا ہے اس کے اختصاص کیلئے یہ دلیل کافی نہیں بلکہ دوسری دلیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اضافت لفظی اضافت معنوی کے فرع ہے پس نامناسب ہوگا کہ اصل جر کیساتھ مختص ہو اور اسکے غیر یعنی فعل کیساتھ فرع مخصوص ہو یا دونوں میں عام ہو کر پائی جاوے واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ والتنوین**۔ یعنی خواص اسم میں سے دخول تنوین بھی ہے اس لیے کہ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے لیکن تنکیر عوض مقابلہ ترنم ان پانچوں میں سے تنوین ترنم فعل میں پائی جاتی ہے بقول شاعر اقلی اللوم عاذل والعتابن و قولی ان اصبت لقد اصابن۔ اور باقی چار قسمیں اسم کے ساتھ مختص ہیں اس لئے کہ خود تمکن تنکیر عوض مقابلہ بمن کے واسطے تنوین آتی ہے اسم کے خواص سے ہیں پس لامحالہ تنوین بھی خصائص اسم سے ہوگی اور چونکہ قاعدہ ہے کہ للاکثر حکم الکل لہٰذا مصنفؒ نے مطلق تنوین کو خواص اسم سے شمار کیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ اقسام تنوین میں سے ترنم فعل میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ **قولہ والتثنیۃ والجمع** انکا عطف صحت پر ہے اور علامۃ کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہیں یعنی یہ دونوں بھی اسم کی علامت ہیں تثنیہ کے معنی ہیں کلمہ کا مثنیٰ ہونا اور جمع کا معنی اسم کا مجموع ہونا یہ دونوں اسم کی علامت اس وجہ سے ہیں کہ یہ دونوں تعدد کو مستلزم ہیں اور تعدد و تغایر کو (باقی بر صفحہ ۲۲)

والنعت والتصغير والنداء فان كل هذه خواص الاسم ومعنى الاخبار عنه ان يكون محكوما عليه لكونه فاعلا او مفعولا او مبتدأ ويسمى اسما لسموه على

اور فعل اور حرف میں تغایر نہیں ہوا کرتا۔ لہذا دونوں اسم کی علامت ہو گئے اور فعل کا مجموع اور مثنیٰ ہونا حقیقت میں اسم ہی کی طرف راجع ہے یعنی فاعل کی طرف۔ **قولہ والنعت** اس کا عطف بھی صحت پر ہے یعنی اسم کی علامت کلمہ کا صفت ہونا کیونکہ صفت ہونا شے کا شے کے معنی زائد پر دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے اور فعل زیادتی کو قبول نہیں کرتا اس وجہ سے نعت نہیں ہوتا **قولہ التصغیر** یعنی کسی شئ کا مصغر ہونا بھی اس شے کے اسم ہونے پر دال ہے اور علامت ہے اسم کی کیونکہ تصغیر شئے کی تحقیر پر دال ہوتی ہے اور فعل مصغر نہیں ہوتا کہ فعل حقارت کو قبول نہیں کرتا اور نہ حرف **قولہ النداء** یعنی کسی شے کا منادی ہونا بھی اسم کی علامت ہے کیونکہ یہ حرف ندا کا اثر ہے اور حرف ندا اسم کے ساتھ خاص ہے لہذا اس کے اثر کا بھی اسم کے ساتھ خاص ہونا ضروری اور لابدی ہے ورنہ اثر کا موثر سے تخلف لازم آئیگا جو درست اور صحیح نہیں ہے۔

قولہ فان کل فا شرط محذوف کے جواب میں واقع ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ اذا علمت ان المعدودات علامات الاسم فقد علمت ان جمیع ہذہ المعدودات خواص الاسم۔ یعنی جب معلوم ہو گیا کہ شمار کردہ چیزیں اسم کی علامتیں ہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب شمار کردہ اشیاء اسم کے خواص ہیں کیونکہ علامت اور خاصہ میں سے ہر ایک دوسرے کو مستلزم ہے مصنفؒ کی اس عبارت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ مصنف کا قول مکرر ہے۔ چونکہ علامت کہنے سے تو انکا خواص ہونا معلوم ہو گیا تھا جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ پہلے معلوم ہو گیا مگر وہ علم ضمنا تھا اور ضمنا دونوں میں الزام تھا۔ مصنفؒ نے چاہا کہ جو ضمنا معلوم ہوا ہے اس پر تصریح بھی کر دی جائے۔ چونکہ اس میں طالب مبتدی قاصر الفہم جو بلا تصریح کے کسی چیز کو نہیں سمجھتے ان کو آسانی اور تنبیہ ہو گی۔ لہذا تکرار بلا فائدہ لازم نہ آئیگا رہی یہ بات کہ اس کلام کو ان اور جملہ اسمیہ سے موکد کر کے کیوں لایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ اس سے ان شخصوں پر رد کرنا چاہتا ہے جو کہ ان علامات کو اسم کی ذاتیات بتلاتے ہیں اور ان کے عرضیات سے انکار کرتے ہیں رد اس طرح پر ہو گیا کہ خاصۃ الشئی شئی کا عرض ہوتا ہے جب مصنفؒ نے ان کو خواص قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسم کی عرضیات ہیں اور ذاتیات نہیں لفظ کل مصنفؒ نے رفع وہم کیواسطے زیادہ کیا ہے چونکہ یہ علامات جو مصنفؒ نے ذکر کی ہیں ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو استعمال کے اعتبار سے مشہور ستر ہیں اور بعض ایسی نہیں تو جو مشہور نہیں ان کے اسم کے ساتھ غیر مختص ہونیکا وہم ہوتا ہے خصوصا تثنیہ جمع اخبار بہ اگرچہ باعتبار ظاہر کے ہی سہی تو مصنفؒ نے کلمہ کل لا کر اس وہم کو مرفوع اور مدفوع کر دیا اور بتایا کہ تمام مذکور اسم کے خواص ہیں **قولہ معنی الاخبار عنہ** مصنفؒ یہاں سے اخبار عنہ کے معنی بیان کرنا چاہتا ہے یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم کے خواص بہت ہیں مصنف نے تمام خواص میں سے فقط اخبار عنہ کے معنی کیوں بیان کئے باقی خواص کی تفسیر کیوں نہیں کی بعض نے جواب دیا ہے کہ باقی تمام خواص کے معنی ظاہر تھے اور اس کے مبہم اس وجہ سے اسکے معنی بیان کر دیئے لیکن حقیقت میں مصنفؒ اخبار عنہ کی یہ تفسیر کر کے ایک شبہ رفع کرنا چاہتا ہے جو اس مقام پر پڑتا ہے شبہ کی تقریر یہ ہے کہ اختصاص اخبار عنہ باسم کے معنی بحسب الظاہر یہ ہیں کہ کسی شئے کا مخبر عنہ ہونا اسم کیساتھ مختص ہے چونکہ خبر کسی شئے سے جملہ خبریہ میں دی جاتی ہے اور انشائیہ میں نہیں دی جاتی اسواسطے یہ معنی جملہ خبریہ کیساتھ مختص ہوئے نیز اسکا اختصاص مستلزم ہے کہ فاعلیت اسم جملہ خبریہ کیساتھ مختص ہو چونکہ کسی شئے کا فاعل ہونا اور مخبر عنہ ہونا ایک ہی چیز ہے حالانکہ فاعلیت خواہ اخبارات میں ہو یا انشاءات میں اسم کے مختصات سے ہے یعنی انشاءات اور اخبارات دونوں فاعل اسم ہی ہوتا ہے اور فعل اور حرف نہیں ہوتا اور مصنفؒ کی عبارت کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ اخبارات میں تو فاعل اسم ہی ہوتا ہے اور انشاءات میں فاعل ہونیکے واسطے اسم ہی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اسم کا غیر یعنی فعل اور حرف بھی ہو سکتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے بلکہ فاعل ہر جملہ میں خواہ خبری ہو یا انشائی اسم ہی ہوتا ہے فعل و حرف نہیں ہوا کرتا مصنفؒ نے شبہ مذکور کے دور کرنیکی وجہ سے اخبار عنہ کی تفسیر کر دی کہ ہماری مراد اخبار عنہ سے کسی شئے کا محکوم علیہ ہونا ہے اس تفسیر سے شبہ مذکور اس وجہ سے دور ہو گیا کہ اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ اسم کا محکوم علیہ (مسند الیہ) ہونا بھی ہے اور کسی شئی کا مسند الیہ ہونا اخبار میں بھی ہوتا ہے اور انشاء میں بھی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ کسی شئی کا مسند الیہ ہونا یعنی فاعل ہونا خواہ اخبارات میں خواہ انشاءات میں اسم کیساتھ مخصوص ہے یعنی فاعل اسم ہی ہوتا ہے لہذا جو کلمہ کسی جملہ میں فاعل ہو وہ اسم ہی ہوگا فعل یا حرف نہ ہوگا بعض کہتے ہیں کہ لفظ بہ جو اخبار عنہ کے پہلو میں مذکور ہے اس سے وہم ہوتا ہے کہ اخبار عنہ مبتدا کیساتھ مخصوص ہے فاعل وغیرہ اخبار عنہ نہیں ہوتا یہ شبہ اسوجہ سے ہوتا ہے کہ خبر کا مخبر عنہ مبتدا کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہوتا وہم مذکور کے دفع کرنیکیلئے مصنفؒ نے تفسیر کر دی کہ یہاں پر اخبار عنہ سے مراد کلمہ کا محکوم علیہ ہونا ہے اور یہ مراد اس وجہ سے لی گئی کہ اسم فاعل اور مفعول عام اسم فاعلہ اور مبتدا رہتا ہے اگر محکوم علیہ ہونا مراد نہ ہو تو پھر لازم آئیگا کہ اسم فاعل وغیرہ نہ ہو کیونکہ مخبر عنہ کا اختصاص مبتدا کیساتھ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ اسم کا اختصاص مبتدا کیساتھ ہو اور یہ مستلزم ہے اس بات کو کہ اسم فاعل وغیرہ نہ ہو سکے اور اسکے ساتھ مختص نہ ہو حالانکہ یہ سراسر غلط اور بالکل باطل اور لغو ہے **قولہ سمی اسما لسموہ** اس سے پیشتر کہ عبارت کا مطلب معلوم ہو یہ بات معلوم ہو جانا چاہیے کہ اسم کی اصل میں اختلاف ہو رہا ہے بصریین کہتے ہیں کہ اسم کی اصل سمو بکسر الفاء (ناقص واوی) ہے اور اس کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں واؤ کو حذف کر کے اس کے بدلے میں ہمزہ وصل اول میں لگا دیا اور کوفیوں کے نزدیک اس کی اصل وسم بکسر الواؤ و سکون السین بمعنی علامت ہے واؤ کو حذف کر کے ہمزہ وصل اس کے عوض میں اول میں لے آئے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ ما دل علی معنی فی نفسہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ کا نام اسم رکھا گیا سوال ہوتا ہے کہ اس مفہوم کا یہ نام کیوں رکھا۔ تو بصریین . . . (باقی بر صـ۲۳)

قسیمیہ[۹] لا[۱۰] لکونہ وسماً علی المعنی وحد الفعل کلمۃ تدل علی معنی فی نفسہا دلالۃ مقترنۃ بزمان ذلک المعنی کضرب یضرب اضرب وعلامتہ ان یصح

جواب دیتے ہیں کہ یہاں تین مفہوم ہیں ایک مادل علی معنی فی نفسہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ اور دوسرا مفہوم مادل علی معنی فی نفسہ مقترنا باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ اور تیسرا مفہوم مادل علی معنی فی غیرہ۔ اوّل مفہوم کا مصداق ایسا ہے کہ تنہا اس سے کلام مرکب ہو سکتا ہے یعنی بن سکتا ہے بخلاف دوسرے اور تیسرے مفہوم کے مصداق کے کہ تنہا ان سے کلام مرکب نہیں ہو سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ اوّل مفہوم دوسرے اور تیسرے مفہوموں سے بلند اور عالی ہے اور اسم کے معنی بلند کے ہیں لہٰذا اوّل مفہوم کے مقابلہ میں اس لفظ کو موضوع کرنا مناسب ہے اس وجہ سے اس لفظ کو اس مفہوم کے مقابلہ میں وضع کر دیا یہ ہی مطلب مصنفؒ کی عبارت یسمی اسموہ کا ہے کوئی حضرات کہتے ہیں کہ اس مفہوم کا نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اسکا مصداق اپنے مسمی کیلئے علامت ہوتا ہے اور اسم کے معنی علامت کے ہیں۔ لہٰذا اس مفہوم کے مقابلہ میں اس لفظ کو متعین کرنا مناسب ہوا مصنف کے نزدیک مذہب بصریین مختار ہے اسی وجہ سے کہا ہے یسمی اسما سموہ یعنی اسم کا نام اسم اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنی دو قسموں پر بلند ہے اور اسم کا نام اسم اس وجہ سے نہیں رکھا گیا کہ اسم معنی پر علامت ہوتا ہے **قولہ قسیمیہ**۔ چند اصطلاحی الفاظ ہیں جن کو اس جگہ جاننا مفید ہوگا مقسم قسیم۔ مقسم وہ شے ہے جس کو تقسیم کیا جاوے یا اسم ظرف ہے بمعنی جائے تقسیم اور قسم سے خاص ہو قسیم سمجھی وہ چیز ہے جو اس شئ کے مقابل ہو اور وہ مقابل مع شے مذکور کے امر عام کے تحت میں ہو جیسے اسم کہ کلمہ سے خاص ہے جو اسکی تقسیم سے حاصل ہوا ہے لہٰذا اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ اسکا مقسم اور اسکے مقابل فعل اور حرف ہیں وہ اپنے مقابل اسم سے مل کر ایک امر عام یعنی کلمہ کے نیچے مندرج ہیں لہٰذا اسم فعل اور حرف کے اعتبار سے قسیم ہے **قولہ کلمۃ تدل** فعل کی تعریف میں کلمہ فعل کے واسطے جنس قریب ہے چونکہ فعل کے ساتھ جو اس جنس میں شریک ہیں ان تمام شرکاء اور بعض شرکاء کے جواب میں کلمہ واقع ہوتا ہے اور یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ کلمہ فعل کے واسطے جنس قریب ہے فعل کے ساتھ کلمہ میں دو چیزیں شریک ہیں ایک اسم اور ایک حرف فی نفسہا کہنے سے فعل کو حرف سے امتیاز حاصل ہو گیا چونکہ حرف کی دلالت معنی فی نفسہا پر نہیں ہوتی بلکہ وہ معنی فی غیرہا پر دال ہوتا ہے اور **قولہ دلالۃ مقترنۃ بزمان ذلک المعنی** یعنی کلمہ کی دلالت معنی فی نفسہا پر ایسی ہو کہ وہ دلالت اس معنی کے زمانہ کے ساتھ مقترن ہو۔ اس قید کے لگانے سے فعل اسم سے بھی ممتاز ہو گیا کیونکہ اسم کی دلالت زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہوتی حاصل تعریف یہ ہوا کہ فعل وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور تین زمانوں سے ایک کے ساتھ مقترن ہو اس سے مضارع پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تمہاری تعریف پر لازم آتا ہے کہ مضارع فعلیت سے خارج ہو جائے کیونکہ اگرچہ فی نفسہا معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے معنی کا اقتران ایک زمانہ کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ وہ دو معنوں (حال و استقبال) کے ساتھ مقترن ہوتا ہے حالانکہ فعل فقط ایک زمانہ کے ساتھ ہی مقترن ہوتا ہے۔ جواب جاننا چاہیئے کہ مضارع میں اختلاف ہے اس میں تین مذہب ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ مضارع فقط استقبال کے واسطے موضوع ہے اور اس کا استعمال حال کے اندر مجازی طور پر ہوتا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ فقط حال کے واسطے وضع کیا گیا ہے اور اس کی دلالت استقبال پر مجازاً ہے تیسری جماعت کہتی ہے کہ دونوں زمانوں پر دلالت کرنے کے واسطے موضوع ہے ان لوگوں کے ہی مذہب پر اعتراض وارد ہوتا ہے لیکن یہ اس کے دو جواب دیتے ہیں اوّل مضارع میں دونوں زمانے ایک ساتھ نہیں پائے جاتے بلکہ علی سبیل البدلیت تعدد وضع سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا فعل کی تعریف اس پر صادق ہوگی دوسرے فعل مضارع میں جب دو زمانہ پائے جاتے ہیں تو ان کے ضمن میں ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہے لہٰذا فعل کی تعریف جامع جمیع افراد کو ہوگی اور مضارع فعل سے خارج نہ ہوگا نیز جاننا چاہیئے کہ اقتران بالزمان سے ہماری مراد اقتران وضعی ہے تاکہ تعریف فعل میں افعال منسلوخ عن الزمان عسی کاد وغیرہ داخل ہو جائیں اس لئے کہ ان افعال کی اصل وضع میں اقتران بالزمان تھا اور اسمار افعال تعریف فعل سے خارج ہو جائیں جیسے رویدہ بلہ وغیرہ اس لیے کہ ان میں بحسب اصل الوضع زمانہ نہیں نیز اقتران بالزمان سے مراد اقتران فی الفہم من ذلک الکلمہ مراد ہے ان قیود کا فائدہ تعریف اسم میں گذر چکا ہے **قولہ ان یصح الخ** جاننا چاہیئے کہ صحت اخبار بہ یعنی کسی شے کے مسند ہونیکی صحت دو طرح پر متصور ہوتی ہے ایک بلا صحت مخبر عنہ اور ایک مع صحت مخبر عنہ (مسند الیہ) فعل کی علامت اخبار بہ کی پہلی قسم ہے اور ثانی قسم اسم کی علامت ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند بن سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں بن سکتا تو وہ کلمہ فعل ہوگا اور اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند الیہ اور مسند دونوں ہو سکتا ہے تو وہ کلمہ اسم ہوگا اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جو کلمہ بالفعل مسند الیہ ہو لیکن اس میں قابلیت مسند نہ ہو تو اس کو اسم نہ کہا جاوے گا ایسے ہی اگر کوئی کلمہ بالفعل مسند ہے لیکن اس میں قابلیت مسند الیہ ہے تو اس کو فعل نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ اسم ہوگا۔ لہٰذا متعلم کو چاہیئے کہ جس وقت عبارت میں کسی واقع شدہ کلمہ کو اسم یا فعل کہے تو امر مذکور کو ضرور ملحوظ رکھے اب مصنفؒ کی عبارت کا مطلب سمجھنا چاہیئے کہ مصنفؒ کہتا ہے کہ فعل کی علامت صحت اخبار بہ ہے مع عدم صحت اخبار عنہ (باقی بر صفحہ ۴۲)

الاخبارُ بِہٖ لاعنہُ ودخولُ قدٍ والسّینُ وسوفَ والجزمِ والتصریفُ الی الماضی والمضارعِ وکونُہٗ امرًا او نہیًا

اخبار بہ کا مطلب آگے مصنفؒ نے اسی کتاب میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ اخبار بہ سے مراد محکوم بہ ہونا ہے اور اخبار عنہ کا مطلب پہلے بیان کر چکا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ کسی شے کے مسند ہونیکی صحت بلا مسند الیہ ہونیکی صحت کے فعل کی علامت ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی کلمہ عبارت میں مسند یعنی محکوم بہ ہو تو اس کو فوراً فعل نہیں کہیں گے بلکہ دیکھیں گے کہ وہ قابلیت محکوم علیہ (مسند الیہ) رکھتا ہے یا نہیں اگر رکھتا ہے تو وہ تو اسم ہی ہوگا اور فعل نہ ہوگا اور اگر نہیں رکھتا تو پھر اس کو فعل کہیں گے رہا یہ امر کہ امر مذکور فعل کی علامت کیوں ہے تو اس کی وجہ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ فعل حدث اور عرض ہے اور احداث اور اعراض فقط مسند ہی ہوتے ہیں اس وجہ سے فعل مسند ہی ہوتا ہے مسند الیہ نہیں ہوتا بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اخبار بہ کا حق یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیونکہ اخبار بہ محکوم بہ ہوتا ہے اور فعل تنکیر پر موضوع ہوتا ہے اسی وجہ سے فعل کی علامت مسند ہونا ہوگئی واللہ اعلم بالصواب

قولہ ودخول قد یعنی فعل کی ایک علامت قد کا داخل ہونا ہے اس لیے کہ قد کا استعمال تحقیق فعل کیواسطے ہے اور ماضی میں تحقیق کے ساتھ تقریب کے لئے بھی مفید ہے یعنی ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے جیسے قد نصر (تحقیق مدد کی ہے اس ایک مرد نے) اور مضارع میں تقلیل کے واسطے آتا ہے اور یہ ایسے معانی ہیں کہ فعل کے سوا کسی میں متصور نہیں ہوتے **قولہ والسین والسوف** دونوں قد پر معطوف ہو کر مجرور ہیں دخول پر انکا عطف نہیں یعنی سین اور سوف کا داخل ہونا فعل کی علامت ہے چونکہ دونوں کی وضع استقبال وضعی پر دلالت کرنے کے لیے ہے اور یہ استقبال وضعی فعل میں ہی ہوتا ہے اس وجہ سے انکا دخول فعل کے ساتھ مخصوص ہو گیا یہاں پر دو سوال ہیں ایک یہ کہ مصنف نے السین کو معرف باللام کیوں ذکر کیا تو جاننا چاہیے کہ لام اس میں عہدی ہے اسکا معہود سین استقبال ہے اگر لام داخل نہ کرتا اور سین کہتا تو یہ معلوم ہوتا کہ سین خواہ وہ استقبال کا ہو یا استقبال کا یا ساکنہ کا سین . . . . . حالانکہ استفعال کا سین اور ایسے ہی سکتہ کا سین فعل کی علامت نہیں بلکہ فعل کی علامت فقط سین استقبال ہے اور جب سین کی یہ حالت ہے تو ضروری ہوا کہ لام عہد داخل کر کے اس سے خاص سین یعنی استقبال کا سین مراد لیا جاوے تاکہ استفعال اور سکتے کے سین سے اعتراض نہ پڑے دوسرا سوال یہ ہے کہ سین کو سوف پر کیوں مقدم کیا جبکہ دونوں استقبال کیلئے ہونیکی وجہ سے فعل کی علامت ہیں اس کا عکس کیوں نہ کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سین کی دلالت استقبال قریب پر ہوتی ہے اور سوف کی دلالت استقبال بعید پر لہٰذا جو قریب پر دلالت کرتا ہوگا اس کو ذکر میں قریب کرنا اولیٰ ہوگا اس وجہ سے سین کو سوف پر مقدم کیا **قولہ والجزم** ۔ اس کا بھی قد پر عطف ہے یعنی دخول جزم بھی اس قد دخول سے مراد لحوق ہے چونکہ جزم اول میں نہیں آتا بلکہ آخر میں آتا ہے حاصل یہ کہ جزم کا داخل ہونا فعل کی علامت ہے یعنی لاحق ہونا اور جازم فعل کے ساتھ مختص ہیں لہٰذا جزم بھی فعل کیساتھ مخصوص ہونا چاہیے ورنہ تو تخلف اثر عن المؤثر لازم آئیگا اور یہ درست نہیں رہا یہ امر کہ جوازم کا دخول فعل کے ساتھ کیوں مختص ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جوازم کی وضع یا تو فعل کیلئے ہے جیسے لمْ اور لمّا یا طلب فعل کے واسطے جیسے لام امر یا نہی فعل کے لئے جیسے لا نہی یا کسی شئ کو فعل پر معلق کرنے کے لئے . . . . . جیسے ادوات شرط اور یہ ایسے معنی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی غیر فعل میں متحقق نہیں ہو سکتا **قولہ التصریف** بعض شروح میں التصرف ہے اسکا عطف ان بیع یا دخول پر ہو رہا ہے اس وجہ سے مرفوع ہے الف لام اس میں عوض مضاف الیہ کا ہے یعنی تصریف الشئ یا تصرف الشئ یعنی علامت فعل شئ کا متصرف ہونا یعنی کسی شئ کا صاحب گردان ہونا ہے ماضی اور مضارع کی طرف کیونکہ ماضی اور مضارع کی طرف منقسم ہونا زمانہ ہی کے اعتبار سے ہے اور زمانہ فقط فعل ہی میں ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی طرف منقسم ہونا بھی فعل ہی کا خاصہ ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ماضی پر داخل ہونا درست نہیں کیونکہ ماضی کے علاوہ کوئی کلمہ ایسا نہیں جو ماضی کی طرف متصرف ہو مگر مصدر اور یہ اسم ہوتا ہے فعل نہیں ہوتا بلکہ مصنفؒ کو یوں کہنا چاہیے تھا التصرف من الماضی الی المضارع یعنی کسی شئ کا ماضی سے مضارع کی طرف متصرف ہونا فعل کا خاصہ ہے۔ اب اشکال مذکور لازم نہیں آتا بعض نے جواب دیا کہ الماضی کے اول میں مضاف مقدر ہے یعنی صیغۃ الماضی حاصل مطلب ہوا کہ شئ کا صیغہ ماضی اور مضارع کی طرف متصرف ہونا فعل کی علامت ہے اب اشکال مذکور ساقط ہے بعض کہتے ہیں تصریف سے مراد فعل اصطلاحی کی تعریف ہے یعنی فعل اصطلاحی متصرف ہونا فعل کی علامت ہے **قولہ کونہٗ امرًا او نہیًا** اس کے عطف میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ الماضی پر عطف ہو اس وقت یہ مجرور ہوگا کہ امر یا نہی ہونیکی طرف فعل کا متصرف ہونا فعل کی علامت ہے لیکن اس صورت میں سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے الامر والنہی کیوں نہیں کہا لفظ کون کو کیوں بڑھا دیا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس لفظ کو زیادہ کر کے مصنف نے سب مذاہب کی رعایت کی ہے کیونکہ اگر التصرف الی المضارع والماضی والامر والنہی کہتا تو سب مذہبوں کی رعایت نہ ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا کہ فعل کا تصرف امر اور نہی کی طرف بلا واسطہ ہوگا حالانکہ بعض کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں فعل کی قسم داخل ہیں جیسے ماضی اور مضارع ہیں بعض کہتے ہیں کہ فعل کی قسم نہیں ہیں بلکہ مضارع سے مشتق ہیں اور فعل کے اقسام کل دو ہیں ایک ماضی اور دوسرا مضارع اور بعض تین قسم بتلاتے ہیں ماضی مضارع امر جب مصنف نے کہا کونہٗ امرًا او نہیًا تو مصنفؒ کے اس طرح کہنے میں سب کے اقوال کی رعایت ہوگی دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا عطف التصرف پر ہے اس وقت مرفوع ہوگا حاصل مطلب یہ ہے کہ فعل کی علامت ایک یہ ہے کہ وہ ماضی یا مضارع یا امر یا نہی ہوتا ہے اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مضارع یا ماضی یا امر یا نہی ہے تو اس کو ہم فعل کہیں گے۔

واتصال الضمائر البارزة المرفوعة نحو ضربتُ وتاءِ التانيث السّاكنة نحو ضربتْ ونُوني التاكيدِ فانّ كلّ هٰذه خواصُّ الفعل ومعنى الاخبار به ان يكون محكومًا به ويُسمّى فعلًا باسمِ اصلِه وهو المصدر لانّ المصدر هو فعل الفاعل حقيقةً ۔

قولہ واتصال الضمائر۔ یعنی فعل کی علامت بارز مرفوع ضمیروں کا لگنا ہے۔ یعنی اگر جن کلمات کے ساتھ ضمائر مرفوع بارزہ لگی ہوئی ہوں تو اس کو فعل سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ فاعل کی ضمیریں ہیں لہٰذا یہ ان ہی چیزوں کے ساتھ لاحق ہوں گی جنکے ساتھ فاعل ہوگا اور فاعل فقط دو چیزوں کیلئے ہوتا ہے ایک فعل اور ایک اسکی فروع لیکن فروع فعل کو فعل کے درجہ سے گرانے کے لیے ان سے ضمائر بارزہ کو روک دیا گیا کیونکہ اگر بارز ضمیریں جس طرح فعل سے لگتی ہے اسی طرح اس کی فروع میں بھی لگے تو دونوں درجہ میں برابر ہو جائیں گے اور فرع کا اصل کیساتھ مساوی ہونا لازم آئیگا اور یہ درست نہیں اور جب ضمائر بارزہ کو فروع فعل کیساتھ لگنے سے روک دیا تو فعل کے ساتھ ان کا اتصال مخصوص ہو گیا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ ضمیر بارز کے اندر تعمیم کو مدنظر رکھتے اور ضمیر مستتر کو فعل کیساتھ ہی مخصوص کرتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا کیونکہ اس وقت بھی فروع فعل فعل سے درجہ میں کم ہوتیں جواب یہ ہے کہ ضمیر بارز اصل ہے اور فعل بھی فاعل کے اقتضا میں اصل ہے لہٰذا اصل کو اصل کے ساتھ خاص کر دیا دوسرا جواب ضمیر مستتر اخف اور اخصر ہے ضمیر بارز سے لہٰذا تعمیم کے لائق ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نہیں ہے اس وجہ سے ضمیر بارز فعل کے لیے مخصوص کر دی گئی اور ضمیر مستتر عام ہو گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل بارز جس کلمہ میں ہو اس کو فعل سمجھنا چاہیے اور اگر ضمیر منفصل کسی کلمہ میں ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کلمہ فعل ہی ہو بلکہ اسم بھی ہو سکتا ہے قولہ وتاء التانيث اس کا عطف الضمائر پر ہے اور مجرور ہے یعنی فعل کی ایک علامت تائے تانیث ساکنہ کا اتصال بھی ہے یعنی جس کلمہ کیساتھ تائے تانیث ساکنہ لگی ہوئی ہو وہ بھی فعل ہوگا کیونکہ تانیث کی ساکن تا فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے اور اگرچہ فاعل صفات میں بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ صفات میں تائے تانیث متحرکہ لاحق ہوتی ہے لہٰذا صفات تائے تانیث ساکنہ سے مستغنی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ تا فعل کے سوا کسی اور کلمہ میں نہیں پائی جاویگی قولہ ونوني التاكيد۔ اس کا بھی عطف الضمائر پر ہے لہٰذا یہ بھی اتصال کا مضاف الیہ ہونیکی بنا پر مجرور ہے مطلب یہ ہوا کہ تاکید کے دونوں نون کا اتصال بھی فعل کی علامت ہے یعنی نون ثقیلہ اور نون خفیفہ اور یہ دونوں تاکید کے لیے آتے ہیں ان دونوں کا اختصاص فعل کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ دونوں طلب کی تاکید کے واسطے آتے ہیں اور طلب فقط فعل میں ہی ہوتی ہے اس وجہ سے یہ دونوں فعل کے ساتھ مختص ہو گئے بعض نے ان کی وجہ اختصاص اس طرح بیان کی کہ ان دونوں کی وضع تاکید اور مضارع اور امر کیلئے ہوئی ہے جبکہ مضارع میں طلب کے معنی ہوں لہٰذا اگر یہ فعل کے ساتھ مختص نہ ہوں تو خلاف وضع لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے قولہ فان كلّ الخ اس جملہ کے ایراد کا مقصد وہی ہے جو علامت اہم میں بیان کیا ہے اس وجہ سے اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک اعتراض کو اٹھانا ہو جو اس مقام پر پڑتا ہے وہ یہ کہ علامۃ الشئی حقیقت میں وہ چیز ہوتی ہے جو شے سے کسی وقت بھی جدا اور منفک نہ ہو اور یہ سب اشیاء مذکورہ ایسی نہیں ہیں بلکہ بعض ان میں سے ایسی ہیں کہ فعل کے بعض افراد کے ساتھ کبھی بھی لاحق نہیں ہوتیں جیسے مثلاً نون تاکید لہٰذا انکا علامت ہونا کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے تو مصنفؒ جواب دیتا ہے کہ یہاں پر علامت بمعنی خاصہ ہے اور خاصہ دو قسم ہے ایک شامل اور دوسرا غیر شامل اکثریہ خواص غیر شاملہ ہیں لہٰذا اب اعتراض مذکور وارد نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب قولہ ومعنى الاخبار به صحت اخبار یہ بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ خبر دینا یہ معنی ایسے ہیں جو امر نہی وغیرہ پر صادق نہیں آتے چونکہ ان کے ساتھ خبر دینا صحیح نہیں ہوتا حالانکہ یہ خاصہ شاملہ ہے جس کا تمام افراد پر صادق آنا ضروری ہے اس وجہ سے مصنف اخبار بہ کے معنی میں تاویل کرتا ہے کہتا ہے کہ اخبار بہ کے معنی یہاں محکوم بہ کے ہیں یعنی مسند کے خواہ وہ جملہ فعلیہ میں ہو یا اشائیہ میں لہٰذا اخبار بہ بایں معنی تمام افعال امر نہی وغیرہ پر صادق آتا ہے قولہ يسمّى فعلًا الخ مصنف کی عبارت سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے پہلی بات یہ ہے کہ لفظ فعل دو طرح پر بولا جاتا ہے ایک بکسر الفاء اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے حاصل بالمصدر بمعنی شان اور کار اور اس معنی میں زیادہ مشہور ہے دوسرے مصدر بمعنی کردن (کرنا) اس معنی میں زیادہ مشہور نہیں ہے اور دوسرا اس کا اطلاق بفتح الفاء آتا ہے اور یہ فقط معنی مصدری میں ہی استعمال کیا جاتا ہے یعنی کرنا دوسری بات یہ ہے کہ کوفیوں اور بصریوں میں اختلاف ہے کہ فعل اصل ہے یا مصدر۔ بصری کہتے ہیں کہ مصدر اصل ہے اور فعل فرع اور کوفی حضرات اس کا عکس مانتے ہیں ہر ایک ثبوت مدعا پر دلائل قائم کرتا ہے چونکہ طوالت کا خوف ہے لہٰذا یہاں اس کو ترک کیا جاتا ہے وان شئت علمہ فارجع الی مراح الارواح او علم الصیغہ ونحوہا۔ مصنفؒ کے نزدیک مذہب بصریین مختار ہے جب یہ سمجھ گئے تو اب جانو کہ کلمہ فعل کا معنی فی نفسہا مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ ایک مفہوم ہے جس کے افراد بہت ہیں جیسے ضرب منع وغیرہ اس مفہوم کے مقابلہ میں نحویوں نے فعل کو وضع کیا یعنی اس مفہوم کا علم فعل کو بنا دیا اب سوال یہ ہے کہ یہ علم مرتجل ہے یا منقول مصنفؒ کہتا ہے کہ یہ علم منقول ہے اور منقول میں ضروری ہے کہ پہلے موضوع لہ اور اس دوسرے موضوع لہ میں مناسبت ہو مصنفؒ کہتا ہے کہ فعل اصل میں مصدر ہے بمعنی کرنا اور مصدر بھی حقیقت میں فاعل کا فعل ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک مصدر کو فعل حقیقۃً ہوا اور اس مفہوم کا مصداق کل (مثلاً ضرب مصدر ضرب فعل کا جزء) ہے اور جزء کل میں تعلق ہے اس وجہ سے اس کل کا نام بھی فعل رکھ دیا لہٰذا یہ ان دونوں میں مناسبت باہم الجزء کے قبیل سے ہوا اور یہاں پر وہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ فعل بالکسر بمعنی شان و کار حاصل مصدر ہے البتہ بفتح الفاء مصدر ہے لہٰذا اس مفہوم کو فعل بفتح الفاء کہنا چاہیے بکسر الفاء نہیں چونکہ ہم تمہید میں بتلا چکے ہیں (باقی بر ص ۲۶)

وَحَدُّ الْحَرْفِ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهَا بَلْ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا نَحْوُ مِنْ فَاِنَّ مَعْنَاهَا الْاِبْتِدَاءُ وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ اِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الْاِبْتِدَاءُ كَالْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ مَثَلًا تَقُوْلُ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوْفَةِ وَعَلَامَتُهُ اَنْ لَا يَصِحَّ الْاِخْبَارُ عَنْهُ وَلَا بِهٖ وَاَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْاَسْمَاءِ وَلَا عَلَامَاتِ الْاَفْعَالِ وَلِلْحَرْفِ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَوَائِدُ كَالرَّبْطِ بَيْنَ الْاِسْمَيْنِ

کہ بکسر الفاء بھی مصدر کے معنی میں مستعمل ہے مصنف نے باسم اصلہ اسبات کی طرف اشارہ کر دیا کہ میرے نزدیک بصریوں کا مذہب مختار اور پسندیدہ ہے مزید تحقیق کا اگر شوق ہو تو اس فن کے مطولات میں تلاش کرنا چاہیئے واللہ اعلم **قولہ کلمۃ لا تدل الخ** مصنفؒ حرف کی تعریف کرتا ہے یعنی حرف ایسا کلمہ ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کی ذات میں ہیں بلکہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر میں ہے اس تعریف پر ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ جب حرف ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت نہیں کرتا تو ایسے معنی پر کیسے دلالت کر سکتا ہے جو اس کے غیر میں ہوں کیونکہ جو شے خود اپنی حفاظت نہ کر سکے وہ دوسرے کیلئے کیسے محافظ ہو سکتی ہے یعنی جب حرف اپنے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت نہیں کرتا تو اپنے غیر کے معنی پر بھی دلالت نہیں کر سکتا لیکن یہ اشکال سطحی نظر سے واقع ہوتا ہے کیونکہ یہاں اصل میں فی اعتبار کے معنی میں ہے جیسے عرب کا ان دو قول الدار فی نفسہا کبیرۃ ہکذا والدار فی غیرہا کبیرۃ ہکذا میں اور جب فی اعتبار کے معنی میں ہو گیا تو عبارت کا مطلب یہ ہو گیا حرف وہ کلمہ ہے جو معنی پر اپنی ذات کے اعتبار سے دلالت نہ کرے بلکہ حرف وہ کلمہ ہے جو معنی پر اپنے غیر کے اعتبار سے دلالت کرے . . . . . .

یعنی اس کلمہ کے معنی کا سمجھنا بالانضمام کلمہ آخر کے نہ ہو اس تعریف میں کلمہ حرف کی جنس قریب ہے چونکہ جمیع شرکاء اور بعض شرکاء کے ملا کر سوال کرنے پر جواب میں آتا ہے حرف کے ساتھ کلمہ میں اسم و فعل شریک ہیں دونوں سے حرف کو فی غیرہا کی قید سے امتیاز حاصل ہو گیا چونکہ ان دونوں کی دلالت معنی پر بالاستقلال ہوتی ہے معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے انضمام کے محتاج نہیں ہیں بخلاف حرف کے کہ یہ معنی پر دلالت کرنے میں انضمام کلمہ آخر کا محتاج ہے اس تعریف پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف مانع نہیں دخول غیر سے کیونکہ بہت سے کلمات جیسے فوق تحت ابن وغیرہ جن کو اصطلاح میں اسم کہا جاتا ہے لیکن وہ معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے انضمام کے محتاج ہیں لہذا یا تو ان کو اسمار نہ کہا جاوے اور کہا جاتا تو حرف کی تعریف ان پر صادق آتی ہے جواب ہماری مراد دلالت سے دلالت وضعیہ ہے یعنی باعتبار اصل وضع کے فی نفسہا معنی پر دلالت نہ کرے بلکہ فی غیرہا معنی پر باعتبار اصل وضع کے دلالت کرے اور یہ کلمات جن کو اضافت لازم ہو گئی جیسے تحت فوق یعنی اسمار لازم الاضافت جیسے ابن وغیرہ اور اسمار شارطات جو مشار الیہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور اسمار موصولہ جو صلات کے متقاضی ہیں اور معرف باللام عہد خارجی جو معہود فی الخارج کا مفتقر ہے سب کو احتیاج استعمال میں عارض ہوئی ہے وضع اصل کے اعتبار سے سب مستقل بالمفہوم ہیں۔ لہذا اعتراض مذکورہ بالا واقع نہیں ہوتا **قولہ نحو من فان معناہا الابتداء** الخ جاننا چاہیئے کہ ابتداء دو قسم ہے ابتدائے مطلق ابتدائے مقید اول کلی ہے اور ثانی جزئی اول مستقل بالمفہوم ہے اور ثانی کا سمجھنا غیر کے انضمام پر موقوف ہے مگر کے خانہ ثانی ابتداء میں نہ اول اسی وجہ سے مصنف نے للابتداء کو الف لام عہد خارجی سے معرفہ بنا کر ذکر کیا۔ لہذا عبارت کا ترجمہ یہ ہوا کہ جیسے من کہ اسکے معنی ابتدائے جزئی ہیں جبتک اس معنی کیساتھ دوسرے معنے جس سے ابتداء ہے نہ مل جاویں تو یہ معنی سمجھ میں نہ آویں گے۔ **فافہم قولہ ان لا یصح** یعنی حرف کی علامت یہ ہے کہ اسکا مبتدا یا فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہونا صحیح نہ ہو اور خبر ہونا بھی درست نہ ہو چونکہ غیر مستقل بالمفہوم ہے اور مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں مستقل بالمفہوم ہونے چاہئیں جیسے اسم اور فعل لہذا حرف نہ اسم ہوتا ہے نہ فعل **قولہ ان لا یقبل** الخ یعنی حرف کی دوسری علامت یہ ہے کہ جو اسمار کی علامتیں ہیں جیسے لام تعریف حروف جر تنوین وغیرہ کا دخول اور جو علامات فعل ہیں جیسے دخول جوازم و قد و سین و سوف وغیرہ ان میں سے حرف کسی کو قبول نہیں کرتا چونکہ حرف میں ان علامات اور امارات کا اقتضا نہیں ہے لہذا مقتضی کا دخول بھی اس پر ممتنع ہو گیا۔ اس تمام پر ایک سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا قول ان لا یقبل ان لا یصح کو شامل ہے لہذا پھر کیا وجہ ہے کہ مصنفؒ نے علیحدہ علیحدہ بیان کیا تو جواب یہ ہے کہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اگرچہ مشہور اسکا عکس ہے اور ایسا اس وجہ سے کیا تاکہ نفس سامع ہر مذہب کی طرف جا سکے **قولہ للحرف** الخ اس جملہ کی مختلف توجیہیں کی گئیں ہیں بعض اس کی یہ ترکیب کرتے ہیں کہ للحرف مبتدا ہے جیسا کہ صاحب کشاف نے ومن الناس من یقول آمنا باللہ میں من الناس کو مبتدا کہا ہے اور فی کلام العرب حال یا صفت ہے اول پر تقدیر عبارت کا ثانی کلام العرب ہے اور ثانی پر الکائن فی کلام العرب ہے اور فوائد جمع فائدہ کی بمعنی مستفادۃ یا بمعنی مفیدۃ یا بمعنی ثابت چونکہ بولتے ہیں فادلہ المال یفیدہ اے ثبت لہ المال مطلب اس صورت میں یہ ہوا کہ حرف کے واسطے کلام عرب میں امور ثابتہ ہیں یا امور مستفادات یا مفیدات ہیں دوسری ترکیب اس کی یہ کی جاتی ہے للحرف خبر مقدم اور فی کلام العرب صفت یا حال اور فوائد مبتدا مؤخر ترجمہ ہوگا فائدے حرف کے واسطے ثابت ہیں وقت ہونے اس کے کلام عرب میں یہ جملہ اصل میں سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی تقریرات سے یہ معلوم ہوا کہ حرف مقصود اصلی و استقلال بالمفہومیت کے واسطے موضوع نہیں حالانکہ الفاظ کی وضع معانی اور مقاصد کے لئے ہوتی ہے اور جو چیز مفید مقصود نہ ہو اس میں مشغولیت بیکار محض ہے بلکہ اس سے احتراز ضروری ہے اور جب یہ ثابت ہوا کہ حرف غیر مفید ہے تو لہذا اس میں اشتغال کیسے درست ہو سکتا ہے مصنفؒ نے اس جملہ کو لا کر یہ اعتراض رفع کر دیا اس حرف کے (باقی بر صفحہ ۲۷)

نحو زیدٌ فی الدار او الفعلین نحو اُرِیدُ ان تضرِبَ او اسمٍ و فعلٍ کضربتُ بالخشبۃِ او الجملتین نحو ان جاءَنی زیدٌ اکرمتہٗ وغیرِ ذٰلک مِنَ الفوائدِ التی تعرفُہا فی القسمِ الثالثِ ان شاء اللہ تعالیٰ ویسمّٰی حرفًا لوقوعِہٖ فی الکلامِ حرفًا ای طرفًا اذ لیس مقصودًا بالذاتِ مثلُ المُسندِ والمسندِ الیہِ فصل الکلامُ لفظٌ تضمّنَ کلمتین

واسطے جو کلام عرب میں ہے فوائد کثیرہ اور عوائد عزیزہ ہیں مصنفؒ نے فوائد کو بصیغہ جمع لانا اور تمثیل کا کاف داخل کرنا اس طرف مشیر ہے کہ حروف کے فوائد بہت ہیں یہاں پر ان میں سے بعض مذکور ہوتے ہیں اور بعض متروک و مہجور **قولہ زید فی الدار** ۔ زید کا تعلق دار کے ساتھ کلمہ فی کے سبب سے ہے جو ظرفیت کے لیئے ہے کیونکہ اگر بغیر کلمہ فی کے زید الدار کہا جاوے تو زید کا استقرار دار میں مفہوم نہ ہوگا۔ **قولہ ان جاءتی زید اکرمتہ** ۔ لقد ان دو جملوں کو ربط دے رہا ہے بعض نسخوں میں فاکرمتہ فا رجزائیہ کے ساتھ دیکھا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ فا رجزائیہ ماضی پر ... داخل نہیں ہوتی مگر جبکہ قد ماضی پر داخل ہو رہا ہو خواہ لفظاً خواہ تقدیراً اور یہاں پر لفظاً تو ہے ہی نہیں لیکن تقدیراً بھی ناممکن ہے مثال مذکور میں ماضی استقبال کے معنی میں ہے اور قد ماضی کے لیئے ہوتا ہے **قولہ من الفوائد الخ** یعنی اور بہت فائدے ہیں جو بحث حرف میں آئیں گے جیسے تنبیہ جو حرف تنبیہ کا مفاد ہے کلام سابق کا اثبات جو حرف ایجاب کا مفاد ہے مخاطب کا برانگیختہ کرنا جو حروف تحضیض کا مفاد ہے وغیرہ وغیرہ جن کی مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ آئیگی **قولہ یسمی حرفا الخ** کلام کا مطلب سمجھنے سے پہلے اس کی ترکیب پر غور کر لینا چاہیئے لو قوعہ فی الکلام یسمی کے متعلق ہے اور وقوع دو طرح پر استعمال کیا جاتا ہے فعل تام بمعنی پڑنا گرنا اور فعل ناقص بمعنی ہونا اول صورت میں طرفا حال ہوگا اور ثانی میں خبر پہلی صورت کا ترجمہ یہ ہوگا بوجہ پڑنے اسکے کو در انحالیکہ وہ طرف ہے اور صورت ثانیہ پر یہ معنی ہونگے کہ بوجہ ہونے اس کے طرف اور طرفا منصوب ہے چونکہ حرفًا کا مفسر ہے اور مفسر اعراب میں مفسر کے تابع ہوتا ہے اور جملہ لیس مقصودًا بالذات لو قوعہ حرفا کی تفسیر ہے اور مثل المسند والمسند الیہ مبتدا ے محذوف کی خبر ہے ای نظیرہ ای نظیرہ المقصود بالذات مثل المسند الخ حاصل مطلب مصنفؒ کی عبارت کا یہ ہے کہ مفہوم کو تدل علی معنی نے غیر ہا کا نام نحویوں نے حرف رکھا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ نام رکھنا مرتجل ہے یا منقول اگر مرتجل ہے تو پھر حرف کے اول موضوع لہ اور اس موضوع لہ میں مناسبت ہونا ضروری نہیں اور اگر منقول ہے تو پھر دونوں میں وجود مناسبت ضروری اور لازمی ہے حرف کا پہلا موضوع لہ طرف بمعنی جانب ہے چنانچہ بولتے ہیں جلست حرف الوادی ای طرف الوادی تو مصنف کہتا ہے کہ اس مفہوم کا یہ علم باعتبار نقل کے ہے اور اس موضوع لہ اور اول موضوع لہ میں مناسبت یہ ہے کہ کلام عرب میں اس مفہوم کے مصادیق طرف میں واقع ہوتے ہیں لہذا اول موضوع لہ اور ثانی موضوع لہ میں ایک قسم کی مناسبت ہوگی اس وجہ سے اس مفہوم کا نام حرف رکھ دیا یسمی اور لو قوعہ کی ضمیریں حرف کی طرف راجع ہیں مفہوم کے اعتبار سے **قولہ اذ لیس** ۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہارے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف طرف کلام میں واقع ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ وسط کلام میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے زید فی الدار میں فی جو کہ حرف ہے وسط میں ہے اسی طرح ارید ان اضرب میں ان وسط کلام میں واقع اور جب یہ وسط کلام میں واقع ہوتا ہے تو پھر اس کا نام حرف رکھنا غلط ہے اس بنا پر کہ وہ طرف میں واقع ہوتا ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ تم لو قوعہ طرفا کا مطلب نہیں سمجھے لہذا یہ اعتراض کرتے ہو حرف کے طرف میں واقع ہونے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ حرف اسم اور فعل کی جانب مقابل ہے اس طرح پر کہ حرف مقصود لذاتہ نہیں ہوتا یعنی مستقل بالمفہوم جیسا کہ اسم و فعل مقصود لذاتہ اور مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں جیسے مسند و مسند الیہ مستقل بالمفہوم ہیں لہذا اس اعتبار سے حرف اسم اور فعل کے مقابل ہو گیا اس وجہ سے ہم نے اس کا نام حرف رکھ دیا۔ رہا یہ اعتراض کہ اسم اور فعل کا نام حرف کیوں نہ رکھا یہ بھی تو حرف کی طرف مقابل ہیں تو جواب یہ ہے کہ وجہ تسمیہ کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ اس میں طرد و عکس جاری کیا جاوے بلکہ وجہ تسمیہ کے لیئے علت مجوزہ کافی ہے جب اس کا نام یہ رکھ دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں بھی یہ بات ہو اسکا وہ نام رکھ دیا جاوے واللہ اعلم بالصواب **قولہ الکلام** جب مصنفؒ نے نحو کے ایک موضوع کی تعریف اور تقسیم اور بیان اقسام کی تبیین کر دی تو چاہیے کہ نحو کے دوسرے موضوع کی بھی تبیین ہو جاوے چونکہ جب تک موضوع کو بیشتری نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کے احوال کو نہیں سمجھ سکتا اس وجہ سے مصنفؒ نے کہا الکلام

..... اور چونکہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اس وجہ سے اسکو ایک مستقل فصل میں بیان کرتا ہے تاکہ اسکا مستقل موضوع ہونا معلوم ہو جاوے جاننا چاہیے کہ لفظ کلام کے دو موضوع لہ ہیں ایک لغوی ایک اصطلاحی مصنفؒ نے اس کا جو موضوع لہ بیان کیا ہے وہ اصطلاحی ہے لغت میں اسکی وضع سخن (بول) کیلیئے ہوتی ہے خواہ وہ ایک حرف ہو یا زیادہ مہمل ہو یا موضوع کہا جاتا ہے کہ یہ وضع کے اعتبار سے مصدر نہیں چونکہ یہ وزن مصادر پر نہیں البتہ کہیں کہیں اس کا استعمال معنی مصدری میں ہوتا ہے چنانچہ بولتے ہیں کلمتہ کلاما جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس کے موضوع لہ اصطلاحی میں اور موضوع لہ لغوی میں مصداق کے اعتبار سے عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، لغوی اعم ہے اور اصطلاحی اخص **قولہ لفظ الخ** لفظ کی تعریف پہلے گذر چکی ہے یہ کلام کیواسطے جنس قریب ہے اس جنس میں کلام کیساتھ کلمہ اور مہمل اور مرکبات ناقصہ شامل ہیں کیونکہ اگر کلام کے ساتھ ان میں سے کسی کو ملا کر سوال کریں یا سب کو ملا کر سوال کریں تو ہر دو صورت میں جواب لفظ رہتا ہے لہذا یہ کلام کیلیئے جنس قریب ہے اور تعریف کے باقی لفظوں کا مفہوم فصل قریب ہے جو کلام کی ماہیت میں داخل ہو کر (باقی بر صفحہ ۲۸)

بالاسناد والاسناد نسبۃ احدی الکلمتین الی الاخری بحیث تفید المخاطب فائدۃ تامۃ یصح السکوت علیہا نحو زید قائم وقام زید ویسمی جملۃ فعلم ان الکلام

کلام کو ان سب چیزوں سے ممتاز کرتا ہے وہ جو اسکے ساتھ لفظ میں (جو کلام کی جنس قریب ہے) شریک ہیں تضمن کلمتین کی قید سے مہملات جیسے جسق اور کلمات مفردہ جیسے زید بکر و عمر وغیرہ خارج ہوگئے اور بالاسناد کی قید سے مرکبات غیر کلامیہ جیسے غلام زید وغیرہ خارج ہوگئے صرف مرکبات کلامیہ اس میں داخل رہے خواہ خبریہ ہوں جیسے زید قائم خواہ انشائیہ جیسے لعزب اگر کوئی کہے کہ کلام کی تعریف میں متضمن اور متضمن دونوں ایک ہی ہیں یعنی اسم فاعل اور مفعول اس لیئے کہ کلام وہ ہے کہ جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ متضمن ہو اور کلمتین عین کلام ہیں جیسا کہ مدلول کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمتین کے سوا اور کوئی شے نہیں مثلاً زید قائم کلام ہے کہ دو کلموں کو . . . . متضمن ہے اور جن دو کلموں کو متضمن ہے وہ بھی یہ ہی دو یعنی زید اور قائم ہیں پس اس وقت متضمن اور متضمن دونوں ایک ہوگئے حالانکہ وہ دونوں جدا جدا ہونے چاہییں جواب یہ ہے کہ دونوں فرق ہے متضمن دو کلمے ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ہیں اور متضمن بدون ہیئت اجتماعیہ کے انفراداً دو کلمے ہیں یا یہ کہا جائے کہ متضمن تو مع اسناد کے دو کلمے ہیں اور متضمن بدون اسناد کے دو کلمے ہیں لہذا متضمن اور متضمن دونوں متحد نہ ہوئے جاننا چاہیے کہ لفظ تضمن کلمتین میں کلمتین عام ہیں کہ حقیقی یا حکمی یہ تعمیم اس وجہ سے کی گئی تاکہ دیز مہمل اور زید ابوہ قائم کو تعریف شامل ہو جاوے کیونکہ مثلاً دیز حقیقۃً کلمہ نہیں ایسے ہی زید ابوہ قائم میں ابوہ قائم حقیقت میں کلمہ نہیں اس تعمیم سے یہ بھی کلام کی تعریف میں داخل ہوگئے کیونکہ اگرچہ حقیقۃً کلمے نہیں لیکن حکماً کلمے ہیں کیونکہ دیز بذا اللفظ کی تاویل میں ہے اور ابوہ قائم قائم الاب کی اگر کوئی کہے کہ اس وقت بھی دو کلمے نہیں بلکہ تین ہیں تو جواب یہ ہے کہ صفت اور مضاف الیہ قیود ہوتے ہیں اور قیود کلام سے خارج ہیں اگرچہ نسبت میں داخل ہیں اور یہ تعریف مثل ضرب کو بھی شامل ہوگئی۔ کیونکہ کلمتین میں ایک تعمیم اور ہے وہ یہ کہ کلمتین لفظی ہوں تاتقدیری اس میں ایک کلمہ لفظی ہے اور ایک تقدیری ایسے ہی ان جاءنی زید۔ اگر متاکو بھی تعریف شامل ہے کیونکہ اہل عربیہ کے نزدیک کلام جزا ہے اور شرط جزاء کی قید ہوتی ہے اور قید کلام سے خارج ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے لفظ ترکیب کیوں نہ کہا یعنی لفظ تضمن کی جگہ ترکیب کیوں نہ لایا باوجود اس کے کہ کلام کی تعریف میں ترکیب مشہور بھی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ترکیب بغیر صلہ من کے نہیں آتا مصنفؒ اگر ترکیب کہتا تو انتصار مطلوب کے مخالف ہوتا لہذا لفظ تضمن کو لفظ ترکیب پر ترجیح دی نیز اس کے متعدد جواب بھی دیئے گئے ہیں جو شروح میں مذکور ہیں فاطلب ہناک ان شئت نیز اس مقام پر بھی سوالات و جوابات ہیں عدم گنجائش کی وجہ سے ترک کرتے ہیں **قولہ بالاسناد** بار جیسے ہے موصوف مقدر کی صفت ہے بنکر مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت ہوگی تضمنا حاصلا بسبب الاسناد یا تضمن کا ظرف لغو ہے مصنف نے بالاسناد کی جگہ بالاخبار اس وجہ سے نہیں کہا کہ اخبار کا اطلاق اس نسبت پر ہوتا ہے جو کہ جملہ خبریہ میں ہوتی ہے اور وہ نسبت جو جملہ انشائیہ میں ہوتی ہے اس پر اسکا اطلاق نہیں ہوا کرتا لہذا اگر مصنفؒ بالاسناد کی جگہ بالاخبار کہتا تو جملہ انشائیہ پر کلام کی تعریف صادق نہ آتی چونکہ اس میں جو ایک کی نسبت دوسرے کی طرف ہے وہ نسبت اخباری نہیں حالانکہ کلام انشائیہ سب کے نزدیک کلام ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ والاسناد الخ** چونکہ اسناد کی معرفت پر کلام کی معرفت موقوف ہے چونکہ اسناد تعریف کلام میں ماخوذ ہے اس وجہ سے مصنف کلام کی تعریف کے بعد اسناد کی تعریف بیان کرتا ہے کہ اسناد دو کلموں کا تعلق اس طرح پر ہوتا ہے کہ مخاطب کو وہ تعلق ایسے فائدہ تامہ کا افادہ کرے کہ متکلم کا سکوت اس فائدہ پر درست ہو جاوے یعنی اگر متکلم اس نسبت پر سکوت کرے تو مخاطب کیواسطے کوئی ایسی حالت باقی نہ رہے کہ نفس مقصود اصلی کے سمجھنے کے واسطے اس کو متکلم کی طرف مشتاق ہونا پڑے جیسے قام زید میں قیام کی نسبت زید کی طرف جب اس کو متکلم نے بولا تو مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہوگیا اس شان کے ساتھ کہ متکلم کا سکوت اس پر درست ہے چونکہ مخاطب کو متکلم کی طرف مقصود اصلی کے فہم کے واسطے مشتاق ہونا نہیں پڑتا ہے اس بیان سے ثابت ہوا کہ ضرب زید عمرا میں کلام فقط ضرب زید ہے اور عمرا فضلہ ہے چونکہ مقصود اصلی مسند الیہ اور مسند کے بولنے سے حاصل ہو گیا ہے عمرا کی احتیاج طبعی طور پر ہے ایسی ہی اضرب کلام تام ہے کیونکہ مقصود اصلی یعنی نفس مطلب کے سمجھنے پر دال ہے مفعول بہ ظرف وغیرہ کے ذکر پر نفس مطلب کا فہم موقوف نہیں بلکہ ان کا ذکر حصول مطلب کے واسطے ہوتا ہے اسی واسطے کہتے ہیں کہ فاعل فعل اور مبتدا خبر کے علاوہ سب فضلہ ہیں چونکہ ان پر مقصود اصلی کا سمجھنا موقوف نہیں ہوتا۔ **قولہ فعلم بذالک** اس میں فا شرط محذوف کے جواب میں واقع ہے تقدیر عبارت ہے اذا کان الاسناد ماخوذا فی الکلام فعلم بذالک یعنی جب کہ اسناد تعریف کلام میں ماخوذ اور معتبر ہے تو اس اخذ سے یہ معلوم ہو گیا کہ کلام کا وصول دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ یصح الخ

مصنفؒ کا یہ قول اسناد کی تعریف نہیں ہے بلکہ فائدۃ تامہ کی تعبیر ہے گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ الفائدۃ التامۃ ما ہی یعنی فائدہ تامہ کیا ہے مصنفؒ جواب دیتا ہے کہ صحت سکوت مخاطب بعض کہتے ہیں صحت سکوت متکلم مقصد دونوں سے ایک نکلے گا۔ یعنی فائدہ تامہ کی شان سے یہ ہے کہ اس نسبت پر متکلم یا مخاطب کا سکوت صحیح اور درست ہو یعنی نفس مقصود اصلی معلوم ہو گیا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسند الیہ اور مسند کو متکلم نے ذکر کر دیا ہو تو جب متکلم کا سکوت صحیح ہوگا تو لامحالہ مخاطب کا سکوت بھی درست ہوگا ایسے ہی اس کا عکس یعنی جب نفس مقصود اصلی متکلم کو حاصل ہو گیا ہو تو اس کو سوال کے مقصود اصلی کے فہم کی ضرورت نہ ہوگی اور جب متکلم سے مخاطب نے سوال نہیں کیا اور وہ خاموش ہو گیا تو سکوت صحیح ہوا لہذا سکوت ہر دو متلازم ہیں جب ایک کے سکوت کا وجود ہوگا تو دوسرے کے سکوت کا وجود بھی ہوگا واللہ اعلم بالصواب مصنفؒ نے کلام کی تقسیم میں ما دلا سے جو کہ سحر کے واسطے (باقی بر صفحہ ۲۹)

لا یحصل الا من اسمین نحو زید قائم ویسمّٰی جملۃ اسمیۃ او من فعل واسم نحو قام زید ویسمّٰی جملۃ فعلیۃ اذ لا یوجد المسند والمسند الیہ معًا فی غیرہما ولا بدّ للکلام منہما فان قیل قد نوقض بالنداء نحو یا زید قلنا حرف النداء قائم مقام ادعو او اطلب وھو الفعل فلا نقض علیہ واذا فرغنا من المقدّمۃ

آتے ہیں حصر پر تصریح کی جاتی ہے اور تقسیم کلمہ میں حصر پر تصریح نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام کے حصول کی باعتبار عقل کے چھ صورتیں نکلتی ہیں چونکہ کلام لفظ تعین کلمتین بالاسناد ہے اور کلمہ تین قسم پر ہے اسم فعل حرف تو ان تینوں قسموں سے جب دو کلموں کو ملائیں تو چھ صورتیں ہو جائیں گی یعنی اسم اسم فعل فعل، حرف حرف، اسم فعل، اسم حرف، فعل حرف ان میں فقط دو صورتیں صحیح ہیں اور چار باطل ہیں تو اگر حصر پر تصریح نہ کرتا۔ تو یہ معلوم ہوتا کہ یہ تمام صورتیں صحیح اور درست ہیں بخلاف کلمہ کے کہ اس کا انقسام باعتبار وجہ عقلی کے فقط تین صورتوں کی طرف ہوتا ہے اور وہ تینوں صحیح ہیں۔ لہٰذا اس تقسیم میں حصر پر تصریح کی ضرورت نہ تھی۔ یا یہ امر کہ کلام کی تمام صورتوں میں فقط یہ دو صورتیں ہی کیوں درست ہیں اور باقی کیوں باطل ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام کا تحقق بلا اسناد کے نہیں ہوتا اور اسناد اس امر کی مقتضی ہے کہ جن دو کلموں میں اسناد کا تحقق ہو ان میں سے ہر ایک مستقل بالفہم ہو چونکہ ان میں سے ہر ایک مسند الیہ اور مسند کیواسطے مستقل بالمفہوم ہونا ضروری ہے اس وجہ سے ان تمام صورتوں میں سے حصول کلام کی فقط دو صورتیں (اسم اسم، اسم فعل) ہی درست اور معتبر ہیں چونکہ اسم مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بھی اور فعل فقط مسند ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلی صورت میں ایک اسم مسند الیہ ہو جاویگا اور ایک مسند اور دوسری صورت میں اسم مسند الیہ ہو جاویگا اور فعل مسند اور جس صورت میں کہ فعل فعل ہوں وہ اس وجہ سے کلام نہیں ہے کہ فعل تو فقط مسند ہی ہو سکتا ہے لہٰذا کلام کا ایک جز متحقق نہ ہوگا یعنی مسند الیہ اور جب حرف حرف ہوں تو اس وقت کلام اس وجہ سے نہ ہوگا کہ حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے اور نہ مسند اور فعل و حرف کی صورت میں بھی فقط ایک جز رہے گا۔ یعنی مسند اور دوسرا جز یعنی مسند الیہ مفقود ہوگا اور اسم و حرف کی صورت میں بھی کلام کا ایک جز متحقق ہوگا اور ایک معدوم اس ایک کو چاہے مسند الیہ بنا دو چاہے مسند۔ صورت اول میں مسند چاہیے اور صورت ثانیہ میں مسند الیہ کی ضرورت ہے لہٰذا یہ چاروں صورتیں باطل ہیں **قولہ من اسمین** اس ترکیب کو مصنف نے فعل و اسم کی ترکیب پر مقدم کیا اس وجہ سے کہ اس کے دونوں جز مستحق تقدیم ہیں چونکہ دونوں اسم ہوتے ہیں **قولہ یسمی جملۃ اسمیۃ الخ** یعنی اس کلام کا نام جملہ دو اسموں کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے جملہ اسمیہ رکھا جاتا ہے چونکہ اس میں پہلا جزء بھی اسم ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ اس کو کہتے ہیں جس کا پہلا جزء اسم ہو یعلم واحفظ **قولہ من فعل واسم** فعل کو مصنف نے اسم پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ مصنف جملہ فعلیہ کے درپے ہے۔ اور اس میں فعل مقدم ہوتا ہے **قولہ جملۃ فعلیۃ الخ** یعنی جو کلام کہ فعل و اسم سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں پہلا جزء فعل ہوتا ہے بطور غالبہ کے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کلام اور جملہ میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں یا نہیں . . . . . .

. . . . . ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ دونوں مترادف نہیں بلکہ دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے کلام اخص مطلق ہے اور جملہ اعم مطلق ان لوگوں نے کلام کی تعریف میں جو اسناد واقع ہے اس سے مراد مقصود لذاتہ اسناد ہے چنانچہ کلام کی تعریف میں اسناد کو اس سے مقید کر دیتے ہیں اور جملہ کی تعریف میں مقصود لذاتہ کے ساتھ اس کو مقید نہیں کرتے بلکہ اس کو مطلق چھوڑتے ہیں **قولہ اذ لا یوجد الخ** یہ دعوے ساتھ یعنی کلام کا حصول دو اسموں یا ایک فعل اور ایک اسم سے ہی ہوتا ہے اس پر شکل ثانی سے استدلال ہے مصنف کہتا ہے کہ کوئی کلام ان دونوں ترکیبوں کے سوا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مسند الیہ اور مسند کی شان دونوں کے غیر میں نہیں پائی جاتی اور ہر کلام کیواسطے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے کوئی کلام ان دونوں ترکیبوں کے غیر سے حاصل نہیں ہوتا اگر یہ تم صادق نہیں مانتے تو قیاس کی ترکیب کو معکوس کر لو اس طرح پر کہ ہر کلام کے واسطے مسند الیہ اور مسند کا ہونا ضروری ہے اور مسند الیہ و مسند میں سے کوئی ان دونوں ترکیبوں کے غیر میں نہیں پایا جاتا تو اسکا نتیجہ یعنہ وہی ہے جو شکل ثانی سے برآمد ہوا تھا اور یہ نتیجہ شکل اول کا ہے جو بدیہی الانتاج ہوتی ہے تو لامحالہ نتیجہ حق ہوگا اور مطلوب ثابت ہو جاویگا تو منتج اسکی سابق میں گزر چکی ہے لہٰذا چنداں اعادہ کی ضرورت اور حاجت نہیں جانتا چاہیے کہ قول مصنف معًا بنا بر ظرفیت کے منصوب ہے اور اس میں تنوین مضاف الیہ محذوف کے بدلے میں ہے اور یہ کائنا کے متعلق ہو کر لا یوجد کے مفعول مالم یسم فاعلہ کے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ لا یوجد المسند والمسند الیہ کائنا کل واحد منہما معًا ابتدائی بذی الترکیبین یعنی مسند الیہ اور مسند نہیں پائے جاتے درانحالیکہ ہر دو لامحالہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے ساتھ مگر ان دو ترکیبوں میں جو اوپر گذریں اور مصنف کے قول طابد میں لا نفی جنس کا ہے اور بد اسکا اسم ہے اور لکلام ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے اور منہما مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المبدء متفق منہما اور یہ بھی ممکن ہے کہ بد سے حال ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ لا بد کے مدلول کے متعلق ہو جائے اور حق بات یہ ہے کہ بد مصدر ہے اسکے اصل میں یہ واقع ہے بد فراق اور چارہ اور عوض کے معنی میں ہے بدیہ یبدیہ بدًا فعل من نصر یا تبدید التفریق **قولہ قد نوقض الخ** نقض کی جب اجسام کی طرف نسبت ہوتی ہے تو بطلان تالیف کے معنی میں ہوتا ہے اور جب غیر اجسام کیطرف نسبت ہوتی ہے تو اسکا اس شے سے جو مطلوب ہوتی ہیں نکالنا مقصود ہوتا ہے یہاں پر دو ترکیبوں میں کلام کا حصر مقصود ہے تو نقض کی نسبت یا زید کیطرف کی گئی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ حصر باطل ہے کیونکہ یہ اس سے نکلا جاتا ہے کیونکہ کلام یعنی یا زید کی تالیف جو فعل اور اسم سے ہو رہی ہے حالانکہ کلام کا حصول فقط دو ترکیبوں میں محصور ہے (اسم و اسم، اسم فعل) جواب یہ ہے کہ حرف ندا کے حصر پر خلل نہیں ہوتا کیونکہ یا زید کی ترکیب حرف و اسم سے نہیں ہے بلکہ اس میں لفظ یا ادعو یا اطلب کے قائم مقام اور نائب مناب ہے اور یہ دونوں فعل ہیں جن کا فاعل ضمیر ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ کلام یعنی یا زید فعل و اسم سے مرکب ہے جو اسم ہے فاعلہم والکلمن الفاعلین **قولہ اذا الخ** اذا زمانہ مستقبل کیواسطے آتا ہے خواہ ماضی پر داخل ہو یا فرمائی پر اور یہاں اسکا دخول فعل ماضی پر ہے لہٰذا یہ استقبال کے معنے نہیں ہے چونکہ اس مقام پر مستقبل کے معنی درست نہیں لہٰذا اعادہ ازلہ ہے یا یہاں پر مصنف کا ذہن غلط ہے جواب اکثر اذا مستقبل کے واسطے آتا ہے کبھی کبھی ماضی کے لیے بھی آ جاتا ہے یہاں ماضی کے واسطے ہے لہٰذا اعتراض ساقط اور باطل ہے۔

فلنشرع فی الاقسام الثلثۃ واللہ الموفق والمعین القسم الاول فی الاسم و قد مر تعریفہ وھو ینقسم الی المعرب والمبنی فلنذکر احکامہ فی بابین وخاتمۃ

قولہ فلنشرع الخ اگر کوئی کہے کہ جزا وجود شرط کیلئے لازم ہوتی ہے یعنی جب کسی وقت میں مشروط پایا جاوے تو فوراً اسی وقت جزا کا وجود اور تحقق ضروری اور لابدی ہے مثلاً اذا کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود اس میں وجود نہار طلوع شمس کیواسطے لازم ہے کہ جس وقت طلوع شمس ہوگا اسی وقت وجود نہار پایا جاویگا لہذا اس بنا پر چاہیے کہ مقدمہ سے جس وقت فراغت واقع ہوئی ہو اسی وقت شروع بھی موجود ہوگیا ہو۔ حالانکہ شروع فراغت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ ان دونوں یعنی شروع اور فراغت میں ممکن ہے کہ مہلت اور تراخی واقع ہوئی ہو یا یں طور کہ مصنفؒ فراغت کے بعد آرام میں مشغول ہوگئے ہوں جیسا کہ عام مصنفین کا دستور ہے کہ ایک بیان سے فراغت پانے کے بعد دوسرا بیان جب شروع کرتے ہیں کہ کسی قدر درمیان میں آرام حاصل کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ شروع فی الحقیقت فراغت کی جزا نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کی جزا ارادہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ واذا فرغنا من المقدمۃ اردنا الشروع یعنی جب کہ ہم مقدمہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو ہم نے اقسام ثلثہ میں شروع کا ارادہ کیا اب اشکال مذکور لازم نہیں آتا کیونکہ ارادہ شے آخر شے اول سے فراغت کو لازم ہے مصنفؒ نے عبارت مذکورہ میں ارادہ شے کو فعل شے سے مجازاً بیان کیا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ یہاں پر قیام الی الصلوٰۃ سے ارادہ قیام الی الصلوٰۃ مجازاً مراد ہے۔ **قولہ فی الاقسام الخ** تینوں قسموں میں مصنفؒ کی مراد ایک دم شروع کر دینا نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ اب ہم تینوں قسموں کے بیان کو علاحدہ علاحدہ یکے بعد دیگرے شروع کرنا چاہتے ہیں فافہم واحفظ **قولہ الموفق الخ** باب تفعیل سے اسم فاعل ہے توفیق کے معنی ہیں حصول مطلوب کے واسطے اس کے اسباب کو مہیا کر دینا عرف میں مطلوب کو غیر کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی مطلوب خیر اور لغت کے اعتبار سے عام ہے خیر اور شر دونوں کو شامل ہے المعین باب افعال کا اسم فاعل ہے اعانت کے معنی ہیں مدد کرنا یہ جملہ مصنفؒ نے اسلئے لایا کہ کسی چیز کو شروع کرنا ایک بڑا مہتم بالشان کام ہے اور ایسے امر میں خداوند تعالیٰ سے استعانت اور توفیق چاہنا ضروری ہے اور موفق اور معین کو معرف باللام افادہ حصر کے واسطے ذکر کیا ہے کہ اس مسند الیہ کے اندر محصور ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس امر کے تمام اسباب مہیا کرنے والا ہے جس کو میں نے شروع کیا ہے اور وہی اس کی اصلاح پر میری مدد اور اعانت کرنیوالا ہے اس کے سوا کوئی اور موفق اور معین نہیں **قولہ فی الاسم الخ** مصنفؒ نے اسم کی ابحاث کو فعل و حرف کی ابحاث پر مقدم کیا کیونکہ اسم فعل و حرف کے اعتبار سے اصل ہے کیونکہ اسم فعل و حرف سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ فقط تنہا اس سے کلام بن سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم کی بحث جن مقصدوں پر شامل ہے فعل و حرف کی بحث ان پر شامل نہیں **قولہ قد مر الخ** یعنی اسم کی تعریف اور حد پہلے گذر چکی ہے یہ جملہ معترضہ مصنفؒ فی الاسم کہنے کے بعد اس وجہ سے لایا ہے کہ مصنفؒ اسم کی تقسیم کرنا چاہتا ہے چونکہ کہتا ہے وینقسم اور جب کسی شے کی تقسیم کی جاتی ہے تو اس سے پہلے اسکی تعریف کر دینا ضروری ہے ورنہ تقسیم مجہول لازم آتی ہے جو ناجائز ہے تو اگر مصنفؒ قد مر نہ کہتا تو کوئی یہ سوال کرتا کہ تقسیم سے تعریف شے کے بعد ہوا کرتی ہے اس دستور اور اسلوب کے خلاف کیوں قدم اٹھایا تو مصنفؒ قد مر تعریفہ سے اسکا جواب دیتا ہے کہ تقسیم اسم کی تعریف کے بعد ہی ہے کیونکہ تعریف پہلے گذر چکی ہے لہذا یہ تقسیم محل اعتراض اور منشاء اشکال نہیں ہے **قولہ الی المعرب** یعنی اسم کی دو قسمیں ہیں معرب، مبنی اور ان دونوں میں منحصر ہے اس واسطے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے غیر کیساتھ مرکب ہے یا نہیں اگر مرکب نہیں ہے تو مبنی ہے اور اگر مرکب ہے تو پھر دو صورتیں ہیں وہ ترکیب عامل کے ساتھ ہوگی یا نہ ہوگی اگر نہیں ہے تو وہ بھی مبنی اور اگر ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں مبنی اصل کیساتھ مشابہ ہے یا نہیں اگر نہیں تو معرب ہے ورنہ مبنی۔ غرض مبنی کی تین صورتیں ہیں اور معرب کی فقط ایک ہی صورت ہے یعنی اسم اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو معرب اسم ظرف کا صیغہ ہے اعراب بمعنی اظہار ہے پس معرب کو معرب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اظہار معانی کا محل ہے یا صیغہ اسم مفعول ہے اعراب بمعنی ازالہ فساد سے پس اس وقت اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ متواردہ (پے در پے آنے والے) کے اظہار سے ازالہ فساد ہو جاتا ہے اور بعض معنی کا بعض کے ساتھ التباس نہیں ہوتا مبنی بناء بمعنی قرار اور عدم تغیر سے ماخوذ ہے مبنی کو مبنی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف عوامل کی وجہ سے کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا ایک ہی حال پر رہتا ہے **قولہ احکامہ الخ** اے احکام الاسم یعنی اسم کے احکام معرب اور مبنی ہونیکے اعتبار سے اور بعض نسخوں میں احکامہما ہے یعنی معرب اور مبنی کے احکام یعنی اول نسخہ پر ضمیر اسم کی طرف راجع ہے اور ثانی پر معرب اور مبنی کی طرف احکام حکم کی جمع ہے بمعنی محکوم بہ اور نسبت حکمیہ اور اعتقاد بہ نسبت تامہ خبریہ آتا ہے لیکن یہاں پر ان معانی مذکورہ سے کوئی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں حکم سے مراد شے کا وہ اثر ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے **قولہ بابین الخ** دو باب میں پہلا اسم معرب کے بیان میں ہے اور دوسرا اسم مبنی کے ذکر میں اور خاتمہ اسم کے ان احکام میں ہے جو معرب اور مبنی میں مشترک ہیں خاتمہ کے معنی لغت میں ختم کرنیوالی شے کے ہے اور اصطلاح میں اس بحث کو کہتے ہیں جس میں وہ احکام بیان کئے جائیں جو زائد علی المقصود ہوں اور احکام مقصود کے موقوف علیہ ہوں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم **قولہ انشاء اللہ الخ** اکثر نسخوں میں یہ جملہ نہیں ہے اور جن میں ہے تو یہ جملہ فلنذکرہ کی قید ہے۔ مصنفؒ نے فلنذکرہ کو انشاء اللہ کے ساتھ اس سبب سے مقید کیا کہ ذکر شے اور ترک شے انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو۔ نیز اس میں خیر البشر سرور النور صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی اتباع ہے اور نیز حکم خداوندی اور امر ایزدی پر بھی عمل ہے کما لا یخفی۔

الباب الاول فی الاسم المعرب وفیہ مقدمۃ وثلثۃ مقاصد وخاتمۃ اما المقدمۃ ففیھا فصول فصل فی تعریف الاسم المعرب وھو کل اسم رکب مع غیرہ ولا یشبہ

قولہ فی الاسم المعرب۔ اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے ذکر معرب کو ذکر مبنی پر کیونکر مقدم کیا تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں معرب کے افراد بہ نسبت مبنی کے زیادہ ہیں اور معرب کے مسائل بھی مبنی کے مسائل سے کہیں بڑھ کر ہیں اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنفؒ نے بیان معرب کو بیان مبنی پر مقدم کیا دوسرا جواب معرب میں اسم منصرف بھی مبحوث عنہ ہے اور اصل اسماء میں انصراف ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ معرب اعراب لفظی اور اعراب تقدیری دونوں کا محل ہوتا ہے اور مبنی فقط اعراب محلی ہی کا محل ہوتا ہے اور اعراب محلی سے اعراب لفظی و تقدیری اصل ہے اور جو محل الاصل ہو وہ بھی اصل ہے اور اصل طبعاً غیر اصل پر مقدم ہے مصنفؒ نے اس کی طبیعت کا اعتبار کر کے وضعاً بھی مقدم کر دیا چوتھا سبب تقدیم کا یہ ہے کہ وضع الفاظ سے غرض اظہار ما فی الضمیر ہے۔ اور یہ غرض بغیر اعراب کے پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اعراب سے لفظ کا فاعل اور مفعول ہونا معلوم ہوتا ہے اور اعراب اسم معرب کے ساتھ ہی مختص ہے لہٰذا یہ غرض اسم معرب سے جس طرح پوری ہوتی ہے اسم مبنی سے نہیں ہوتی اور یہ ہی معرب کی تقدیم کا داعی اور مبنی کی تاخیر کا باعث ہے **قولہ کل اسم الخ۔** یعنی اسم معرب ہر وہ اسم ہے اگر کوئی کہے کہ مصنف نے تعریف میں لفظ کل کیوں ذکر کیا باوجودیکہ مناطقہ کا اصطلاح میں تعریف کے اندر اس لفظ کو برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ کل احاطہ افراد کے واسطے آتا ہے اور تعریف شے کی ماہیت اور حقیقت کی ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ مصنف نے مناطقہ کی اس اصطلاح کی متوجہ اور ملتفت نہ ہوتے ہوئے لفظ کل داخل کیا اس وجہ سے کہ مقصود اور مطلوب پر واقفیت اور آگاہی ہو جاوے کیونکہ مقصود تعریف سے افراد کا جاننا ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ کل اسم اسم معرب کی جنس قریب ہے کیونکہ اسم معرب کے ساتھ جو اس جنس میں شریک ہیں سب کو اور بعض کو ملا کے سوال کرنے پر جواب اسم آتا ہے اور باقی تعریف کے الفاظ فصل ہیں چونکہ وہ اسم معرب کو اسم مبنی سے جو کہ اسم معرب کے ساتھ جنس قریب میں شریک ہے اسم معرب کی ذات میں داخل ہو کر تمیز دیتے ہیں **قولہ رکب الخ** یعنی اپنے غیر کے ساتھ ملایا گیا جو رکب فعل ماضی مجہول سے مشتق ہے ترکیب (ملانا) اس قید سے اسم معرب کی تعریف سے وہ اسماء نکل گئے جو بالاصل مرکب مع الغیر نہیں ہیں جیسے اسماء اصوات اور اسماء اعداد اور اسماء معدودہ بعض نے کہا ہے کہ ترکیب سے مراد ترکیب اسنادی ہے کیونکہ وہ اعراب کے واسطے علت ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اگر ترکیب سے مراد ترکیب اسنادی ہو تو یہ تعریف فقط مسند الیہ اور مسند پر صادق آویگی کیونکہ یہ ہی دونوں ترکیب اسنادی کیساتھ مرکب ہیں اور مضاف الیہ اور اسماء موصولات اور مفاعیل وغیرہ تعریف اسم معرب سے خارج رہیں گے حالانکہ یہ بھی معرب ہیں لہٰذا یہاں ترکیب کے معنی لغوی ہی ہو سکتے ہیں مع غیرہ مراد تحقیق عامل ہے غیر سے مراد معلق غیر نہیں ورنہ غلام زید میں غلام مضاف پر تعریف صادق ہوگی کیونکہ یہ بھی ایک اسم ہے جو غیر یعنی مضاف الیہ سے ملایا گیا ہے حالانکہ مصنف کے نزدیک مبنی ہے اور زید اس ترکیب میں معرب ہے بعض نے غیر سے مراد عامل لیا ہے اور معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اسم معرب ہر وہ اسم ہے جو عامل کے ساتھ ملایا گیا ہو لیکن یہ درست نہیں کیونکہ مبتدا اور خبر تعریف سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک کے اندر عامل معنوی ہے اور لفظ و معنی کے درمیان ترکیب متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ ترکیب ایسی دو چیزوں میں ہو سکتی ہے جو حساً موجود ہوں اس وجہ سے ہم تحقیق عامل یعنی ثبوت عامل مراد لیتے ہیں لہٰذا اعتراضات سابقہ سے تعریف مصون اور محفوظ رہے گی **قولہ لا یشبہ الخ** اس قید سے اسم معرب کی تعریف سے وہ اسماء خارج ہو گئے جو تحقیق عامل کیساتھ مرکب ہوں اور مبنی اصل کیساتھ مشابہت بھی رکھتے ہوں جیسے لفظ ہؤلاء جو قام ہؤلاء میں واقع ہے کہ یہ تحقیق عامل یعنی قام کیساتھ مرکب ہے مگر چونکہ مبنی اصل یعنی حرف کے مشابہ ہے لہٰذا مبنی ہے معرب نہیں حاصل تعریف یہ ہے کہ معرب وہ اسم ہے جو تحقیق عامل کیساتھ ملایا گیا ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو معرب کی اس تعریف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تعریف ایسے بہت سے افراد پر صادق آتی ہے جو معرب نہیں چنانچہ یہ تعریف اسم پر صادق آتی ہے جو مبنی اصل کو متضمن ہو جیسے لفظ این این خبر میں یا مبنی اصل کے حکم میں ہو جیسے نزال یا مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جیسے لفظ یوم این کنت یوم میں کیونکہ ان میں سے ہر ایک تحقیق عامل کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور مبنی اصل کیساتھ مشابہ بھی ہیں کیونکہ شابہت اشتراک فی الکیت کا نام ہے اور یہ مبنی اصل کے ساتھ کیف میں شریک نہیں اس وجہ سے یہ اسماء مذکورۃ الصدر اسمائے معرب ہیں حالانکہ کوئی شخص ان کو اسم معرب نہیں مانتا بلکہ سب لوگ مبنی کہتے ہیں جو لوگ بیان تغیر سے مراد نیابت اور مناسبت مشابہت عام ہے چونکہ شابہت مناسبت کی قسم اور فرد ہے اور جب یہاں پر شابہت ہوگا تو مناسبت ہوگا اور یہ مناسبت تمثیل اور قطع متوقع مبنی الاصل اور اعتبار سب کو شامل ہے (فقط) قیل کیونکہ اسماء مذکورہ کو مبنی اصل کے ساتھ مناسبت ہے اور معرب کی تعریف میں عدم مناسبت شرط ہے لیکن اس وقت دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ لا یشبہ کے معنی لا ینابہ کے کہاں سے کر دئے اس پر کوئی قرینہ بھی نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لا یشبہ کے معنی لا ینابہ سے جو کئے گئے ہیں اس پر قرینہ مصنف کی وہ عبارت ہے جو مبنی کی تعریف (الاسم المبنی ما یناسب المبنی الاصل) میں واقع ہے کیونکہ اسم معرب اسم مبنی کا قسیم ہے جب مبنی کے اندر مناسبت کا اعتبار اور لحاظ ہے تو اسم معرب میں اس کی نفی یعنی عدم مناسبت کا اعتبار ہوگا دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب اسم معرب کی تعریف میں عدم مناسبت کی ملحوظ ہے اور مناسبت مشابہت سے عام ہے کہ مناسبت مشارکت فی شئی کا نام ہے اور مشابہت مشارکت فی الکیف کا نام ہے اور کسی عام کی نفی اس کے سب افراد سے نفی ہوتی ہے اگرچہ عام کی تحقیق کیلئے ایک فرد کا تحقق کافی ہوتا ہے اس وجہ سے جب اسم معرب کی تعریف میں مناسبت کی نفی کی تو لازم آیا کہ ہر اسم معرب جب ہوگا کہ مبنی اصل کے ساتھ کسی چیز میں شریک نہ ہو اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی اسم معرب ہی نہ ہو کیونکہ کوئی اسم ایسا نہیں کہ جو مبنی اصل کے مناسب نہ ہو کیونکہ ہر اسم مبنی اصل کے ساتھ کلمہ اور لفظ ہونے میں شریک ہے اور جب کوئی اسم معرب نہ ہوا تو لازم آیا کہ جتنے اسماء ہیں سب مبنی کے اندر منحصر ہو جاویں۔ جواب یہاں پر مطلق مناسبت کی نفی مقصود نہیں کہ اعتراض مذکور وارد ہو بلکہ اس مناسبت کی نفی مراد ہے

(منع اعراب میں لباقی بر صفحہ ۳۲)

مبنیٌّ الاصلِ اعنی الحرفَ والامرَ الحاضرَ والماضیَ نحو زیدٌ فی قامَ زیدٌ لا زیدٌ وحدہ لعدم التراکیب

موثر ہوتی ہے اس کے اقسام یہ ہیں کہ مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این کہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے دوسرے یہ کہ اپنے معنی کے تمام ہونے میں غیر کا محتاج ہو جیسے اسمائے موصولہ اسمائے اشارات کہ اپنے تمام ہونے میں صلات اور مشارات الیہا کے محتاج ہیں مبنی الاصل کے موقع میں واقع ہو جیسے نزال یعنی انزل اسم مشابہ ہو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو اس اسم کی جگہ میں جس کی مبنی اصل کے ساتھ مشابہت ہے جیسے منادی مفرد معرفہ مبنی اصل کی طرف مضاف ہو۔ جیسے یومئذ میں یوم اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ تمام اسماء مبنی نہ ہونگے۔ کیونکہ ہر اسم مبنی اصل کے ساتھ وہ مناسبت نہیں رکھتا جو منع اعراب میں موثر ہو نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تعریف غیر منصرف کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ اگرچہ فعل ماضی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے لیکن ایسی مناسبت نہیں جو منع اعراب میں موثر ہو کیونکہ مناسبت موثرہ وہ ہوگی جس کو دوسری شے معارض نہ ہو غیر منصرف کی مناسبت ماضی کے ساتھ مانع وجود سببین میں معارض کے ساتھ ہے کیونکہ غیر منصرف جیسے دو سبب کی وجہ سے ماضی کے مناسب ہے ایسے ہی مضارع کے بھی مناسب ہے مبنی کے ساتھ مشابہت بنائے غیر منصرف بننے کی مقتضی ہے اور مضارع کے ساتھ مناسبت انصراف کو چاہتی ہے اور ترکیب کے بعد اصل اسماء میں اعراب ہے اس وجہ سے اسمائے غیر منصرف میں اعراب کی رعایت کی گئی ہے نہ بنا کی اس بنا پر تمام اسمائے غیر منصرفہ معرب ہیں ایسے ہی اسم فاعل اور اسم مفعول جبکہ ماضی کے معنی میں ہوں تو ان پر معرب کی تعریف صادق آئے گی کیونکہ اگرچہ وہ ماضی کے مناسب ہوں گے لیکن ان کی یہ مناسبت مع الماضی معارضہ کے ساتھ ہے لہذا مناسبت غیر موثرہ پائی گئی ہے لہذا یہ بھی معرب رہیں گی اسی طرح نحو اور مثل بھی معرب ہیں کیونکہ یہ کان جو تشبیہ کیلئے ہے اس سے مناسبت موثرہ نہیں رکھتے کیونکہ اس مناسبت کا معارض انکا مفرد کی طرف مضاف ہونا ہے کیونکہ ان کی اضافت مفرد کی طرف لازم ہے اور اضافت خواص اسم سے ہے خاصہ شے بہت شے کو قوی کرتا ہے اس وجہ سے یہ دونوں اپنے اصل اعراب اور انصراف کی طرف لوٹ آئے۔ ایسے ہی نون تثنیہ نون جمع کو حرف کے ساتھ مناسبت ہے چونکہ حرف علت کے معنی کو متضمن ہے چونکہ جاءنی زیدان جاءنی زیدون جاءنی زیدو زید اور جاءنی زیدو زید کے معنی میں ہے مگر یہ مناسبت موثر نہیں ہے کیونکہ تضمن مذکور اعتباری ہے واقعی نہیں اگر واقعی ہوتا ہے تو ان کے ساتھ معطوف و معطوف علیہ کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا یہ معرب نہیں ہے **قولہ مبنی الاصل** الخ یہاں دو باتوں میں اختلاف ہے ایک اضافت میں جو کہ مبنی کی اصل کی طرف ہے بعض کہتے ہیں کہ بیانیہ ہے یعنی المبنی الذی ہو الاصل یعنی اسم بعد ترکیب اس مبنی کے مشابہ نہ ہو کہ اصل ہے بعض کہتے ہیں کہ اسم مفعول کی اضافت نائب فاعل کی طرف ہے یعنی مبنی اصل مطلب یہ ہوا کہ معرب وہ اسم ہے جو اس چیز کے مشابہ نہ ہو جس کی اصل برقرار رکھی گئی ہے اس پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ مبنی اصل میں تین چیزیں بتلائی گئی ہیں فعل ماضی امر حاضر معروف، جملہ حروف جیسا کہ مصنف نے اعنی سے تفسیر کی ہے تو اگر یہ اضافت اسم مفعول مضاف کی نائب فاعل کی طرف ہے تو لازم آتا ہے کہ تینوں مبنیات (امر حاضر معروف، فعل ماضی، جملہ حروف) سے ایک بھی اصل مبنی نہ ہو بلکہ ان کی اصل مبنی ہو۔ حالانکہ حروف کے واسطے اصول نہیں ہیں اور فعل ماضی کی اصل یعنی مصدر اور امر حاضر معروف کی اصل یعنی مضارع معربات سے ہیں لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ (اضافت مفعول کی نائب فاعل کی طرف) قول صحیح نہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ اضافت الی المظروف ہے یعنی مبنی فی الاصل یعنی اصل میں جو مبنی ہے اس کے مشابہ ہو اس پر لازم آتا ہے کہ امور ثلثہ مذکورہ فی الحال مبنی نہ ہوں بلکہ مبنی فی الاصل ہوں حالانکہ یہ بھی غلط ہے اور اضافت بیانیہ کی صورت میں اعتراضات مذکورہ بالا واقع نہیں ہوتے چونکہ اضافت بیانیہ میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغائرت نہیں ہوتی اور اضافت لامیہ تو کسی طرح ممکن نہیں کیونکہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغائرت شرط ہے دوسرا اختلاف اصل کے معنی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ اصل کے معنی یہاں وضع کے ہیں اس معنی پر مبنی کی اضافت اصل کی طرف ظرفیہ ماننا درست ہے اور اعتراض مذکور لازم نہیں آویگا۔ یعنی جو اپنی وضع میں مبنی ہے یعنی اس غرض کے واسطے وضع کیا گیا ہے کہ مبنی ہی استعمال کیا جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ اصل کے معنی قانون اور قاعدہ کے ہیں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ امور ثلثہ کی بنا کسی قاعدہ اور ضابطہ پر نہیں ہے کیونکہ ان کی بنا کے واسطے کوئی قانون نہیں ہے اور اگر یہ بات مان بھی لی جاوے تو لازم آویگا کہ تمام مبنیات قاعدہ اور قانون کے ماتحت مبنی ہوں ان امور ثلثہ کی بنا کی کیا تخصیص ہے بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ان کی بنا قاعدہ پر نہیں غلط ہے بلکہ ان کی بنا ایک قاعدہ پر مبنی ہے جو یہ ہے کہ ہر وہ شے جس میں موجب اعراب نہ پایا جاوے وہ مبنی ہوتی ہے تو امور ثلثہ کی بنا اسی قاعدہ پر ہے اور یہ اگرچہ عام ہے مگر ان تینوں پر ہی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مبنیات پر نہیں ہوتا اگرچہ موجب اعراب ان میں بھی موجود نہیں ہے لیکن وجہ تسمیہ کے لیئے المراد شرط نہیں ہے اس بنا پر اضافت لامیہ بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ اعنی الحرف** الخ مبنی اصل میں اختلاف ہے کہ بعض جملہ کو بھی مبنی اصل کہتے ہیں کیونکہ جملہ اس اعتبار سے کہ جملہ ہے مفرد کے موقع میں واقع نہیں اور جو مفرد کے موقع میں واقع نہ ہو وہ اعراب سے کوئی محل نہیں رکھتا۔ اور بعض جملہ کو فروع مبنی سے قرار دیتے ہیں کیونکہ مبنی الاصل وہ ہے جس کے لیئے کسی قسم کا اعراب نہ ہو نہ لفظی نہ تقدیری نہ محلی اور جملہ محلاً معرب ہے۔ لہذا مبنیات الاصل سے نہیں ہو سکتا نیز جاننا چاہیے (باقی بر ص ۳۳)

ولا هؤلاء في قام هؤلاء لوجود الشبه ويسمّى متمكّنا فصل حكمه ان يختلف اخره

کہ مصنفؒ نے امر کو حاضر کے ساتھ اس وجہ سے مقید کیا کہ امر غائب بالاتفاق معرب ہے اور امر حاضر میں اختلاف ہے کہ مبنی ہے یا معرب اصح یہ ہے کہ امر حاضر مبنی ہے اور یہ ہی مصنفؒ کے نزدیک مختار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب **قولہ نحو زید الخ** یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ یعنی ہو نحو زید ہو ضمیر اسم معرب کی طرف راجع ہے اور فی قام زید جار مجرور زید کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے ہو الاسم المعرب نحو زید الکائن فی قام زید یا حال ہے اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی ہو الاسم المعرب نحو زید کائنا فی قام زید۔ اور لا زید وحدہ نحو زید پر معطوف ہے اور وحدہ تاویل نکرہ حال ہے یعنی منفردًا یا متوحدًا کے تاویل میں ہو کر یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور فعل حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے یتوحد وحدہ ای ینفرد انفرادہ اور قول مصنف لعدم الترکیب فعل محذوف کی تعلیل ہے ای لا یکون زید وحدہ اسما معربا لعدم الترکیب حاصل مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم معرب زید کی مثل ہے جو کہ جملہ قام زید میں واقع ہے اور جو مثل زید کے ترکیب یعنی جملہ میں واقع نہ ہو وہ مبنی ہے کیونکہ تحقیق عامل کیساتھ مقترن نہیں حالانکہ اسم معرب کے لیئے تحقیق عامل کے ساتھ اقتران ضروری ہے کیونکہ حصول معرب مشروط ہے بمشروط وجود ترکیب اور یہی وجہ ہے کہ ترکیب تعریف اسم میں ماخوذ ہے۔ لہذا جب شرط یعنی ترکیب معدوم ہے تو مشروط یعنی اسم معرب بھی مفقود ہوگا اذا فات الشرط فات المشروط اور یہ مصنفؒ کا مذہب ہے کیونکہ اس کے نزدیک معرب وہ ہے جس کے واسطے قابلیت اعراب بالفعل حاصل ہو اور قابلیت اعراب بلا ترکیب کے نہیں پائی جاتی اسی وجہ سے مصنفؒ نے تعریف میں ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے لیکن یہ صاحب کشاف کے نزدیک تنہا زید بغیر ترکیب کے بھی معرب ہے کیونکہ اس کے نزدیک معربیت اسم کے لیئے صلاحیت اعراب بعد ترکیب کافی ہے لہذا اسکے نزدیک زید قبل ترکیب اور بعد ترکیب دونوں حالتوں میں معرب ہے چنانچہ صاحب کشاف نے اسم معرب کی تعریف میں ترکیب کو ماخوذ نہیں رکھا اور تعریف یہ کی ہے کہ معرب وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو۔ **قولہ ولا هؤلاء الخ** اسکا عطف لا زید پر ہے اور فی قام ہؤلاء میں وہی دو مذکور احتمال ہیں مطلب یہ ہے کہ ہؤلاء جو کہ قام ہؤلاء میں واقع ہے معرب نہیں مبنی ہے باوجودیکہ تحقیق عامل کیساتھ مقترن ہے۔ کیونکہ یہ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور عدم مشابہت حصول معرب کے واسطے شرط ہے اسی وجہ سے عدم مشابہت تعریف اسم معرب میں ماخوذ ہے اور انتفاء شرط مستلزم ہے انتفاء مشروط کو اس سے معلوم ہوا کہ معرب کے واسطے دو چیزوں کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ایک جن میں سے وجودی ہے یعنی وقوع فی الترکیب اور ایک عدمی ہے یعنی مبنی اصل کے مشابہ نہ ہونا۔ رہا یہ امر کہ ہؤلاء مبنی اصل کے مشابہ کسطرح ہے تو جاننا چاہیے کہ ہؤلاء حرف کے مشابہ ہے جیسا کہ حرف دلالت کے اندر دوسری شئ کے انضمام کا محتاج اور مستند ہے اسی طرح ہؤلاء بھی مشار الیہ کا آرزومند اور مفتقر ہے اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ بنائے مذکور پر لازم آتا ہے کہ تمام اسمائے اشارات تعریف اسم سے خارج ہو کر حد حرف میں داخل ہو جاویں کیونکہ اسماء اشارات بھی اپنے مدلول اور معنی پر دلالت کرنے میں حروف کی مانند غیر مستقل ہیں جواب اسم حروف کی تعریف میں استقلال اور عدم استقلال سے مراد وضعی ہے اور اسمائے اشارات وضعی طور پر مستقل ہیں اور احتیاج مشار الیہ باعتبار استعمال کے ہے جو مشار الیہ کے تعین کیواسطے ہے **قولہ ویسمّی متمکّنا الخ** یعنی اسم معرب کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں متمکن تمکن (باب تفعل) کا اسم فاعل ہے اسکے لغوی معنی ہیں جائے دہندہ چونکہ اسم معرب اعراب کو جگہ دیتا ہے سید شریفؒ حاشیہ متوسط میں فرماتے ہیں کہ اسم متمکن معرب ہے اور امکن اسم معرب منصرف کو کہتے ہیں یعنی لفظ متمکن عام ہے اور امکن خاص اور اسمائے غیر متمکنہ مبنیات سے ہیں مصنفؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیت میں کل اسمائے معربہ متمکن ہیں یہ تسمیہ اسم معرب کے بعض اقسام کے اعتبار سے ہے چونکہ حرکات ثلثہ بعض معربات پر آجاتی ہیں اور بعض پر نہیں آتیں فافہم **قولہ حکمہ الخ** جاننا چاہیے کہ حکم یہاں پر اثر مرتب علے الشئ کے معنی میں ہے سوال حکم کی اضافت معرب کیطرف کرنا کس طرح درست ہے کیونکہ اسم معرب کے آخر میں جو اختلاف حرکات ہوتا ہے وہ معرب کا اثر نہیں ہے بلکہ عامل کا اثر ہے۔ جو اسم معرب پر آتا ہے۔ جواب یہ اضافت بمعنی فی ہے جیسے صلوۃ اللیل یعنی الحکم فی المعرب اور اس میں شک نہیں کہ اختلاف معرب کے اندر ایک حکم ہے یا بمعنی لام ہے ای الحکم للمعرب بنا بر صورت اول مطلب یہ ہوگا کہ عامل کا اثر معرب کے اندر ہے اور بنا بر صورت ثانیہ عامل کا اثر اسم معرب کے واسطے لیکن دونوں صورتوں میں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ حکم کے معنی اثر مرتب کے ہیں اور یہاں یہ معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں پر اثر معرب پر مرتب ہو رہا ہے جواب اضافت باونی ملابست ہے چونکہ عامل اور معمول میں کافی تعلق ہے اس وجہ سے گویا کہ عامل کا حکم معمول کا ہی ہے۔ **قولہ آخرہ الخ** یعنی معرب کا حکم اور اثر بحیثیت معرب ہونیکے یہ ہے کہ معرب کا آخر حرف بدل جاوے خواہ ذاتًا خواہ صفاتًا۔ اختلاف ذاتی سے مراد یہ ہے کہ حرف دوسرے حرف سے بدل جاوے خواہ حقیقۃً بدلے خواہ حکمًا حقیقۃً کا مطلب یہ ہے کہ واقعۃً ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاوے جیسے جاءنی ابوک رایت اباک مررت بابیک کہ اس میں اَب کا واؤ ایک مرتبہ الف ہوگیا اور دوسری بار کی سے بدلا گیا اور حکمًا کا مطلب یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے اصل میں اور واقع میں نہ بدلے بلکہ اس کو بدلے جانے کا حکم دیدیا ہو جیسے جاءنی مسلمون رایت مسلمین مررت بمسلمین کہ اس میں حالت نصبی اور جری دونوں میں ی ماقبل مفتوح ہے لیکن یائے حالت جری غیر یائے حالت نصبی ہے۔ اور یہ غیریت فرضًا اور اعتبارًا ہے نہ واقعۃً اور اختلاف صفتی سے یہ مراد ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے حقیقۃً یا حکمًا بحقیقۃً کا مطلب یہ ہے کہ واقع میں ایک حرکت سے دوسری حرکت بدلی ہو جیسے جاءنی زیدٌ رایت زیدًا مررت بزید میں زید کی حرکت واقعۃً بدلی گئی ہے حکمًا کا مقصد یہ ہے کہ فرضی طور پر حرکت بدل دی جاوے جیسا کہ جاءنی مسلمٌ رایت مسلمًا مررت بمسلمٍ حالت نصبی اور جری میں فی الواقع ایک ہی حرکت ہے لیکن بطور فرض و اعتبار کے یہ مان لیا گیا ہے کہ دونوں الفاظ کی حرکتیں آپس میں مختلف اور غیر خود ہیں ہم نے حیثیت کی قید اسوجہ سے لگائی کہ معرب کا یہ حکم معربیت کے اعتبار سے ہی ہے نہ فاعلیت اور مفعولیت وغیرہ کے اعتبار سے اگر اس قید کا اضافہ نہ کیا جاوے تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ معرب کے اور احکام بھی ہیں مصنفؒ نے فقط حکم ہی کیوں بیان فرمایا واللہ اعلم بالصواب۔

* * * * * * * * *

باختلافِ العوامل اختلافاً لفظیاً نحو جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومررت بزیدٍ او تقدیریاً نحو جاءنی موسیٰ ورأیتُ موسیٰ ومررت بموسیٰ الاعرابُ ما بہ

قولہ باختلاف العوامل الخ بائے سببیہ جو کہ اختلاف پر داخل ہے مختلف کے متعلق ہے ای بسبب اختلاف العوامل یعنی معرب کے آخر میں اختلاف عوامل کے اختلاف کیوجہ سے پیدا ہوتا ہے اس قید سے وہ اسم کے آخر کا اختلاف خارج ہوگیا جو عوامل کے اختلاف کی بنا پر نہ ہو بلکہ اور کسی دوسری وجہ سے پیدا ہوا ہو جیسے مثلاً من استفہامیہ میں اس مثال کے اندر اختلاف ہے من بلحاظ من الجر اور مثال اول میں نون ساکن ہے اور مثال ثانی میں نون متحرک ہے بحرکت کسرہ لیکن یہ اختلاف عوامل کے اختلاف کیوجہ سے نہیں ہوا ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے اختلاف معرب کا مطلب یہ ہے کہ عوامل کے اختلاف کے حصول پر معرب کے آخر پر اختلاف ہے اور دوسرے اختلاف سے مراد وجود اختلاف ہے مصنفؒ نے صفت مشاکلت کی بنا پر دونوں کو ایک ہی صورت پر رکھا اس مطلب پر ایک اعتراض ساقط ہو جاتا ہے جسکی تقریر یہ ہے ضرب زید میں زید معرب ہے باوجودیکہ یہاں اختلاف نہیں ہے کیونکہ عوامل داخل نہیں ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف سے مراد جو معرب کے آخر پر مرتب ہوتا ہے یہ نہیں کہ بالفعل ہی مرتب ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر ترتب کی صلاحیت رکھتا ہو بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ حکم معرب کے تمام افراد کا نہیں بلکہ بعض کا ہے اور بعض کا حکم حدوث اعراب ہے یہاں یہ حکم ثانی پایا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر سکون سے حرکت کی طرف انتقال ہوا ہے کیونکہ قبل از ترکیب یہ مبنی تھا سکون پر اور اس انتقال کا نام حدوث ہے نہ اختلاف اختلاف اس انتقال کو کہا جاتا ہے کہ جو ایک حرکت سے دوسری حرکت کی طرف یا ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف ہوتا ہے۔ نیز اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ مثلاً ان زیداً قائم اور ضربت زیداً اور عمر ضارب زید امیں زید معرب ہے اور اختلاف عوامل بھی پایا جاتا ہے لیکن اسم معرب یعنی زید کے آخر میں اختلاف نہیں لہذا معلوم ہوا کہ اسم معرب کا یہ حکم نہیں جواب وہ عوامل کہ جنکی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے عمل میں مختلف ہونے چاہئیں اور امثال مذکورہ میں عوامل مختلف فی العمل نہیں ہیں۔ بلکہ سب کا عمل یکساں ہے عوامل عامل کی جمع ہے کیونکہ جب فاعل صفتی ہوتا ہے تو اسکی جمع فاعل کے وزن پر آتی ہے جیسے ناصر کی نامرون اور جب اسمی ہوتا ہے تو اسکی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاہل کی کواہل اور عامل بھی اسمی ہے۔ اگرچہ اصل کے اعتبار سے صفتی تھا۔ لیکن غلبہ کی بنا پر اسم ہوگیا اور لام اس میں جنس کا ہے لہذا جمعیت کے معنے فوت ہوگئے ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض بھی رفع ہوگیا۔ جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ عوامل صیغہ جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر آتا ہے۔ لہذا اختلاف معرب کے واسطے کم سے کم تین عاملوں کی ضرورت ہوگی ان واحد میں **قولہ اختلافاً لفظیاً الخ** اختلاف بنا بر مفعول مطلق ہونیکے منصوب ہے اور لفظیاً اسکی صفت ہے مصنفؒ آخر معرب کے اختلاف کی تقسیم کرتا ہے کہ معرب کے آخر کا اختلاف عام ہے کہ لفظی ہو یا تقدیری اختلاف لفظی سے مراد یہ ہے کہ اختلاف کا زبان سے تلفظ کیا جاتا ہو جیسے جاءنی زید رأیت زیداً مررت بزید میں اعراب حرکتی کے اختلاف کا تلفظ کیا جاتا ہے اور جیسے جاءنی ابوک رأیت ابیک مررت بابیک کہ اس میں اختلاف حرفی کا تلفظ کیا جاتا ہے اور اختلاف تقدیری سے مراد یہ ہے کہ اختلاف کا تلفظ نہ کیا جاوے جیسے اختلاف حرکتی میں جاءنی موسیٰ رأیت موسیٰ مررت بموسیٰ اور اختلاف حرفی میں جیسے جاءنی مسلمی رأیت مسلمی مررت بمسلمی میں اختلاف کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ حاصل یہ کہ اختلاف کی کل آٹھ صورتیں نکلیں جنکا استخراج مبتدی خود ماقبل کے بیان سے کرسکتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ جاننا چاہیے کہ مصنف نے معرب کی تعریف میں جمہور کی تعریف سے عدول کیا ہے یعنی معرب کی وہ تعریف نہیں کی جو جمہور نے کی ہے بلکہ ابن حاجبؒ کی اقتدا کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہور کی تعریف پر دور لازم آتا ہے کیونکہ اختلاف کی معرفت معرب کی معرفت پر موقوف ہے لہذا اگر معرب کی تعریف اختلاف سے کی جاوے تو لا محالہ دور لازم آئیگا جو باطل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عدول کی وجہ یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے مقصود یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے معرب کے حکم کیطرف وسیلہ پکڑا جائے اور تعریف جمہور وسیلہ نہیں ہوسکتی ورنہ تقدیم الشیٔ علیٰ نفسہ لازم آتی ہے جو ناجائز ہے کیونکہ مثلاً زید جو کہ قام زید میں واقع ہے تعریف جمہور کی بنا پر معرب ہے یعنی اسکا اخیر مختلف ہوتا ہے اور ہر وہ معرب یعنی ہر وہ اسم جسکا آخر اختلاف عوامل کی وجہ سے مختلف ہو) اسکا آخر مختلف ہوتا ہے باختلاف عوامل تو نتیجہ نکلا کہ زید کا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہوتا ہے۔ اس قیاس میں نتیجہ عین صغریٰ ہے لہذا اس نتیجہ کا علم پہلے ہوگا اور یہ تقدیم الشیٔ علیٰ نفسہ ہے جو باطل اور ناجائز ہے اسیوجہ سے مصنفؒ کو تعریف جمہور سے عدول کرنا پڑا۔ **قولہ الاعراب الخ** اعراب کی تعریف مصنفؒ اسوجہ سے کرتا ہے کہ اعراب عوامل کی تعریف میں ماخوذ ہے لہذا جب تک اعراب کا علم نہ ہوگا عوامل کا علم بھی نہیں ہوسکتا اور عامل کی تعریف اسوجہ سے ضروری ہے کہ وہ حکم معرب میں ماخوذ ہے۔ لہذا حکم معرب کی معرفت عامل کی معرفت پر موقوف ہے پس ضروری ہوا کہ عامل کی تعریف کرے اور تعریف عامل تعریف اعراب کو مقتضی ہے لہذا مصنفؒ فرماتے ہیں کہ الاعراب جاننا چاہیے کہ نحات تعریف اعراب میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اعراب اس چیز سے عبارت ہے جس کے سبب سے اختلاف حاصل ہوتا ہے یعنی حرکات اور حروف کا نام اعراب ہے ابن حاجبؒ نے یہ ہی اختیار کیا ہے اور اس پر استدلال کیا ہے کہ نحات اس بات پر متفق ہیں کہ رفع نصب جر کا نام اعراب ہے اور رفع و نصب و جر کی وجہ سے اختلاف حاصل ہوتا ہے یہ خود اختلاف نہیں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اختلاف ہی اعراب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اعراب بنا رکی ضد ہے اور بنا رحرکات پر واقع نہیں ہوتی۔ لہذا اعراب بھی حرکات نہیں ہوسکتا مصنفؒ کے نزدیک علامہ ابن حاجبؒ کا مذہب مختار ہے لہذا جو تعریف اسنے کی ہے وہی مصنفؒ کرتا ہے **قولہ ما بہ** ۔ ای شیٔ اور بہ کا مرجع ما ہے اور باسببیت کے لیے ہے ما بہ میں جو ما ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس ما سے موصولہ سے مراد علی الخصوص حروف و حرکات ہیں دوسرے یہ کہ شیٔ عام مراد ہو۔ اگر حرکات اور حروف مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان حرکات و حروف کو اعراب کہتے ہیں کہ ان کے سبب سے معرب کا اخیر مختلف ہوتا ہے اس وقت اس تعریف پر عامل اور استاد اور معنے (باقی بر صـ ۳۵)

یختلفُ اٰخرُ المُعرَب کالضّمۃ والفتحۃ والکسرۃ والواو والالفِ والیاء

مقتضی للاعراب سے تو اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تینوں نہ حروف ہیں نہ حرکات اور اعراب کے لئے شرط ہے کہ از قبیل حروف و حرکات ہو مگر ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس صورت میں ماد و حال سے خالی نہیں یا تو حروف و حرکات مراد ہوں گے یا ایک ایک اول نا جائز ہے۔ کیونکہ لازم آئیگا کہ لفظ عام سے افراد مختلف الماہیۃ مراد لیں جو جائز نہیں ہے اور ثانی بھی نادرست ہے کیونکہ بر تقدیر ارادہ حرکت حروف خارج ہوتے ہیں۔ در تقدیر ارادہ حرف حرکت نکلتی ہے جواب دیا جاتا ہے کہ مائے مراد وہ شئی ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتی ہو لہذا اعتراض مذکور ساقط ہو جاتا ہے بعض نے جب کہ مائے مراد حروف و حرکت مٹا لیتے ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض عوامل حروف ہیں جیسے حروف مشبہ بالفعل ان پر بھی تعریف صادق آتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ حروف سے مراد تعریف اعراب میں حروف مبانی ہیں نہ حروف معانی اور یہ حروف معانی ہیں لہذا ان پر تعریف صادق نہ آئے گی دوسری صورت یہ ہے کہ مائے موصولہ کو عام لیا جاوے تو اس وقت مطلب یہ ہوگا۔ کہ اعراب وہ شئی ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا اخیر بدلتا ہے۔ اس پر عامل اور اسناد اور معنی مقتضی للاعراب سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جنکی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے لہذا یہ بھی اعراب ہونے چاہئیں حالانکہ کوئی بھی ان کو اعراب نہیں کہتا اسکا جواب یہ ہے کہ باعتبار کیلئے ہے۔ مصنف نے یہاں پر سبب مطلق بولا ہے جس سے قاعدہ کی رو سے فرد کامل ہوگا اور سبب کامل سبب قریب ہے اسوجہ سے اس سے مراد سبب قریب ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ جو شئی آخر معرب کے اختلاف کا سبب قریب ہے وہ اعراب ہے اور عامل و اسناد و معنی مقتضی اگرچہ اختلاف کا سبب ہیں۔ لیکن سبب قریب نہیں اسوجہ سے اعراب کی تعریف ان پر صادق نہ ہوگی اس مقام پر ایک اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ تم نے اعراب کی تعریف کی ہے۔ کہ وہ حرکت یا حرف ہے جسکی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے۔ تعریف اعراب میں اختلاف ماخوذ ہے اور اختلاف آخر معرب بلا دو حرف یا دو حرکت کے نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک دوسرا حرف یا حرکت نہ آئیگا اختلاف نہ ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ اختلاف دوسری حرکت یا دوسرے حرف سے پیدا ہوتا ہے اور جس سے اختلاف ہو وہی اعراب ہے تو لہذا وہ دوسرا حرف و حرکت اعراب ہوگا نہ پہلا حالانکہ وہ بھی بالاتفاق اعراب ہے مثلاً جاءنی زید میں زید کے آخر ضمہ ہے اور رأیت زیدا میں جب اس پر عامل کا دخول ہوا تو ضمہ فتحہ سے بدلا اور اختلاف ہو گیا۔ لہذا اس صورت میں فتحہ اعراب ہوا نہ ضمہ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ جواب اول اس سبب سے مراد ہو کہ تعریف میں مذکور ہے تام نہیں ہے بلکہ تاثیر مراد ہے۔ خواہ تام ہو یا غیر تام حرکت اول اختلاف کے اندر اگرچہ موثر تام نہیں ہے۔ مگر موثر غیر تام ضرور ہے یعنی اسکا بھی اختلاف میں اثر ہے کیونکہ حرکت اولے کے تقدم کے وقت میں حرکت ثانی موجب اختلاف نہ ہوگی اس سے ثابت ہوا کہ دونوں حرکتوں کا مجموعہ موثر تام اور تنہا تنہا ہر حرکت موثر غیر تام ہے اسی طرح پہلا حرف بھی موثر غیر تام ہے اور دوسرا بھی لیکن دونوں مل کر موثر تام ہیں لہذا پہلی حرکت اور پہلے حرف پر بھی تعریف صادق آگئی۔ جیسا کہ دوسرے حرف و حرکت پر صادق ہے یعنی تعریف جامع جمیع افراد اور مانع دخول غیر ہے۔ جواب ثانی جس طرح حرکت ثانیہ اور حرف اختلاف کی علت تامہ ہیں اسی طرح حرکت اولیٰ اور حرف اول بھی علت تامہ اختلاف ہیں کیونکہ پہلا حرف اور حرکت سکون کے بعد ہے لہذا اس حرکت اور حرف سے بھی اختلاف ہو گیا اور تعریف اعراب اس پر صادق ہے لہذا یہ اعراب ہے صدق تعریف اس طور پر ہے کہ وہ اسم کے جس پر حرف اولیٰ یا حرکت اولیٰ ہے اس پر تعریف اور حکم معرب کا صادق ہے یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسم مثلاً جاءنی زید میں زید معرب ہے یعنی مرکب غیر مناسب مبنی الاصل اور اسکا آخر اختلاف عوامل کیوجہ سے مختلف ہے کیونکہ سکون سے حرکت کی طرف بدل گیا لہذا یہ حرکت جو اس پر آئی باعث اختلاف ہوئی پس لامحالہ یہ حرکت اعراب ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ ان تکلفات سے حرکت اولے اور حرف اول کو اعراب میں داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ یہ کہنا ہی کافی ہے کہ حدوث حرکت و حرف بھی اعراب ہے چونکہ معرب کا ایک حکم حدوث اعراب بھی ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔ **قولہ آخرہ** ی المعرب یعنی آخرہ کی ضمیر معرب کی طرف راجع ہے۔ اس قید سے غلامی کی میم کی حرکت خارج ہو گئی اعراب اولے سے کیونکہ غلام کی میم پر جو حرکت ہے وہ اعراب نہیں ہے کیونکہ اس حرکت سے معرب کا آخر مختلف نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ مضاف ہے اسم مبنی کیطرف اور مضاف پر اعراب نہیں آیا کرتا اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ حرکت اقتضاء عوامل کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ یا کے اقتضاء کیوجہ سے آئی ہے۔ حالانکہ اختلاف آخر معرب من حیث العوامل کیساتھ مقید ہے رہا یہ امر کہ آخر معرب کو ہی اختلاف کیواسطے کیوں معین کیا وسط اول کو ترک کرنے کی کیا وجہ ہے، تو یہ اس وجہ سے کہ اعراب صفت کلیہ ہے اور کلیہ خود ذات اور صفت ذات سے متاخر ہوتی ہے لہذا آخر معرب اختلاف کیواسطے متعین ہو گیا۔ اعراب کی تعریف پر دو وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اول یہ کہ معرب اور اعراب معرفت اور جہالت میں مساوی ہیں لہذا اعراب کی معرب سے تعریف کرنا درست نہیں کیونکہ جو چیز معرفت اور جہالت میں معرف کے مساوی ہو اس سے تعریف کرنا غیر صحیح ہے جواب دونوں معرفت اور جہالت میں مساوی نہیں ہیں کیونکہ معرب عامل و معنی مقتضی وغیرہ کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے البتہ بطریق کمال اعراب سے ہی اس کی معرفت ہوتی ہے اور اعراب کی معرفت بلا معرب ہرگز نہیں ہو سکتی لہذا ان دونوں مساوی نہ ہوئے دوم اعراب کی تعریف دوری ہے۔ کیونکہ معرفت اعراب معرفت معرب پر موقوف ہے اور معرفت معرب معرفت مقتضی پر اور یہ معرفت عامل پر اور معرفت عامل معرفت اعراب پر اور موقوف کا موقوف موقوف ہوتا ہے لہذا اعراب کی معرفت خود اعراب پر موقوف ہوئی اور یہ بعینہ دور ہے، جواب بہت توقف یہاں بدلی ہوئی ہے کیونکہ معرفت اعراب کا توقف معرفت معرب پر ذاتی ہے اور معرب کا توقف معرفت اعراب پر وصفی ہے اور ایک چیز کا دو حیثیت سے موقوف و موقوف علیہ ہونا جائز ہے۔ لہذا دور لازم نہیں آتا۔ **قولہ کالضمۃ** :۔ یہ اعراب بالحرکت اور بالحرف کی پہلی تمثیل ہے۔ (باقی بر صفحہ ۳۶ پر)

واعرابُ الاسم علیٰ ثلثۃِ اَنواعٍ رفع ونصبٌ وجرو العامل ما بہ

جانتا چاہیئے کہ ضمہ و فتحہ و کسرہ یہ تینوں بحکم تا کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ تو انکا اطلاق ہر قسم کی حرکتوں پر آتا ہے خواہ حرکات بنائیہ ہوں یا حرکات اعرابیہ اول حروف یا وسط کی یا آخر کی اور جس وقت کوئی قرینہ نہ ہو تو ان سے حرکات غیر اعرابیہ ہی مراد ہوتی ہیں اور جب یہ تینوں تا سے مجرد ہوں تو یہ بنا کے ہی القاب ہوتی ہیں اور رفع و نصب و جر کا اطلاق فقط حرکات و حروف اعرابیہ پر ہی ہوتا ہے **قولہ اعراب الاسم** اسم سے مراد اسم معرب ہی ہے کیونکہ مبحوث عنہ وہی ہے **قولہ علیٰ ثلثۃ انواع** یعنی اسم معرب کے اعراب تین قسم پر ہیں۔ کیونکہ اعراب معانی معتورہ کیلئے علامت ہے (یعنی وہ معانی جو یکے بعد دیگرے اسم معرب پر آتے ہیں) اور معانی معتورہ کل تین ہیں فاعلیت مفعولیت اضافت لہذا جو چیز ان معانی پر دال ہو وہ بھی تین عدد ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ زیادہ میں وہ اعراب کے درمیان ترادف لازم آئیگا اور کم میں شرکت اور شرکت و ترادف دونوں اصل کے خلاف ہیں اسی وجہ سے ضروری ہوا کہ جو شئے ان معانی مذکورہ پر دلالت کرے اس کے بھی تین نوع ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا وجہ ہے کہ مصنف نے ثلثۃ انواع کہا اور ثلثۃ اقسام یا اس کے مرادف کوئی دوسرا لفظ نہیں لایا تو جواب یہ ہے کہ اس لفظ کے اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رفع نصب جر میں سے ہر ایک کے تحت میں افراد متعددہ ہیں چنانچہ رفع کے تحت میں الف واو و یا لہذا القیاس پس اگر مصنف انواع کی جگہ کوئی اور لفظ لاتے تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ نوع اس کلی کو کہتے ہیں۔ جو افراد متفقۃ الحقائق پر محمول ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع اور نصب و جر میں سے ہر ایک معانی کے انواع میں سے ایک ایک نوع پر دلالت کرتا ہے لہذا جبکہ انکے مدلولات انواع ہیں تو دوال بھی انواع ہی ہونے چاہیں اور یہی کی حرکات چونکہ ایسی نہیں اس لیے ان کو انواع نہ کہیں گے بلکہ ان کا نام القاب ہے کیونکہ ضمہ و فتحہ و کسرہ میں سے ہر ایک ایک امر پر دلالت کرتا ہے یعنی بنا بر اس وجہ سے انکا نام القاب ہے **قولہ رفع** یا تو یہ بدلیت کی بنا پر مجرور ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا اعنی فعل محذوف کی تقدیر پر منصوب ہے اور نصب و جر کا رفع پر عطف ہے لہذا ان میں بھی احتمالات مذکورہ ہیں رفع کے معنی لغت میں بلند کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے ضمہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کو کہا جاتا ہے رفع کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں ایک وجہ یہ کہ اسکے تلفظ کیوقت لب زبرین اوپر کو اٹھ جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع اپنے اخوین (نصب و جر) پر بلند درجہ اور عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اسکا علم ہے جو کلام میں عمدہ ہے یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہے اور نصب کے معنی لغت میں قائم کرنا ہے اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے فتحہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اسکو کہتے ہیں وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اسکے تلفظ کیوقت دونوں لب اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں یا یہ کہ یہ فضلہ کو کلام کے اندر قائم کرتا ہے جر کے معنی لغت میں کھینچنا ہے اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے کسرہ اور جو اسکے قائم مقام ہو اس کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ اسکی یہ ہے کہ اسکے تلفظ کیوقت لب زیریں نیچے کو کھینچتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا عامل فعل یا معنی فعل کو اسم کی طرف کھینچتا ہے **قولہ والعامل الخ** جب مصنف بیان اعراب سے فارغ ہو گئے تو بیان عامل کو شروع کر دیا کیونکہ معرب کے حکم کی معرفت عامل کی معرفت پر موقوف ہے چونکہ معرب کے حکم کے مفہوم میں عامل ماخوذ ہے اس وجہ سے مصنف نے عامل کے بیان کو شروع کر دیا۔ اعراب کے بیان سے عامل کے بیان کو اسوجہ سے مؤخر کر دیا کہ عامل کی تعریف اعراب کے حصول پر موقوف ہے جاننا چاہیے کہ نحات نے عامل کی تعریف میں اختلاف کیا ہے بعض تو اس طرف گئے ہیں جسکو مصنف نے اختیار کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عامل وہ ہے جس سے معنی مقتضی بالاعراب حاصل ہوتے ہیں ابن حاجب نے کافیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ عامل کی یہ تعریف جامع نہیں ہے چونکہ عامل فعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اور مانع بھی نہیں کیونکہ اسناد پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔ کیونکہ اسناد سے بھی معنی مقتضی للاعراب متقدم ہوتے ہیں اول کا جواب یہ ہے کہ یہ عامل اسم کی تعریف ہے لہذا اگر عامل فعل پر یہ تعریف صادق نہ آئے تو کوئی حرج نہیں دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں باء سببیت کے لیے ہے لہذا اسناد اس میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ اسناد معنی مقتضی کیلئے سبب نہیں بلکہ شرط ہے اور اگر سبب ہے بھی تو سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید یہاں پر سبب بعید مجازاً مراد ہے۔ چونکہ یہ مجاز مشہور ہے لہذا اعتراض بھی واقع نہیں ہوتا کہ مجاز کا استعمال تعریفات میں درست نہیں کیونکہ جس مجاز کا استعمال تعریفات میں ناجائز ہے وہ مجاز غیر مشہور ہے اور بعض عامل کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ عامل وہ شئے ہے جو کلمہ کے آخر کو وجہ مخصوص پر ہونے کو واجب کرے اس تعریف میں یہ گفتگو کی جاتی ہے۔ کہ آیا وجہ مخصوص مطلق مراد ہے یا مقید اگر مطلق مراد ہے تو غلامی کی یا بھی غلام کی میم کو وجہ مخصوص پر ہونے کو چاہتی ہے۔ لہذا یائے متکلم کو بھی عامل قرار دینا چاہیے حالانکہ یائے متکلم عامل نہیں اور اگر وجہ مخصوص من الاعراب مراد ہے تو اس کے قول پر دور لازم آتا ہے۔ جو اعراب کی تعریف میں عامل کو لیتا ہے اور اگر وجہ مخصوص من المقتضی مراد ہے۔ تو اس کے کلمہ کا آخر منع کرتا ہے کیونکہ مقتضی ایسی صفت ہے جو کلمہ کے ساتھ قائم ہوتی ہے فقط آخر کے ساتھ نیز فعل کے عامل پر بھی اس وقت تعریف صادق نہ ہوگی کیونکہ فعل میں مقتضی نہیں پایا جاتا لہذا یہ مطلق عامل کی تعریف نہ ہوگی بلکہ عامل اسم کی بھی ہوگی۔ جواب۔ مخصوص سے وہ مخصوص وجہ مراد ہے جس کا معنی مقتضی یا شبہ تام بالاسم تقاضا کرتا ہے اگرچہ اس کا مصداق اعراب ہے لیکن یہ مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اس وجہ سے دور لازم نہیں آتا اور عامل فعل بھی تعریف عامل سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ عامل فعل پر یہ امر صادق آتا ہے۔ کہ وہ ایسی شئے ہے جو کلمہ کے آخر کو (باقی بر صفحہ ۳۷ پر)

رفعٌ اونصبٌ اوجرٌّ ومحل الاعراب مِنَ الاسم هوالحرف الاخير مثال الكلّ نحو قام زيدٌ فقام عاملٌ وزيدٌ معربٌ والضمة اعرابٌ والدّالُ محل الاعراب واعلم انّه لايُعربُ فى كلام العرب الا الاسم المتمكنُ والفعلُ المُضارعُ وسيجئُ حكمُهُ فى القسم الثانى ان شاء الله تعالىٰ فصل فى اصنافِ اعراب الاسم وهى تسعةُ اصنافٍ الاوّلُ ان يكون الرفع بالضمّة والنصب بالفتحة والجرُّ بالكسرة ويُختصُّ

اس مخصوص حالت پر ہونیکو واجب کرتی ہے جس کا شبہ نام بالاسم تقاضا کرتا ہے۔ لہذا عامل مضارع پر یہ تعریف صادق آگئی۔ چونکہ فعل مضارع کو اسم کیساتھ مشابہت تام ہے لفظاً ومعناً واستعمالاً اور ماضی اگرچہ اسم کے مشابہ ہے لیکن مشابہت تامہ نہیں رکھتی بلکہ ناقصہ ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بحث فعل میں آویگا (اعتراض) شبہ امر واحد ہے لہذا علل مختلفہ (رفع ونصب وجر) اس پر کس طرح مرتب ہو سکتے ہیں (جواب) شبہ اگرچہ امر واحد ہے لیکن اس کے واسطے تین اعتبار ہیں ایک قوی یعنی فعل کا اسم کی جگہ بلا تاویل واقع ہونا جیسے زید ضارب میں ضارب کی بجائے یضرب واقع ہو سکتا ہے اور اوسط یعنی فعل مضارع کا اسم کی جگہ تاویل سے واقع ہونا جیسے ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا صیامکم کے موقع میں ہے بتاویل مصدران مصدریہ کی وجہ سے ادنیٰ یعنی فعل کا اسم کی جگہ کسی طرح بھی واقع نہ ہونا۔ لہذا قوی کے اعتبار سے رفع کا مقتضی ہوا اور اوسط کے اعتبار سے طالب نصب ہوا اور ادنیٰ کے اعتبار سے جر کا طالب ہوا کیونکہ رفع اقوی الحرکات اور نصب اوسط الحرکات ہے اور جر ادنیٰ الحرکات ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ ہو الحرف الاخیر** اسم کا محل اعراب حرف اخیر ہے اور اعلیٰ اور اوسط نہیں ہے کیونکہ اعراب بمنزلہ صفت معرب ہے پس جیسے موصوف کے بعد صفت ہوتی ہے ایسے ہی معرب کے بعد اعراب آتا ہے دوسرے حرف اخیر اسم جو جس کا محل اعراب ہے کہ اعراب سے مقصود دفع اشتباہ اور دفع فصل ہے اور وہ اول اور اوسط میں غیر متصور ہے لہذا حرف اخیر ہی ہو سکتا ہے مصنفؒ کا قول من الاسم محل کی صفت ہے یعنے المحل کائن من الاسم یا حال ہے یعنی المحل کائنا من الاسم اسے حال کو من الاسم اور اسم کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ فعل کیلئے محل اعراب بھی حرف اخیر ہی ہے۔ لفظ ہو کا خبر میں لانا جو کہ مفید حصر ہے۔ اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے بعض کے توہم کو دور کرنا ہے جو اس مقام پر کرتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع سالم میں محل اعراب حرف اخیر نہیں ہے بلکہ اخیر سے پہلا حرف ہے اور انکا یہ خیال باطل ہے۔ کیونکہ نون تنوین کے عوض میں ہے۔ جو کہ جدا گانہ ایک کلمہ ہے حقیقت میں حرف اخیر ان میں نون سے پہلا حرف ہے اور نون حرف اخیر نہیں ہے لفظ اخیر مذکر ومؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے لہذا مصنفؒ نے اخیرہ نہیں کہا۔ **قولہ مثال الکل** مصنفؒ نے چاہا کہ اعراب اللہ معرب اور عامل اور محل اعراب سب کی مثال بیان کر دے تاکہ ان سب کی توضیح اور تشریح ہو جائے لہذا مصنفؒ ایک مثال بیان کرتا ہے جو ان سب کو جامع ہے۔ **قولہ فقام**۔ اس میں فا تفسیر کیلئے ہے اصل میں فا تعقیب کیلئے موضوع ہے اسکا دخول مفسر پر جائز ہے چونکہ ذکر مفسر مفسر کے بعد ہوتا ہے **قولہ فقام** بتاویل لفظ ہو کر مبتدا ہے اور **قولہ** عامل خبر ہے اور ضمہ اعراب ہے اور دال حرف اعراب کا محل ہے مصنفؒ کیلئے مناسب بلکہ انسب تھا کہ محل الاعراب کہتا۔ **قولہ اعلم** یہ کلمہ کلام کے اندر تشویق سامع کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ سامع کا میلان بخوبی کلام کی جانب ہو جاوے اور حتی الامکان اس کو سمجھیں اور ذہن میں بٹھائیں اور تشویق اس وجہ سے کرتے ہیں کہ جو چیز تشویق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ واقع فی الذہن ہوتی ہے جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ تشویق لفظ اعرف وافہم واقرر سے بھی حاصل ہوتی ہے مگر اس جگہ مقصود درایت ہے نہ قرائت لہذا اقرر نہ کہا اور افہم کا تعلق کلام سابق سے ہوتا ہے اور یہ بھی اس مقام کے مناسب نہیں اور اگرچہ اعرف درایۃً ما بعد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن اسکا استعمال جزئیات میں ہوتا ہے اور یہاں پر متعلق امر کلی ہے لہذا اس مقام کے مناسب اعلم ہے کیونکہ یہ کلیات کے اندر مشتمل ہے **قولہ الاسم المتمکن الخ** چونکہ اسم اعراب میں اصل ہے لہذا اس کو فعل پر مقدم کیا متمکن کی قید سے معلوم ہوا کہ جو اسم کے متمکن نہ ہو وہ معرب نہیں ہوتا اسی طرح فعل بھی مقید بقید مضارع ہے یعنی کلام عرب میں معرب فقط دو چیزیں ہی ہو سکتی ہیں ایک اسم متمکن اور ایک فعل مضارع اسکے علاوہ اور کوئی شے معرب نہیں اعراب مضارع میں ایک قید کی اور ضرورت ہے یعنی جبکہ مضارع متصل بہ نون جمع مؤنث نہ ہو لیکن مصنفؒ نے اس وجہ سے اسکو ذکر نہیں کیا کہ بحث فعل میں اسکا بیان بالتفصیل آتا ہے **قولہ فی اصناف اعراب الاسم**۔ یعنی یہ فصل اسم کے اعراب کے قسموں کے بیان میں ہے صنف اور قسم اور نوع متحد بالذات اور مغائر بالاعتبار ہیں صنف امر خارج کے اعتبار سے بولا جاتا ہے اور نوع باعتبار ذات کے اور قسم اعم ہے جیسے رومی اور ایشیائی صنف ہیں اور حیوان قسم ہے **قولہ الاوّل الخ** یعنی اصناف تسعہ میں سے صنف اول اس صنف کی اولیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور تمام اصناف سے اشرف اور اعلیٰ ہے چونکہ یہ اصل ہے بالوجہین ایک بالحرکات ہونیکی وجہ سے چونکہ اعراب کی اصل یہ ہے کہ یہ بالحرکات ہو اور اعراب بالحروف خلاف اصل ہے، دوسرے بالحرکات الثلثہ ہونیکی سبب سے چونکہ اصل اعراب یہ ہے کہ بالحرکات الثلثہ ہو اور اعراب بالحرکتین اصل کے خلاف ہے اسی وجہ سے مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کو جمع مؤنث سالم پر مقدم کیا ہے کیونکہ اولین کا اعراب بالحرکات الثلثہ ہے اور ثانی معرب بالحرکتین ہے جو خلاف اصل ہے۔ مفرد منصرف کو جمع مکسر منصرف پر اسی وجہ سے مقدم کیا کہ مفرد جمع پر طبعاً مقدم ہے لہذا مصنفؒ نے وضع میں بھی اسکو مقدم رکھا تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جاوے۔ **قولہ ویختص الخ** مضارع ہے اختصاص سے معرف اور مجہول دونوں کا احتمال ہے کیونکہ اختصاص لازم ومتعدی دونوں طریقہ سے مستعمل ہے۔ (باقی بر صفحہ ۳۸ پر)

بالمفرد المنصرف الصحیح وھو عند النحاۃ ما لا یکون فی اٰخرہ حرف علۃ کزید و بالجاری مجری الصحیح وھو ما یکون فی اٰخرہ واؤ او یاء ما قبلھما ساکن کدلو و ظبی و بالجمع المکسر

یعنی اعراب کی یہ قسم تین محلوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک محل مفرد منصرف صحیح دوسرا محل قائم مقام صحیح تیسرا محل جمع مکسر منصرف جیسے زید دلو و ظبی اور بحالی ان تینوں کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کیساتھ اور حالت نصب میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جر میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ **قولہ بالمفرد الخ** مفرد کا کئی چیزوں پر اطلاق آتا ہے۔ کبھی تو اس سے مراد مقابل جملہ ہوتا ہے و یقال ہذا مفرد ای لیس بجملۃ بحث تمہید میں مفرد سے یہی مراد ہے اور کبھی اس سے مراد مضاف اور مشابہ بالمضاف کا مقابل ہوتا ہے۔ یقال ہذا مفرد ای لیس بمضاف ولا مشابہ مضاف باب منادی میں مفرد کے یہی معنی ہیں اور کبھی اس سے مراد مثنی یا مجموع کا مقابل ہوتا ہے۔ یقال ہذا مفرد ای لیس بمثنی ولا مجموع یہاں یہی معنی مقصود ہیں یہاں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کلا اور اسمائے ستہ اسمائے مفردہ ہیں چونکہ تثنیہ اور جمع نہیں حالانکہ انکا اعراب حرکات ثلثہ کے ساتھ نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ مفرد سے مراد یہ ہے کہ من کل الوجوہ مفرد ہو یعنی نہ مثنی اور مجموع ہو اور نہ ان کے ساتھ ملحق ہو کلا اور اسمائے ستہ اگرچہ تثنیہ اور جمع نہیں ہیں لیکن ملحق بمثنی ہیں چونکہ یہ اس کے مشابہ ہیں کہ جیسے مثنی دو پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی دو پر دال ہیں مع وجود حرف اخیر قابل للاعراب اور اسمائے اضافیہ جیسے ابن اب اگرچہ یہ بھی تثنیہ کے مشابہ ہیں۔ لیکن ان کے اخیر میں ایسا حرف نہیں پایا جاتا جو قابل اعراب بالحرف ہو۔ لہذا بیان مذکور پر اسمائے اضافیات سے اعتراض واقع نہ ہوگا۔ کہ یہ بھی تو امرین پر دلالت کرتے ہیں لہذا ملحق بمثنی ہونے چاہئیں **قولہ المنصرف الخ** مفرد کو منصرف کے ساتھ مقید کیا تاکہ غیر منصرف سے احتراز ہو جاوے کیونکہ اسکا اعراب اور ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ **قولہ الصحیح الخ** صحیح کی قید اس وجہ سے لگائی تاکہ غیر صحیح سے احتراز ہو جاوے **قولہ ہو عند النحاۃ الخ** ہو ضمیر صحیح کی طرف راجع ہے نحات ناحٍ کی جمع ہے جیسے قضات قاضی کی ہے ناحٍ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علم نحو کے مسائل میں کلام کرے یعنی نحویوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو۔ بخلاف صرفیوں کے کہ ان کے نزدیک صحیح وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلیہ کی جگہ کوئی حرف علت اور ہمزہ نہ ہو اور دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں۔ سالم کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سالم اور صحیح دونوں مترادف ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سالم وہ ہے جس کے حروف اصلیہ کی جگہ فقط حرف علت نہ ہو خواہ ہمزہ اور تضعیف ہو یا نہ ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے صحیح اور سالم میں عموم و خصوص مطلق ہے ہر صحیح سالم ہے اور ہر سالم صحیح نہیں بلکہ بعض سالم صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں **قولہ حرف علۃ الخ** حرف علت تین ہیں واؤ۔ الف۔ ی۔ جن کا مجموعہ وای ہوتا ہے کما قالہ الشاعر ؎ حرف علت نام کردم واؤ الف وائے را ؎ ہر کرا درد سے رسد ناچار گوید وائے را حرف علت کو حرف علت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان میں تغیر بہت واقع ہوتا رہتا ہے گویا یہ علیل اور مجروح کی مانند ہیں جس کا مزاج بدلتا رہتا ہے نیز ان کا نام حرف مدہ ہے چونکہ ان کی پیدائش حرکت کے مد سے ہوتی ہے کیونکہ واؤ ضمہ کی درازی سے پیدا ہوتا ہے . . . . . اور ی کسرہ کی درازی سے محدث ہوتا ہے اور الف فتحہ کے مد سے اسی وجہ سے [illegible] واؤ ضمہ اور یاء کسرہ اور الف [illegible] فتحہ کہا جاتا ہے نیز انکا نام حروف لین بھی رکھا جاتا ہے چونکہ یہ حرف ادائیگی میں ضعیف ہیں چونکہ یہ حروف بمنزلہ سانس کے ہیں اسی وجہ سے حرکت ثقیل کو برداشت نہیں کر سکتے جاننا چاہیئے کہ حروف علت اصل ہوں یا زائد اگر ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کا نام مدہ ہے اور اگر یہ ساکن ہو تو ان کو لین کہتے ہیں لہذا الف چونکہ اس کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور تو دہمیشہ ساکن مدہ بھی ہے اور لین بھی اور واؤ و یا کبھی مدہ اور لین دونوں ہوتے ہیں کبھی فقط لین ہی اور جس وقت یہ دونوں متحرک ہوں تو نہ مدہ ہیں نہ لین بلکہ اس وقت بمنزلہ حروف صحیح کے ہوتے ہیں جیسے وعد یسر وغیرہ۔ **قولہ والجاری مجری الصحیح الخ** اس کا عطف الصحیح پر ہے الجاری بمعنی القائم مجری اسم فاعل بمعنی مقام یعنی مفرد منصرف قائم مقام صحیح کا وہی اعراب مذکور ہے مفرد منصرف قائم مقام صحیح ہر وہ اسم مفرد منصرف ہے جس کے آخر میں حرف علت ہو اور اس کا ماقبل ساکن ہو جیسے دلو و ظبی یہ قسم صحیح کیساتھ اس وجہ سے ملحق ہے کہ حرف علت پر سکون کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوتی چونکہ سکون کی خفت حرکت کی ثقل کے معارض ہو جاتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حرف علت کے بعد ایسا ہے جیسا کہ ابتداء احرف علت متحرک کا تلفظ کیا ہے۔ چونکہ سکون کی وجہ سے زبان کو استراحت نصیب ہوتی ہے اور ابتداء حرف علت متحرک کا تلفظ ثقیل نہیں۔ کیونکہ ابتداء میں متکلم قوی ہے اور جب وہ حرف علت متحرک بعد سکون کے بعد ہو اس حرف علت کی مانند ہے جو ابتدا میں واقع ہو اور وہ ثقیل نہیں ہوتا لہذا یہ بھی ثقیل نہ ہوگا خواہ حرکات ثلثہ میں سے اس پر کوئی سی حرکت کیوں نہ آجاوے **قولہ بجمع المکسر الخ** یعنی اعراب کی یہ قسم جمع مکسر کے ساتھ مختص ہے جمع کو موصوف بصفت مکسر اس وجہ سے کیا گیا تاکہ جمع سالم سے احتراز ہو جاوے چاہے وہ الف تا کے ساتھ ہو یا واؤ اور نون کے اور خواہ یا اور نون کے کیوں نہ ہو اس کا اعراب دوسرا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ

المنصرف کرجالٍ تقولُ جاءنی زیدٌ ودلوٌ وظبیٌ ورجالٌ ورأیت زیداً ودلواً وظبیاً ورجالاً ومررتُ بزیدٍ ودلوٍ وظبیٍ ورجالٍ الثانی ان یکونَ الرفعُ بالضمّةِ والنّصبُ والجرُّ بالکسرةِ ویُختصُّ بجمعِ المؤنثِ السّالمِ تقول ھنّ مُسلماتٌ ورأیتُ مُسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ الثالثُ انْ یکونَ الرفعُ بالضمّةِ والنصب والجرُّ بالفتحةِ ویُختصُّ

قولہ المنصرف الخ جمع کی صفت ثانیہ ہے اس قید سے احتراز ہوگیا جمع مکسر غیر منصرف سے کیونکہ اسکا اعراب دیگر ہے جاننا چاہیے کہ جمع مفرد کی فرع ہے لہذا اس کے لائق اعراب فرعی ہے لیکن اسکو اعراب حرکتی دیا گیا ضرورت کی وجہ سے چونکہ اسکے اخیر میں ایسا حرف نہیں ہے جو اعراب حرفی کے قابل ہو اور مفرد منصرف کو اعراب بالحرکت دیا گیا کیونکہ مفرد اصل ہے بمقابلہ مثنی اور مجموع کے اور منصرف غیر منصرف کے اعتبار سے اصل ہے اور اعراب بالحرکت بھی اصل ہے۔ لہذا اصل کو اصل دیا گیا اعراب بالحرکت کی اصلیت کی وجہ یہ ہے کہ اعراب حرکتی اعراب حرفی سے مستنبط ہے۔ کیونکہ ضمہ سے مستنبط ہے اور یا و کسرہ سے اور الف و فتحہ سے۔ اور استنباط کے معنی یہ ہیں کہ الف کی ادا کی مقدار دو فتحہ کے برابر ہے اور واؤ کی ادا کی مقدار دو ضمہ کے برابر اسی طرح یا کی ادا کی مقدار دو کسرہ کے برابر ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ بجمع المونث** یعنی اعراب کی یہ قسم جمع مونث سالم کے ساتھ مخصوص ہے جمع مونث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور نصبی و جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس یہاں نصب جر کے تابع ہے۔ جیسے ہن مسلماتٌ رأیت مسلمات مررت بمسلمات اگر کوئی کہے کہ جمع مونث سالم جمع مذکر سالم کی فرع ہے۔ لہذا اس کو اعراب فرعی دینا چاہیے تھا۔ اعراب بالحرکت کیوں دیا۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ جمع مونث سالم کا اعراب بالحرکت ہے لیکن وہ اصل اعراب نہیں بلکہ اس کے اندر اعراب بالفرع ہونیکا راز اور سر مضمر اور پوشیدہ ہے کیونکہ اعراب بالحرکت کے اندر اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں تینوں حرکتوں کے ساتھ آئے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اسکا اعراب دو حرکت کے ساتھ ہی آتا ہے۔ لہذا یہ اعراب فرع ہے۔ اس اعراب کی جو ہر سر حالت میں ہر سہ حرکت کے ساتھ آتا تھا پھر اگر کوئی اس پر یہ گفتگو کرے کہ جمع مونث سالم کو جب اعراب بالفرع دینا منظور تھا تو اعراب بالحرف کیوں نہیں دیا جو کہ فرعیت کے اندر اتم اور اکمل ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اعراب بالحرف اس جگہ آتا ہے یہاں آخر معرب کا اعراب بالحروف آنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے آخر میں حرف علت ہو۔ پس جمع مونث سالم کے آخر میں چونکہ حرف علت نہیں لہذا اس میں اعراب بالحروف کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب رہا یہ امر کہ نصب کو جر کے تابع کیوں کیا۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جمع جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور اس میں نصب جر کے تابع ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آویگا۔ لہذا اس میں بھی اس امر کا لحاظ کیا گیا۔ تاکہ اصل اور فرع میں مطابقت اور موافقت باقی رہے۔ **قولہ السالم** الخ سیبویہؒ کے نزدیک یہ جمع کی صفت ہے کیونکہ اس کے نزدیک مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کمتر نہیں ہوتی لہذا اس معرف باللام معرف باللام کے مضاف کی صفت ہونا درست ہے اور مبرّدؒ کے نزدیک بدل ہے کیونکہ اسکے نزدیک مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کمتر ہوتی ہے لہذا صفت نہیں ہو سکتا اور بدل مبدل منہ سے اعرف ہوتا ہے سالم کی قید سے مکسر سے احتراز ہوگیا۔ کیونکہ وہ مفرد کے حکم میں ہے۔ کما سبق کوفیوں نے جمع مونث سالم کا اعراب نصبی فتحہ کے ساتھ جائز رکھا ہے اور ہشام فقط مقتل میں جواز کا قائل ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ بہت سے ایسے اسماء ہیں جو مونث کی جمع سالم ہیں جیسے قلون اور ثبون اور ارضون کہ ان کے مفرد قلۃ اور ثبۃ اور ارض ہیں جو مفرد ہیں حالانکہ ان جموع کا یہ اعراب نہیں اسی طرح بہت سے اسماء مونث کی جمع سالم نہیں ہیں لیکن ان کا اعراب بعینہ وہی ہے جو جمع مونث سالم کا ہوا کرتا ہے جیسے سبلات سفرجلات مرفوعات منصوبات مجرورات کیونکہ انکے مفرد سبل اور سفرجل مرفوع منصوب مجرور ہیں پس یہ کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے کہ یہ صنف اعراب جمع مونث سالم کے ساتھ مختص ہے اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (اوّل) جمع مونث سالم سے مراد ہر وہ جمع ہے جو الف تا کیساتھ بنائی گئی ہو۔ خواہ اسکا مفرد مذکر ہو یا مونث بنابریں قلون ارضون وغیرہ۔ جمع مونث سالم سے خارج ہو گئے کیونکہ وہ الف تا کیساتھ نہیں اگرچہ مفرد مونث ہے اور سبلات سفرجلات وغیرہ داخل ہو گئے اگرچہ ان کا مفرد مذکر ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ مضاف مقدر ہے کہ اصل عبارت یہ ہے کہ صیغہ جمع المونث السالم قلون ارضون وغیرہ چونکہ صیغہ جمع مونث سالم پر نہیں لہذا انکا یہ اعراب نہیں اور سفرجلات وغیرہ چونکہ صیغہ جمع پر ہیں لہذا انکو یہ اعراب دیا گیا فافہم (بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ عبارت میں معطوف مقدر ہے) (اصل عبارت یہ ہے) (یجمع المونث السالم وما علی صیغتہ) یعنے اعراب کی یہ قسم جمع مونث سالم اور جو بھی اس کے صیغہ پر ہو اسکے ساتھ مخصوص ہے اس وقت یہ سبلات سفرجلات وغیرہ سب کو شامل ہے (لیکن قلون وغیرہ جمع مونث سالم سے خارج نہ ہوں گے) اس وجہ سے اوّل اور ثانی تاویل عمدہ ہے اگرچہ حذف معطوف مع العاطف نادر نہیں ہے بلکہ بکثرت واقع شائع ذائع ہے مصنف کو چاہیے تھا کہ اولات کو جو ذات کی جمع من غیر لفظ ہے جمع مونث سالم کیساتھ ہی ذکر کرتا جاننا چاہیے کہ اگر صیغہ جمع مونث سالم کسی شخص کا نام رکھ دیا جاوے تو اسمیں علمائے نحو کا اختلاف ہے بعض انصراف کے قائل ہیں اور بعض عدم انصراف کے جو جماعت منصرف کہتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تائے تثنیہ و جمع کے مشابہ ہے نصب و جر کی حالت میں اور اس کی تنوین نون کے مشابہ ہے اور یہ مشابہت مذکورہ تعریف کے بعد زائل نہیں ہوتی جیسے عرفات کہ عرفہ کی جمع ہے اور منصرف ہے (باقی بر صفحہ ۴۰ پر)

بغیر المنصرف کعُمَرَ تقول جاء نی عُمَرُ ورأیت عُمَرَ ومررتُ بعُمَرَ الرابع ان یکون الرفعُ بالواوِ والنصبُ بالالفِ والجرُّ بالیاءِ ویختصُّ بالاسماءِ الستۃ مکبّرۃً موحّدۃً مضافۃً الی غیر یاءِ المتکلّم وھی اخوکَ وابوکَ وھنوکَ

تعریف عرفات کی دلیل اعراب کا قول بدہ عرفات مبارکتر فیہا ہے دوسرے یہ کہ جیسے اعلام الف ولام سے معرفہ نہیں بنائے جاتے اسی طرح اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا اور جو لوگ غیر منصرف کہتے ہیں ان میں بھی دو مذہب ہیں۔ بعض تو فقط تنوین ہی حذف کرتے ہیں اور بعض تنوین کے ساتھ کسرہ کو بھی گراتے ہیں حالانکہ نصبی میں اور جری میں فتحہ کے ساتھ اعراب دیتے ہیں **قولہ بغیر المنصرف الخ** یعنی صنف ثالث کا اعراب غیر منصرف کیساتھ مخصوص ہے لہذا غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور حالت نصب و جر میں فتحہ کیساتھ جیسے جاءنی احمد، رایت احمد مررت باحمد ممکن ہے کہ کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ غیر منصرف منصرف کی فرع ہے لہذا اس کو اعراب بالفرع دینا چاہیے تھا اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعراب جو تین حالتوں میں دو حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے فرع ہے اس اعراب کی جو تین حالتوں میں تین ہی حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ غیر منصرف کا اعراب اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعراب کی دو قسمیں ہیں اعراب بالحرف اور اعراب بالحرکت۔ تو غیر منصرف کو اعراب بالحرکت کیوں دیا اور اعراب بالحرف نہ دینے کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ غیر منصرف کے آخر میں حرف علت نہیں ہوتا لہذا وہ اعراب بالحرف کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر کوئی کہے کہ باب غیر منصرف میں جر نصب کے تابع کیوں ہے۔ اسکا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آگے آویگا۔ کہ غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا۔ لہذا اس میں (یعنی غیر منصرف میں) بھی اس بات کا لحاظ کیا گیا۔ **قولہ ویختص بالاسماء الستۃ الخ** یعنی اسمائے ستہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں ی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اعراب ان کا اس وقت ہے جبکہ چار شرطیں پائی جاویں جن میں سے تین تو وجودی ہیں اور ایک عدمی وہ شرائط اربعہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) یہ اسماء مکبر ہوں یعنی غیر مصغر (۲) موحد ہوں یعنی تثنیہ اور جمع نہ ہوں (۳) مضاف ہوں (۴) انکی اضافت یائے متکلم کی طرف نہ ہو۔ لہذا ان سب کی سات حالتیں ہوئیں حال مکبر۔ حال مصغر۔ حال افراد۔ حال تثنیہ و جمع۔ حالت قطع اضافت۔ حالت اضافت الی غیر یاء المتکلم۔ حالت اضافت الی یاء المتکلم تو جس وقت یہ چاروں شرطیں موجود ہوں گی تو انکا یہ اعراب ہوگا ورنہ نہیں جیسے جاءنی ابوک۔ رایت اباک۔ مررت بابیک اور اگر مصغر ہوں خواہ مضاف الی غیر یاء المتکلم ہوں یا مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوتا ہے جیسے جاءنی ابیّک۔ رایت ابیّک۔ مررت بابیّک۔ اور اگر تثنیہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی ابیّ وابیّا۔ رایت ابیّ وابیّا۔ مررت بابیّ وابیّا۔ اور اگر جمع یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی ابیّ۔ رایت ابیّ۔ مررت بابیّ۔ اور اگر یہ اسماء تثنیہ اور جمع ہوں تو انکا اعراب وہی ہوتا ہے جو تثنیہ اور جمع کا ہوتا ہے جیسے جاءنی ابوان وآباء۔ رایت ابوین وآباء۔ مررت بابوین وآباء۔ اور اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو انکا اعراب بالحرکت ہوتا ہے مانند مفرد جیسے جاءنی ابٌ۔ رایت ابا۔ مررت باب اور جب یائے متکلم کیطرف مضاف ہوں تو اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی ابی۔ رایت ابی۔ مررت بابی۔ رہا یہ امر کہ انکا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں ی کے ساتھ کیوں آتا ہے۔ حالانکہ اسمائے ستہ مفردات سے ہیں اور مفرد اصل ہوتا ہے۔ اور اعراب میں اصل اعراب بالحرکات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفرد و تثنیہ و جمع کے اندر اتحاد ذاتی ہے۔ اس لیے کہ تثنیہ اور جمع مفرد سے ہی بنائے جاتے ہیں پس اگر ہر مفرد کو اعراب بالحرکت اور تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف دیں تو اس صورت میں مفرد اور تثنیہ اور جمع کے مابین اندر دیئے اعراب کے منافرت تامہ اور وحشت کاملہ پیدا ہو جاوے گی۔ پس لامحالہ بعض مفردات کو بھی اعراب بالحروف دیا گیا تاکہ منافرت فی الجملہ جاتی رہے۔ اور مابین تثنیہ اور جمع اور مفردات کے الف قدیمہ باقی رہے دوسرے ہر چند کہ اعراب بالحرکت اصل ہے مگر اعراب بالحروف اس سے اقوی ہے اس لیے کہ وہ حرف علت سے ہوتا ہے اور ایک حرف علت گویا دو حرکتوں کے قائم مقام ہے پس اگر ہر اصل کو اعراب بالحرکت جو کہ ضعیف ہے اور ہر فرع کو اعراب بالحرف جو کہ قوی ہے دیا جاوے تو مزیت فرع کی اصل پر لازم آئیگی اور یہ خلاف اصول ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ بعض اصل کو بھی اعراب بحرف دیں تاکہ فی الجملہ قباحت مرفوع اور مدفوع ہو جاوے اور اگر کوئی کہے کہ جب بعض مفردات کو اعراب بحرف دینا منظور تھا تو مفردات میں سے اسمائے ستہ کو کیوں مخصوص کیا۔ جواب یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع میں اعراب بحرف آتا ہے اور ہر ایک کی حالت اعراب میں تین ہیں پس ہر حالت کے مقابلہ میں ایک مفرد ہونا چاہیے تاکہ تثنیہ اور جمع کے ساتھ مفرد کی مناسبت باقی رہے۔ پھر اگر کوئی کہے کہ ان ہی چھ اسموں کی خصوصیت کیا تھی دوسرے چھ اسموں کو یہ ہی اعراب دیدیتے تو جواب یہ ہے کہ اور اسماء کے ان اسماء ستہ کی مناسبت تثنیہ اور جمع سے زیادہ ہے۔ چنانچہ تثنیہ اور جمع کے مفہوم میں جس طرح تعدد اور تکثر ہے اسی طرح ان اسماء ستہ کے مفاہیم میں بھی تعدد ہے مثلاً اب من لہ الابن کو کہتے ہیں اور یہ اس کا مفہوم ہے جس میں تعدد ہے وعلی ہذا القیاس فی البواقی پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اسمائے ستہ کے علاوہ بھی بعض اسماء ایسے ہیں جن کے مفہوم میں تعدد ہے مثلاً ابن من لہ الاب کو کہا جاتا ہے پس ان کے ترک کرنے کی وجہ کیا ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں تعدد فی المفہوم ہی کافی نہیں۔ (باقی بر صفحہ ۴۱ پر)

وحَمُوكِ وفُوكَ وذو مالٍ تقول جاءنی اخوكَ ورایتُ اخاكَ ومررتُ باخیكَ وكذا البواقی الخامسُ اَنْ یكونَ الرَّفعُ بالالفِ والنصبُ والجرُّ بالیاءِ المفتوحِ ما قبلها ویختصُّ بالمثنّٰی وكلاهما مضافًا الیٰ مضمرٍ

بلکہ اس بات کے دیکھنے کی بھی ضرورت اور حاجت ہے کہ آخر حرف اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ پس جب یہ معلوم ہو جائے کہ اسم کا آخر حرف علت نہ ہونیکی وجہ سے اعراب بالحرف کی صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتا تو اس کو متروک اور مہجور کر دیا جائیگا۔ اگر پرا کے مفہوم میں تعدد ہو اب اگر کوئی کہے کہ یدٌ اور دمٌ دونوں ایسے ہیں کہ ان کے مفہوم میں بھی تعدد ہے اور آخر میں حرف علت بھی ہے پھر کی وجہ سے وہ اعراب بالحرف کیلئے صالح اور قابل ہیں لہذا ان کو ترک کرنے کی وجہ ہے جواب یہ ہے کہ یدٌ اور دمٌ اگرچہ حرف علت پر مشتمل ہیں لیکن وہ حرف علت محذوف ہو کر نسیا منسیا کے درجہ میں ہیں کیونکہ اہل عرب سے اسکا اعادہ نہیں سنا گیا۔ لہذا اسکا اعتبار نہ کیا جاویگا بلکہ دونوں کا حکم مثل ان اسماء کے ہوگا کہ جن کے آخر میں حرف علت نہیں۔ **قولہ حموكَ الخ** بکسر الکاف کیونکہ مونث کو خطاب ہے کیونکہ حم زوج کے بھائی یعنی دیور کو کہتے ہیں۔ لہذا اس کی اضافت عورت کی طرف ہی ہو سکتی ہے نہ مرد کی طرف جاننا چاہیے کہ ان اسماء ستہ میں سے اوّل کے چار منقوصات واوی ہیں کیونکہ ان کے تثنیہ اَبوانِ، اَخوانِ، ہَنوانِ، حَمَوانِ آتے ہیں۔ فوک اصل میں فوہ تھا۔ بروزن فَعْلٌ بفتح الفاء وسکون العین یعنی واو حذف ہوا اسکا لام کلمہ ہا ہے جس کو نسیا منسیا حذف کر دیا گیا ہے جب یہ بلا اضافت مستعمل ہوتا ہے تو واؤ کو میم سے بدل دیتے ہیں کیونکہ اگر اسکو میم سے مبدل نہ کیا جاوے تو عین کلمہ پر اعراب دائر ہوگا۔ اور واؤ متحرک اور ماقبل اسکا مفتوح ہوگا۔ لہذا واؤ کو الف سے بدلیں گے اور التقائے ساکنین کی وجہ سے الف گر جاویگا لہذا لازم آئیگا کہ اسم ایک ہی کلمہ پر مبنی ہو یعنی ایک ہی حرف پر یہ ناجائز ہے۔ البتہ جب اس کی اضافت کی جاتی ہے تو خطرہ مذکور زائل ہو جاتا ہے اس وجہ سے پھر میم اپنی اصل یعنی واؤ کی طرف رجوع کر لیتی ہے۔ البتہ جب یائے متکلم کی اضافت ہوتی ہے تو یہ عود اور رجوع جائز ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا فذاکَ وذاکِ دونوں درست ہیں فو۔ اصل میں لغت مقرون ہے اصل میں ذو دو تھا۔ مصنفؒ نے اسکی اضافت اسم جنس کی طرف کی ہے بخلاف اوروں کے کیونکہ اسکی اضافت غیر اسم جنس کی طرف جائز نہیں ہے اور جو نظائر اس کے خلاف پیش کئے ہیں وہ شاذ ہیں جیسے قول شاعر میں سراً نا یعرف الفضل من انا س فوفوہ ۱۲ اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسمائے ستہ کا اعراب ان تینوں حرفوں کے ساتھ جائز ہے یا واجب اگر جائز ہے تو باطل ہے کیونکہ ذو کا اعراب بالحروف واجب ہے اور اگر واجب ہے تو بھی نادرست اور غیر صحیح ہے کیونکہ ذو کے علاوہ باقی پانچ کا اعراب ان حروف کے ساتھ جائز ہے نہ واجب ہے۔ کیونکہ ان پر اعراب بالحرکت بھی آتا ہے جیسے ہذا ابک رایت ابک مررت بابک جواب یہ ہے۔ کہ یہ قضیہ ممکنہ بالامکان العام ہے۔ یعنی عدم اعراب انکا ان حروف کے ساتھ غیر لازم ہے رہا یہ کہ انکا اعراب ان حروف کیساتھ کیا ہے پس دونوں کا احتمال رکھتا ہے کہ لازم ہو جیسا کہ ذو میں یا غیر لازم ہو جیسا کہ غیر ذو میں واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ ویختص بالمثنّٰی** :۔ یعنی اعراب کی پانچویں قسم مثنّٰی اور کلا جبکہ ضمیر کی طرف مضاف اور اثنان اور اثنتان کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انکا اعراب رفعی حالت میں الف کیساتھ ہوتا ہے اور حالت نصبی اور جری میں یٔ کے ساتھ ہے جس کے ماقبل پر فتحہ ہوتا ہے جانا چاہیے کہ جس طرح کلا معرب بایں اعراب ہے اسیطرح کلتا کا اعراب بھی یہ ہی آتا ہے چونکہ کلتا کلا کا تابع ہے لہذا مصنف نے اس کے ذکر کو ضروری نہ سمجھا۔ اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے۔ کہ اثنتان بھی تو اثنان کی فرع ہے جیسے کلتا کلا کی۔ لہذا اس کو علیحدہ مستقل ذکر کرنے کی ضرورت اور حاجت تھی (جواب) اصل یہ ہے کہ فرع کو ذکر کیا جاوے۔ لیکن جبکہ اصل کیساتھ اکتفا فرعیت سے جائز ہوتا ہے تو فرعیت جواز ترک کے واسطے ایک وجہ ہوگی۔ اسوجہ سے مصنفؒ نے کلتا بھی جواز ترک پر عمل کیا۔ اور اس میں ذکر پر دوسرے اثنتان کو اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ مونث کا حکم وہی ہے جو مذکر کا ہے رہا یہ امر کہ مصنفؒ نے مثنّٰی ذکر کرنے کے بعد ان دونوں کو کیوں ذکر کیا جب کہ یہ دونوں بھی صورۃً اور معنیً تثنیہ ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حقیقت میں مثنّٰی نہیں ہیں بلکہ مفرد ہیں اسلئے کہ مثنّٰی حقیقی وہ ہے جس کے مفرد کے آخر میں الف و نون لاحق کیا گیا ہو جیسے رجلان اور ان دونوں کا کوئی مفرد نہیں لہذا یہ مثنّٰی حقیقی نہیں ہو سکتے پس اگر مصنفؒ ان کو علیحدہ ذکر نہ کرتا تو یہ توہم ہو سکتا تھا۔ کہ یہ دونوں حقیقۃً تثنیہ ہیں کوئی کہتے ہیں کہ کلا اور کلتا بہر طور مثنّٰی میں داخل ہیں ان کے اندر الف تثنیہ کیلئے ہے اور نون واجبی طور پر محذوف ہے کیونکہ یہ ہمیشہ مضاف ہی ہوتے ہیں اور واحد ان کا کل ہے جو احاطہ افراد کے واسطے آتا ہے لیکن کوفیوں کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات صحیح اور قول درست ہوتا تو جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتے تو الف باقی نہ رہتا حالانکہ انکا الف بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ لہذا الف کی بقا ان کے مفرد ہونے پر پوری طرح سے دلالت کرتی ہے۔ حاصل یہ کہ کلا اور کلتا میں دو اعتبار ہیں۔ باعتبار معنی کے تو تثنیہ ہوگا اور باعتبار لفظ اور حقیقت کے مفردات میں ہی داخل رہیں گے پس جب ان کی اضافت ضمیر کی طرف ہوگی جو کہ اسم ظاہر کا فرع ہے تو اس وقت جانب فرع۔ یعنی معنی کی رعایت ہوگی اور اعراب بالفرع یعنی اعراب بالحرف دیا جائے گا جیسے جاءنی کلا ہما رایت کلیہما مررت بکلیہما اور جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں گے۔ تو چونکہ اسم ظاہر بہ نسبت مضمر کے اصل ہے لہذا اس صورت میں کلا کے لفظ کا لحاظ کیا جاوے گا اور معرب باعراب حرکت تقدیری ہوں گے جیسے جاءنی کلا الرجلین و رایت کلا الرجلین مررت بکلا الرجلین ۱۲ ؎

وَاِثْنَانِ وَاثْنَتَانِ تقول جاءنی الرَّجُلَانِ کِلَاهُمَا وَاِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ وَرَأَیْتُ الرَّجُلَیْنِ کِلَیْهِمَا وَاثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ وَمَرَرْتُ بِالرَّجُلَیْنِ کِلَیْهِمَا وَاثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ السَّادِسُ اِنْ یَکُوْنَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ وَالْمَضْمُوْمِ مَا قَبْلَهَا وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْیَاءِ الْمَکْسُوْرِ مَا قَبْلَهَا وَیُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَکَّرِ السَّالِمِ نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ وَاُوْلُوْ وَعِشْرُوْنَ مَعَ اَخَوَاتِهَا تقول جاءنی مُسْلِمُوْنَ وَعِشْرُوْنَ وَاُولُوْ مَالٍ وَرَأَیْتُ مُسْلِمِیْنَ وَعِشْرِیْنَ وَاُولِیْ مَالٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِیْنَ وَعِشْرِیْنَ وَاُولِیْ مَالٍ ۔

قولہ اِثْنَانِ وَاثْنَتَانِ ۔ یہ دونوں مرفوع ہیں بنا بر اعراب حکائی یا تینوں مبتدائے محذوف کی خبر ہیں تقدیر عبارت یہ ہے ویختص بالمثنی وما الحق بہ وہو کلا واثنان واثنتان اور یہ ہی تاویل الوعشرون مع اخواتہا میں واقع ہے۔ **قولہ بجمع المذکر السالم** الخ سالم کی قید سے جمع مکسر سے احتراز ہوگیا۔ کیونکہ اس کا اعراب یہ نہیں ہے مضاف کی تقدیر یہاں بھی ضروری ہے یعنی اصل میں عبارت صیغہ جمع المذکر السالم تھی تقدیر مضاف اس وجہ سے ضروری ہے کہ سنین وشبین وعین اسکے حکم میں داخل ہو جاویں اور بجلات اور سنجلات وغیرہ اس سے خارج کر دے جائیں کیونکہ جمع مذکر سالم کے معنی ہیں مفرد مذکر کی جمع سالم اور یہ معنی سنین پر غیر صادق اور بجلات وسنجلات وغیرہ پر صادق ہیں کیونکہ سنین سنۃ مفرد مونث کی جمع ہے اور بجلات سنجلات بجل اور سنجل کی جمع ہیں جو مفرد مذکر ہیں لہذا جب اس کے اندر تاویل مذکور یعنی تقدیر مضاف سے کام لیں گے تو سنین وغیرہ داخل اور بجلات وغیرہ خارج ہو جائیں گے یا مصطوف مقدر فرض کیا جائے۔ تاکہ جمع کی قسم اول اسکے اندر داخل ہو جائے اور قسم ثانی خارج تقدیر عبارت ہوگی جمع المذکر السالم وما علی صیغتہ یا یہ کہا جاوے جمع مذکر سالم سے وہ جمع مراد ہے جو واو اور نون یائی اور نون سے بنائی گئی ہو عموم مجاز کے طور پر خواہ مفرد مونث ہو خواہ مذکر لہذا عبارت جامع جمع افراد اور مانع دخول غیر ہو جاوے گی۔ **قولہ العویہ** فرد کی من غیر لفظہ جمع ہے اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں واؤ ہے اور ماقبل پر ضمہ اور کلام عرب میں کوئی اسم متمکن ایسا نہیں اور اگر کوئی ہوتا بھی ہے تو واؤ کو یاء سے اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل لیتے ہیں لہذا یہ قاعدہ اس میں جاری کرنا چاہیے (جواب) اسکے اندر واؤ محل تغیر میں ہے اسوجہ سے اسکا اعتبار نہ کرتے ہوئے تعلیل اور قاعدہ اس میں جاری نہ کیا گیا بعض کہتے ہیں کہ یہ واؤ یعنی الو کا واؤ ضمہ کے قائم مقام ہے تو گویا کہ یہ واؤ ضمہ ہے واؤ نہیں واللہ اعلم بالصواب **قولہ وعشرون مع اخواتہا** الخ یعنی مع اخوات کلمہ عشرون اخوات یہاں پر بمعنی امثال ہے جیسے قول خداوندی جل مجدہ میں کلما دخلت امۃ لعنت اختہا۔ اس آیت مکرمہ میں اخت بمعنی مثل ہے خلاصہ کلام یہ کہ جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی وجری میں یا قبل مکسور کے ساتھ ہوتا ہے ملحقات جمع مذکر سالم الو اور عشرون: تاسعون ہیں۔ ان میں سے الو تو معنی میں جمع کے ہیں اور ثمن غیر لفظہ ذو کی جمع ہے صورت اور حقیقت کے اعتبار سے جمع نہیں اور عشرون وغیرہ بصورت جمع تو ہیں لیکن معنی جمع نہیں اور یہ حقیقۃً معناً جمع اسلیئے نہیں کہ اسکیلیئے ضروری ہے کہ وہ افراد غیر معین پر دلالت کرے اور عشرون وغیرہ بلا زیادت ونقصان افراد معین پر دلالت کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عشرون اور اسکے نظائر معنی جمع نہیں ہو سکتے اور جمع حقیقی اسلیئے نہیں ہو سکتے کہ جمع حقیقی وہ ہے جس کے مفرد میں واؤ نون لاحق کر کے بنایا جائے اور یہاں ایسا نہیں اگر کوئی کہے کہ یہ تحقیق جمع میں کیوں کہ جائز ہے کہ عشرون عشر کی جمع ہو اور ثلاثون ثلاثۃ کی وعلی ہذا القیاس جواب یہ ہے کہ یہ جمع تحقیقی ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اسلیئے کہ جمع کے اقل افراد تین ہیں پس اگر مثلاً عشرون عشر کی جمع ہو اور تین عشر ثلاثون ہوتے ہیں۔ تو عشرون کا اطلاق ثلاثون پر کیا جائیگا اور یہ بات بدیہی البطلان ہے اور یہ ہی حال عشرون کے دیگر نظائر کا ہے۔ پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عشرون اور اسکے نظائر جمع حقیقی نہیں اب اگر کوئی کہے کہ تثنیہ اور جمع اور انکے ملحقات میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا گیا۔ تو کہا جائیگا کہ اعراب کل چھ ہیں تین بالحرکت اور تین بالحرف اور مستحقین اعراب کل نو ہیں کیونکہ تین تو مفرد کی حالت ہیں اور تین تثنیہ کی اور جمع کی اور ہر حالت کیلیئے ایک اعراب کی ضرورت ہے۔ لہذا ان چھ اعرابوں کو نو مستحقوں پر تقسیم کرنا چاہیے پس سب سے پہلے مفرد کو اعراب بالحرکت دیا اسلیئے کہ وہ اصل ہے اور اصل کے لیے شایان اور زیبا اصل ہی ہو سکتا ہے باقی چھ حالتیں اور تین اعراب بچے پس ضرورت ہوئی کہ ایسی تقسیم کیجائے کہ یہ تین اعراب تثنیہ اور جمع دونوں کی حالتوں پر مساوی تقسیم ہو جائیں پس اول تثنیہ اور جمع کی حالت رفعی پر نظر کی گئی ہے اسلیئے کہ وہ تمام حالت میں عمدہ ہے پس الف کو تثنیہ کی حالت رفعی کیلیئے اور واؤ کو جمع کی حالت رفعی کیلیئے خاص کر دیا کیونکہ تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ فاعل کی علامت ہے اب ایک اعراب اور چار حالتیں باقی رہیں۔ پس ہم نے ایک اعراب کو چاروں پر اس طرح تقسیم کیا کہ تثنیہ اور جمع کی حالت جری میں ی لائے اور نصب کو جر کے تابع کیا اور مابین تثنیہ اور جمع کے اسطرح پر فرق کیا کہ تثنیہ میں ماقبل یا کو مفتوح اور جمع میں ماقبل یا کو مکسور کیا۔ برعکس اسواسطے نہیں کیا کہ جمع ثقیل ہے اور تثنیہ بمنزلہ خفیف کے ہوتا ہے۔ اور اسکے مناسب ثقیل ہے پس جمع میں ماقبل یا کو کسرہ دیا جو کہ ثقیل ہے اور تثنیہ چونکہ بہ نسبت جمع کے کثیر ہے اور کثرت موجب ثقل ہے لہذا ان میں ماقبل یا کو فتحہ دیا جو کہ اخف الحرکات ہے۔ اس کے بعد نون جمع کو مفتوح اور نون تثنیہ کو مکسور کیا تاکہ ثقیل کا ایک دم سے خفیف ہونا اور خفیف کا ایک دم سے ثقیل ہونا لازم نہ آجائے ۱۲ ؎

واعلم اَنَّ نون التثنية مكسورةٌ ابدًا ونون جمع السَّلامَةِ مفتوحةٌ ابدًا وكلاهُمَا تَسقطان عند الاضافة تقول جاءني غلاما زيدٍ ومُسلمُو مصرٍ السابعُ ان يكون الرفع بتقدير الضمةِ والنصبُ بتقدير الفتحة والجرّ بتقدير الكسرة ويختصُّ بالمقصور وهو ما في اٰخرِهٖ اَلِفٌ مقصورة كعصا وبالمضاف الى ياء المتكلّم غير جمع المذكر السالم كغلامي تقول هٰذا عصًا وغلامي ورايتُ عصًا وغلامي مررتُ بعصًا وغلامي الثامنُ اَنْ يكون الرفعُ بتقدير الضمّةِ والجرُّ بتقدير الكسرة والنصبُ بالفتحة لفظًا ويختصّ

قولہ واعلم الخ ابدًا دونوں مقاموں میں بنا بر ظرفیت کے منصوب ہے اور **قولہ السلامۃ** نون کی صفت ہے، اس وجہ سے منصوب ہے اس قید سے جمع مکسر کے نون سے احتراز ہو گیا جیسے شیاطین کہ وہ مرفوع و منصوب ہوا کرتا ہے اور اضافت کے وقت ساقط نہیں ہوتا حاصل مطلب یہ ہوا کہ تثنیہ کا نون ہمیشہ یعنی تینوں حالتوں میں مکسور ہوتا ہے اور جمع سالم کا نون ہمیشہ یعنی ہر سہ حالت میں مفتوح رہتا ہے نون تثنیہ کے مکسور اور نون جمع کے مفتوح ہونیکی وجہ یہ ہے کہ نون اصل میں مبنی ہے۔ چونکہ حرف ہے اور بنا میں اصل سکون ہے جیسا کہ عنقریب آویگا اور جب ساکن التقاء ساکنین کی وجہ سے متحرک ہوا کرتا ہے تو اصل کو حرکت کسرہ دیتے ہیں اس لیے کہ کسرہ معرب کے لیے حرکات سے ہے چونکہ ہر دو معرب کہ غیر منصرف اور فعل مضارع ہے ان میں نہیں آتا اسوجہ سے اسکو حرکت بنائی مان لیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ساکن حرکت بنائی سے متحرک ہوگا مگر چونکہ تثنیہ جمع سے ثقیل ہے اسوجہ سے اسکو اصل دیا گیا۔ یعنی کسرہ اور جمع کے نون کو فتحہ دیا گیا کیونکہ اگر کسرہ دیں تو نون تثنیہ سے التباس لازم آتا ہے۔ اور اگر ضمہ دیں تو یہ ثقیل ہے اسوجہ سے جمع کے نون کو فتحہ دیدیا۔ **قولہ کلاہما الخ** یعنی تثنیہ و جمع کے دونوں نون اضافت کیوقت گر جاتے ہیں چونکہ یہ دونوں نون تنوین کے عوض میں ہیں اور تنوین اضافت کی حالت میں ساقط ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ بھی گر جانے چاہئیں باوجود یکہ یہ دونوں نون جبکہ تثنیہ و جمع پر الف لام داخل ہوتا ہے ساقط نہیں ہوتے جواب نون تثنیہ و جمع حرکت اور تنوین دونوں کے عوض علیحدہ ہیں صرف تنوین کے عوض میں نہیں اور جہاں ساقط ہوتے ہیں وہاں اس امر کا لحاظ کیا گیا ہے کہ نون عوض تنوین میں ہے اور جہاں ساقط نہیں ہوتے وہاں حرکت کے عوض میں مانے گئے ہیں جاننا چاہیے کہ نون تثنیہ و جمع میں چار مذہب ہیں جس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر آئے گی واللہ اعلم بالصواب

قولہ السابع الخ یہ گذشتہ چھ قسمیں لفظی اعراب کی ہیں۔ ان میں سے تین لفظی حرکتی ہیں جن میں سے اول حقیقی اور آخری حکمی ہیں اور تین لفظی حرفی ہیں جن میں سے اول حقیقی ہے اور آخری حکمی ہیں چونکہ وہ یا جسکا ماقبل مفتوح ہو۔ تثنیہ میں حالت نصب کے اندر اعراب نصبی کے حکم میں ہے اور وہ یا جسکا ماقبل مکسور ہو حالت نصب میں جمع کے اندر اعراب نصبی کے حکم میں ہے جسطرح لفظی اعراب میں اصلیت اور فرعیت کے اعتبار سے ترتیب ہے لہذا جب مصنف اعراب لفظی سے فارغ ہو گیا تو اب اعراب تقدیری کو بیان کرتا ہے اعراب تقدیری حرکتی کو اعراب تقدیری حرفی سے مقدم بیان کیا کیونکہ وہ اصل ہے اسلئے اس میں سے بھی وہ جو تینوں حالتوں میں تقدیری ہے اصل ہے لہذا سب سے پہلے اسکو بیان کیا جاتا چاہیے کہ تقدیری اعراب کے مواضع جو اس کتاب میں مذکور ہیں چار ہیں۔ ان میں سے دو مواضع ایسے ہیں جنکے اندر اعراب کا تلفظ متعذر اور دشوار ہے ایک اسم مقصور اور ایک وہ اسم جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو۔ اور دو مواضع ایسے ہیں جنکے اندر اعراب کا تلفظ ثقیل ہے ایک اسم منقوص دوسرے وہ جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو اعراب لفظی کے متعذر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اعراب کا تلفظ ممتنع ہو یا اس طور کہ اسم معرب کا آخری حرف جو محل اعراب ہے حرکت اعرابی کو قبول نہ کر سکے جیسے عصا اور غلامی اور اعراب لفظی کے ثقیل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اعراب کا تلفظ ممتنع تو نہ ہو لیکن زبان پر بار ہو یہ اسلئے کہ اسم معرب میں ہوتا ہے جس کے آخر کا حرف قابلیت اعراب کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن تلفظ اعراب زبان پر ثقیل اور دشوار معلوم ہو جیسا کہ قاضی کا اعراب حالت رفعی و جری میں کہ اسکی یا قابل حرکت ہے لیکن اس پر ضمہ اور کسرہ کا تلفظ دشوار ہے جنہوں نے زبان پر

قولہ ویختص بالمقصور ای بالاسم المقصور المقصور میں الف و لام موصوف کے بدلے میں ہے یعنی اعراب کی ساتویں صنف اسم مقصور کیساتھ مختص ہے مصنفؒ نے اسم مقصور کی تعریف کی ہے کہ اسم مقصور ہر وہ اسم معرب ہے جو آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ تلفظ میں موجود ہو جیسے العصا یا مقدر ہو جیسے عصا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ جس اسم کے آخر میں الف ممدودہ ہوگا وہاں پر یہ اعراب نہ ہوگا کیونکہ وہاں اعراب کا تلفظ متعذر نہیں کیونکہ وہ قابل حرکت ہے بلکہ اس پر حرکت کا تلفظ زبان پر دشوار نہیں اسوجہ سے اس پر سرے سے اعراب تقدیری نہیں ہوتا بلکہ اعراب لفظی ہوتا ہے اسم مقصور میں اعراب تقدیری ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسم مقصور کے آخر میں الف ہوتا ہے جو حرکات کا تحمل نہیں ہوتا ہے کیونکہ جب اس پر حرکت آجاتی ہے تو یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہو جاتا ہے چنانچہ کتب صرف میں ہے کہ الف ہمیشہ ہے منفتح زبان سے ادا ہوتا ہے اور ہمیشہ ساکن رہتا ہے لیکن جو متحرک ہو یا ساکن جیسا منفتح مرتوہ ہو جو ہے لہذا اس پر حرکت کا تلفظ ہو گا اور جب اعراب لفظی اس پر متعذر ہے اور جب اعراب لفظی متعذر ہوا تو لاجرم تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہو گیا اعتراض عصا میں الف کا وجود مسلم نہیں ہے چونکہ التقاء ساکنین ہے کا سقوط واجب ہے لہذا اعراب میں کلام جاری ہوگا چونکہ وہ اس وقت آخر ہے جواب در حرف لام اور اضافت کی حالت میں تو الف کا وجود ظاہر ہے لیکن حالت نکارت میں الف مقدر ہے اس لئے اعراب ماقبل الف پر جاری نہیں ہوتا بخلاف یدو فیو کے کہ ان میں آخر حرف نسیاً منسیاً حذف ہو چکا ہے اسوجہ سے اعراب جاری ہوتا ہے

قولہ وبالمضاف الی الخ اسکا عطف بالمقصور پر ہے یعنی بالاسم المضاف اور مضاف اور اعراب کی قسم مذکور بھی ایسے اسم کے ساتھ مخصوص ہے جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو خواہ اسم مفرد ہو یا جمع مکسر (باقی بر صفحہ بیس پر)

بالمنقوصِ وھو ما فی اٰخرہٖ یاءٌ ما قبلھا مکسورٌ کالقاضِی تقول جاءنی القاضِی ورأیتُ القاضِیَ ومررتُ بالقاضِی التاسع ان یکونَ الرفعُ بتقدیرِ الواوِ والنصبُ والجرُّ بالیاءِ لفظًا ویختصُّ بجمعِ المذکرِ السالمِ مضافًا الی یاءِ المتکلّمِ تقول جاءنی مسلِمیَّ تقدیرہٗ مُسلِمُوِیَ اجتمعتِ الواوُ والیاءُ والاُولٰی منھما ساکنۃٌ فقلبتِ الواوُ یاءً وادُغمتِ الیاءُ فی الیاءِ وابدِلتِ الضمۃُ بالکسرۃِ لمناسبۃِ الیاءِ فصارَ مُسلِمِیَّ ورأیتُ مسلِمِیَّ ومررتُ بمُسلِمِیَّ

یا جمع مونث سالم لیکن جمع مذکر سالم نہ ہو کیونکہ وہ جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ اس کا اعراب اور ہے۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔ وہ اسم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے اس کے اندر اعراب لفظی اسوجہ سے متعذر ہے کہ ماقبل یا عامل کے آنیسے پہلے کسرہ کا مستحق ہوگیا ہے۔ کیونکہ کسرہ یا کے موافق ہوتا ہے ماقبل یا عامل کے آنیسے پہلے کسرہ کا مستحق اسوجہ سے ہوا کہ اضافت عوامل کے دخول سے پہلے ہے۔ کیونکہ مفرد مرکب سے مقدم ہے۔ لہٰذا جب عامل کے ساتھ ترکیب کی وجہ سے اعراب آیا تو اس کے محل میں منادیٰ کو یا یا لہٰذا ان کی تقدیر واجب ہوگئی کیونکہ اگر اعراب بالحرکت لفظاً دیتے ہیں تو حالت رفع ونصب میں ایک حرف کو دو مختلف حرکتوں اور حالت جر میں دو متماثل کا وجود لازم آتا ہے اور ابن مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ اسم غیر جمع مذکر سالم مضاف الی یاء المتکلم حالت جر میں لفظاً معرب ہے کیونکہ اسکے کسرہ کو جر قرار دینا ظنی ہے جیسا کہ الف تثنیہ اور واؤ جمع کو حالت رفعی میں غالبیت پر دلالت کرنیوالا قرار دیا جاتا ہے جواب اگر اسم کے کسرہ کو جو کہ یا کی وجہ سے آیا ہے حالت جری میں اعراب لفظی قرار دیا جائیگا۔ تو مؤثر تام لفظی (یا اور عامل) کا تواردِ ایک اثر پر لازم آئیگا جو درست نہیں بخلاف الف تثنیہ اور واؤ جمع کے کہ ان کو اعراب اور علامت تثنیہ اور علامت جمع دونوں قرار دیں تو اگرچہ دو مؤثر تام ان پر جمع ہو جاویں گے لیکن وہ دونوں مؤثر لفظی نہ ہوں گے بلکہ ایک لفظی (عامل) اور دوسرا معنوی (تثنیہ و جمع) ہوگا اور اس میں کچھ حرج نہیں ہو کیونکہ جہت بدل جائے گی جو جائز ہے اور اس کے متعین کئے ہیں کہ یہ اسم تینوں حالتوں میں مبنی ہوتا ہے۔ چونکہ مبنی کیساتھ اسکا امتزاج بہت ہے مبنی کی طرف مضاف ہونیکی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ غلامی کیطرح نہ معرب ہے نہ مبنی چونکہ غلامی کی میم محرف ہے اور اعراب دینا آخر حرف کی صفات ہیں **قولہ بالمنقوص الخ** یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای بالاسم المنقوص یعنی اسم منقوص کا اعراب حالت رفع اور جر میں ضمہ اور کسرہ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے اور حالت نصب میں فتح لفظی کیساتھ اسکا اعراب ہوتا ہے اب سوال ہوتا ہے کہ اسم منقوص کسے کہتے ہیں تو مصنف جواب دیتا ہے ہو ما فی آخرہٖ یاءٌ ما قبلھا الخ یعنی اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں یا۔ ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ اسم منقوص حالت رفعی میں اور جری میں اعراب تقدیری بوجہ استثقال کے ہوتا ہے ان دو حالتوں میں چونکہ یا پر ضمہ اور کسرہ کے تلفظ کو اہل عرب زبان پر ثقیل سمجھتے ہیں اس وجہ سے ان دو حالتوں میں اسکا اعراب تقدیری ہو گیا۔ بخلاف حالت نصب کے کہ اسکا اعراب فتحہ لفظی کیساتھ ہوتا ہے چونکہ فتحہ خفیف حرکات ہے لہٰذا یا پر ثقیل نہیں **قولہ التاسع الخ** جب مصنف اعراب تقدیری حرکتی سے فارغ ہوگیا تو اعراب تقدیری حرفی کو بیان کرتا ہے۔ یہ اعراب فقط استثقال کیوجہ سے تقدیری ہوتا ہے تعذر کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ **قولہ یختص بجمع المذکر السالم** یعنی جمع مذکر سالم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اسکا اعراب حالت رفع میں تقدیر واؤ کیساتھ ہوتا ہے اور نصب و جر میں تلفظ یا کیساتھ اسکے اندر حالت رفع میں اعراب لفظی اسوجہ سے ثقیل ہے کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کے اندر اعراب واؤ ہوتا ہے اور واؤ کا تلفظ اس اضافت کے وقت میں ثقیل ہے کیونکہ واؤ اخت ضمہ ہے۔ اور یا اخت کسرہ اگر واؤ کا تلفظ کریں تو خروج ضمہ سے کسرہ کی طرف لازم آئیگا جو ثقیل ہے لہٰذا واؤ یا ہو کر یا میں مدغم ہو گیا بخلاف حالت نصبی اور جری کے کہ ان کی علامت یا رہے۔ اور اگر یا کو یا میں ادغام کریں تو اس میں کوئی ثقل اور بھاری پن نہیں ہے۔ کیونکہ خروج ضمہ سے کسرہ کیطرف لازم نہیں آتا۔ بلکہ کسرہ سے کسرہ کی طرف خروج ہے لہٰذا یائے علامت اپنی حالت پر رہتے ہوئے یائے متکلم میں مدغم ہوئی ہے اور ادغام شے کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا بلکہ ابدال کرتا ہے اس وجہ سے ان دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہی رہیگا اور حالت رفعی میں تقدیری کیونکہ واؤ ثقالت کے سبب یا سے مبدل ہوگیا ہے اور جب ابدال نے واؤ کو اسکی حقیقت سے خارج کر دیا تو اب اعراب تقدیری ہوگیا **قولہ تقدیرہ مسلموی الخ** یعنی مسلمی اصل میں مسلمون تھا جب یائے متکلم کی طرف اضافت کی تو نون گر گیا۔ چونکہ اضافت کیوقت نون اعرابی گر جاتا ہے تو مسلموی ہوگیا واؤ اور یا ایک کلمہ میں جمع ہوئے لہٰذا واؤ کو ساکن کر کے یا میں ادغام کر دیا اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا مسلمی ہوگیا۔ بطور فائدہ کے جاننا چاہیئے کہ کبھی جمع مذکر سالم کا اعراب ہر سہ حالت میں تقدیری ہوتا ہے جبکہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے جاءنی مسلموا القوم رأیت مسلمی القوم مررت بمسلمی القوم ایسے ہی اسماء ستہ جبکہ معرف باللام کیطرف مضاف ہوتے ہیں تو انکا اعراب ہر سہ حالت میں تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی ابوالقوم رأیت ابا القوم مررت بابی القوم کبھی مثنیٰ کا اعراب حالت رفعی میں جبکہ معرف باللام کیطرف مضاف ہوتا ہے تو اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی غلامی الرجل علامہ تفتازانی نے ان کو شواذ میں بیان کیا ہے۔ لیکن مصنف نے انکی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ یہ امر عارضی ہے۔ مضاف الیہ کے اعتبار سے جو کہ مستقل کلمہ ہے اس وجہ سے اسکا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یا متکلم جو کہ جزو کلمہ ہوگیا غیر مستقل ہونے کی بنا پر اسوجہ سے اسکا اعتبار کر کے اسکی وجہ سے اعراب میں جو اثر پڑتا ہے اسکو مصنف نے بیان کیا ۱۲

فصل الاسم المعرب علی نوعین منصرف وھو ما لیس فیہ سببان او واحد یقوم مقامھما من الاسباب التسعۃ کزید ویسمی الاسم المتمکن وحکمہ ان یدخلہ الحرکات الثلث مع التنوین تقول جاءنی زید ورأیت زیدًا ومررت بزید وغیر منصرف وھو ما فیہ سببان او واحد منھا یقوم مقامھما

قولہ فصل ۔ چونکہ منصرف اور غیر منصرف اعراب کی تقسیم میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے چاہا کہ ان کی تعریف کر دی جاوے تاکہ طالبان کو جزئیات کی معرفت میں بصیرت پیدا ہو جاوے اس وجہ سے مصنفؒ نے یہ فصل منصرف اور غیر منصرف کی معرفت کیواسطے منعقد کی ہے۔ **قولہ علی نوعین** ۔ یعنی اسم معرب دو قسم پر ہے۔ ایک منصرف اور ایک غیر منصرف۔ بقول مصنفؒ منصرف میں باعتبار اعراب کے تین احتمال ہیں۔ مجرور بدلیت کی بنا پر اور یہ اولیٰ ہے چونکہ اس صورت میں حذف کیطرح احتیاج واقع نہیں ہوتی ہے۔ مرفوع مبتدا لہ محذوف کی خبر ہونیکی بنا پر اسے احد ہما منصرف منصوب فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر اسے اعنی منصرفًا **قولہ وھو الخ** یہ منصرف کی تعریف ہے اس سے مراد اسم معرب ہے کیونکہ وہ قسم ہے اور مقسم تعریفات تمام میں معتبر ہوتا ہے اسوجہ سے اسباب منع صرف میں اسم معرب معتبر ہے یعنی اسم منصرف وہ اسم معرب ہے۔ جس میں دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دو کے قائمقام ہوتا ہے اس میں نہ پایا جاوے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسم ایسا ہو کہ اس میں ایک سبب پایا جاتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں ہے کہ دو سبب کے قائم مقام ہو سکتا ہو تو وہ اسم منصرف ہوگا اگر کوئی کہے کہ مصنف نے یہاں منصرف کو بیان غیر منصرف پر کیوں مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منصرف اصل ہے غیر منصرف سے اور اسکے افراد بھی زیادہ ہیں اس وجہ سے اسکو مقدم کیا ہے کیونکہ تعریف سے مقصود کبھی تصویر یعنی غیر حاصل صورت کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کی ذاتیات کے اعتبار سے اور کبھی تمیز یعنی کسی چیز کو اس کے ماسوا سے جدا کرنا ہوتا ہے اور یہاں منصرف کی تعریف سے امر ثانی مقصود ہے اسوجہ سے یہ اعتراض نہ ہوگا کہ عدمی سے تعریف درست نہیں چونکہ جو غیر موجود ہو وہ شے کے وجود کا سبب نہیں ہوتا **قولہ یسمی الاسم المتمکن** یعنی اسم منصرف کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے **قولہ وحکمہ الخ** یعنی اسم منصرف کا وہ اثر جو اسم منصرف پر بحیثیت منصرف ہونے کے مرتب ہوتا ہے یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکتیں مع تنوین کے داخل ہوتی ہیں کیونکہ اس کو فعل کیساتھ مشابہت نہیں ہے۔ **قولہ غیر منصرف** منصرف پر معطوف ہے اس میں بھی ہر صورت مذکور احتمال ہیں یعنی یہ مجرور ہے یا مرفوع یا منصوب اور انہیں مذکورہ وجوہات کی بنا پر **قولہ وھو ما الخ** یہ غیر منصرف کی تعریف ہے اس میں اسے مراد اسم معرب ہے چونکہ وہ قسم ہے اور مقسم تعریفات اقسام میں معتبر ہوتا ہے یعنی غیر منصرف وہ اسم معرب ہے کہ جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جائیں یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جاوے مصنفؒ کی عبارت میں قولہ منہا دونوں مقام میں صفت ہے لے سببان کا عائد منہا اور واحد کا عائد منہا کو دوبارہ اس وجہ سے لائے ہیں کہ یہاں پر اس کے ساتھ عطف ہو رہا ہے جو کہ تردید اور تنویع کے واسطے آتا ہے اور اس میں قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ مقید موصوف پر جبکہ اس کی جنس کا عطف کیا جاوے تو وہ صفت معطوف کیساتھ بھی ذکر کریں کیونکہ اگر وہ قید اور صفت ذکر نہ کی جاوے گی تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ معطوف معطوف علیہ کی جنس سے ہے۔ بلکہ احتمال غیر جنس ہونیکا رکھیگا۔ جیسے مثلاً فی الدار رجلان عالمان اور رجل عالم کہ اگر معطوف رجل کے ساتھ عالم کو ذکر نہ کریں تو معلوم نہ ہوگا کہ رجل عالم ہے بلکہ عالم اور جاہل دونوں کا احتمال رکھیگا ایسے ہی یہاں پر اگر منہا مکرر نہ ہوتا تو معلوم نہ ہوتا کہ یہ ایک سبب نو اسباب سے ہے یا نہیں بلکہ نو اسباب سے نہ ہونا مرجح ہوگا اس لیئے کہ اداً اگرچہ اس جگہ تنویع کیواسطے ہے لیکن اس سے متبادر تردید ہے کہ اگر کوئی اسم معرب ہو تو اس میں دیکھیں گے کہ دو سبب نو اسباب منع صرف میں سے اس میں پائے جاتے ہیں یا نہیں اگر دو سبب پائے جائیں تو اسم معرب غیر منصرف ہے اور اگر دو سبب نہیں پائے جاتے بلکہ ایک سبب پایا جاتا ہے تو اس کو دیکھیں گے یہ ایک سبب نو اسباب میں ایسا ہے کہ دو کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یا نہیں اگر وہ ایسا سبب ہے کہ دو کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو تب بھی اسم غیر منصرف ورنہ منصرف رہا یہ امر کہ ایسے اسم معرب کو جس میں دو سبب نہیں پائے جاتے اور نہ ایسا ایک سبب جو دو کا اثر رکھتا ہو تو اس کو منصرف کیوں کہتے ہیں اور وہ اسم جس میں دو سبب یا ایک سبب مذکور ہے۔ تو اس کو غیر منصرف کیوں کہتے ہیں جاننا چاہیے کہ منصرف اور غیر منصرف صرف سے ماخوذ ہے۔ صرف کے معنی لغت میں دو ہیں گردیدن بمعنی متغیر ہونا اور بمعنی زیادہ ہونا ہے اول معنی کے اعتبار سے منصرف کو منصرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ منصرف کے مفہوم کے مصادق چونکہ بوجہ اتم متغیر ہوتے ہیں۔ چونکہ تینوں حالت میں یہ بدلتا ہے اسوجہ سے اس کو منصرف کہا جاتا ہے بخلاف غیر منصرف کے اس میں تغیر صرف دو حالت میں ہوتا ہے لہذا تغیر اس میں کامل نہیں ہوا اس وجہ سے اسکو غیر منصرف کہتے ہیں۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس وجہ سے منصرف کو منصرف کہتے ہیں اس کے مفہوم کے مصادق امر زائد یعنی کسرہ اور تنوین پر شامل ہوتے ہیں بخلاف غیر منصرف کے مفہوم کے مصادق کے کہ کسرہ اور تنوین پر شامل نہیں ہوتے اسی وجہ سے اس مفہوم کو غیر منصرف کہتے ہیں جاننا چاہیے کہ دو سبب یا ایک سبب سے مراد یہاں پر عام ہے خواہ سبب حقیقی ہوں یا حکمی لہذا سراویل سے تعریف پر اعتراض نہ ہوگا کہ سراویل غیر منصرف ہے باوجودیکہ اس میں نہ دو سبب ہیں اور نہ ایک۔ حالانکہ غیر منصرف اس وقت تک کوئی اسم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائمقام ہو سکے نہ ہو۔ یہ اعتراض اس وجہ سے نہ ہوگا کہ اگرچہ اس میں سبب حقیقۃً نہیں پایا جاتا ہے مگر حکماً اس میں ضرور سبب پایا جاتا ہے نیز سبب سے مراد (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶)

وَالْاَسْبَابُ التِّسْعَةُ هِيَ الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ وَالتَّانِيْثُ وَالْمَعْرِفَةُ وَالْعُجْمَةُ وَالْجَمْعُ وَالتَّرْكِيْبُ وَالْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ وَوَزْنُ الْفِعْلِ وَحُكْمُهُ اَنْ لَا يَدْخُلَهُ الْكَسْرَةُ وَالتَّنْوِيْنُ وَيَكُوْنُ فِيْ مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوْحًا اَبَدًا اَلْمَقُوْلُ جَاءَنِيْ اَحْمَدُ وَرَاَيْتُ اَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِاَحْمَدَ

نیز سبب سے مراد مطلق سبب نہیں ہے بلکہ ایسا سبب مراد ہے جو منع صرف میں اثر کرنیکے اندر موثر ہے مع پائے جانے اثر کی شرطوں کے جبکہ سبب سے ایسا سبب مذکور مراد ہوگا تو حبلیٰ اور مصابیح سے اعتراض نہ ہوگا جبکہ وہ دونوں علم ہوں کہ یہ غیر منصرف کی پہلی قسم سے شمار کئے جائیں چونکہ ان میں دو سبب پائے جاتے ہیں حالانکہ انکو غیر منصرف کی قسم اول سے شمار نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قسم ثانی سے شمار کیا جاتا ہے اعتراض اس وجہ سے وارد نہ ہوگا کہ ان میں علمیت غیر موثر سبب نیز سبب سے مراد ان میں تانیث لفظی اور جمع تکسیر علمیت غیر موثر اس وجہ سے ہے کہ علمیت سے قبل بھی مذکور بنا پر غیر منصرف تھے لہذا ان میں سبب موثر علمیت نہیں ہے اور جب یہ سبب موثر نہیں بلکہ سبب موثر حبلیٰ میں تانیث الفی ہے اور مصابیح میں جمع اس وجہ سے غیر منصرف کی ثانی قسم میں ان کو داخل کیا ایسے ہی نوح اور لوط سے بھی اعتراض وارد نہ ہوگا۔ ان میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔ باوجود اس امر کے پھر بھی یہ غیر منصرف نہیں۔ لہذا غیر منصرف کی تعریف مانع نہیں دو سبب ان میں عجمہ اور علمیت ہے کیونکہ دو سبب اگرچہ پائے جاتے ہیں لیکن ان میں عجمہ کے اثر کی شرط نہیں پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہاں پر سبب مؤثر نہیں ہے کیونکہ دو سبب اگرچہ پائے جاتے ہیں لیکن ان میں . . . . . عجمہ کے اثر کی شرط کے ساتھ نہیں پایا جاتا اسی وجہ سے یہ منصرف ہیں غیر منصرف نہیں جاننا چاہیے کہ قیام سبب واحد مقام دو سبب سے مراد یہ ہے کہ ایک سبب ایسا اثر کرے جیسا دو سبب اثر کرتے اور جب یہ مراد ہے تو جو اس مقام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ قیام یہاں متصور نہیں کیونکہ قیام اجسام میں ہوتا ہے اور علل اعراض سے ہیں اجسام سے نہیں لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ایک سبب دو کے مقام میں قائم ہو۔ اعتراض اسی وجہ سے وارد نہ ہوگا کہ قیام سے مراد تاثیر ہے اور علل تاثیر کے ساتھ موصوف ہو سکتی ہے **قولہ والاسباب التسعۃ** چونکہ منصرف اور غیر منصرف کی تعریف میں نو اسباب بطور اجمال کے مذکور ہوئے ہیں اور اجمال تعریف میں مخل بالمقصود ہے اس وجہ سے مصنف یہاں پر ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں جاننا چاہیے کہ اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ منع صرف کے اسباب کل دو ہیں ایک حکایت اور ایک ترکیب حکایت سے مراد نقل ہے جیسے وزن فعل ہے کہ وہ فعل سے منقول ہے اور ترکیب کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے شرح جامی کے حواشی میں اس کی تفصیل مذکور ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسباب غیر منصرف گیارہ ہیں نو وہ ہیں جو کتاب میں مذکور ہیں اور دسواں سبب وصفیت اصلیہ کا اعتبار زوال علمیت کے وقت میں جیسے احمر دوسرا الف تانیث خواہ مقصورہ ہو خواہ ممدودہ لیکن ان میں سے ہر وصف میں داخل ہے اور ثانی تانیث میں اور بعض تیرہ کے قائل ہیں نو کتاب میں مذکور ہیں اور دو وہ ہیں کے قائل کہتے ہیں اور دو یہ ہیں ایک لزوم تانیث اور دوسرے تکرار جمع لیکن لزوم تانیث تانیث میں داخل ہے اور تکرار جمع جمع میں۔ چونکہ نو کا قول اقرب الی التحقیق ہے اس وجہ سے مصنف نے کہا کہ والاسباب الخ مصنف کے قول الاسباب میں لام عہد کا ہے یعنی مذکور اسباب تسعہ **قولہ ہی العدل الخ** ہی ان میں ضمیر فصل ہے۔ یعنی وہ نو اسباب جن کا ذکر پہلے گذرا ہے وہ سبب یہ ہیں۔ یہ ترجمہ اس وجہ سے کیا ہے کہ یہاں عطف حکم پر مقدم ہے کیونکہ اگر عطف کو حکم پر مقدم نہ مانیں بلکہ حکم کو عطف پر یہاں مقدم مانیں تو یہ قول درست نہ ہوگا کیونکہ معنی ہونگے کہ وہ مذکور سابق نو اسباب عدل ہیں اس معنی پر لازم آتا ہے کہ عدل نو اسباب ہوں ایسے ہی کلام کے معنی آتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس وجہ سے عطف حکم پر مقدم ہے **قولہ حکمہ** یعنی غیر منصرف کا حکم اور اثر جو غیر منصرف پر دو سبب یا ایک سبب کی وجہ سے مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتے اور جر کی جگہ میں ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ مصنف کی عبارت میں حکمہ مبتدا ہے اور ان لا یدخل الخ خبر ہے اور ان لا یدخل میں ان مصدریہ نہیں ہے بلکہ مخففہ من المثقلہ ہے غیر شان ان کا اسم ہے اور مابعد اسکی خبر ہے کیونکہ اگر اس کو مصدریہ قرار دیں تو یدخل مصدر بن جاوے گا اور مصدر ذات کی خبر نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ خبر نہ ہو سکے گا۔ رہا یہ امر کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے اس لئے کہ غیر منصرف فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور فعل پر کسرہ و تنوین نہیں آتے لہذا غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آئیں گے اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جو اسم فعل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان کے احوال مختلف ہیں۔ بعض تو عامل اور مبنی ہوتے ہیں اور بعض صرف عامل پس کیا وجہ ہے کہ غیر منصرف باوجودیکہ فعل کے مشابہ ہے مگر نہ تو عامل ہے اور نہ مبنی۔ جواب یہ ہے کہ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت رکھنے کی تین صورتیں ہیں اور اعلیٰ۔ ادنیٰ متوسط۔ جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ تامہ ہو تو اس وقت اس اسم کو عامل بھی کرتے ہیں اور مبنی بھی جیسے اسمائے افعال ہیہات رویدا وغیرہ کہ اقتران بالزمان اور معنی مصدری میں فعل کے مشارک ہیں۔ لہذا اس مشابہت تامہ کی وجہ سے وہ عامل بھی ہیں اور مبنی بھی اور جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ متوسط ہو یعنی وہ فعل کے ساتھ صرف معنی مصدری میں شریک ہو تو اس صورت میں عامل ہوتا ہے جیسے اسم فاعل اسم مفعول مصدر وغیرہ (باقی بر صفحہ ۴۷)

اما العدلُ فهو تغيّر اللفظ مِنْ صِيغتِه الاَصلية الىٰ صيغةٍ اُخرىٰ

اور جب اسم فعل کیساتھ ادنیٰ مشابہت رکھتا ہو۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ نہ تو اقتران بالزمان میں فعل کے شریک ہے۔ اور نہ معنی مصدری میں تو ایسے اسم کو نہ عامل کرتے ہیں اور نہ مبنی۔ بلکہ خصائص فعل میں اس کو فعل کا شریک کر دیتے ہیں جیسے غیر منصرف کہ اس کی مشابہت فعل کیساتھ مذکورہ بالا دونوں باتوں میں سے کسی بات میں نہیں بلکہ دو فرع ہونے میں وہ فعل کے مشابہ ہے یعنی جس طرح فعل میں دو فرعیں پائی جاتی ہیں کہ ایک تو وہ مصدر سے مشتق ہے اور مشتق مشتق منہ کی فرع ہوتا ہے۔ دوسرے وہ فاعل کا محتاج ہے اور محتاج محتاج الیہ کی فرع ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر منصرف میں بھی دو فرعیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جاتے ہیں اور ہر سبب دوسرے کیلئے فرع ہے مثلاً عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی اور تانیث تذکیر کی فرع ہے اسلئے کہ مذکر پر تائے تانیث کو داخل کرکے مونث بناتے ہیں اور تعریف تنکیر کی فرع ہے اس لیئے کہ نکرہ پر الف لام زیادہ کرکے معرفہ بناتے ہیں اور کلام عرب میں عجم کا اسم عربی کی فرع ہے اس لیے کہ اصل ہر زبان کی یہ ہے کہ اس زبان کیساتھ دوسری زبان کا لفظ مختلط نہ ہو اور جمع واحد کی فرع ہے اور ترکیب فرع ہے افراد کی اور الف نون مزیدتین فرع ہے مزید علیہ کی اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے۔ اس لیے کہ ہر فرع چاہتی ہے کہ اس میں وہ وزن نہ پایا جائے جو کہ دوسری فرع کیساتھ مختص ہے پس جب کہ غیر منصرف میں دو سبب پائے جاتے ہیں اور ہر سبب دوسری شے کی فرع ہے لہٰذا اس میں دو فرعیتیں موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کی فعل کیساتھ مشابہت ہے اور جس طرح فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے غیر منصرف پر بھی یہ دونوں داخل نہ ہونگے مصنف نے کسرہ کو تنوین پر مقدم لایا۔ عدم دخول کے بیان میں تاکہ اسام پر تنبیہ ہو جاوے کہ کسرہ کا عدم دخول بھی قصدی ہے جس طرح تنوین کا عدم دخول قصدی ہے اس سے ان نحاۃ پر رد ہو جائے گا۔ جو کہتے ہیں کہ کسرہ کا داخل نہ ہونا تبعی ہے۔ **قولہ اما العدل** چونکہ عدل تمام اسباب غیر منصرف میں بلا شرط کے موثر ہے اس وجہ سے اس کے بیان کو سب کے بیان پر مقدم کیا پھر جانو کہ عدل کی تعریف مذکور پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ عدل متعدی ہے اور اخراج کا مرادف ہے پس جس طرح پر اخراج متکلم کی صفت ہے عدل بھی اسکی صفت ہوگا حالانکہ منع صرف کے اسباب میں وہ سب اسم کی صفت ہیں جواب یہ ہے کہ یہاں عدل معدول یعنی مفعول ہے ای کون الاسم معدولاً۔ اور یہ اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں پس اب کوئی اشکال نہیں رہا اور تشریح اسکی یہ ہے کہ متعدی دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو مبنی للفاعل ہوگا یا مبنی للمفعول اسلیئے کہ مصدر معنی حدثی ہے اور وہ بدون انتساب الی الفاعل یا الی المفعول کے متصور نہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدث ایک امر اضافی انتزاعی ہے جو فاعل کیساتھ اس اعتبار سے قائم ہے کہ اس سے حادث ہوا ہے اور مفعول کیساتھ اس حیثیت سے قائم ہے کہ فاعل سے صادر ہو کر اس پر واقع ہوا ہے مثلاً ضرب جب مبنی للفاعل ہوگا۔ تو اس کے معنی کون الشئ ضاربا کے ہوں گے اور جب مبنی للمفعول ہوگا۔ تو اس کے معنی کون الشئ مضروبا کے ہوں گے علیٰ ہذا القیاس جب عدل مصدر مبنی للمفعول ہوگا تو اس کے معنی کون الاسم معدولاً کے ہوں گے اور وہ اسم کی صفت ہوگا۔ نہ کہ متکلم کی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس تعریف میں عدل معرف بالفتح اور تغیر اللفظ معرف بالکسر ہے اور چونکہ معرف بالکسر کا معرف بالفتح پر حمل ضروری ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی اس معرف کا معرف پر حمل ضروری ہوگا حالانکہ اس جگہ تغیر اللفظ معرف کا عدل معرف پر حمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل متعدی اور تغیر لازم ہے۔ لازم کا متعدی پر حمل نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ معنی میں کون الاسم مغیراً کے ہے پس حمل صحیح ہو جائیگا اور اگر کوئی کہے کہ تغیر لازم ہے اور مغیر متعدی ہے لازم کی تفسیر متعدی کے ساتھ صحیح نہیں یہ تغیر الشئ بالمباین ہے جو کہ جائز نہیں ہاں اگر مصنفؒ بجائے تغیر کے اللفظ کہتا اور یہ تفسیر کی جاتی کہ کون الاسم مغیراً تو مضائقہ نہ تھا اس وقت تفسیر الشئ بالمثل ہوتی ہے اور یہ جائز تھا جواب یہ ہے کہ تغیر کی دو صورتیں ہیں اس لیے کہ تغیر اصل میں کون الشئ متغیراً ہے اور ظاہر ہے کہ کبھی تو خود بخود شئ اپنے اختیار سے متغیر ہوتی ہے اور کبھی دوسری شئے کے تغیر سے اسلئے کہ تغیر بدل متغیر کے متحقق نہیں ہوتا۔ پس جب تغیر کی دو صورتیں ہیں تو اب تغیر بالمعنی الاول تغیر کے مباین ہے نہ کہ بالمعنی الثانی بلکہ وہ تغیر کو لازم ہے پس تغیر کی تفسیر کون الشئ مغیراً باعتبار معنی ثانی کے درست ہے اور اگر کوئی کہے کہ مصنف نے عدل کی تعریف میں تغیر اللفظ عن صیغۃ الاصلیۃ کہا ہے صیغہ صورت کو کہتے ہیں اور لفظ مادہ اور صورت دونوں کا نام ہے پس اس کلام سے لازم آتا ہے کہ کلمہ یعنی لفظ اپنے ایک جز یعنی صورت سے متغیر ہو۔ اور یہ باطل ہے جواب یہ ہے کہ لفظ سے مراد فقط مادہ ہے مادہ اور صورت دونوں کا مجموعہ نہیں کہ کل کا تغیر اس کے جز سے لازم آئے بہر حال عدل وہ ہے۔ کہ اسم اپنے اصلی وزن سے بغیر کسی قانون و قاعدہ مرئی تحقیقاً یا تقدیراً بدلا گیا ہو یعنی نکالا گیا ہو بشرطیکہ مادہ اور معنی اصلی باقی رہیں اب قیود کی وجہ سے بہت سے اعتراضات رفع ہو گئے اور عدل کی تعریف جامع اور مانع ہو گئی تشریح مقام کی یہ ہے۔ کہ مصنفؒ نے جب تغیر کو صیغہ کے ساتھ مقید کیا تو معلوم ہوا کہ تغیر صرف صیغہ میں ہوگا۔ اور مادہ بدستور باقی رہے گا پس اب وہ اسماء تعریف عدل سے خارج ہو جائیں گے۔ جن میں مادہ بھی بدل جاتا ہے اور جب صیغہ کو ضمیر کی طرف مضاف کیا تو اس سے مشتقات نکل گئے۔ اس لئے کہ وہ اپنی صورت اور ہیئت سے نہیں نکالے گئے بلکہ مصدر کی ہیئت سے نکلے ہیں اور چونکہ یہاں صیغہ کو اس کی صفت اصلیہ کے ساتھ متصف کیا ہے۔ لہٰذا اس سے باقی بر صفحہ ۴۸ پر۔

تحقیقاً او تقدیراً ولا یجتمع مع وزن الفعل اصلاً ویجتمع مع العلمیۃ کعمر وزفر ومع الوصف کثلاث ومثلث واخر

مغیرات شاذہ جیسے اقوس وانیب خارج ہو گئے اس لئے کہ یہ خلاف قیاس قوس اور ناب کی جمع ہیں اور قیاس یہ چاہتا تھا۔ کہ ان کی جمع اقواس اور انیاب آتی ہے اس لیے کہ جمع اجوف واوی یائی کے فعل کے وزن پر ہو اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جیسے قول اور عین کی جمع اقوال اور اعیان آتی ہے پس اس قاعدہ کے مطابق قوس اور ناب کی جمع اقوس اور انیاب آنی چاہیے تھی اقوس اور انیب بر وزن افعل خلاف قیاس آئی۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اقوس اور انیب اقواس اور انیاب سے معدول ہیں یعنی اول دونوں کی جمع اقواس اور انیاب آئی۔ پھر بعد میں اقوس اور انیب ہو گئی تو کہا جائے گا۔ کہ اگر ایسا ہوتا تو ان کو مغیرات شاذہ نہ کہتے۔ پھر یہ بتانا بھی ضروری ہے۔ کہ جب کوئی اسم اپنی صورت اصلیہ سے متغیر ہو تو یہ ضروری ہے کہ وہ ضمن میں دوسری صورت کے پایا جاوے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسری صورت پہلی صورت کے عین ہو گی یا غیر۔ اگر عین ہو تو تغیر متحقق نہ ہو گا۔ اس وجہ سے مصنف نے کہا ہے الی صیغۃ اخر۔ پس لا محالہ کہنا پڑیگا کہ یہ صورت پہلی صورت کے مغائر ہونی چاہیئے۔ پھر چونکہ مغائرت کے یہ معنی ہیں۔ کہ صورت اولی جس طرح پر کسی قانون اور قاعدہ کے ماتحت ہے۔ اسی طرح صورت ثانیہ قانون اور قاعدہ کے ماتحت نہ ہو پس اس وقت مغیرات قیاسیہ مثلاً میزان اور قال وغیرہ تعریف عدل سے خارج ہو گئے اس لیے صورت اولی جیسا کہ قاعدہ مرفی کے تحت میں ہے۔ ایسے ہی صورت ثانیہ بھی قاعدہ کے تحت میں ہے **قولہ تحقیقاً او تقدیراً** اس میں باعتبار ترکیب کے چند احتمال ہیں یا تو یہ نسبت تغیر سے جو لفظ کی طرف ہے تمیز ہو گا یعنی اس نسبت اضافیہ کے ابہام کو دور کرے گا یہ معنی ہونگے کہ تغیر اللفظ تحقیقی اور تقدیری یا یہ کان محذوف کی خبر ہے ای تحقیقاً کان التغیر او تقدیراً یا یہ مفعول مطلق ہے۔ فعل محذوف کا ای تحقق العدل تحقیقاً اور قدر العدل تقدیراً یا تغیر اللفظ کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے اور یہ دونوں اسم مفعول کے معنی ہیں ای تغیراً محققاً اور مقدراً یا مضاف محذوف کے اعتبار سے مفعول مطلق ہیں ای تغیراً تحقیقیاً و تقدیریاً مصنف کا مقصد اس عبارت سے یہ بیان کرنا ہے۔ کہ عدل کی دو قسمیں ہیں تحقیقی اور تقدیری عدل تحقیقی وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کریں کہ جو خارج میں موجود اور محقق ہے پھر معدول عنہ کے خارج میں موجود اور محقق ہونیکے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سوا کوئی اور دلیل معدول عنہ کے وجود پر دلالت کرے اور عدل تقدیری وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کریں کہ جو مفروض اور مقدر ہو اور معدول عنہ کے مفروض اور مقدر ہونیکے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سوا معدول عنہ کے وجود پر کوئی دلیل خارجی دلالت نہ کرے اب اس تقریر کے بعد یہ امر نجوبی ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ عدل تو ہمیشہ فرضی اور تقدیری ہوا کرتا ہے مگر باعتبار معدول عنہ کے کبھی وہ تحقیقی ہوتا ہے اور کبھی تقدیری اگر معدول عنہ محقق اور موجود ہو تو عدل تحقیقی ہے ورنہ تقدیری **قولہ ولا یجتمع مع وزن الفعل** اور عدل وزن فعل کیساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی ایسا کوئی اسم نہ ہو گا کہ وہ معدول بھی ہو اور فعل کے وزن پر بھی ہو کیونکہ عدل کے جو اوزان ہیں ان میں سے کوئی وزن ایسا نہیں کہ فعل بھی اس وزن پر آتا ہو۔ دونوں کے وزن جدا جدا ہیں چنانچہ عدل کے اوزان بالاستقرار چھ میں محصور ہیں فُعَال، ثُلَثُ۔ مَفْعَل، مَثْنٰی۔ فُعَل، عُمَر، اُخَر۔ فُعْل، اُمْس فُعَلُ، سُحَر۔ فعال قطام۔ فعل ان اوزان میں سے کسی وزن پر نہیں آتا البتہ عدل علمیت اور وصف کے ساتھ جمع ہوتا ہے **قولہ کعمر الخ** اس میں عدل تقدیری ہے اس لیے کہ کلام عرب میں وہ غیر منصرف مستعمل ہوتا ہے اور سوائے غیر منصرف پڑھے جانیکے اس میں دوسرا کوئی سبب موجود نہیں ہے۔ پس دوسرا سبب عدل مان لیا گیا ہے۔ مگر چونکہ عدل کا اعتبار وجود اصل یعنی معدول عنہ پر موقوف ہے اور یہاں غیر منصرف مستعمل ہونے کے سوا اور کوئی دلیل اس کے وجود پر نہیں لہذا عمر کو عامر سے معدول فرض کیا گیا ہے اور یہ ہی تقریر زفر میں کی جاوے گی کہ یہ زافر سے معدول فرض کیا گیا ہے **قولہ ثلث ومثلث** یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے اہل عرب ان دونوں لفظوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور چونکہ غیر منصرف کیلئے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں صرف ایک سبب یعنی وصف اصلی پایا جاتا ہے لہذا دوسرا سبب اس میں عدل تحقیقی ہے اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ثلث و مثلث جن کے معنی تین تین کے ہیں اصل میں ثلاثۃ و ثلاثۃ تھے۔ اور اس سے معدول ہو کر ثلث و مثلث بن گئے **قولہ اخر**۔ یہ عدل تحقیقی کی دوسری مثال ہے اُخَر۔ اخری کی جمع ہے اور اخری اسم تفضیل کی مؤنث ہے۔ اس لیے کہ آخر کے معنی اشد تاخراً کے ہیں۔ یعنی بہت پیچھے ہٹنے والا پھر اسکو معنی غیر کیطرف نقل کیا گیا اور قاعدہ ہے کہ اسم تفضیل مونث کا استعمال الف ولام اور اضافت اور کلمہ من سے ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ مستعمل نہیں لہذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں نہ تو مضاف الیہ مذکور ہے۔ اور نہ مقدر ہے پس مستعمل بالاضافت سے اس کو معدول نہیں کر سکتے باقی رہا یہ امر کہ یہاں مضاف الیہ کیوں مقدر نہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ تقدیر مضاف الیہ کے لیے تین امروں میں سے ایک امر ضرور ہے یا تو عوض میں مضاف الیہ کے مضاف پر تنوین آگئی ہو جیسے یومئذ اور یا وہ مبنی ہو جیسے قبل اور بعد اور یا تکرار اضافت ہو جیسے تیم تیم عدی پس جب کہ اس جگہ نہ تو مضاف پر عوض میں مضاف الیہ کے

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

وجُمِعَ اَمَّا الوصفُ فلا یجتمِعُ مَعَ العَلَمِیَّۃِ اصلًا وشرطُہٗ ان یکون وصفًا فی اصل الوضع فاَسْوَدُ وارقمُ غیرُ منصرفٍ وَاِن صارا اسمَیْنِ للحیَّۃِ لِاَصالَتِہِما فی الوصفیَّۃِ واَربعٌ فی مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ منصرفٌ مَعَ اَنَّہٗ صفۃٌ وزنَ الفعل

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۴۸) تنوین ہے اور نہ وہ ملبی ہے۔ اور نہ تکرار اضافت سے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس جگہ مضاف الیہ مقدر نہیں اور نہ وہ مذکور ہے اور جب مضاف الیہ کا پتہ نہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ مستعمل بالاضافت سے معدول نہیں بلکہ مستعمل باللام یعنی الآخر یا مستعمل بمن یعنی اٰخر من سے معدول ہے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ وجمع** ۔ یہ جمع ہے جمعاء کی جو مؤنث ہے اجمع کا اور قاعدہ ہے کہ اگر فعلاء افعل صفت کا مؤنث ہو تو اس کی جمع بروزن فعل آتی ہے۔ جیسا کہ حمراء کی جمع حمر آتی ہے اور اگر فعلاء اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے حباری اور صحراوات ہے پس اس قاعدہ کے مطابق جمعاء کی جمع بھی یا تو جمع ہو گی یا جماعی یا جمعاوات ہو گی۔ اور چونکہ یہاں ان اوزان میں سے کوئی وزن نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ **قولہ اما الوصف** اولاً یہ جانو کہ مصنف نے ذکر وصف کو ذکر عدل کا ردیف بنایا چونکہ وصف بعض اسماء معدولہ میں مؤثر ہے۔ جیسے ثلث اور مثلث اور چونکہ وصف اور تانیث دونوں وصفی اور عارضی کی طرف انقسام اور تاثیر للوصفی دون العارضی میں دونوں مشترک ہیں اس وجہ سے ذکر تانیث کو وصف کا ردیف بنایا تانیث کے بعد معرفہ کو ذکر کیا ہے چونکہ تانیث میں معرفہ کی شرط ہے پھر معرفہ کے بعد عجمہ کو بیان کیا چونکہ عجمہ میں تعریف علمی شرط ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ تانیث میں علمیت تو ہر وقت شرط ہے اور عجمہ اس وقت تانیث میں شرط ہے جبکہ ساکن الاوسط ہو تو چونکہ علمیت اس وقت شرط ہے اس وجہ سے اس کو مقدم اور عجمہ کو اس سے موخر کر کے ذکر کیا کیونکہ یہ تانیث میں ہر وقت شرط نہیں ہے غرض یہ کہ تانیث کے بعد ان دونوں کا ذکر تانیث کی تتمیم کیواسطے ہے کیونکہ شے اپنی شرطوں کیساتھ پوری ہوتی اور جب تک ان کی شرطیں ذکر نہ کی جائیں تو وہ شے ناتمام رہتی ہے اور جب شرائط تانیث کے بیان سے فارغ ہوا تو جمع کو ذکر کیا کیونکہ جمع تانیث کے مشابہ ہے کہ جیسے تانیث دو سبب کی جگہ قائم ہوتی ہے ایسے ہی جمع بھی دو سببوں کی جگہ قائم ہوتی ہے اس کے بعد مصنف نے ذکر ترکیب کو اسکا ردیف کیا کیونکہ دونوں جمع اور ترکیب مفرد کی فرع ہونے میں شریک ہیں اور چونکہ الف نون زائدتان جو اسم میں ہوتے ہیں وہ مرکب کی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس میں زیادہ مذکورہ اور مزید علیہ کے درمیان ترکیب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے ترکیب کے بعد الف و نون زائدتان کو بیان کیا ہے اب اسباب منع صرف سے ایک وزن فعل رہ گیا۔ اس وجہ سے اس کو سب اسباب سے آخر میں بیان کیا۔ ثانیاً یہ جانو کہ وصف کے معنے لغت میں ستودن یعنی کسی شے کی تعریف کرنا ہے اور نحاۃ کی اصطلاح میں اس کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک اس تابع پر ہوتا ہے جو متبوع کے معنی پر دلالت کرے دوسرے معنی اسم کا ایسی ذات مبہم پر دلالت کرنے والا جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو عام ازیں کہ یہ دلالت باعتبار وضع کے ہو یا باعتبار استعمال کے اس تعمیم کے اعتبار سے تعریف اربع کو شامل ہو گئی جو کہ مررت بنسوۃٍ اربعٍ میں ہے اس تعریف میں اسم کا دلالت کرنیوالا ہونا جنس ہے جو تمام اسباب کو شامل ہے باقی فصل ہے جس سے تمام اسباب سے وصف ممتاز ہو جاتا ہے چونکہ معرفہ ذات معین پر دلالت کرتا ہے اور باقی اسباب میں بعض صفات کا لحاظ نہیں ہوتا نیز اس اسم پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو ایسی ذات مبہم پر دلالت کرے جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو خواہ یہ دلالت باعتبار وضع کے ہو خواہ باعتبار استعمال کے واللہ اعلم وعلمہ اتم **قولہ فلا یجتمع مع** الخ یعنی وصف علمیت کیساتھ بالکل جمع نہیں ہوتا ہے کیونکہ دونوں متضاد ہیں چونکہ وصف کی دلالت مبہم ذات پر ہوتی ہے اور علمیت کی دلالت معین ذات پر ہوتی ہے اور ابہام اور تعیین دونوں میں تضاد ہے ایک جگہ میں ایک جہت سے وقت واحد میں جمع نہیں ہو سکتے **قولہ وشرطہ** الخ جاننا چاہیئے کہ وصف دو قسم پر ہے ایک وضعی اور ایک عارضی یعنی اسم کا ایسی ذات پر ہو جو دلالت کرنیوالا ہو نا جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو دو قسم پر ہے یعنی ذات مبہم ہے بعض صفت پر اس وجہ سے دلالت کرے کہ واضع نے اسکے لیے وضع کیا ہے خواہ وہ وصف باقی رہے جیسے ضارب و مضروب جبکہ علم نہ ہو خواہ وہ وصف زائل ہو جاوے یہ اسوقت ہو گا جبکہ اس پر اسم غالب ہو جاوے جیسے اسود اور ارقم ثانی عارضی ہے یعنی اسم کو واضع نے ذات معینہ پر دلالت کرنے کیلئے وضع کیا ہو۔ عارضی استعمال کی وجہ سے ذات مبہم پر دلالت کرنے لگے جیسے مررت بنسوۃٍ اربعٍ کہ اصل میں ذات معینہ کیواسطے موضوع ہے لیکن عارضی استعمال کی وجہ سے ذات مبہم پر دلالت کر رہا ہے اسکے بعد جاننا چاہیئے کہ وصف کے سبب منع صرف بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اصل وضع میں ہو یعنی واضع نے اسکو بلحاظ معنی وصفیت کے وضع کیا ہو۔ وصفیت اسکو عارض نہ ہوئی ہو اور دلیل اس اشتراط کا یہ ہے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے پس وصف اصلی میں تو یہ قوت ہے کہ وہ اصل یعنی منصرف کو غیر اصل یعنی غیر منصرف کی طرف رجوع کر دے وصف عارضی میں یہ قوت نہیں لہٰذا وصف اصلی کا اعتبار ہو گا اور وصف عارضی معتبر نہ ہو گا اور یہ معلوم ہو چکا کہ وصف اصلی کا اعتبار ہے تو اب اگر اسمیت کا غلبہ ہو جائے تو وصف کے سبب منع صرف بننے میں کوئی ضرر نہ ہو گا اور غلبہ اسمیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اسم جو معنی وصفی پر دال ہے۔ اپنے بعض افراد کیساتھ اس طرح پر مختص ہو جائے کہ ان بعض افراد پر اس کی دلالت میں قرینہ کی محتاج نہ ہوں جیسے اسود کہ اصل وضع میں ہر سیاہ چیز کو کہتے ہیں اور اب کثرت سے اس کا استعمال سیاہ سانپ میں ہوتا ہے۔ **قولہ للحیۃ** اول کالے سانپ کا اسم ہو گیا اور ثانی ایسے سانپ کا اسم ہو گیا جس میں سیاہی اور سفیدی دونوں ملی ہوئی ہوں جس کو ہندی میں پیکوڑیا سانپ کہتے ہیں۔ **قولہ لاصالتہما** ۔ یہ اسود اور ارقم دونوں کے غیر منصرف ہونیکی دلیل ہے یعنی چونکہ وصف کے لیے غلبہ اسمیت مضر نہیں لہٰذا اسود اور ارقم جو کہ سانپ کے نام ہیں غیر منصرف ہیں کیونکہ انکی اصل وضع میں معنی وصفیت کے پائے جاتے ہیں اگرچہ کثرت استعمال میں اسمیت کا غلبہ ہے۔ ۱۲

لعدم الاصالة فی الوصفیة اما التانیث بالتاء فشرطه ان یکون علما کطلحة و کذلک المعنوی ثم المعنوی ان کان ثلاثیا ساکن الاوسط غیر اعجمی یجوز صرفه وترکه لاجل الخفة ووجود السببین کهند والا یجب منعه کزینب وسقر وماه وجور

لعدم الاصالة الخ یہ اربع کے منصرف ہونیکی دلیل ہے یعنی اربع مرت بنسوۃ اربع میں منصرف ہے۔ کیونکہ یہاں وصف عارضی ہے اصل نہیں اسلئے کہ اربع عدد معین کیلئے وضع کیا گیا ہے اور تعین وصف کے منافی ہے پس معلوم ہوا کہ اس میں وصفیت اصلیہ عارضیہ ہے۔ اور وجود وصفیت کے عارض ہونیکی یہ ہے کہ اس ترکیب میں اربع صفت اور نسوۃ موصوف ہے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ صفت وہ ہونی چاہیے کہ جو موصوف پر محمول ہو سکے اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ اربع کے نسوۃ پر حمل کرنے میں عدد اور معدود کا ایک ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے لامحالہ لفظ موصوف محذوف ہوگا ای مرت بنسوۃ موصوفۃ باربع لفظ موصوف کو حذف کر کے اربع کو اس کے قائم مقام کیا۔ اور اس اعتبار سے اس میں وصفیت کے معنی پیدا ہو گئے

قولہ التانیث الخ یعنی اسم کا مؤنث ہونا خواہ نر پر اسکی دلالت ہو یا مادہ پر جاننا چاہیے کہ تانیث دو وجہ پر ہے ایک تار کیساتھ اور ایک بغیر تار کے جو بغیر تار کے ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہے ایک الف مقصورہ کے ساتھ جیسے حبلیٰ اور ایک الف ممدودہ کیساتھ جیسے حمراء جو تانیث تار کیساتھ ہوتی ہے اس کی بھی دو قسم ہیں ایک تا ملفوظی کے ساتھ اور ایک تار مقدرہ کیساتھ جو تار ملفوظہ کے ساتھ تانیث ہوتی ہے وہ پھر دو قسم پر ہے ایک تار متحرکہ کے ساتھ اور دوسری تار ساکنہ کے ساتھ تانیث ثانی خواص فعل سے ہے جو تانیث کے تار مقدرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کو مؤنث معنوی کہتے ہیں **قولہ شرطہ الخ** یعنی جو تانیث تار ملفوظہ کیساتھ حاصل ہوتی ہے اس کے سبب منع صرف بننے میں شرط یہ ہے کہ وہ اسم مؤنث کسی کا علم ہو خواہ مذکر کا جیسے طلحۃ مرد کا نام ہے یا کسی مؤنث کا جیسے فاطمہ عورت کا نام ہے اس موقع پر تانیث بالتار کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تانیث کی چند قسمیں ہیں اور جو تانیث کے تار کے ساتھ نہ ہو وہ اس کے حکم سے خارج ہے جیسے تانیث بالف ممدودہ و مقصورہ اور تانیث معنوی تانیث بالتار میں علمیت کو اس وجہ سے شرط کیا ہے کہ علمیت لفظ کے حق میں وضع ثانی ہے اور کلمہ اس کی وجہ سے تصرفات سے حتی الامکان محفوظ رہتا ہے لہذا علمیت کو شرط کیا تاکہ کلمہ کے متغیر ہونے اور تار تانیث کے زائل ہونیکا احتمال جاتا رہے

قولہ کذلک المعنوی یعنی جس طرح پر تانیث لفظی بالتار میں علمیت شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں یہ بھی شرط ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ تانیث بالتار میں تو علمیت کی شرط منع صرف میں از روئے مؤثر ہے اور معنوی میں از روئے جواز کے کیونکہ اس کیلئے وجوب تاثیر کی شرط اور ہے۔ جس کو مصنف ان الفاظ سے بیان کرتا ہے **ثم المعنوی ان کان الخ** یعنی اسم مؤنث معنوی دو حال سے خالی نہیں یا تو ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے یا نہیں اول صورت پر اسکا منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے مثلاً ہند کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے غیر منصرف اس وجہ سے کہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ایک تانیث معنوی اور دوسرا سبب علمیت جو کہ اسکے اثر کرنیکی شرط جواز کی ہے۔ اسی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔ اور منصرف پڑھنا اس وجہ سے درست ہے کہ تانیث کے اثر کی وجوبی شرط نہیں پائی گئی ہے۔ چونکہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے۔ اور کلمہ جبکہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو تو فی نفسہ خفیف ہوتا ہے اور غیر منصرف پڑھنا بوجہ اسکے ثقل کے ہوتا ہے جو دو سبب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے تو کلمہ کی فی نفسہ خفت اس صورت میں احد السببین کے ثقل کے مزاحم ہو جائیگی جس کی وجہ سے اسکا اثر کمزور ہو جاویگا۔ لہذا اس کو منصرف پڑھنا درست ہوگا

قولہ الا اے وان لم یکن المعنوی ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی یعنی اگر ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی نہ ہو جاتا چاہیے کہ یہ مقید کا رفع ہے اور مقید کا رفع جمیع قیود کے رفع سے بھی ہو سکتا ہے اور ہر قید کے رفع سے بھی۔ اس وجہ سے اس مقید کے رفع کی چند صورتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اسم رباعی یا خماسی وغیرہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اسم مؤنث ثلاثی ہو لیکن متحرک الاوسط ہو تیسرے اسم مؤنث ثلاثی ساکن الاوسط ہو لیکن عجمی ہو حاصل یہ کہ تانیث معنوی میں وجوب تاثیر منع صرف کی شرط یہ ہے کہ علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے ایک پائی جاوے یا تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو یا اگر وہ سہ حرفی ہے تو درمیانی حرف متحرک ہو یا عجمی ہو اسلئے کہ جب تین حرفوں سے زائد ہوگا تو چوتھا حرف قائم مقام تانیث لفظی کے ہوگا۔ اور تاثیر وجوبی پائی جائیگی اور دلیل چوتھے حرف کے قائم مقام تانیث ہونیکے لیے یہ ہے کہ مثلاً عقرب کو جو کہ زائد علی الثلاثہ ہے جب مصغر کرتے ہیں تو تصغیر عقیرب آتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں چوتھا حرف قائم مقام تانیث کے ہے بخلاف قدم کے کہ اسکی تصغیر قدیمۃ آتی ہے۔ اسی طرح جب اسم متحرک الاوسط ہوگا تو اسکی یہ حرکت اوسط چوتھے حرف کے قائم مقام ہوگی اور وہ قائم مقام تار تانیث کا ہوگا اور اس اعتبار سے تانیث معنوی میں ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہو جائیگی جس سے وہ از روئے وجوب کے منع صرف میں مؤثر ہوگی۔ ایسے ہی جب اسم عجمہ ہوگا تو تانیث معنوی بطور وجوب کے مؤثر ہوگی اسلئے کہ عموماً اہل لسان پر دوسری قوم کی زبان ثقیل ہوتی ہے اور اس ثقل کی وجہ سے اس میں سبب منع صرف بننے کی قوت پیدا ہو جاوے گی۔ بہر حال تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تانیث بالتار کی شرط سے زائد ہے اسلئے کہ تانیث معنوی فرع اور تانیث بالتار اصل ہے پس یہ ضروری نہیں کہ اصل کو جس چیز سے قوت پہنچتی ہے فرع کو بھی اس سے قوت حاصل ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اصل کو پہلے سے ایسی قوت حاصل ہو جو فرع کیلئے نہیں پس بنا علیہ فرع کی تاثیر کیلئے مزید قوت کی ضرورت ہے اور اس کیلئے وہ شرط کافی نہیں جو کہ اصل کے لیے ہے **قولہ کزینب الخ** یعنی یہ چار اسم زینب، سقر، ماہ اور جور غیر منصرف ہیں زینب ایک عورت کا نام ہے اور اس میں علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب کے پائی جاتی ہے یعنی زیادت علی الثلاثہ۔ اور سقر دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے اور اس میں علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب تاثیر کے پائی جاتی ہے یعنی تحریک الاوسط اور ماہ و جور یہ دونوں دو شہروں کے نام ہیں اور ان میں بھی علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب تاثیر کے پائی جاتی ہے یعنی عجمہ ہونا ۱۲

والتانيثُ بالالف المقصورة كحُبلىٰ والممدودة كحمراءَ ممتنعٌ صرفُها البتّةَ لان الالف قائمٌ مقامَ السببين التانيثُ ولزومُهُ امّا المعرفةُ فلا يعتبرُ في منعِ الصرفِ منها الّا العلميّةُ وتجتمعُ مع غيرِ الوصفِ امّا العُجمةُ فشرطُها ان تكونَ علماً في العُجمةِ

قولہ والتانیث بالالف یعنی جو تانیث کہ الف مقصورہ اور الف ممدودہ سے حاصل ہوتی ہے وہ یقین کیساتھ غیر منصرف کا سبب ہے یعنی وہ اسم مونث ہے جس میں تانیث بالف ممدودہ یا الف مقصورہ ہو۔ وہ اسم غیر منصرف ہوگا۔ مصنفؒ کا قول کہ البتہ محذوف کی خبر ہے اسے نظیرہ کہنے اسیطرح کہ مصنفؒ کے قول البتہ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی بت البتہ بتہ بمعنی قطع و یقین ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جملہ کو اس اسم کے انصراف کے وہم کو دور کرنے کیواسطے ذکر کیا ہو۔ جو فقط ایک سبب کے پائے جانیکی وجہ سے ہوتا ہے اس کے بعد لان سے اس کے عدم انصراف پر دلیل بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ وہ اسم جس میں الف ممدودہ مقصورہ پایا جاوے اس وجہ سے غیر منصرف ہے کہ اس میں الف یعنی تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام ہے تانیث کے دو الف ممدودہ و مقصورہ دو سبب کے قائم مقام اسلئے ہیں کہ یہ دونوں از روئے وضع کے کلمہ کو لازم ہیں یہاں تک کہ اپنے مدخول سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں پس وہ دونوں اپنے اس لزوم کی وجہ سے بمنزلہ تانیث آخر کے ہیں اور گویا کلمہ میں تانیث مکرر ہے لہذا یہ اکیلا سبب قائم مقام دو سببوں کے ہو جائیگا بخلاف تانیث کے کہ وہ من حیث الوضع کلمہ کو لازم نہیں اگر علمیت کی وجہ سے اسکا لزوم ہو بھی جائے تو یہ لزوم عارضی ہوگا جو لزوم وصفی کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس جو سبب لزوم وصفی کا ہوگا۔ وہ اسکے لیے ثابت نہیں ہو سکتا **قولہ التانیث** یہ ہر سہ اعراب کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے مجرور بدل ہونیکی بناء پر اور منصوب فعل محذوف کا مفعول ہونیکی بنا پر اور مرفوع جب پڑھیں گے تو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا ای ہما التانیث و لزومہ اور لزومہ میں بھی یہ تینوں احتمال ہیں **قولہ اما المعرفۃ الخ** معرفہ سے مراد تعریف ہے مقابل نکرہ مراد نہیں ہے۔ چونکہ معرفہ ذات ہے یعنی وہ اسم ہے جو ذات معین کیواسطے موضوع ہو اور یہ ذات معرفہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ غیر منصرف کا سبب کسی اسم کا ذات معینہ پر دلالت کرنیوالا ہوتا ہے۔ اگر معرفہ سے مراد تعریف نہ لیں گے تو لازم آئیگا کہ خود وہ اسم جو ذات معینہ پر دلالت کرے غیر منصرف کا سبب ہو۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب معرفہ سے تعریف مراد ہوگی تو اس پر علمیت محمول نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اسم کیلئے ہوتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ وصف کی اضافت جب ذات کی طرف ہو جاتی ہے تو اس پر شے کا حمل درست ہو جاتا ہے جیسے ضرب زید حاصل یہ کہ ایسے ہی یہاں پر تعریف معرفہ کیطرف مضاف ہے۔ اسے تعریف المعرفہ اور جب معرفہ سے مراد تعریف ہوگئی تو اب سوال ہوگا کہ مصنف نے معرفہ کی بجائے تعریف کیوں نہ کہا تو جواب دیا جاتا ہے کہ چونکہ اجمال میں معرفہ کہا اسوجہ سے تفصیل میں بھی معرفہ کہا تاکہ تفصیل اسلوب میں اجمال کے خلاف نہ ہو جائے **قولہ فلا یعتبر الخ** یعنی معرفہ کی سب قسموں سے فقط علمیت کا اعتبار ہے یعنی معرفہ کے اسباب منع صرف سے ہونیکے لیے شرط یہ ہے کہ علم ہو جیسے عمر کہ اس میں ایک سبب تعریف دوسرا عدل ہے اب اگر کوئی کہے کہ معرفہ کی تو متعدد قسمیں ہیں مصنفؒ نے ان سب کو چھوڑ کر صرف علمیت کو کیوں اختیار کیا تو جواب یہ ہے کہ اقسام معرفہ میں سے صرف علمیت کو اختیار کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اس کی بعض قسمیں تو مبنی ہیں جیسے مضمرات اور مبہمات پس وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی ہیں اسلئے کہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب مبنی کی ضد ہے۔ ایک شے اپنی ضد کا سبب نہیں ہو سکتی اور بعض قسمیں معرفہ کی غیر منصرف کو منصرف یا اسم میں منصرف کے کر دیتی ہیں لہذا وہ بھی منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ ایک شے اپنے موافق کا تو سبب ہو سکتی ہے مگر ضد کا سبب نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی کہے کہ صاحب مفصل نے علمیت کو اسباب سے شمار کیا ہے اور معرفہ کو اسکی شرط بنائی ہے اور مصنف نے اور شیخ نے اس تعریف سے عدل کر کے اسکے برعکس کہا ہے حالانکہ جب اقسام معرفہ میں سے صرف علمیت ہی منع صرف کا سبب ہے تو اسقدر طول دینے کی کیا ضرورت تھی علمیت کو بھی منع صرف کا سبب قرار دیدیتے جواب یہ ہے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ہر سبب اسباب منع صرف میں سے دوسری شے کی فرع ہے اور بہ نسبت علمیت کے معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا اظہر ہے۔ لہذا معرفہ کو منع صرف کا سبب اور علمیت کو اسکی شرط قرار دیا گیا اسپر اعتراض کیا جاتا ہے کہ منع صرف میں تاثیر معرفہ کیواسطے علمیت کو شرط کرنا مسلم نہیں کیونکہ تعریف بہم مقطوع عن الاضافت منع صرف میں معتبر ہے جیسے آتہ کو یہ غیر منصرف ہے تانیث اور تعریف ابہامی کی وجہ سے اور بعض کے نزدیک یہ نکرہ منصرف ہے ایسے ہی منع صرف میں بعض کے نزدیک تعریف تو کید معتبر ہے جیسا کہ اذ و زان فعل اور تعریف تو کید کیوجہ سے غیر منصرف ہے جواب مصنف نے ان دونوں کیطرف توجہ نہیں کی ہے۔ چونکہ یہ جمہور کے نزدیک معتبر نہیں ہیں اور مصنف کا مختار یہی وہ ہے جو جمہور کے نزدیک معتبر ہے۔ **قولہ تجتمع الخ** یعنی معرفہ وصف کے سوا اور باقی سب اسباب کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور وصف کیساتھ جمع نہیں ہوتا کیونکہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور اعلام ذات معین پر دلالت کرتے ہیں اور ذات مبہم و ذات معین میں تضاد ہے اسوجہ سے معرفہ اور وصف ایک اسم میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ **قولہ اما العجمۃ** عجمہ کے معنی لغت میں گونگا ہونا ہے اور اصطلاح میں اسم کا ان الفاظ سے ہونا جسکو غیر عرب نے وضع کیا ہو۔ **قولہ فشرطہا الخ** یعنی عجمہ کے سبب منع صرف ہونیکے لیے شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو۔ کیونکہ عجمہ وہ ہے کہ جسکو غیر عرب نے وضع کیا ہو پس ظاہر ہے کہ جو لفظ عربی نہ ہو اسکا ادا کرنا اہل عرب پر دشوار ہوتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ اہل عرب اسکے ازالہ ثقل کے لیے اس میں کوئی تصرف کریں اور چونکہ عجمہ کا سبب منع صرف ہونا محض اپنے ثقل کی وجہ سے ہے لہذا اس سے بعد تصرف جب ثقل جاتا رہیگا تو وہ لائق سبب بننے کے نہ ہوگا پس اس میں یہ شرط کی گئی ہے کہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو حقیقۃً جیسے ابراہیم کو عجمیوں کے نزدیک علم جیسا جانا جیسے قارون کہ لغت عجم میں کسبیا علم نہیں ہر چیز کو قارون کہتے ہیں سائر عرب میں بسبب بعد قرائت کے قلوب عرب سے ایک قاری کا کام ہو گیا۔ ۱۲

وَزَائِدَةً عَلٰى ثَلٰثَةِ اَحْرُفٍ كَاِبْرَاهِيْمَ اَوْ ثَلَاثِيًّا مُتَحَرِّكَ الْاَوْسَطِ كَشَتَرَ فَلِجَامٌ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ وَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ لِسُكُوْنِ الْاَوْسَطِ اَمَّا الْجَمْعُ فَشَرْطُهٗ اَنْ يَكُوْنَ عَلٰى صِيْغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ اَلِفِ الْجَمْعِ حَرْفَانِ كَمَسَاجِدَ اَوْ حَرْفٌ مُشَدَّدٌ مِثْلُ دَوَابَّ اَوْ ثَلٰثَةُ اَحْرُفٍ اَوْسَطُهَا سَاكِنٌ غَيْرُ قَابِلٍ لَهَا كَمَصَابِيْحَ فَصَيَاقِلَةٌ وَفَرَازِنَةٌ مُنْصَرِفٌ لِقَبُوْلِهَا الْهَاءَ وَهُوَ اَيْضًا قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ الْجَمْعِيَّةِ وَلُزُوْمُهَا وَامْتِنَاعُ اَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً اُخْرٰى جَمْعَ التَّكْسِيْرِ فَكَاَنَّهٗ جُمِعَ مَرَّتَيْنِ

قولہ زائدۃ - یہ عجمہ کے سبب منع صرف ہونیکی دوسری شرط ہے اور حقیقت میں یہ دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے یا تو اس کلمہ کا درمیانی حرف متحرک ہو اگر وہ سہ حرفی ہے یا وہ کلمہ جبکہ متحرک الاوسط نہ ہو تو تین حرف سے زائد ہو اور یہ شرط عجمہ میں لگائی ہے۔ کہ عجمہ ایک اعتباری شے ہے لفظ میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا پس اگر درمیانی حرف متحرک نہ ہو تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہونا چاہیے تاکہ ثقالت پیدا ہو کر اسکا سبب منع صرف بننا صحیح ہو۔ **قولہ کابراہیم** یعنی ابراہیم غیر منصرف ہے۔ اس لیے کہ اس میں علمیت اور عجمہ اپنی شرط زیادت علی الثلاثہ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ **قولہ کشتر**۔ شتر دیار بحر کے ایک قلعہ کا نام ہے شتر میں چونکہ علمیت اور عجمہ مع اپنی شرط متحرک الاوسط کے پایا جاتا ہے لہذا یہ غیر منصرف ہے **قولہ فلجام الخ** فلجام اس میں تفریع کیلئے ہے یہ شرط اول کے عدم پر تفریع ہے۔ یعنی لجام جو کہ عجم میں لگام تھا اگر علم بھی ہو جاوے تب بھی یہ منصرف ہے۔ کیونکہ کلام عرب میں فعلل کے بعد اسم جنس کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لہذا لفظ لجام نہ حقیقتاً علم ہے نہ حکماً علمیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ منصرف ہے بخلاف قالون کے کہ وہ لغت عجم میں علم ہے جیسا کہ گذرا **قولہ نوح منصرف** یہ شرط ثانی کے عدم پر تفریع ہے۔ یعنی نوح چونکہ ثلاثی ساکن الاوسط ہے اس وجہ سے یہ منصرف ہے۔ تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ جس طرح ہند میں تانیث متحرک اوسط کے ساتھ مشروط تھی اور درصورت عدم متحرک اوسط کے علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز تھا اسی طرح نوح میں باوجود شرط متحرک اوسط نہ ہونیکے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہونا چاہیے پس جمہور کی جانب سے مصنف اسکا جواب دیتے ہیں کہ بہ نسبت عجمہ کے تانیث قوی ہے اسلئے کہ تانیث کا اثر کبھی لفظوں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہند کی تصغیر ہنیدہ آتی ہے بخلاف عجمہ کے لفظوں میں اسکا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ لہذا تانیث اور عجمہ میں فرق ہے اور ہند پر نوح کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے لہذا نوح منصرف ہوگا اور ہند میں دونوں امر جائز ہیں منصرف پڑھنا بھی اور غیر منصرف بھی **قولہ الجمع** جمع کے معنی لغت میں اکٹھا کرنا ہے اور اصطلاح میں وہ اسم ہے جو احاد پر دلالت کرے اور احاد پر دلالت اسکے مفرد کے حروف کیساتھ کسی قسم کے تغیر کیساتھ لیکن یہ معنی یہاں پر مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد اسم کا مذکورہ شان کیساتھ ہونا ہے کیونکہ اسباب اوصاف سے ہے ذات سے نہیں ہے۔ اور یہ جمع سبب بھی ان اسباب میں سے ہے جو دو سبب کے قائم مقام ہوتے ہیں **قولہ فشرطہ الخ** یعنی جمع دو سبب کے قائم مقام اسوقت ہوگی جبکہ وزن منتہی الجموع اس میں پایا جاوے وزن منتہی الجموع کا یہ ہے کہ اسکا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین حرف کہ درمیانی حرف اسکا ساکن ہو جیسے مساجد اور مصابیح ہے مساجد مسجد کی جمع ہے اور ثانی مصابیح کی جمع ہے پھر جمع میں صیغہ منتہی الجموع کو اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ اسمیں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ دوبارہ اس کی جمع تکسیر نہیں آسکتی پس اسوجہ سے کہ اسمیں ایک قسم کا استحکام ہو کر دو سبب کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے مصنف کا قول منتہی اسم مفعول علی الظرف اسکی اضافت جموع کی طرف اضافت معنوی بمعنی لام ہے یعنی جمعوں کیواسطے منتہی یا مصدر منتہی اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی جموع کی انتہا جموع جمع کی جمع ہے یہاں پر اس سے مراد ما فوق الواحد ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ جو جمع اسباب غیر منصرف ہے اسکے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آخری جمع ہو چاہے حقیقتاً چاہے حکماً کہ اسکی دوبارہ جمع تکسیر نہ آسکے **قولہ قابل للہاء** یعنی یہ جمع قائم مقام دو سبب کے اسوقت ہوگی جبکہ صیغہ منتہی الجموع کیساتھ ساتھ یہ شرط بھی پائی جاوے کہ اس کے آخر میں تاء تانیث نہ ہو جو حالت وقفی میں ہا ہو جاتی ہے کیونکہ اگر اسکے آخر میں اس قسم کی ہا ہوگی تو اسکا التباس مفرد کے ساتھ ہو جائیگا اور اس سے اسکی جمعیت میں فتور پیدا ہو جائیگا اور وہ منع صرف میں مؤثر نہ ہوگی **قولہ فصیاقلۃ الخ** یعنی صیاقلۃ اور فرازنۃ منصرف ہے اس لیے کہ انکے آخر میں تاء تانیث ہے جو کہ حالت وقفی میں ہا ہو جاتی ہے اور اس سے طواعیۃ مفرد کے ہم وزن ہو کر ان کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ منع صرف میں مؤثر نہیں ہوتی۔ **قولہ وہو ایضا قائم الخ** یعنی جمع بھی دو سبب کے قائم مقام ہے جس طرح تانیث بالالف الممدودہ والمقصورہ دو سبب کے قائم مقام ہے جس میں سے ایک سبب جمعیت ہے اور دوسرا لزوم جمعیت۔ لزوم جمعیت کا مطلب خود مصنف وامتناع سے بیان کرتا ہے یعنی کہتا ہے کہ وہ اسم جمع ہے جو غیر منصرف بجمعیت کی بنا پر ہے۔ ایسا ہو کہ اسکی مرۃ اخریٰ جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو۔ اور جب جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو جاویگا تو اس میں (باقی بہ صفحہ ۵۳)

امّا التّرکیب فشرطُہٗ ان یکونَ علَمًا بلا اضافۃٍ ولا اسنادٍ کبَعلبکَ فعبدُ اللّٰہِ منصرفٌ و معدیکرب غیرُ منصرفٍ و شابَ قرنٰہا مبنی

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۲) موجودہ جمعیت لازم ہو جاویگی اس طور پر کہ اب اسکو مفرد فرض کرکے دوبارہ جمع تکسیر نہ بناویں گے۔ البتہ جمع صحیح بنانا درست ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعیت مطلقہ ایک سبب ہے، اور اسکا ایسی جمع کے وزن پر ہونا کہ اس کی دوبارہ جمع بنانا ممتنع ہو یہ گویا دوسرا سبب ہے اور یہ بعض نحاۃ کا مذہب ہے مصنفؒ اور شیخ ابن حاجب کا مختار بھی یہی ہے چنانچہ مصنف کا قول فکانہ الخ اسی مقصد کیطرف مشیر ہے۔ جب اسکی دوبارہ جمع تکسیر ممتنع ہوگئی تو گویا وہ اسم ایسا ہوگیا کہ دوبارہ جمع بنایا گیا ہے۔ یعنی اس جمع میں تکرار ہوتا ہے کبھی تو حقیقتاً جیسے اکالب کہ اکلب کی جمع ہے اور وہ کلب کی جمع ہے ایسے ہی آساء کہ اسور کی جمع ہے اور وہ سوار کی جمع ہے اور کبھی حکماً جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جمع کی صورت میں اس جمع کے لئے جس میں حقیقتاً تکرار پایا جاتا ہے جیسے مساجد بروزن کالب نحشری کے نزدیک جمع دو سبب کے قائم مقام اس وجہ سے ہے کہ جب اسکی نظیر مفردات میں نہ رہی تو اس میں ایک ایسی قوت حاصل ہوگئی جس کی وجہ سے یہ جمع ثانی کے بمنزلہ بن گئی۔ بعض اور وجوہ بھی بیان کرتے ہیں واللہ اعلم (حاشیہ صفحہ) **قولہ التّرکیب** ۔ لغت میں بمعنی جوڑنا ایک شئے کو دوسری شئے سے ملانا اور اصطلاح میں ترکیب دو یا دو سے زیادہ کلموں کا بدون کسی حرف کے جزء ہوتے ایک ہونا ہے پس جب ترکیب کی تعریف میں یہ قید لگادی گئی کہ کوئی حرف اسکا جزء نہ ہو تو اب الجم اور بعلبری سے احتراز ہو گیا کیونکہ ان دونوں جگہ میں حرف جزء ہے اول میں لام اور ثانی میں یا ہے پس اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دونوں علمیت اور ترکیب کی وجہ سے غیر منصرف ہونے چاہئیں ان کو منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے چاہیے کہ اس تعریف کا مصداق چھ نوع میں بنتی ہیں ایک مرکب اسنادی جیسے زید قائم و ضرب زید۔ دوسری مرکب اضافی جیسے غلام زید تیسری مرکب توصیفی جیسے رجل فاضل۔ چوتھی مرکب صوتی جیسے سیبویہ و لفظویہ پانچویں مرکب تعدادی جیسے خمسۃ عشر چھٹی مرکب امتزاجی جیسے بعلبک **قولہ فشرطہٗ الخ** یعنی ترکیب کے منع صرف ہونے میں شرط یہ ہے کہ وہ کسیکا علم ہو کیونکہ ترکیب اسوقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اجزاء ترکیب میں سے ایک دوسرے کیساتھ ارتباط و احتیاج ہو اور اصل ہر چیز میں یہ ہے کہ مستقلاً بدون ارتباط اور احتیاج کے پایا جائے اس لیے کہ واضع نے ہر لفظ کو علاً لافراد وضع کیا ہے پس اصل ہر جزء میں یہ ہے کہ مستقلاً بدون احتیاج کے پایا جاوے تو اجزاء کا باہمی ارتباط و احتیاج یقیناً کسی عارض کی وجہ سے ہوگا اور ترکیب عارضی ہوگی اور چونکہ ہر شئے عارضی زوال پذیر ہوتی ہے اس لیے متحمل ہے۔ بعد زوال عارض کے ترکیب زائل ہو جائے۔ لہٰذا علمیت کو شرط کیا بلکہ ترکیب احتمال زوال سے محفوظ ہو کر منع صرف میں مؤثر ہو **قولہ بلا اضافۃ ولا اسناد** یعنی ترکیب کے منع صرف میں مؤثر ہونیکے لیے دوسری شرط جو ہے یہ ہے کہ نہ تو ترکیب اضافی ہو اور نہ اسنادی ترکیب اضافی اسلئے مؤثر ہونی چاہیے کہ اضافت مضاف کو معرفت یا حکم میں معرفت کر دیتی ہے اور ترکیب اسنادی اسلئے نہ ہونی چاہیے کہ ترکیب اسنادی جب کسی کا علم ہوگا تو وہ مبنی ہوگا اور اس کا مقصود قصہ طرفہ ہوگا اور جب مبنی ہوا تو منصرف کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ غیر منصرف احکام معرب سے ہے اس مقام پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح اضافت اور اسناد غیر منصرف کا سبب نہیں اسیطرح ترکیب وصفی اور تعدادی اور صوتی بھی غیر منصرف کا سبب نہیں ہے۔ اسوجہ سے جسطرح مرکب اضافی اور اسنادی کے اخراج کے واسطے مصنف نے شرط لگائی ہے اسیطرح ان کو بھی ایک شرط لگا کر خارج کرنا چاہیے۔ جواب چونکہ وصفی مرکب اضافی میں داخل ہے اسوجہ سے اسکے نکالنے کیلئے شرط کی ضرورت نہیں مرکب وصفی مرکب اضافی میں اس وجہ سے داخل ہے کہ مرکب اضافی میں مضاف الیہ مضاف کی قید ہوتا ہے ایسے ہی مرکب توصیفی میں صفت موصوف کی قید ہوتی ہے یعنی دونوں مرکب میں ایک کے اخراج سے دوسرا بھی خارج ہو گیا ایسے ہی مرکب صوتی اور تعدادی مرکب اسنادی میں داخل ہیں کیونکہ ترکیب اسنادی کے بنار کا سبب فقط علمیت و صفیہ ہے۔ اور یہ دونوں وصف علمیت سے پہلے ہی بنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا منع صرف کے سبب نہیں ہو سکتے لہٰذا ثانیاً ان کے نکالنے کی کچھ ضرورت نہیں نیز باب مبنیات میں جو ان کے متعلق مذکور ہے اس پر اکتفار کی وجہ سے یہاں ان کے اخراج پر تصریح نہیں کی بخلاف ان اعلام کے جن میں اسناد ہو چونکہ ان کی بنار کو بالکل باب مبنیات میں بیان نہیں کیا۔ اس وجہ سے ان کے اخراج کیلئے یہاں شرط لگانے کی ضرورت واقع ہوئی ہے **قولہ کبعلبک** یہ ترکیب کی مثال ہے اسمیں دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں نہ اس میں حرف جزء ہے اور یہ اضافت اور اسناد کے ساتھ بھی نہیں یہ شام کے شہر کا نام ہے اس میں بعل ایک بت کا اور بک اس کے بانی کا نام ہے پس ان دونوں کلموں کو ایک کرکے شہر کا نام رکھ دیا گیا لہٰذا یہ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ **قولہ فعبد اللّٰہ** فاء تفریع کے لیے ہے شرط ثانی کی قسم اول پر تفریع کی جا رہی ہے یعنی عبد اللہ منصرف ہے۔ اگرچہ علم ہے کیونکہ اس کی ترکیب اضافت کے ساتھ ہے **قولہ معدیکرب** یعنی معدی کرب غیر منصرف ہے چونکہ اس میں ترکیب بلا اضافت و اسناد مع العلمیۃ ہے یہ ایک مرد کا نام ہے معدی اور کرب دو اسموں کو ایک کیا ہے اس میں تین لغت ہیں فتح بار غیر منصرف رفع بار غیر ممنون کسرہ بار منصرف منون **قولہ شاب قرناہا** ۔ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہو گئے تھے شاب بمعنی سفید ہونا اور قرناہا تثنیہ قرن بمعنی گیسو شاب قرناہا مبنی ہے کیونکہ یہ مرکب اسنادی ہے اور اس میں جمہور نحاۃ کا مذہب یہی ہے۔ بحث مرکبات میں رضی کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مرکب اسنادی نہ معرب ہے اور نہ مبنی ؛

اما الالف والنون الزائدتان ان کانتا فی اسم فشرطہ ان یکون علما کعمران و عثمان فسعدان اسم نبت منصرف لعدم العلمیۃ وان کانتا فی صفۃ فشرطہ ان لا یکون مؤنثہ علی فعلانۃ کسکران فندمان منصرف لوجود ندمانۃ

قولہ اما الالف والنون الزائدتان ۔ جاننا چاہیئے کہ نحاۃ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا الف نون زائد منع صرف میں بالذات بلا امر آخر کی مشابہت کے اثر کرتے ہیں یا الف تانیث کی مشابہت کو بنا پر اثر کرتے ہیں۔ بصری کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اثر منع صرف میں الف تانیث کی مشابہت کی بنا پر ہے مشابہت اسوجہ سے ہے کہ جسطرح تانیث کے الف زائد آتے ہیں۔ اسیطرح یہ دونوں زائد ہوتے ہیں پس جسطرح الف سے تانیث حروف اصلیہ کے استیفاء کے بعد آتے ہیں اسیطرح یہ اور جسطرح تاء کا دخول الف سے تانیث کے بعد درست نہیں ہے اسی طرح ان کے بعد اس مشابہت کی وجہ سے ان کا نام الف نون مضارعین بھی رکھا گیا ہے اور زائدتان اس وجہ سے رکھا ہے کہ یہ دونوں حروف زائد ہوتے ہیں اس وجہ سے رکھا ہے کہ دونوں کلمہ کے آخر میں آئے ہیں اگلی نہیں کوفی کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اثر منع صرف میں بالذات ہے یعنی اسوجہ سے نہیں ہے کہ یہ الف تانیث کے مشابہ ہیں بلکہ چونکہ مزید مزید علیہ کی فرع ہوتی ہے اسوجہ سے وہ اسم جس میں یہ زائد ہوں اسکی فرع ہونگے جس پر انکو زائد کیا ہے جو الف تانیث کی مشابہت کی بنا پر انکو موثر قرار دیتے ہیں ان میں پھر اختلاف ہوا کہ آیا الف و نون زائدتان دو سبب کے قائم مقام ہوتے ہیں یا نہیں جسطرح تانیث کے الف میں سے ہر ایک دو سبب کے قائم مقام ہوئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ **قولہ ان کانتا فی اسم** جاننا چاہیئے کہ اسم کا اطلاق نحاۃ کی اصطلاح میں کئی طرح پر ہوتا ہے کبھی اسکا اطلاق فعل و حرف کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی لقب اور کنیت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی مہمل کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی صفت کے مقابلہ میں یہاں پر صفت کے مقابلہ میں ہے حاصل یہ کہ الف و نون زائدتان دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں اسم میں ہونگے یا صفت میں اگر اسم میں ہوں تو الف و نون کے منع صرف میں تاثیر کرنیکی شرط یہ ہے کہ علمیت ہو اسلئے کہ الف و نون مزیدتان آخر کلمہ میں زائد ہوتے ہیں اور تغیر کا محل ہے پس علمیت کو شرط کیا تاکہ حتی الامکان کلمہ تغیر سے محفوظ ہو جائے اور الف تانیث سے انکو مشابہت بھی ہو جاوے کیونکہ جب یہ علم بن جاویگا تو تاء تانیث کا دخول ان پر ممتنع ہو جاویگا جسطرح کہ الف تانیث پر دخول ممتنع ہے۔ **قولہ فشرطہ الخ** ضمیر یا تو اسم کی طرف لوٹتی ہے یعنی شرط والاسم الذی فیہ الالف والنون یا الف و نون کی طرف لوٹتی ہے یعنی شرط الالف والنون فی منع الصرف نیز ایک مضاف مقدر ہے اے شرط تاثیر الالف والنون اسم یعنی الف و نون کی منع صرف میں تاثیر کی شرط یہ ہے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ الالف و نون دو چیزیں ہیں اسکی طرف ضمیر واحد کی کیسے راجع ہو سکتی ہے جواب چونکہ دونوں مل کر ایک سبب ہیں اسوجہ سے ضمیر واحد کی انکے ایک سبب ہونیکی وجہ سے لائے ہیں حاصل یہ ہے کہ مفرد ضمیر کا دو چیزوں یا بہت سی چیزوں کیطرف لوٹنا جائز ہوتا ہے۔ جبکہ وہ چیزیں کسی امر میں متحد ہوں چونکہ یہ دونوں بھی سببیت میں متحد ہیں۔ اس وجہ سے انکی طرف مفرد کی ضمیر کا لوٹنا درست ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے قول واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ میں ضمیر مفعول مفرد اللہ اور رسول کیطرف راجع ہے۔ کیونکہ رضا اللہ تعالیٰ کے تحقیق میں رضاء رسول ہے اسی طرح اس کا عکس **قولہ کعمران** یہ اس الف نون زائدتان کی مثال ہے جو اسم میں پائے جاتے ہیں اور دوسرا سبب ان کا علمیت ہے اور ایسے ہی عثمان مصنف دو مثالیں اس وجہ سے لایا ہے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ وہ اسم جس میں الف و نون زائد ہوتے ہیں مختلف وزنوں پر آتے ہیں عمران مکسور الفاء ہے اور عثمان مضموم الفاء مصنف کو ایک تیسرا مثال بھی بیان کرنی چاہیئے تھی جو مفتوح الفاء ہوتی جیسے سلمان ۔ **قولہ فسعدان الخ** اس میں فاء فصیحہ ہے اسکی شرط محذوف ہے یعنی جبکہ ایسے الف و نون کی شرط جو اسم میں زائد ہوتے ہیں یہ ہے کہ وہ علم ہو تو سعدان جو کہ گھاس کا اسم ہے علم نہ ہونیکی وجہ سے منصرف ہے چونکہ یہ اسم جنس ہے قول مصنف سعدان مبتدا ہے اور اسکا قول اسم نبت مبتدا سے بدل ہونیکی بنا پر مرفوع ہے۔ اور منصرف خبر ہے یا اسم نبت پہلی خبر ہے۔ اور منصرف دوسری خبر ہے۔ یا اسم نبت مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ معترضہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسم نبت مبتدا سے حال ہونیکی بنا پر منصوب ہو اور مبتدا کا حال ہونا ابن مالک کے نزدیک جائز ہے یا ضمیر منصرف سے حال ہے۔ لیکن کان کی خبر یا اعنی کی تقدیر کی وجہ سے منصوب کہنا درست نہیں ہے۔ کما لا یخفی۔ **قولہ فی صفۃ** یعنی الف و نون زائدتان اگر صفت میں ہوں تو ان کے منع صرف میں موثر ہونے کی شرط یہ ہے کہ مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے یعنی تاء تانیث کا دخول اسکی مؤنث پر ممتنع ہو۔ اس لیے کہ یہ دونوں آخر کلمہ میں لاحق ہوتے ہیں اور عدم دخول تاء تانیث میں ہر دو الف مقصورہ و ممدودہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ پس اگر تاء تانیث اس کے مونث میں آجائیگی تو اس کی مشابہت الف ممدودہ و الف مقصورہ کے ساتھ ضعیف ہو جاوے گی لہذا انتفاء فعلانۃ کو شرط کیا تاکہ مشابہت ضعیف نہ ہو۔ **قولہ کسکران الخ** یعنی کسکران غیر منصرف ہے اسلئے کہ اسکا مؤنث سکرانۃ نہیں آتا بلکہ سکری آتا ہے سکران بفتح الفاء ہے مصنف صفت میں ایک مثال لایا جسکا فاء کلمہ مفتوح ہے کیونکہ وہ اسم صفت ہے میں الف و نون زائدہ ہوں اور اسکے فاء کلمہ کو ضمہ ہو تو اسکی مؤنث تاء کیساتھ آتی ہے جیسے عریان کہ اسکی مؤنث عریانۃ آتی ہے اور کسرہ فاء کلمہ ایسے اسم صفت کے اندر نہیں پایا جاتا ہے **قولہ فندمان** یعنی فندمان منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث تاء کے ساتھ آتی ہے اور یہ اس وقت جب کہ اس کے معنی شراب کے ہم نشین ہو۔ اور جبکہ اس کے معنی نادم و شرمندہ کے ہوتے ہیں تو چونکہ اس کی مؤنث تاء کے ساتھ نہیں آتی ہے اس وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ ۱۲۔

اما وزن الفعل فشرطه ان يختص بالفعل ولا يوجد في الاسم الا منقولا عن الفعل كشمّر و ضرب وان لم يختص به فيجب ان يكون في اوله احدى حروف المضارعة ولا يدخله الهاء كاحمد ويشكر وتغلب ونرجس فيعمل منصرف لقبولها الهاء كقولهم ناقة يعملة۔

قولہ اما وزن الفعل یعنی اسم کا ایسے وزن پر ہونا کس کو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے جانا چاہیے۔ کہ اوزان تین قسم پر ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اسم کیساتھ مخصوص ہیں اور بعض ایسے ہیں جو فعل کیساتھ مخصوص ہیں۔ رہا یہ امر کہ ان اوزان کا کیوں اعتبار ہوا اور اوزان اسم کا اسباب غیر منصرف میں کیوں اعتبار نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ یہ سبب بھی جیسے دوسرے نو ہیں کسی اصل کی فرع ہو جاوے لہذا اگر وزن اسم کو سبب غیر منصرف قرار دیا جاتا تھے اور اسباب سے اسکی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ اسم فعل کے اعتبار سے اصل ہے پس ایسے ہی اسکا وزن بھی فعل کے وزن کے اعتبار سے اصل ہے **قولہ فشرطہ** یعنی وزن فعل کے سبب منع صرف بننے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کیساتھ مختص ہو۔ یعنی اسم ایسے وزن پر پایا جاوے کہ جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے اور فعل کیساتھ مختص ہے اور وجہ شرط لگانے کی یہ ہے کہ اسوقت یہ وزن اسم میں خلاف عادت پائے جانے کے سبب ثقیل ہو گا۔ پس فعل کیساتھ مختص ہونا چاہیے تاکہ اسکی ثقالت مختص بفعل ہونیکی وجہ سے اس درجہ میں پہنچ جائے۔ کہ منع صرف میں موثر ہو سکے **قولہ ولا یوجد الخ** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ اختصاص کے تو یہ معنی ہیں کہ سوائے مختص بہ کے کسی اور میں نہ پایا جائے پس جب وہ وزن فعل کیساتھ مختص ہے تو اسم میں نہ پایا جانا چاہیے۔ پھر یہ شرط کہ اسم میں پایا جائے اور فعل کیساتھ مختص ہو کر کیونکر درست ہو گی۔ جواب یہ ہے کہ اختصاص سے مراد اختصاص بحسب اصل الوضع ہے یعنی از روئے وضع کے فعل کیساتھ مختص ہو اور اسم میں فعل سے منقول ہو کر پایا جائے اعتراض تم پر شمل ان میں ہر ایک وزن فعل پر ہے۔ اور اسم میں بالنقل کے پائے جاتے ہیں۔ جواب اسم سے مراد اسم عربی ہیں اور یہ عربی نہیں ہے بلکہ عجمی ہے۔ اسوجہ سے اعتراض نہیں پڑتا ہے **قولہ کشمر و ضرب** شمر ماضی کا صیغہ ہے۔ فعل کے وزن کے ساتھ مختص اور اسکا مصدر تشمیر ہے (دامن سمیٹنا) یہ فعل ہے اس کو اسم کیطرف نقل کیا گیا ہے۔ اور اب اس کے معنی تیز رفتار گھوڑے کے ہو گئے ہیں اور وہ وزن فعل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہے۔ ضرب ماضی مجہول کا صیغہ ہے جس وقت اس سے کسی کا نام رکھیں گے تو وزن فعل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہو گا اب اگر کوئی کہے کہ مثال دیتے وقت مصنف نے ماضی مجہول کے صیغہ کو کیوں اختیار کیا ماضی معروف سے کیوں مثال نہیں دی۔ جواب یہ ہے کہ ماضی مجہول کی مثال اسلئے لائے ہیں کہ ضرب ماضی معروف کا وزن فعل کیساتھ مختص نہیں اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے جُعْر کیونکہ حرکت آخر کا کوئی اعتبار نہیں **قولہ وان لم یختص بہ** یعنی وزن فعل اگر فعل کیساتھ مختص نہ ہو۔ تو اسوقت اسکے اثر کیواسطے یہ شرط ہے کہ اسکے اول میں مثل اس زیادتی کے جو فعل کے اول میں ہوتی ہے۔ یعنی مضارع کے حروف میں سے کوئی حرف اس کے اول میں ہو۔ وہ حروف اتین ہیں۔ عدم اختصاص کی صورت میں یہ شرط اس وجہ سے لگائی ہے کہ اس شرط کی بنا پر اس وزن کی فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائیگی اور یہ وزن بھی فعل کیساتھ مختص ہو جاویگا کیونکہ حروف مضارع فعل کے خواص میں سے ہیں لہذا حروف مضارع پائے جانیکے سبب سے وہ وزن حال اشتراک سے حال اختصاص کیطرف پلٹ جائیگا تو گویا یہ وزن بھی ایسا ہو جاویگا جو فعل کے ساتھ مختص ہے۔ **قولہ فی اولہ** غیر مضاف الیہ اور وزن الفعل کی طرف لوٹتی ہے یا موزن کیطرف اور جبکہ اولہ کی ضمیر وزن الفعل کیطرف لوٹے تو بظاہر تمادظرف مظروف لازم آتا ہے کیونکہ اول احد مثلاً بعینہ حرف مضارع ہے لیکن حقیقت میں اتحاد ظرف مظروف نہیں ہے۔ کیونکہ اول اور احد کی حروف المضارعۃ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ احد حروف المضارعۃ کبھی اول میں ہوتا ہے اور کبھی اول میں نہیں ہوتا ہے اور ایسے ہی کبھی حرف ہوتا ہے اور کبھی حرف نہیں ہوتا ہے اور اسم کا اخص کیلئے ظرف ہونا درست ہے **قولہ لا یدخلہ غیر مفعول** وزن الفعل یا موزون کیطرف راجع ہے۔ یعنی اس موزون پر تانیث کی تار جو حالت وقف میں ہا ہو جاتی ہے۔ باعتبار وضع کے داخل نہ ہو۔ کیونکہ اگر تا اس میں داخل ہو تو وہ اسم فعل کے وزن سے خارج ہو جاویگا کیونکہ تا اسم کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا اسکو فعل کیساتھ مشابہت حاصل ہو گی وضع کی قید لگانے سے نحو اسود سے اعتراض نہ ہو گا۔ کہ یہ اسم ہے جسکے اول میں حروف اتین سے ایک حرف ہے۔ اور اس میں تار تانیث داخل ہوتی ہے چنانچہ بولتے ہیں اسود لہذا یہ غیر منصرف نہ ہو کیونکہ وزن فعل کے اثر کی جو شرط ہے وہ یہاں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں تار کا دخول وضع کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ وضع کے اعتبار سے اسکے مونث ہونے کی آتا ہے بلکہ اس میں تار کا دخول غلبہ اسمیہ کی وجہ سے ہے لہذا اعتراض نہ پڑیگا **قولہ کاحمد الخ** اور یشکر اور تغلب تینوں تین مزوں کے علم ہیں اور نرجس یہ بھی ایک شخص کا علم ہے مصنف چار مثالیں اسوجہ سے لایا ہے کہ حرف مضارع چار ہیں نرجس پر اعتراض کیا ہے کہ عرب اسکے آخر میں تار زیادہ کر کے نرجسۃ بولتے ہیں لہذا اس نے تار کو قبول کیا اس وجہ سے یہ منصرف ہوا۔ جواب جس وقت اس پر تار داخل ہوتی ہے اسوقت یہ علم نہیں ہوتا بلکہ اسم جنس ہوتا ہے لہذا اس میں سے کچھ اشکال نہ ہو گا۔ سوال لفظ نرجس عجمی لفظ ہے اس میں نون کی زیادتی کس چیز سے معلوم ہوتی ہے جواب نحاۃ اس لفظ کو جو عجم سے نقل کیا ہو اور اسکے اول میں کوئی حرف حروف اتین سے ہو تو اس کو عربی لفظ کے مرتبہ میں رکھتے ہیں اسلیوجہ سے نحاۃ نے کہا ہے کہ نرجس میں نون زائدہ ہے **قولہ فیعمل الخ** یہ اضافہ شرح پر متفرع ہے اور اور مطلب یہ ہے کہ یعمل چونکہ تار تانیث کو قبول کرتا ہے پس چونکہ عرب قوی اونٹنی کو ناقۃ یعملۃ بولتے ہیں لہذا یہ منصرف ہے اگرچہ اسمیں وزن فعل اور وصف اصلی پایا جاتا ہے مگر جبکہ یعمل کے ساتھ کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غیر منصرف ہو گا۔ کیونکہ اسوقت یہ غیر قابل تاء ہو گا اسوقت وزن فعل مع شرط تاثیر اور علمیت پائی جائے گی (باقی بر صفحہ ۵۶ پر)

واعلم اَنَّ کُلَّ ما شرط فیہِ العلمیّۃ وھو المؤنّث بالتاء والمعنویّ والعجمۃ والترکیب و الاسم الذی فیہ الالفُ والنونُ الزائدتانِ اولم یُشترط فیہ ذٰلک واجتمع مع سببٍ واحدٍ فقط وھو العلمُ المعدولُ ووزنُ الفعل اذا نُکّر صرف امّا فی القسم الاول فلبقاءِ الاسم بلا سببٍ وامّا فی الثانی فلبقائہ علی سببٍ واحدٍ تقول جاءنی طلحۃُ وطلحۃٌ اٰخر وقام عُمرُ وعمرٌ اٰخر وضربتُ احمدَ واحمدًا اٰخر وکلُّ ما لا ینصرف اذا اُضیف او دخلہ اللام فدخلہ الکسرۃ نحو مررتُ باحمدکم وبالاحمدِ

(متعلقہ حاشیہ ص۵۵) حاصل بحث یہ کہ اوزان چار قسم پر ہیں ایک مختص باسم جیسے فلس اور قفل دوم دو وغیرہ اور اوزان رباعی ماعدا فعلل اور سبب خاص ان کے ساتھ نام رکھنا موثر نہ ہوگا ثانی قسم وہ اوزان جو اسم اور فعل میں مشترک ہیں بلا اس کے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جیسے ضرب وعلم وغیرہ تیسری قسم میں بھی تسمیہ موثر نہیں البتہ یعلے بن عمرو الثقفی کے نزدیک تیسرے وہ اوزان جو فعل کے ساتھ مختص ہیں جیسے شمر وضرب وغیرہ چوتھے وہ اوزان جن کے اول میں زوائد اربع میں سے کوئی حرف زائد ہے جیسے احمد وغیرہ ان دونوں قسم کا حکم غیر منصرف ہوتا ہے (حاشیہ صفحہ ھذا) **قولہ اعلم** - جاننا چاہیے کہ غیر منصرف کے اسباب دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ علمیت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں یا نہیں ایسا سبب جو علمیت کیساتھ جمع نہیں ہوتا وہ فقط وصف ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا ہے۔ اول قسم بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو جن کیساتھ علمیت جمع ہوتی ہے تو ان کے ساتھ مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے یا نہیں ایسے اسباب جن کے ساتھ علمیت بلا تاثیر کے جمع ہوتی ہے الف تانیث ممدودہ اور مقصورہ میں اور جمع منتہی الجموع میں کہ انکے ساتھ بلا اثر کے جمع ہوتی ہے رہے وہ اسباب جن کے ساتھ علمیت موثر ہو کر جمع ہوتی ہے پھر وہ دو قسم پر ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کے اثر کے واسطے علمیت شرط ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے اثر کیواسطے علمیت شرط نہیں وہ اسباب جنکے اثر کے واسطے علمیت شرط ہے۔ وہ کل چار ہیں ایک مؤنث خواہ تاء کے ساتھ ہو خواہ معنوی دوسرا عجمہ تیسرا ترکیب چوتھا وہ اسم جس میں الف ونون زائدتان ہوں اور جن کے اثر کیواسطے علمیت شرط نہیں ہے وہ کل دو ہیں ایک اسم معدول اور دوسرا وزن فعل کہ ان کیساتھ علمیت موثر ہو کر جمع ہوتی ہے لیکن انکے اثر کیواسطے شرط نہیں ہے چنانچہ عمر عدل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہے ایسے ہی احمد وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے اگر علمیت انکے اثر کے واسطے شرط ہوتی تو ثلث اور اخر کا بغیر علمیت کے غیر منصرف ہونا ممتنع ہوتا باوجودیکہ یہ غیر منصرف ہیں اور علمیت ان میں نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ علمیت عدل اور وزن کے فعل کے ساتھ موثر ہو کر جمع ہوتی ہے۔ لیکن انکے اثر کے واسطے شرط نہیں **قولہ فقط** اس میں فار یا تو تزیین کیلئے ہے یا فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کی جزا پر داخل ہوتی ہے اور فقط اسم فعل ہے بمعنی اکتفہ ہے بعض اسکو حسبک کے معنے میں بتاتے ہیں اور بعض یکفیک کے معنے میں اول پر تقدیر عبارت ہے اذا لم یشترط العلمیۃ فی الاسم الغیر الذی سبب آخر فیہا لسببیۃ فقط ای اکتفہ من ان تشترط علمیتہ یعنی جبکہ علمیت اسم غیر منصرف میں شرط نہ ہو اور وہ علمیت دوسرے ایک سبب کے ساتھ اس غیر منصرف میں جمع ہو جاوے سبب پر تو اس کو سبب آخر قرار دیکر شرط مانے سے اور اگر **قولہ اذا نکر الخ** کسی علم کو نکرہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علم شے مراد وصف مشتہر لے لیں جیسا کہ کل فرعون موسیٰ کہتے ہیں اور مراد کل مبطل تحتی لیتے ہیں دوسرے اس نام کی جماعت میں کا ایک فرد مراد لیں مثلاً کہیں ہذا زید ورایت زیدا آخر پس یہاں اس نام کے بہت سے آدمیوں میں سے لا علی التعیین ایک فرد مراد ہے مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت موثر ہے جب اسکو نکرہ کیا جاوے تو وہ منصرف ہو جاویگا۔ کیونکہ علمیت کے منع صرف میں موثر ہونیکی دو صورتیں ہیں کبھی تو وہ سبب اور شرط بن کر موثر ہوتی ہے اور کبھی سبب محض بنکر پس جس جگہ سبب اور موثر شرط ہو کر موثر ہوتی ہے جیسا کہ ترکیب اور تانیث بالتاء اور تانیث معنوی اور عجمہ میں اگر وہاں علمیت کو زائل کر دیا جاوے تو اسم بلا سبب کے باقی رہ جائے گا کیونکہ اس میں ایک سبب تو علم تھا وہ جاتا رہا اور دوسرا سبب وہ تھا کہ جس میں علمیت شرط تھی پس جب شرط گئی تو مشروط بھی جاتا رہا اور جس جگہ علمیت سبب محض بن کر موثر ہوتی ہے۔ جیسا کہ عدل ووزن فعل میں کہ ان میں سے کسی ایک کیساتھ سبب ہو کر موثر ہوتی ہے شرط ہو کر موثر نہیں ہوتی۔ اور نہ عدل اور وزن فعل علمیت کیساتھ ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اسلئے کہ عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے۔ دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا پس جب اس صورت میں اسم غیر منصرف سے علمیت کو زائل کیا جائیگا تو صرف ایک سبب باقی رہیگا عدل یا وزن فعل اور چونکہ ایک سبب سے اسم غیر منصرف نہیں ہوتا لہذا منصرف ہو جائیگا **قولہ کل ما لا ینصرف الخ** یا تو یہ منصوب ہے پہلے کل پر اسکا عطف مجرور ہا ہے اور وہ اسم ان ہونیکی بنا پر منصوب ہے لہذا یہ معطوف بھی اسکا اسم ہونیکی بنا پر منصوب ہے یا یہ ابتدا کی بنا پر مرفوع ہے۔ یعنی جس اسم غیر منصرف کی اضافت دوسرے اسم کیطرف کر دی جائے یا اس پر لام داخل ہو جائے تو اس پر کسرہ داخل ہوگا بعض کے نزدیک تنوین بھی داخل ہوگی مگر تنوین لفظوں میں ظاہر نہ ہوگی کیونکہ لام اور اضافت مانع تنوین ہے باقی رہا یہ امر کہ غیر منصرف پر بعد داخل ہونے لام اور اضافت کے ساتھ متلبس ہونیکے کسرہ اور تنوین کیوں آتا ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ غیر منصرف پر فعل کے مشابہ ہونیکی وجہ سے کسرہ اور تنوین کا آنا ممنوع ہے پس جب اس پر لام داخل ہوگا یا اس کی اضافت ہو گئی۔ تو چونکہ یہ دونوں خواص اسم سے ہیں۔ لہذا اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو جائیگی اور جانب اسمیت غالب ہو کر اس پر (باقی بر صفحہ ۵۷ پر)

المقصدُ الاولُ فی المرفوعاتِ

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۶) کسرہ اور تنوین جو کہ احکام اسم سے ہیں۔ داخل ہو جائیں گے۔ اگر کوئی کہے کہ اسناد اور دخول جار بھی خواص اسم سے ہیں تو اسکی کیا وجہ ہے لام اور اضافت کے سبب سے تو کسرہ داخل ہو جاتا ہے اور جار و اسناد کے سبب سے کسرہ داخل نہیں ہوتا جواب چونکہ لام اضافت میں تاثیر لفظی اور معنوی دونوں ہیں اس وجہ سے یہ اقوی خواص اسم میں سے ہیں تاثیر لفظی تو یہ ہے کہ مدخول لام پر تنوین نہیں آتی ہے۔ ایسے مضاف پر اضافت کی بنا پر اور تاثیر معنوی یہ ہے کہ مدخول لام اور مضاف معرفہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری علامتیں اس درجہ پر نہیں ہیں۔ اسوجہ سے ان کے دخول سے کسرہ داخل نہیں ہوتا ہے پھر اگر کوئی یہ کہے کہ عبارت فقط طریق استعمال کو بیان کرتی ہے اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غیر منصرف بعد تلبس ہونے لام اور اضافت کے غیر منصرف ہی رہتا ہے یا غیر منصرف ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ چونکہ بعد اضافت اور دخول لام غیر منصرف کے منصرف ہونے میں اختلاف تھا۔ لہذا مصنفؒ نے طریق استعمال کے بیان پر اکتفار کیا پھر اگر غور کیا جاوے تو یہ اختلاف درحقیقت اس پر مبنی ہے۔ کہ غیر منصرف کس کو کہتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو سبب اسباب تسعہ میں سے یا ایک قائم مقام دو سبب کے پایا جائے انکے نزدیک دخول کسرہ اور تنوین کے بعد اسم غیر منصرف رہے گا۔ جبکہ اس میں دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پائے جائیں چونکہ اس وقت بھی بدستور دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جاتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ اور تنوین داخل نہ ہو۔ ان میں سے ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ وہ بعد دخول کسرہ کے منصرف ہو جائیگا اس لیے کہ کسرہ حرکت اعرابیہ ہے اور اکثر جگہ بدوں تنوین کے نہیں پایا جاتا ہے پس یہاں جب کسرہ داخل ہو گیا گویا کہ تنوین بھی داخل ہو گئی مگر چونکہ لام و اضافت مانع ہیں لہذا تنوین لفظوں میں ظاہر نہ ہوگی اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ کسرہ داخل ہونیکے بعد اسم اب بھی غیر منصرف رہے گا اسلئے کہ منع صرف میں بالذات تنوین کا داخل ہونا ممتنع ہے کیونکہ وہ اسم کی پر دلالت کرتی ہے۔ باقی کسرہ سو وہ ممنوع بالتبع ہے کیونکہ اکثر جگہ کسرہ بدوں تنوین کے نہیں پایا جاتا ہے پس جب کسی جگہ اسم غیر منصرف پر کسرہ ہو اور تنوین نہ ہو تو یہ وہم ضرور ہوگا کہ اس پر تنوین ہے۔ مگر جب اضافت ہوگی اور لام داخل ہوگا تو یہ وہم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ دونوں مانع تنوین ہیں لہذا اس صورت میں بیکہ غیر منصرف پر ممنوع بالذات داخل نہیں ہوا تو کلمہ غیر منصرف ہی رہیگا۔ اور محض کسرہ کے داخل ہونے کے بعد وہ منصرف نہ ہوگا (حاشیہ صفحہ ھذا) **قولہ المقصد الاول**۔ یعنی پہلا مقصد اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ مقصد دو حال سے خالی نہیں یا تو ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میمی کا صیغہ اور یہاں پر ان دونوں میں سے کوئی سابقہ درست نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ معنے درست نہیں رہتے ہیں اس لئے کہ اگر اسم ظرف قرار دیا جائے تو معنی ہونگے اول مقصد کی جگہ اور ثانی پر ترجمہ ہوگا اول قصد کرنا۔ جواب ظرف اور مصدر کو جبکہ ان کے حقیقی معنے میں لینا مشکل ہو جاوے تو اسوقت ان کو مفعول کے معنے میں لیا کرتے ہیں جیسے مشرب عذب اور مرکب قارۃ میں مشرب اور مرکب اسم ظرف بمعنے مشروب اور مرکوب ہیں اور مزب الامیر بمعنے مضروب الامیر آتا ہے۔ ایسے ہی یہاں پر مقصد بمعنے مقصود ہے۔ ترجمہ ہوا پہلا مقصود یہاں پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ المقصد الاول الخ یہ اس اجمال کی تفصیل سے جو پہلے بیان ہوا تھا۔ لہذا مصنفؒ کو چاہیے تھا اما تفصیلیہ یہاں پر لاکر یوں کہتا اما المقصد الاول فی المرفوعات الخ مصنف نے اما تفصیل کو اس مقام پر کیوں ترک کر دیا جواب ماسبق قول اما المقدمۃ فی المبادی پر اکتفار کر لیا جیسا کہ کلام اللہ میں ہے واما الذین فی قلوبہم زیغ الخ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ تقدیر ہے اما الراسخون الایۃ اس میں ماسبق پر اکتفار کیوجہ سے اما کو چھوڑ دیا ہے۔ **قولہ فی المرفوعات**۔ یعنی مرفوعات کے بیان میں سوال بحث مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر کیوں مقدم کیا جواب اس وجہ سے کہ وہ غالباً مسند الیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور مسند الیہ کلام میں عمدہ ہے پس عمدہ کی رعایت سے مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر مقدم کیا۔ مصنفؒ نے جمع کا صیغہ مفرد کے صیغہ پر اس وجہ سے پسند کیا ہے کہ تعریف مرفوع جو مشہور ہے کہ مرفوع وہ اسم ہے جو علامت فاعلیہ پر شامل ہو اور تعریف رفع (سو علم الفاعلیۃ) سے وہم ہوتا ہے کہ مرفوع فقط ایک ہوگا۔ یعنی فاعل اور اس کے علاوہ کوئی اور مرفوع نہ ہوگا حالانکہ مرفوع آٹھ ہیں۔ جیسا کہ آئندہ مصنفؒ کے قول میں آتا ہے تو مصنفؒ نے جمع کا صیغہ اختیار کر کے اس وہم کو دور کر دیا۔ کیونکہ جمع تعدد پر دلالت کرتی ہے بخلاف مفرد کے کہ وہ وحدۃ پر دال ہوتا ہے۔ پھر جاننا چاہیے کہ مرفوعات مرفوع کی جمع ہے نہ کہ مرفوعۃ کی۔ اس لیے کہ مرفوع اسم کی صفت ہے اور قاعدہ ہے کہ صفت اور موصوف کے مابین تذکیر اور تانیث میں مطابقت ہونی چاہیئے پس اگر مرفوعات کو مرفوعۃ کی جمع کہیں تو درمیان موصوف و صفت کے مطابقت ..... نہ ہوگی کیونکہ اسم مذکر ہے اور مرفوعۃ مونث ہے پس لامحالہ مرفوعات کو مرفوع کی جمع کہیں گے نہ کہ مرفوعۃ کی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مرفوع مذکر ہے اور مذکر کی جمع واو نون یا نون کے ساتھ ہوتی ہے لہذا اس کی جمع مخالف الف تاء کے ساتھ کیونکر صحیح ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں نحویوں کا ایک قاعدہ ہے۔ وہ یہ کہ مذکر لایعقل کی صفت کی جمع کو ہمیشہ الف اور تا کے ساتھ لاتے ہیں۔ جیسے کہ مثلاً خالی کی جمع جو کہ یوم مذکر لایعقل کی صفت ہے خالیات الف تاء کے ساتھ لاتے ہیں اور ایام الخالیات کہتے ہیں۔

اَلْاَسْمَاءُ الْمَرْفُوْعَاتُ ثَمَانِيَةُ اَقْسَامٍ الْفَاعِلُ وَمَفْعُوْلُ مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ وَالْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ وَخَبَرَانِّ وَ اَخَوَاتِهَا وَاِسْمُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا وَاسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ وَخَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ فَصْلُ الْفَاعِلُ كُلُّ اِسْمٍ قُبِلَهٗ فِعْلٌ اَوْ صِفَةٌ

قولہ الاسماء المرفوعۃ۔ یعنی مرفوع اسماء جاننا چاہیئے کہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شے کے افراد کا بیان اس شے کی معرفت کے بعد ہوتا ہے۔ چونکہ افراد کی معرفت شے کی معرفت پر موقوف ہے۔ لہذا اولاً مصنفؒ کو چاہیئے تھا کہ مرفوع کی تعریف کرتا اسکے بعد اسکے افراد کو بیان کرتا مصنفؒ نے تعریف کو کیوں ترک کر دیا۔ جواب چونکہ مبتدئین شے کے ذکر کے بعد جزئیات کے منتظر ہوتے ہیں اور کلیات کے منتظر نہیں ہوتے چونکہ کلیات کے فہم سے ان کی عقل قاصر ہوتی ہے۔ کیونکہ کل کے حصول سے جزئی کا ذہن میں حاصل ہونا آسان ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے مرفوع کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کے افراد کے بیان میں مشغول ہو گیا صاحب کافیہ نے اسم مرفوع کی تعریف ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ سے بیان کی ہے یعنی اسم مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر شامل ہو فاعل کی علامت ضمہ اور واؤ اور الف ہے جیسے جاءنی رجل واخوہ والرجلان مطلب یہ ہوا کہ اسم مذکورہ بالا علامتوں کے ساتھ موصوف ہو خواہ لفظاً خواہ تقدیراً یا محلاً یہ اسم مرفوع کی تعریف رفع محلی کو بھی شامل ہے۔ بعض جو کہتے ہیں کہ اعراب لفظی و تقدیری کو یہ تعریف شامل ہے اور اعراب محلی کو شامل نہیں یہ غلط ہے کیونکہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے کیونکہ رفع محلی کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اسم مبنی ایسے مقام میں ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو اس پر رفع لفظاً یا تقدیراً آجاتا۔ نیز دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ المرفوعۃ مفرد اسماء کی صفت ہے اور یہ جمع ہے حالانکہ موصوف اور صفت کے درمیان افراد و جمع میں مطابقت ضروری ہے لہذا المرفوعۃ کو جمع لانا ضروری تھا جواب المرفوعۃ ضمیر اسماء کی طرف مسند ہے اور صفت مشتقہ جب غیر جمع کیطرف مسند ہو تو اس کو واحد اور جمع لانا دونوں درست ہوتا ہے جیسے الایام الخالیات والخالیۃ اور اس صفت مشتقہ کا حکم افعال کی مثل ہو جاتا ہے۔ **قولہ ثمانیۃ اقسام الخ** جاننا چاہیئے کہ مرفوع کا ان آٹھ قسموں میں جو کہ کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ حصر ہے دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ مرفوع وہ ہے جو فاعلیۃ کی علامت پر شامل ہو۔ یعنی ایسی خصلت پر شامل ہو جو فاعل کیطرف منسوب ہے اور وہ خصلت جو فاعل کیطرف منسوب ہوتی ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک شی کا مسند الیہ ہونا اور دوسرے کسی شے کا جملہ کے اندر جزء ثانی ہونا مفعول مالم یسم فاعلہ اور مبتدا و ارکان کے اسم میں فاعل کی پہلی خصلت موجود ہے۔ یعنی مسند الیہ ہوتے ہیں ایسے ہی ما ولا کے اسم میں اور باقی مرفوعات میں فاعل کی دوسری خصلت پائی جاتی ہے اور ان کے علاوہ اور کسی میں فاعل کی دونوں خصلتوں میں سے کوئی خصلت نہیں پائی جاتی اس وجہ سے مرفوع ان آٹھ میں منحصر ہے **قولہ الفاعل**۔ اگر کوئی کہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ مصنفؒ نے فاعل کو تمام مرفوعات پر مقدم کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ فاعل جمہور کے نزدیک تمام مرفوعات کی اصل ہے۔ اسلئے کہ وہ جملہ فعلیہ کا جزء ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے چونکہ فرض جملہ سے مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہے اور وہ بہ نسبت جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ میں زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ جملہ فعلیہ چند زوائد مثلاً زمان وغیرہ پر دلالت کرتا ہے پس جب فاعل کا تمام مرفوعات میں اصل ہونا ثابت ہو گیا۔ تو اس کا تمام مرفوعات پر مقدم کرنا ہی مناسب تھا **قولہ کل اسم**۔ یعنی ہر اسم خواہ حقیقی ہو یا حکمی یہ اس وجہ سے تعمیم کی ہے تاکہ سرقی ان تقوم میں جو ان تقوم فاعل ہو رہا ہے اس پر فاعل کی تعریف صادق آجاوے کیونکہ یہ اسم حقیقی نہیں ہے بلکہ تاویلی ہے لفظ اسم بمنزلہ جنس ہے تمام اسماء کو شامل ہے **قولہ قبلہ فعل او صفۃ**۔ یعنی اس اسم سے پہلے فعل یا صفت ہو۔ مصنفؒ کا یہ قول بمنزلہ فصل ہے فاعل کیساتھ میں جو چیزیں اسم ہونے میں شریک ہیں ان سے احتراز ہو رہا ہے اس قید سے فاعل ہونے سے وہ اسماء نکل گئے جن سے پہلے فعل یا صفت نہ ہو بلکہ بعد میں ہو جیسے زید ضرب میں زید کہ زید ایک اسم ہے اس سے پہلے فعل یا صفت نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ہے اسوجہ سے زید فاعل نہ ہو گا حاصل یہ ہے کہ اس قید سے وہ مبتدا نکل گئے جس کی خبر ایسا فعل ہو کہ جس کی نسبت حقیقت میں جہۃ القیام اسی اسم کی طرف حقیقت میں ہو رہی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شراح نے اس پر اعتراض کیا ہے لیکن تقریر اعتراض سے قبل ایک مقدمہ کی تمہید ضروری ہے مقدمہ جس اسم کے بعد ایسا فعل ہو جسکا وجود یا عدم اسی اسم سے ہوا ہو جیسے مثلاً زید قام اس میں بصریوں اور کوفیوں کا اسمیں اختلاف ہے بصری کہتے ہیں ایسی صورت میں اسم مبتدا رہتا ہے اور فعل خبر اور اس کا فاعل ضمیر ہوتی ہے جو فعل میں مضمر ہوتی ہے تو ان کے نزدیک زید مبتدا رہے اور قام کا فاعل اس میں ضمیر ہے جو قام میں مضمر ہے اور جملہ خبر زید ہے اور کوفی کہتے ہیں کہ یہ اسم مقدم اس موخر فعل کا فاعل ہوتا ہے۔ جس طرح پر کہ فعل کو پہلے لانے اور اسم کو بعد میں لانے پر ہوتا ہے جیسے قام زید تو انکے نزدیک زید قام میں زید فاعل ہے اور قام فعل ہے حاصل یہ ہے کہ انکے نزدیک زید قام میں اور قام زید میں کچھ فرق نہیں ہے مصنف کے نزدیک بصریوں کا مذہب حق ہے اب اس تمہید مقدمہ کے بعد اعتراض کو سمجھنا چاہیئے۔ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ زید قام میں جو زید ہے اسکو فاعل کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے قبلہ فعل اور صفت کی قید لگانیکی ضرورت نہیں کیونکہ کوفیوں کے نزدیک یہ تو فاعل ہی ہے اگر ہم یہ قید لگادیں گے تو فاعل پر تعریف فاعل صادق نہ ہو گی جس سے لازم آئیگا کہ یہ تعریف جامع نہ رہے اور بصریوں کے مذہب پر اس قید کے لگانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ کسی اسم کا فاعل ہونا اسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ فعل اس اسم کی طرف منسوب اور مسند ہو یعنی قید اسناد سے یہ نکل جاتا ہے چونکہ صورت مذکورہ میں فعل کی نسبت اس اسم کیطرف نہیں ہوتی ہے بلکہ ضمیر اسم کی طرف نسبت ہوتی ہے لہذا مصنف کے کلام میں یہ قید زائد ہے۔ جو اس رسالہ کے مختصر کرنے کے خلاف ہے چونکہ اختصار چاہتا ہے کہ کلام میں قیدیں بیفائدہ نہ لگانی چاہئیں جواب کیونکہ مصنف بصریوں سے ہے اور ان کے مذہب پر بھی اس قید کے (باقی بر صفحہ ۵۹ پر)

اُسنِدَ اِلَیہِ علیٰ معنیٰ اَنَّہٗ قَامَ بِہٖ لَا وَقَعَ عَلَیہِ نحو قَامَ زَیدٌ وَزَیدٌ ضَارِبٌ اَبُوہُ عَمرًا وَمَاضَرَبَ زَیدٌ عَمرًا وَکُلُّ فِعلٍ لَابُدَّ لَہٗ مِن فَاعِلٍ مَرفُوعٍ مُظہَرٍ کَذَہَبَ زَیدٌ اَو مُضمَرٍ بَارِزٍ کَضَرَبتُ زَیدًا اَو مُستَتِرٍ کَزَیدٍ ذَہَبَ

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۸) اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ قید اسند سے یہ خارج ہو جاتا ہے اگر مصنف اس قید کو نہ لگاتا تو کوئی یہ وہم کر کے کہ کسی چیز کی ضمیر کیطرف اسناد کرنا گویا اس چیز کی طرف اسناد کرنا ہے اسلئے کہ مصداق ضمیر اور مرجع کا ایک ہوتا ہے تو اس اسم کو فاعل بنا لیتا۔ پس مصنف نے اس وہم کے ازالہ کیلئے قید فعل یا صفتہ کہا۔ پھر شراح اس کا ذکر کر رہے ہیں کہ فعل سے مراد یہاں پر کیا ہے آیا فعل اصطلاحی مراد ہے یا لغوی۔ بعض کہتے ہیں کہ فعل سے مراد لغوی غیر صفتہ ہے یعنی مصدر غیر صفت تاکہ مصدر کا فاعل بھی فاعل کی تعریف میں داخل ہو جائے اس قول پر صفت سے مراد اسم فاعل و مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل ہونگے اور اگر فعل سے مراد اصطلاحی فعل لیا جاوے تو پھر صفت سے مراد امور مذکورہ اور اسم مصدر سب ہونگے نیز جاننا چاہیے کہ تقدیم فعل یا صفت سے مراد تقدیم وجوبی نوعی ہے۔ جوازی یا شخصی مراد نہیں ہے کہ کریم من یکرک اور ابی الدار الرجل سے اعتراض کیا جاوے کہ اس میں من یکرک اور الرجل پر تعریف فاعل صادق آتی ہے۔ کیونکہ من یکرک سے پہلے صفت ہے۔ ایسے ہی رجل فاعل ہو کہ اس میں تقدیم الخبر واجب ہے تعریف اول پر اسوجہ سے صادق نہ آئیگی کہ کریم کی تقدیم یہاں وجوبی نہیں ہے بلکہ جوازی ہے اور رجل پر اسوجہ سے صادق نہیں آتی کہ تقدیم الخبر علی المبتدا بہ طریق الکلیۃ نہیں ہے (حاشیہ صفحہ ھذا) قولہ اسند الیہ۔ یعنی وہ فعل یا صفت اس کی طرف مسند ہو بلا تبعیت اس سے وہ اسم فاعل ہونے سے نکل گیا جس سے پہلے فعل یا صفت ہو لیکن وہ اس اسم کی طرف مسند نہ ہو۔ اور اگر ہو تو بالتبع ہو جیسے ضرب زید میں زید ثانی کہ اسکی طرف بالاصالۃ فعل مسند نہیں بلکہ بالتبع مسند ہے یعنی کہ توابع فاعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ توابع کیطرف فعل کی نسبت بالاصالۃ نہیں ہوتی ہے بلکہ بالتبع ہوتی ہے یہاں پر اسناد سے مراد بالاصالۃ ہے

ذکر مصنفؒ نے علیحدہ کیا ہے۔ نیز اس سے وہ اسم بھی فاعل ہونے سے خارج ہو گیا جسکے پہلے اور بعد فعل نہ ہو جیسے زید ضرب نیز جاننا چاہیے کہ اسناد یہاں بمعنی نسبت اور ربط ہے یعنی محض ثبوت الشئی ہے اور یہ معنے موجود رہتے ہیں خواہ اسکے ساتھ ادراک وقوع نسبت کا تعلق ہو یا ادراک عدم وقوع نسبت کا تعلق ہو بہ طریق الاخبار ہو وہ وقوع یا بطریق الانشاء تحقیقاً ہو یا تقدیراً الم یقم زید میں سبب وقوع ہے سبب اسناد نہیں اور ان قام زید قمت میں تقدیر وقوع ہے۔ تقدیر اسناد نہیں ہے لہذا تعریف فاعل ان پر صادق ہوگی۔ اور اس کی تاویل کی ضرورت نہیں رہی جو کہ اسناد سے مراد ایقاع نسبت لیکر یہاں پر کی جاتی ہے کہ ایقاع نسبت سے مراد اعم ہے خواہ ایجاب کیساتھ ہو یا سلب کے ساتھ بالتحقیق یا بالتقدیر قولہ علیٰ معنیٰ الخ علیٰ اُسند کے متعلق ہے۔ یعنی وہ ربط اس معنی پر ہو کہ وہ فعل یا صفت اس معنے کیساتھ قائم ہو اور اس معنے پر نہ ہو کہ وہ فعل یا صفت اس اسم پر واقع ہے اس قید سے مفعول مالم یسم فاعلہ تعریف فاعل سے خارج ہو گیا جیسے مثلاً ضرب زید میں زید کہ اس فعل پر مقدم ہے جسکی نسبت اسم کیطرف ہو رہی ہو لیکن یہ نسبت بطور وقوع کے ہے نہ بطریق قیام کے۔ لیسے زید مضروب غلامہ میں غلامہ فاعل کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے صفت ہے جسکی نسبت اس کی طرف ہو رہی لیکن یہ نسبت بطور وقوع ہے قیام نہیں ہے جاننا چاہیے کہ اس قید کے اضافہ کی ان کو ضرورت ہے جنکے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل نہیں اور جنکے نزدیک فاعل ہے ان کو اس قید کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قید کا چھوڑنا ضروری ہے زمخشریؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے مگر چونکہ مصنفؒ پہلی جماعت سے ہے اسوجہ سے یہ قید لگاتا ہے مصنفؒ کے قول قام بہ میں قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل صیغہ معروف پر ہو اس طرح پر کہ اس کی اسناد فاعل کیطرف درست ہو خواہ بطریق حدوث جیسے ضرب زید میں خواہ بہ طریق قیام ہو جیسے مات زید میں جاننا چاہیے۔ کہ اس تعریف پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تعریف میں کل کا استعمال درست نہیں کیونکہ تعریف افراد کی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے۔ اور کل کے لانے سے یہ تعریف افراد کی ہو جاویگی جو درست نہیں جو آپ مصنف نے یہاں لفظ کل کو اسوجہ سے زائد کیا ہے تاکہ اس تعریف کی جامعیت اور مانعیت معلوم ہو جاوے نیز اعتراض کیا جاتا ہے کہ تعریف تبیین اور تحقیق کیواسطے ہوتی ہے لہذا اولاً جو کہ تشکیک اور تردید کیلئے آتا ہے وہ یہاں پر مناسب نہیں جو آپ بیان پر تفریع کیواسطے ہے تشکیک کیلئے لیسی ہے اسلئے فاعل کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے قولہ کل فعل لابد لہ من فعل خواہ لازم ہو یا متعدی اسکیلئے فاعل مرفوع ہو یا مجرور جس سے فعل صادر ہو اور ہو یا اسکے ساتھ فعل قائم ہو یا کلہ نا ضروری ہے۔ فاعل کو مرفوع کیا تاکہ زیادہ تقریر کیوجہ سے موصوف کیا ہے۔ کیونکہ فاعل مرفوع بھی ہوتا ہے یہ صفت تخصیص یا احتراز کیواسطے نہیں ہے (اسم اس سے کہ وہ فاعل اسم ظاہر ہو جیسے ذہب زید کہ اسم میں زید اسم ظاہر فاعل ہے یا اسم ضمیر بارز ہو جیسے ضربت زیداً یا مستتر ہو جیسے زید ذہب کہ ذہب میں ضمیر پوشیدہ ہے جس کو ہم ھو سے تعبیر کرتے ہیں وہ فاعل ہے جو زید کیطرف راجع ہے ہر فعل کیلئے فاعل مرفوع اسوجہ سے ضروری ہے کہ فعل عرض اور وصف ہے اور اوصاف اور اعراض کیلئے ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جسکے ساتھ وہ اعراض اور اوصاف قائم ہوں بعض نے جو یہ دلیل بیان کی ہے کہ ہر فعل کیواسطے فاعل کا ہونا اسوجہ سے ضروری ہے۔ کہ فعل حدث ہے اور ہر حدث کیواسطے محدث کا ہونا ضروری ہے اور محدث فاعل ہے اسوجہ سے ہر فعل کیواسطے فاعل کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے مات زید میں عروض زید اور عروض اور فاعل کے فاعل میں باوجودیکہ زید اور عروض کیلئے ایک محدث ہے پھر کیوجہ زید اور عروض کا فاعل نہیں ہو سکتا ہے جو کہ فاعل مرفوع اسوجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل قلیل ہو اور مرفوع اور قلیل یہ مناسب ہے اسوجہ سے قوت قلیل کو دیا اور دوسری وجہ فاعل کے مرفوع ہونے کی یہ ہے کہ فاعل کلام میں عمدہ ہے اور رفع بھی حرکات میں عمدہ ہے لہذا عمدہ کو عمدہ سے دیا۔ ۱۲۔

وان كان الفعل متعديًا كان له مفعولٌ به ايضًا نحو ضرب زيدٌ عمرًا وان كان الفاعل مظهرًا وُحِّد الفعل ابدًا نحو ضرب زيدٌ وضرب الزيدان وضرب الزيدون وان كان مضمرًا وُحِّد للواحد نحو زيدٌ ضرب وثُنِّيَ للمثنّٰى نحو الزيدان ضربا وجمع للجمع نحو الزيدون ضربوا وان كان الفاعل مؤنثًا حقيقيًا وهو ما بازائه ذكر من الحيوان أُنِّثَ الفعل ابدًا ان لم تفصل بين الفعل والفاعل

قولہ ان کان الفعل ۔یعنی اگر فاعل کا فعل فعل متعدی ہے جو فاعل پر تام نہیں ہوتا ہے تو اس فعل متعدی کے لیے ایک مفعول بہ ہوگا ۔چونکہ فعل متعدی کا سمجھنا مفعول بہ پر موقوف ہے جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہوتا ہے مصنفؒ کی مراد مفعول سے مفعول بہ ہے ۔اور بعض نسخوں میں یہ موجود بھی ہے مصنفؒ کے قول کان لہ الخ میں مفعول کان لہ اسم ہے اور لہ خبر مقدم ہے کیونکہ اسم نکرہ ہے اور اس کی خبر کی تقدیم اسم پر واجب ہوتی ہے ۔بعض نسخوں میں منصوب بھی ہے اور یہ مفعول کی صفت ہوگی رہا یہ امر کہ مفعول منصوب کیوں ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفاعل کثیر ہیں اور نصب خفیف ہے کثیر کے مناسب خفیف ہے اس وجہ سے مفاعل کو نصب دیدیا ۔دوسری وجہ یہ ہے کہ مفعول کلام میں فضلہ ہے اور نصب بھی حرکات میں فضلہ ہے اس وجہ سے مفاعل کو نصب دیدیا ۔**قولہ ان کان الفاعل الخ** یعنی فعل کا فاعل اگر اسم ظاہر ہے تو ہمیشہ فعل کو واحد لایا جاویگا ۔خواہ فاعل مفرد ہو ۔یا مثنی یا جمع کیونکہ فعل کو تثنیہ جمع لانا اس غرض سے ہوتا ہے کہ اس سے فاعل کی حالت معلوم ہو جاتی ہے اور جب فاعل اسم ظاہر ہوگا ۔تو اس کے احوال تثنیہ و جمع کے اعتبار سے معلوم ہوں گے ۔اس وجہ سے اب فعل کو مثنی اور مجموع لانے کی ضرورت نہ رہی اس وجہ سے واحد لانا ضروری ہوگیا ۔دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کہ فاعل اسم ظاہر ہو اور فعل کو مثنی اور مجموع لادیں تو فاعل کا تعدد اور اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور یہ دونوں اصل کے خلاف ہیں لہذا فعل کو ہمیشہ واحد لایا جاویگا اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حکم منقوض ہے کیونکہ عرب بولتے ہیں اکلونی البراغیث وقاموا الزیدان وقاموا الزیدون وقمن النساء ان امثلہ میں فاعل اسم ظاہر ہے ان میں فعل واحد نہیں لایا گیا بلکہ مثنی اور مجموع فاعل کے موافق لایا گیا ہے ۔جواب اول عرب کا یہ قول شاذ ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے جواب دوم ان میں اسم ظاہر اسم مضمر سے بدل واقع ہو رہا ہے ۔اس وجہ سے قاعدہ مذکورہ پر اعتراض وارد نہیں ہوتا **قولہ ان کان مضمرًا الخ** یعنی جس وقت فاعل اسم ظاہر نہ ہو بلکہ اسم ضمیر ہو تو فعل فاعل اسم ضمیر کے موافق ہوگا یعنی اگر فاعل اسم ضمیر واحد ہوگا تو فعل واحد لایا جاویگا جیسے زید ضرب اور اگر فاعل ضمیر مثنی ہو تو فعل مثنی لایا جاویگا جیسے الزیدان ضربا اور جب جمع ہو تو فاعل جمع لایا جاویگا جیسے الزیدون ضربوا تاکہ فعل فاعل کی حالت وحدۃ و تثنیہ و جمع پر دلالت کرے **قولہ ان کان الفاعل مؤنثا** ۔جاننا چاہیے کہ مونث دو قسم پر ہے ایک مونث حقیقی اور دوسری مونث غیر حقیقی ۔مونث حقیقی وہ ہے جس کے مسمی کے مقابلہ میں سے کوئی مذکر ہو مذکر سے مصنفؒ کی مراد جنس رجال نہیں ہے بلکہ انثی کا مقابل ہے ۔لہذا یہ تعریف انسان اور فرس وغیرہ کی مادائوں کو شامل ہوگی حیوان کی قید سے ان اسمار مونثہ سے احتراز ہوگیا ۔جن کے مسمی نباتات ہے مادین ہیں ۔جیسے نخلہ کہ نخل کی مادہ پر بولا جاتا ہے اور اس مونث حقیقی میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں علامت تانیث لفظا ہو ۔بلکہ اعم ہے ۔کہ خواہ علامت تانیث لفظا ہو یا نہ ہو ۔اور جو مونث کے اس شان کے ساتھ نہ ہو تو وہ غیر حقیقی ہے یعنی مونث غیر حقیقی وہ ہے جس کے مقابلہ میں جنس حیوان سے کوئی مذکر نہ ہو خواہ اس کے مقابلہ میں بالکل مذکر نہ ہو ۔جیسے عین یا ہو لیکن جنس حیوان سے نہ ہو جیسے نخلہ کہ اس کے مقابلہ میں نخل مذکر ہے ۔لیکن یہ جنس حیوان سے نہیں ہے مصنفؒ نے مونث حقیقی کی دو مثالیں امراۃ اور ناقۃ دی ہیں ایک اناس میں مونث کی مثال دی جس کے مقابلہ میں رجل مذکر ہے اور دوسری غیر اناس کی مونث کی مثال دی ۔جس کے مقابلہ میں جمل مذکر ہے ایسے ہی نفساء اور آتان اور عناق مونث ہیں ۔**قولہ انث الفعل الخ** یہ شرط کی جزا ہے حاصل یہ ہے کہ جس وقت فاعل مونث حقیقی مظہر ہو خواہ واحد خواہ تثنیہ یا جمع ہر صورت میں فعل کو ہمیشہ مونث لانا ضروری ہوگا بشرطیکہ فاعل اور فعل کے درمیان کسی شئے کا فصل نہ ہو اور فعل کو مونث لانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر فعل ماضی ہے تو اس کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ لگا دی جاویگی ۔اور اگر فعل مضارع ہو تو مونث کا صیغہ لایا جاویگا ۔مونث حقیقی ہونے کے وقت میں فعل کو مونث لانا اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرتی ہے ۔کیونکہ فاعل کی تانیث قوی ہے ۔بخلاف فاعل مظہر غیر حقیقی کی تانیث فاعل میں قصور ہے کیونکہ حقیقی نہیں ہے ۔لہذا اس وقت سرایت کا ہونا فعل میں لازم نہیں رہا بلکہ یہ سرایت جائز ہوگی ۔نیز جاننا چاہیے کہ فعل کو مونث لانا جب ضروری ہوتا ہے کہ تین شرطیں پائی جائیں اول شرط یہ ہے کہ فعل متصرف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ فاعل مونث حقیقی انسانوں سے ہو تیسری شرط یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان کسی مضمون کا فصل نہ ہو ۔لہذا اگر فعل جامد ہو جیسے نعم ہند یا یہائم سے مونث حقیقی ہو جیسے انتجت یا فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جاوے جیسے جار الیوم ہند ۔تو اس وقت فاعل کی تانیث کی سرایت فعل کی تانیث میں لازم نہ ہوگی مصنفؒ نے یہاں پر ایک شرط بیان کی ہے ۔اور باقی دو شرطیں ذکر نہیں کی ۔حالانکہ ان کا بھی ذکر ضروری ہے ۔

نحو قامت هندٌ وان فصلت فلك الخيار في التذكير والتانيث نحو ضرب اليوم هندٌ و ان شئت قلت ضربت اليوم هندٌ وكذلك في المؤنث الغير الحقيقي نحو طلعت الشمس وان شئت قلت طلع الشمس هذا اذا كان الفعل مسندًا الى المظهر وان كان مسندًا الى المضمر انث ابدًا نحو الشمس طلعت وجمع التكسير كالمؤنث الغير الحقيقي تقول قام الرجال وان شئت قلت قامت الرجال والرجال قامت ويجوز فيه الرجال قاموا۔

قولہ نحو قامت ہند۔ قامت میں تاء جمہور کے نزدیک علامت تانیث ہے اور ایک نحوی لکھتا ہے کہ یہ ضمیر فاعل ہے اور اسم ظاہر جو اسکے بعد ہے یا تو بدل ہے یا مبتدا ہے۔ اور جملہ خبر مقدم ہے۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ قول مردود ہے۔ کیونکہ بدل اس وقت ہونا درست ہوتا جبکہ بدل مبدل منہ سے استغناء کی قابلیت رکھتا ہے اور قامت ھند میں ہند ایسا نہیں ہے کہ بلا تاء کے ذکر کے اسکا ذکر درست ہو جائے۔ کیونکہ قام ہند کہنا درست نہیں بلکہ قامت ہند شائع اور کثیر ہے۔ اور دوسری تاویل اسوجہ سے درست نہیں کہ جملہ جب خبر ہوتا ہے تو اسکا تقدم مبتدا پر بہت کم ہوتا ہے اور تاخیر کثیر ہے لہذا قلیل پر حمل کرنا درست نہ ہوگا۔ قولہ وان فصلت الخ معلم یا متعلم کو مصنف خطاب کرکے کہتا ہے کہ اگر اے مخاطب جبکہ فاعل اسم ظاہر مونث حقیقی ہو اور تم اسکے اور اسکے فعل کے درمیان فصل کرو تو تم کو فعل کے مذکر اور مونث لانے میں اختیار ہے یعنی فعل کو مذکر لانا بھی درست ہے اور مونث لانا بھی درست ہے کیونکہ فاعل کی تانیث کی سرایت فعل میں لازم نہیں رہی کیونکہ درمیان میں فصل واقع ہو گیا ہے۔ لہذا ضرب اليوم ہند بغیر تاء کے اور ضربت اليوم ہند تاء کے ساتھ دونوں طرح پر بولنا درست ہے اور فصل نہ ہونیکے وقت میں بھی ضرورت کے وقت فعل کی تانیث واجب نہیں رہتی ہے بلکہ جائز ہوتی ہے اسوجہ سے مذکر لانا بھی جائز ہوتا ہے جیسا کہ یہ کے مصرعہ فقد ولہ الاصیلی ام سورہ میں ولہ بمعنی تمکین ہوا فعل مذکر ہے باوجودیکہ فاعل یعنی الاصیلی مونث حقیقی ہے اور درمیان میں فصل بھی نہیں مذکر لانا فعل کا ضرورت شعری کی بنا پر ہے مبرد اس جواز میں خلاف کرتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ فعل کی تانیث کا چھوڑنا جائز نہیں جبکہ فاعل مونث حقیقی ہو چاہے فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو یا نہ ہو نیز جانا چاہئے یہ خیار جس میں مبرد کا خلاف ہے اسوقت تک ہے جبکہ مونث حقیقی زید کے مانند نہ ہو اور اگر کسی عورت کا نام ایسے لفظ کے ساتھ رکھدیا جاوے جو مذکر میں مشہور ہو تو اسوقت فعل کو مونث لانا باوجود فصل کیلئے بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ مذکر کے ساتھ التباس لازم نہ آوے جیسے قامت اليوم في الدار زيد قولہ وكذلك الخ یعنی جس طرح پر مونث حقیقی میں جبکہ فاعل اور فعل کے درمیان فصل ہوتا ہے فعل کی تذکیر اور تانیث میں اختیار ہے اسیطرح جبکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہو چاہے درمیان میں فصل ہو یا نہ ہو ہر صورت میں فعل کے مذکر اور مونث لانے میں اختیار ہے البتہ فصل کے وقت میں مذکر لانا احسن ہے کیونکہ جب فصل کے وقت میں مونث حقیقی میں مذکر لانا فعل کا جائز ہے تو غیر حقیقی میں جبکہ فصل ہو تو فعل کو مذکر لانا اولی ہونا چاہیے چونکہ مونث حقیقی کے مونث غیر حقیقی پر رتبہ بمنزل میں ہے۔ اگر اولی نہ ہو تو دونوں کا برابر ہونا لازم آئیگا اور یہ درست نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلع اليوم شمس بولنا احسن ہے طلعت اليوم شمس بولنے سے اور فعل ثبوت کے وقت میں طلع الشمس اور طلعت الشمس دونوں بولنا درست ہوگا۔ لیکن یہ اسوقت ہے جبکہ فعل فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی کیطرف مسند ہو یعنی فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہو اختیار اسوقت اسوجہ سے ہوتا ہے کہ جبکہ فاعل مظہر ہوگا تو امتزاج فعل کا فاعل کے ساتھ کم ہو جاویگا اور ویسا امتزاج نہیں رہیگا جیسا کہ فاعل اسم ضمیر مونث حقیقی میں یا غیر حقیقی میں ہوتا ہے اور تانیث میں بھی قصور ہے اور اسوجہ سے فاعل کی تانیث کی سرایت فعل میں نہ ہوگی تانیث میں اسوجہ سے قصور ہے کہ اسم مونث غیر حقیقی بہ حیثیت لفظ کے مونث ہے اور باعتبار معنی کے مونث نہیں ہے لہذا دونوں حیثیت کا اعتبار کرکے فعل کو مذکر اور مونث لانا دونوں جائز کر دیا تاکہ دونوں اعتبار پر عمل ہو جاوے قولہ ان كان مسندًا الى مضمر الخ یعنی اگر فعل اسم ضمیر کیطرف مسند ہو حاصل یہ کہ اگر فاعل اسم ضمیر ہو خواہ مونث حقیقی کیطرف راجع ہو یا مونث غیر حقیقی کیطرف ہر صورت میں فعل کو مونث لائیں گے۔ کیونکہ اسوقت فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کریگی۔ کیونکہ اسوقت فاعل کا اتصال فعل کیساتھ شدید ہوگا جو سرایت کو واجب کرتا ہے اس وجہ سے فعل کو مونث لانا واجب ہو جاویگا اور مذکر لانا جائز نہ ہوگا۔ قولہ جمع التكسير الخ۔ یعنی جب فاعل جمع مکسر ہو (خواہ مذکر ہو یعنی کی جمع ہو جیسے رجال یا مذکر لا یعقل کی جمع ہو جیسے جمال و ایام خواہ مونث کی جمع ہو جیسے نسوۃ تو اسکا حکم ایسا ہے جیسا مونث غیر حقیقی کا ہے۔ حاصل یہ کہ اگر جمع مکسر اسم ظاہر فاعل ہو تو فعل کو مذکر اور مونث دونوں لانا جائز ہے قام الرجال بلا تاء کے بھی بولنا جائز ہے اور قامت الرجال تاء کیساتھ بھی بولنا درست ہے یہ ہی حکم جمع مونث سالم کا ہے۔ چنانچہ قولہ تعالیٰ ہے اذا راجاءک المومنات ایسے جمع مکسر میں ہے قال نسوۃ قالت الاعراب مثلوں امر اس جمع میں اسوجہ سے جائز ہے کہ یہ جمع جماعت کی تاویل میں ہو جاتی ہے من حیث اللفظ مونث ہے لیکن من حیث المعنی مونث نہیں تاکہ دونوں حیثیتوں پر عمل ہو جاوے اسوجہ سے اس میں دونوں امر جائز ہو گئے اور جمع مذکر سالم میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کیونکہ تانیث کا اعتبار اس امر کے ساتھ کہ صیغہ مذکر باقی رہے ملزوم ہے مگر تحقیق کو جماعت کی تاویل میں کیا جا سکتا ہے اگرچہ اسکا صیغہ جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے مگر چونکہ اسکا واحد باقی نہیں رہا ہے اس وجہ سے جماعت کی تاویل میں کرنا درست نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (باقی بر صفحہ ۶۲ پر)

ویجب تقدیم الفاعل علی المفعول اذا کانا مقصورین وخفت اللبس نحو ضرب موسیٰ عیسیٰ ویجوز تقدیم المفعول علی الفاعل ان لم تخف اللبس نحو اکل الکمثریٰ یحییٰ وضرب عمرًا زیدٌ ویجوز حذف الفعل حیث کانت قرینۃ نحو زیدٌ فی جواب من قال من ضرب

(متعلق حاشیہ صہ) آمنت بربّ اسرائیل نحو بنین سے ہماری یہ مراد ہے کہ اس میں واحد کا صیغہ باقی نہ رہا ہو جیسا کہ بنین میں کہ صیغہ واحد جو کہ ابن ہے۔ باقی نہیں رہا ہے اور یہ ہی حکم اس واؤ نون والی جمع کا ہے۔ جسکا واحد مونث ہو جیسے سنین ارضین قلین ثبین اسکا حکم بھی اس جمع کا حکم ہے۔ جو الف اور تا رکیساتھ بنائی جاتی ہے۔ لہذا مصنف کے نزدیک سنون بولنا درست ہے۔ کیونکہ اس جمع کا حق یہ تھا کہ الف اور تا رکیساتھ جمع بنائی جاوے۔ لہذا واؤ سنون اس میں الف اور تا کے عوض میں ہے اور جب ایسا ہے تو یہ جماعت کی تاویل میں ہو سکتی ہے لیکن یہ حکم جمع مکسر اور جمع مونث سالم کا اس وقت تک ہے کہ بظاہر ہوں اور اگر ان کی طرف ضمیر لوٹنے والی فاعل ہو۔ تو جیسے مونث غیر حقیقی میں تا فعل کیساتھ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ تو اسطرح اگر جمع مکسر عقلاء کی ہے تو امروں میں سے ایک کا لانا فعل کیساتھ ضروری ہوتا ہے یا تو تا لائی جائے مثلاً یوں کہا جاوے الرجال جاءت یا جمع کا واؤ لایا جاوے۔ یعنی الرجال جاؤا کہا جاوے الرجال جاء بولنا غلط ہوگا۔ اور جمع مکسر غیر عقلاء کی ضمیر میں تا یا نون کا لانا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے اللیالی والایام مضت صفین جاننا چاہیے کہ چونکہ جمع مذکر سالم کی تاویل جماعت سے نہیں کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں مذکر کی علامت موجود ہوتی ہے جو کہ واؤ ہے اسیوجہ سے جمع مذکر سالم کی طرف اسماء اعداد کی اضافت بھی نہیں کی جاتی ہے۔ چنانچہ ثلثۃ سنین اربعۃ مسلمین اضافت کے ساتھ بولنا غلط ہے کیونکہ مسلمین کی تاویل جماعت سے نہیں کی جا سکتی ہے۔ چونکہ علامت مذکر اس میں موجود ہے واللہ اعلم بالصواب (حاشیہ صفحہ ھذا) **قولہ یجب تقدیم الفاعل**۔ جاننا چاہیئے کہ فاعل کی حالت مناسب یہ ہے۔ کہ مفعول پر مقدم ہو کیونکہ اقوی الارکان ہے اور اس لیے کہ فاعل بمنزلہ استیاج کے فعل کی طرف اسکے جزء کے مانند ہے۔ اور جزء شے کا اس شے سے متصل ہونا مناسب ہوتا ہے اسوجہ سے فاعل کے لیے اصل یہ ہی ہے کہ وہ فعل کے متصل ہو۔ اس بیان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ تلفظ میں فاعل کا مفعول کے بعد آنا جائز ہے جیسے پہلے آنا جائز ہے۔ لیکن یہ جواز مقدم اور موخر آنے کا اسوقت تک ہے جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر کوئی مانع ایسا موجود ہو کہ مفعول پر موخر کرنا جائز نہ رہے۔ تو اسوقت مفعول پر تقدیم واجب ہو جاتی ہے چنانچہ مصنف کہتا ہے کہ جب فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں یعنی ایسے اسم ہوں کہ انکے آخر میں الف مقصورہ ہوتا ہے۔ تو دونوں یعنی فاعل اور مفعول دونوں پر سے اعراب لفظی منتفی ہو جاویگا اور اعراب لفظی کے انتفاء سے تقدیم واجب نہیں اس وجہ سے مصنف نے ایک قید کا اضافہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے مخاطب التباس سے بھی ڈر ہو۔ حاصل بحث یہ ہے کہ جسوقت فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور قرینہ جو کہ فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں منتفی ہو جائیں تو اس صورت میں تقدیم فاعل مفعول پر واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر تقدیم واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس واقع ہو جاویگا۔ اور معلوم نہ ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ اس قید خفت اللبس سے معلوم ہو گئی کہ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں۔ مگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر تقدیم فاعل کی طرح واجب نہیں ہوتی جیسے مثلاً ضرب موسیٰ عیسیٰ کہ اس میں فعل کے ساتھ تا تانیث ساکنہ کا اتصال بتا رہا ہے۔ کہ فاعل جمع ہے۔ اور جیسے اکل الکمثریٰ یحییٰ میں فاعل یحییٰ از روئے مثل کے متعین ہے۔ **قولہ ضرب موسیٰ عیسیٰ** اسی میں موسیٰ اور عیسیٰ دونوں اسم مقصورہ ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنیوالا کوئی قرینہ بھی نہیں اسوجہ سے فاعل یعنی موسیٰ کی تقدیم اس مثال میں مفعول یعنی عیسیٰ پر واجب ہو گئی۔ ایسے ہی شتمت سعدی سلمیٰ اور اکرم ھؤلاء اولئک وضرب موسیٰ عیسیٰ الدار من فی الجمیع ان مثالوں میں جو مقدم ہے وہ فاعل ہے اور جو موخر ہے وہ مفعول ہے۔ **قولہ یجوز تقدیم المفعول**۔ یعنی اگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہے جیسے اکل الکمثریٰ یحییٰ یا اعراب لفظی دونوں میں موجود ہو جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ یا ایک میں جیسے ضرب زید یحییٰ پایا جاوے تو پھر بھی تقدیم مفعول فاعل پر جائز ہے۔ **قولہ ویجوز حذف الفعل** یعنی جس وقت فعل محذوف پر کوئی قرینہ پایا جاوے تو اس وقت فاعل کے فعل کو حذف کرنا تلفظ میں جائز ہوتا ہے مثلاً کسی نے کہا من ضرب تو اس کے جواب میں کہا زید یہاں فعل محذوف ہے جس پر سوال قرینہ ہے اصل میں تھا ضرب زید قرینہ سوال کی وجہ سے فعل کو یہاں پر حذف کر دیا یہاں پر ایک سوال کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس کو حذف خبر کے باب سے کیوں قرار نہیں دیتے باوجودیکہ اس صورت میں جواب سوال کے موافق بھی ہو جاتا ہے کیونکہ سوال جملہ اسمیہ ہے اور اسکے مناسب یہ ہے کہ جواب بھی جملہ اسمیہ ہو۔ جواب اسکو باب حذف خبر سے اسوجہ سے قرار نہیں دیتے کہ اگر اسکو باب حذف خبر سے قرار دیں تو جملہ کا حذف بلا قرینہ لازم آتا ہے اور فعل کے حذف ماننے کے وقت بعض جملہ کا حذف ماننا لازم آتا ہے۔ اور تقلیل بالحذف تکثیر بالحذف سے اولیٰ ہے نیز موافقت بھی موجود ہے چونکہ سوال ضارب سے ہے لہذا من ضرب بھی اصل میں جملہ فعلیہ تھا چونکہ استفہام صدارۃ کلام کو مقتضی ہے اسوجہ سے اسم استفہام کو مقدم کر کے مبتدا بنا لیا جاتا ہے چاہیئے کہ نحو زید مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ھو نحو زید زید نحو کا مضاف الیہ ہے۔ لیکن اعراب حکائی پر مرفوع ہے۔ فی جواب زید کی صفت یا حال ہے زید المقول یا قائلا اور من قال مضاف الیہ جواب کا ہے اور من ضرب جملہ اسمیہ مقولہ قال ہے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ وجود قرینہ محذوف کے واسطے شرط ہے علت ہے علت حذف کی ایجاز اور اختصار ہے۔ ۱۲

وكذا يجوز حذف الفعل والفاعل معاً كنعم في جواب من قال أقام زيدٌ وقد يحذف الفاعل ويقام المفعول مقامه اذا كان الفعل مجهولاً نحو ضُرِبَ زيدٌ وهو القسم الثاني من المرفوعات فصل اذا تنازع الفعلان

قولہ کذا۔ جس طرح فاعل کے فقط فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ اسیطرح فعل اور فاعل دونوں کو معاً حذف کرنا بھی جائز ہے۔ معاً کی قید سے معلوم ہوا کہ فقط عامل کو حذف کرنا درست نہیں جب تک کہ فعل کو اس کے ساتھ حذف نہ کریں البتہ اگر فاعل کو اس طور پر حذف کریں کہ اس کی جگہ مفعول بہ یا اور کسی معمول کو جو اسکی جگہ قائم کرنا درست ہوتا ہے قائم کردیں تو پھر تنہا فاعل کو بھی حذف کرنا بلا حذف فعل کے جائز ہے۔ مگر بعض نحوی کہتے ہیں کہ تنہا فاعل کا حذف کرنا بلا حذف فعل باب تنازع میں جائز ہے جیسا کہ عنقریب آئیگا لیکن اکثر نحاۃ حذف کو بلا قائم مقام کے قطعاً جائز قرار نہیں دیتے۔ مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی فعل فاعل دونوں کو بطریق جواز حذف کردیتے ہیں جیسے مثلاً کسی نے کہا اقام زید اور اس کے جواب میں نعم کہا جاوے۔ اصل میں نعم قام زید تھا۔ قام زید فعل مع فاعل کے حذف کردیا گیا۔ چونکہ سوال فعل فاعل محذوف پر دلالت کرتا ہے نعم جملہ فعلیہ محذوف کے قائم مقام نہیں ہے ورنہ تو اس صورت میں حذف وجوبی ہوجاویگا حالانکہ یہ حذف وجوبی نہیں بلکہ جوازی ہے۔ اس مقام پر جملہ فعلیہ کو جواب میں اس وجہ سے مقدر کیا ہے۔ تاکہ جواب سوال کے موافق ہوجاوے۔ چونکہ سوال جملہ فعلیہ سے ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ تنہا فاعل کو حذف کرنا بلا قائم مقام کے جائز نہیں ہے۔ حالانکہ ہم بہت سی مثالیں ایسی بتا سکتے ہیں کہ جس میں فاعل محذوف ہے۔ حالانکہ اس کے قائم مقام کچھ بھی نہیں ہے جیسے بدا لہم من بعد ما رأوا الآیات اس آیت میں بدا فعل ہے جسکا فاعل مذکور نہیں۔ جواب بدا کا فاعل محذوف نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ضمیر جو اس مصدر کی طرف لوٹتی ہے جو بدا سے سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس کا فاعل ہے۔ ایسے ہی ہر فعل جس کا فاعل ظاہر نہ ہو وہ اپنے مصدر کیطرف مسند ہے چنانچہ موجبین کے قول مارا و تسلسل میں بھی فاعل ضمیر ہے جو تسلسل اور مرور کیطرف لوٹتی ہے۔ **قولہ قد یحذف الخ** یعنی جس وقت کے فعل متعدی کو فعل مجہول بنالیا جاتا ہے تو فاعل کو حذف کردیتے ہیں اور اس کے قائم مقام مفعول کو کر دیتے ہیں۔ مثلاً ضرب عمرو زیداً تھا کہ اس میں ضرب فعل متعدی معروف ہے اس کو فعل مجہول بنایا تو اب فاعل کو حذف کردیا۔ اور مفعول کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ لہذا ضرب زید ہوگیا مصنف کا قول اذا کان الخ یا تو یقام کا ظرف ہے اور یحذف کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یحذف کا ظرف ہو تو لازم آئے گا۔ کہ فاعل کا حذف کرنا اسیوقت ہو سکے جبکہ فعل کو فعل مجہول بنایا جائے حالانکہ بعض کے نزدیک بلا مجہول بنانے کے بھی حذف جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ہذا اذا کان اور بعض اسکو قد یحذف سے بدل قرار دیتے ہیں **قولہ وہو القسم الثانی۔** یعنی وہ مفعول جو فاعل کے حذف کے وقت میں فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ تعداد میں مرفوعات کی دوسری قسم ہے۔ **قولہ فصل۔** بعض نسخوں میں لفظ فصل نہیں اور یہی درست بھی ہے لفظ فصل یہاں کاتبین کے تصرفات سے ہے چونکہ احوال فاعل میں سے یہ بحث جداگانہ نہیں ہے۔ بلکہ لفظ اعلم کا یہاں مناسب ہے کیونکہ یہ قاعدہ جدیدہ کا بیان ہے اور مصنف کی یہ عادات ہے کہ جب کوئی نیا قاعدہ بیان کرتا ہے تو لفظ اعلم کا لاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ بحث تنازع بھی احوال فاعل سے ہے کیونکہ فاعل دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو بطریق تنازع یا غیر تنازع لہذا وہ اعتراض جو بحث تنازع غیر محل میں ہے درست نہیں ہے۔ **قولہ اذا تنازع۔** یہ شرط ہے جزا فہذا الفعلان الخ ہے الفعلان تنازع کا فاعل ہے اور فی اسم تنازع کے متعلق ہے۔ اور بعد ما دوسری صفت ہے یعنی جب کہ تنازع کریں دو فعل فعلین سے مراد دو عامل مصدر کے علاوہ ہیں۔ مصنف کا قول اس صورت میں اس تنازع کو بھی شامل ہوجاوے گا۔ جو ملحقات میں ہوتا ہے جیسے زید معلم و مودب عمرا و بکر طبیب و حکیم ابوہ لیکن مصنف سے سوال ہوتا ہے کہ جب تمہارے نزدیک فعل سے مراد عامل ہے۔ تو پھر عاملان ہی کیوں نہ کہہ دیا تو مصنف کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے چونکہ فعل عمل میں اصل ہے اس کی اصالت کی وجہ سے اس کو ذکر کیا اور فرع حکم اصل کے تحت میں خود بخود داخل ہوتے ہیں اس وجہ سے ملحقات اس حکم میں داخل ہیں جانتا چاہیئے کہ تنازع جس طرح فعلوں یعنی دو عاملوں میں ہوتا ہے اسیطرح دو سے زائد یعنی تین و چار و پانچ اور ان سے زائد میں بھی تنازع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صلوٰۃ ماثورہ (اللہم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت و سلمت و بارکت و رحمت و ترحمت علی ابراہیم) میں پانچ فعل علی ابراہیم میں جھگڑا کر رہے ہیں مصنف کا دو فعل کہنا احتراز کیلئے نہیں ہے بلکہ اسکے ادنے کا بیان ہے جس سے تنازع ہو سکتا ہے نیز فعلان سے مراد اعم ہے خواہ فعل متعدی ہوں خواہ فعل لازم ہوں اور جب متعدی ہوں تو خواہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں یا زائد کی طرف خواہ فعل تعجب سے ہوں یا نہ ہوں فعل تعجب اور متعدی الی ثلثۃ مفاعیل میں بعض نے خلاف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ فعل تعجب میں تصرف بہت کم ہوتا ہے اور متعدی الی ثلثہ مفاعیل میں تنازع عرب سے سنا نہیں گیا۔ رہا یہ امر کہ عاملین کی تخصیص غیر المصدر میں سے کی ہے۔ چونکہ مصدر میں تنازع نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ تنازع کا قطع کرنا جو بصریوں اور کوفیوں کے نزدیک ہے جاری نہیں ہوتا ہے کیونکہ مصدر میں فاعل مضمر نہیں کیا جاتا ہے اور نہ محذوف جیسے اعجبنی ضرب و قتل زیداً الا۔

* * * * * * * * * *

فی اسمٍ ظاهرٍ بعدهما ای اراد کلُّ واحدٍ من الفعلین ان یعمل فی ذٰلک الاسمِ فهٰذا انما یکونُ علیٰ اربعة اقسامٍ الاول ان یتنازعا

قولہ فی اسم ظاہر ۔ یعنی اسم ظاہر میں کریں۔ اس قید سے جمیع مضمرات خارج ہو گئے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ لفظ ظاہر اسے نحوی اسم ظاہر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور ضمیر بارز اگرچہ ظاہر ہے مگر اس کو اسم ظاہر نہیں کہتے ہیں بلکہ مضمر ظاہر کہتے ہیں لہٰذا وہ اس قید سے خارج ہے جیسا کہ ضمیر مستتر۔ بوجہ مستتر ہونے کے لفظ ظاہر سے خارج ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ ضمائر کو باب تنازع سے خارج کرنے کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ضمائر دو حال سے خالی نہیں یا متصل ہوگی یا منفصل اگر متصل ہوں تو تنازع ممکن نہیں اسلئے کہ وہ فعل کہ جس کے ساتھ وہ متصل ہے۔ اس میں عامل ہوگا اور دوسرے فعل کو اس میں عمل کرنے کی مجال نہ ہوگی۔ اور اگر ضمیر منفصل ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں کبھی اس میں تنازع ہوگا اور رفع رفع کے طریقہ پر ممکن نہ ہوگا۔ اور کبھی تنازع بھی ہوگا اور رفع بھی رفع کے طریقہ پر ہو جاویگا۔ مگر مصنفؒ کے نزدیک دونوں صورتیں باب تنازع سے خارج ہیں پہلی صورت کا باب تنازع سے خارج ہونا تو ظاہر ہے اس لئے کہ یہاں باب تنازع میں وہ تنازع مراد ہے کہ بقاعدہ رفع رفع ہو سکے اور دوسری صورت اسلئے خارج ہے کہ مصنف قواعد کلیہ کو بیان کرتے ہیں۔ نہ کہ قواعد جزئیہ کو پس یہ صورت چونکہ قواعد جزئیہ سے ہے لہٰذا مصنفؒ کے نزدیک باب تنازع سے خارج ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ مثلاً ما ضربَ واکرم الا انا میں انا ضمیر منفصل ہے اور ضرب اور اکرم میں سے ہر ایک فعل اس کو اپنا معمول بنانا چاہتا ہے۔ پس یہاں ہر چند کہ تنازع فعلان متحقق ہے مگر بقاعدہ رفع رفع ممکن نہیں اسلئے کہ اگر ان دو فعلوں میں سے کسی کو عامل بنایا جاویگا۔ تو دوسرے فعل کیلئے ضمیر فاعل لائیں گے یا اس کو محذوف مانیں گے دونوں صورتیں محال ہیں حذف تو اسلئے کہ کلام میں فاعل عمدہ ہے اور حذف عمدہ کا جائز نہیں اور ضمیر اسلئے محال ہے کہ ضمیر یا مع لا کے لائیں گے یا بدون لا کے مع لا کی ضمیر کا لانا درست نہیں اسلئے کہ لا حرف ہے اور حرف کا مستتر ہونا ضمیر کی طرح صحیح نہیں اور بدون لا کے ضمیر کا لانا اسوجہ سے درست نہیں کہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں اس لئے کہ مقصود ما ضرب واکرم الا انا سے ہے کہ متکلم کے کوئی ضارب اور اکرام کرنیوالا نہیں اور جب بدون لا کی ضمیر لائیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ دونوں فعلوں میں سے ایک فعل جسمیں بدون لا کی ضمیر لاتے ہیں منفی ہے اس کو متکلم کے فعل نہیں کیا۔ اور یہ خلاف مقصود ہے پس معنی فاسد ہو گئے باقی رہی وہ ضمیر منفصل کہ جس میں تنازع اور رفع تنازع دونوں ہو سکتے ہیں اس کی مثال ما ضرب واکرمت الا ایاک ہے پس یہاں اگر بصریوں کے مذہب کے موافق فعل ثانی کو عمل دیں تو فعل اول سے اس کو محذوف مانیں گے اسلئے کہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے اور اگر کوفیوں کا مذہب اختیار کریں تو فعل ثانی سے اسکو محذوف مانیں گے۔ اور دلیل یہ ہی ہے کہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے۔ غرض یہ کہ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ اس میں دونوں فعلوں کا تنازع ضمیر منفصل میں متحقق ہے۔ اور بقاعدہ رفع تنازع رفع ہو سکتا ہے مگر چونکہ مصنف بیان قواعد کلیہ کے درپے ہیں تو اسلئے وہ اس صورت جزئیہ کو ذکر نہیں کرتے۔ **قولہ بعد ہما** ۔ اسم کی دوسری صفت ہے۔ یعنی تنازع دو فعلوں میں جب ہوگا۔ جبکہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو۔ اس قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر اسم ظاہر دونوں فعل سے پہلے واقع ہو یا دونوں فعلوں کے وسط میں واقع ہو تو تنازع نہ ہوگا۔ بلکہ پہلا فعل اس میں عمل کریگا کیونکہ دوسرے فعل کے تکلم سے پہلے پہلا فعل مستحق عمل ہے۔ جب وہ عمل کر چکا تو اب دوسرا فعل اسکی طرف عمل کیلئے متوجہ نہ ہوگا **قولہ ای اراد الخ** یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ جو بادی النظر میں مصنف پر پڑتا ہے کہ تنازع کے معنے جنگ کرنے کے ہیں اور وہ ذی روح کی صفت ہے۔ لہٰذا اسکے ساتھ دو فعلوں کا اتصاف کیوں کر ہو سکتا ہے اور جواب یہ ہے کہ یہاں تنازع کے معنے یہ ہیں کہ دو فعل ازراہ معنے اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور ہر فعل یہ چاہے کہ وہ اسم ظاہر میرا معمول بنے یعنی اس اسم میں عمل کریں۔ **قولہ فہٰذا** ۔ ہذا سے اشارہ تنازع الفعلین کیطرف ہے جو اذا تنازع الفعلان سے مفہوم ہوتا ہے یہ مبتدا ہے اور اسکی خبر انما یکون علیٰ اربعۃ اقسام ہے یہ جملہ شرط کی جزا ہے اگر اس میں فا جزائیہ ہے اور اگر تفسیریہ یا عطف کیلئے ہے تو جزا محذوف ہے اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی واذا تنازع الفعلان فی اسم ظاہر بعدہما بجوزا عمال کل واحد منہما لکن الاختلاف فی الاختیار یعنی جب دو فعل ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان کے بعد واقع ہے تو ان میں سے ہر ایک فعل کو عمل دینا جائز ہے۔ لیکن کون سے کو عمل دینا مختار ہے اس میں اختلاف ہے **قولہ الاول الخ** مصنفؒ یہاں سے اقسام اربعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے جو نقشہ ذیل میں خوب واضح ہوتی ہے۔

تنازع فعلان کی صورت میں

دونوں فعل فاعل کو طلب کریں	اسمیہ	صورت کو ہو	اول
دونوں فعل مفعول کو طلب کریں	اسمیہ	صورت کو ہو	دوم
اول فعل مفعول کو طلب کرے	اسمیہ	صورت کو ہو	سوم
دوسرا فعل مفعول کو طلب کرے	اسمیہ	صورت کو ہو	چہارم

اور تنازع ان اقسام اربعہ میں اس وجہ سے منحصر ہے کہ تنازع دو حال سے خالی نہیں یا تنازع فقط (باقی بر صفحہ ۶۵ پر)

فی الفاعلیۃ فقط نحو ضربنی واکرمنی زیدٌ الثانی ان یتنازعا فی المفعولیۃ فقط نحو ضربت واکرمت زیدًا الثالث ان یتنازعا فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ ویقتضی الاول الفاعل والثانی المفعول نحو ضربنی واکرمت زیدًا الرابع عکسہ نحو ضربنی واکرمنی زیدٌ واعلم ان فی جمیع ھذہ الاقسام یجوز اعمال الفعل الاول واعمال الفعل الثانی خلافا للفراء فی الصورۃ الاولی والثالثۃ ان یعمل الثانی ودلیلہ لزوم احد الامرین اما حذف الفاعل او الاضمار قبل الذکر وکلاھما محظوران وھذا فی الجواز واما الاختیار ففیہ خلاف البصریین

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۶۴) فاعلیت میں ہوگا یا فقط مفعولیت میں یا فاعلیت اور مفعولیت میں یا مفعولیت یا فاعلیت میں تنازع کے تصویران صورات بعد سے خارج نہ ہوگی۔ اسوجہ سے تنازع ان چاہی میں منحصر ہوگا (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فی الفاعلیۃ**۔ یعنی اسم ظاہر کی فاعلیت میں یا نسبت کی ہے۔ اور تا مصدری ہے یعنی اسم ظاہر میں باعتبار ہونے اس کے فاعل کی طرف منسوب ہے۔ **قولہ فقط**۔ یعنی مفعولیت میں نہ ہو اور وہ تنازع جو کہ مفعول عالم لیم فاعلہ میں ہوتا ہے۔ اس تنازع میں داخل ہے جو فاعل میں ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ مفعول عالم لیم فاعلہ میں داخل ہے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے اور اگر اس کو فاعل میں نہ مانا جائے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے تو پھر فاعل میں تنازع کی جائیگی کہ فاعل سے یہاں مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی اور جو کہتے ہیں کہ تنازع فی المفعولیت میں داخل ہے انکا یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ مفعول کا اطلاق مفعول عالم لیم فاعلہ پر نہیں ہوتا **قولہ اعلم**۔ لفظ اعلم امر ہے علم بمعنی دانستن لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہو گیا ہے کہ اس لفظ کو کس لئے ذکر کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کو کلام کے شروع میں اسوجہ سے ذکر کرتے ہیں کہ اس سے غرض غافلین کو جگانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکا ذکر اسوجہ سے ہوتا ہے کہ اس سے مابعد کلام کی طرف شوق دلانا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اس کے بعد جو کلام آتا ہے وہ واجب الحفظ ہے بعض کہتے ہیں کہ ہر سامع اور قاری کیلئے یہ عام خطاب ہے۔ **قولہ ان فی جمیع**۔ ان کا اسم ضمیر شان ہے جو کہ یہاں پر محذوف ہے۔ اور مصنف کا قول فی جمیع ہذہ الصور یجوز کے متعلق ہے اور جملہ یجوز اعمال الفعل الاول الخ ان کی خبر ہے۔ حاصل یہ کہ جب دو فعل کسی اسم ظاہر میں تنازع کریں تو جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے کہ پہلے فعل کو عمل دیں۔ یعنی اس اسم ظاہر میں عمل کریں اور دوسرے فعل کو لغو کر دیں یعنی یہ دوسرا فعل اس اسم ظاہر میں عمل نہ کرے اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ فعل ثانی کو عمل دیں یعنی فعل ثانی اس اسم میں عمل کرے۔ اور فعل اول کو اس اسم میں عمل کرنے سے ملغی کر لیا جائے۔ لیکن فراء اس حکم میں خلاف کرتا ہے کہتا ہے کہ جب فعل اور فاعل کو مقتضی ہو جیسا کہ پہلی اور تیسری قسم میں کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا ناجائز ہے اسلئے کہ بر تقدیر عمل دینے فعل ثانی کو فعل اول میں یا ضمیر فاعل کی لائیں گے یا اس کو حذف کرینگے۔ دونوں صورتیں جائز نہیں۔ ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر اور حذف کی صورت میں عمدہ کا حذف لازم آتا ہے **قولہ وکلاھما محظوران**۔ یعنی حذف فاعل اور اضمار قبل الذکر دونوں ممنوع ہیں مصنف کا قول کلاھما مبتدا ہے۔ اور محظوران خبر اور محظوران کو مثنی لانا کلا کے معنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ کلا اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معنی مثنی ہے۔ اور کلاھما میں واؤ حالیہ اور جملہ حال ہے رابطہ واؤ اور ضمیر ہے جاننا چاہیے کہ متن میں جو فراء کی روایت نقل کی ہے یہ فراء سے غیر مشہور روایت ہے اور مشہور جو کہ صحیح بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل کو عمل میں شریک قرار دیتا ہے۔ یعنی کہتا ہے کہ دونوں اس اسم ظاہر میں بیک وقت عمل کرتے ہیں اسپر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دو موثر کا ایک اثر پر جمع ہونا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں نیز فراء سے مروی ہے کہ اسم ظاہر کے بعد ضمیر کو ظاہر کر دیا جائے اور یوں کہا جائے ضربنی واکرمنی زید وضربنی واکرمت زیدًا **قولہ ہذا**۔ اسکے مشار الیہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسکا مشار الیہ اعمال کل واحد من الفعل ہو اسوقت عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر دونوں فعلوں سے ہر ایک کو عمل دینا صورت کہ اسم ظاہر میں تنازع ہو بصریوں اور کوفیوں کے مابین بلا خلاف جائز ہے چاروں قسموں میں مگر فراء دو صورتوں مذکورہ بالا میں خلاف کرتا ہے کہ اسکے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا درست نہیں ہے بلکہ پہلے فعل کو عمل دینا واجب ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہذا کا مشار الیہ اختلاف فراء ہو یعنی ہذا کا اختلاف الفراء واقع فی الجواز جاننا چاہیے کہ ہذا کا مشار الیہ جو بھی قرار دیا جائے صورت پر یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ اس جواز کی تصریح کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہر فعل کے اعمال کا جواز ماقبل سے مستفاد ہو رہا ہے جواب دیا گیا ہے کہ مصنف جواز کے عدیل یعنی الاختیار کو بیان کرنا چاہتے تھے کلما کیسا تھ جو کہ تفصیل کیلئے آتا ہے اسکا اکثر استعمال ایسی دو یا زیادہ چیزوں میں ہوتا ہے جو آپس میں عدیل (برابر) ہوں مقابل اسوجہ سے مصنف نے جواز کو جو کہ اختیار کا عدیل ہے دوبارہ ذکر کر دیا تاکہ کلما کا ذکر بلا عدیل کے لازم نہ آوے۔ تو گویا کہ مصنف کی اصل عبارت اسطرح ہوئی اما اعمال کل واحد من الفعلین عند تنازعہما بلا خلاف فیہ بین البصریین والکوفیین سوی الفراء فہو ثابت فی الجواز واما الاختیار ای الاختیار فی اعمال ای منہما ففیہ خلاف البصریین الخ **قولہ البصریین الخ** البصریین یاء کے کسرہ کیساتھ ہے اگر چہ قیاس اس کو مقتضی تھا کہ یاء مفتوح ہوتی۔ بصریین سے مراد وہ نحاۃ ہیں جو بصرہ کی طرف منسوب ہیں اور کوفیین سے مراد وہ نحات ہیں جو کوفہ کی طرف منسوب ہیں۔ (باقی بر صفحہ ۶۶ پر) ✦

فَاِنَّهُمْ يَخْتَارُوْنَ اِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِيْ اعْتِبَارًا لِلْقُرْبِ وَالْجِوَارِ وَالْكُوْفِيُّوْنَ يَخْتَارُوْنَ اِعْمَالَ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ مُرَاعَاةً لِلتَّقَدُّمِ وَالْاِسْتِحْقَاقِ فَاِنْ اَعْمَلْتَ الثَّانِيْ فَانْظُرْ اِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْاَوَّلُ يَقْتَضِي الْفَاعِلَ اَضْمَرْتَهٗ فِي الْاَوَّلِ كَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبَانِيْ وَاَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ وَضَرَبُوْنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا وَضَرَبَانِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبُوْنِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْاَوَّلُ يَقْتَضِي الْمَفْعُوْلَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ حَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ مِنَ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ كَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا اَوْ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ وَاِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ يَجِبُ اِظْهَارُ الْمَفْعُوْلِ لِلْفِعْلِ الْاَوَّلِ كَمَا تَقُوْلُ حَسِبَنِيْ مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا اِذْ لَا يَجُوْزُ حَذْفُ الْمَفْعُوْلِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ وَاِضْمَارُ الْمَفْعُوْلِ قَبْلَ الذِّكْرِ هٰذَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّيْنَ

(حاشیہ متعلقہ ص٦٥) حاصل یہ ہوا کہ فراء کا خلاف پہلی اور تیسری صورت میں جواز کے اندر ہے یعنی فراء ان دونوں صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں رکھتا ہے اور نحاۃ بصرہ وکوفہ کا اختلاف مختار میں ہے اور یہ اختلاف تمام صورتوں میں ہے بخلاف فراء کے کہ اسکا اختلاف وہ فقط دو صورتوں میں ہے۔ جیسا کہ گذرا (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فانہم** یعنی بصریین فعل ثانی کو عمل دینا پسند کرتے ہیں مع امر کے کہ انکے نزدیک فعل اول کو عمل دینا جائز ہے۔ یہاں پر دو سوال ہوتے ہیں ایک مصنف پر کہ مصنف نے بصریین کے مذہب کو پہلے کیوں بیان کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک چونکہ بصریوں کا مذہب مختار ہے اسوجہ سے مصنف نے ان کے مذہب کو اول بیان کرنا اختیار کیا کیونکہ یہ استعمال کے اعتبار سے اکثر ہے دوسرا سوال بصریوں سے یہ ہوتا ہے کہ اے بصریو تم فعل ثانی کو عمل دینا کیوں پسند کرتے ہیں مصنف انکی طرف سے کہتا ہے چونکہ فعل ثانی اس اسم کے قریب ہے اور جوار میں ہے تو بصریوں نے قرب اور جوار کا اعتبار کر کے فعل ثانی کو عمل دیدیا ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جاوے تو عامل اور معمول کے درمیان فصل لازم آتا ہے جو کہ معمول میں غیر اصل ہے چونکہ اصل یہی ہے کہ معمول اپنے عامل کے متصل ہو لہٰذا یہ امر مقتضی ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جاوے تیسری وجہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں بھی فعل ثانی کو ہی عمل دیا گیا ہے اس سے قولہ تعالیٰ ہاؤم اقرءوا کتابیہ چنانچہ اس آیت میں اقرءوا کو عمل دیا ہے نیز چونکہ اگر فعل اول کو کتابیہ میں عامل بنایا جاتا تو ضمیر لانا خطا رہتا جبکہ وہ مفعول کا تقاضا کرے نیز فصحاء کے کلام میں بھی فعل ثانی کو ہی عمل دیا گیا ہے چنانچہ شاعر کے قول قضی کل ذی دین فوفی غریمہ وذو عزۃ ممطول یعنی عزیمہا میں دونوں مصرعوں کے اندر فعل ثانی کو عمل دیا ہے کیونکہ اگر اول مصرع میں فعل ثانی کو عمل نہ دیتے بلکہ یہ کہتے کہ توفوفاہ کہتے اور دوسرے میں موصوف درست فعل کو عمل ہے کہ شاعر اگر پہلے فعل کو عمل دیتا تو ہر عزیمہا کہتا مگر ظاہر کرنیکے ساتھ **قولہ والکوفیون الخ** جبکہ اسکو منصوب پڑھا جاوے تو ضمیر منصوب بیان پر مطوف ہوگا اور جبکہ مرفوع پڑھا جاوے تو مطوف ہے حاصل یہ ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ نحاۃ کوفہ فعل اول کو عمل دینا پسند کرتے ہیں باوجود اس امر کے کہ فعل ثانی کو بھی عمل دینا انکے نزدیک جائز ہے بخلاف فراء کے کہ اس کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں واجب ہے جیسا کہ گذرا انکے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا اسوجہ سے مختار ہے کہ فعل اول ہے اور تقدم اصل ہے اور استحقاق مطلوب کیلئے اسبق ہوگا یعنی کوئی تقدیم اور استحقاق کی وجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا پسند کرتے ہیں دوسری وجہ بیان کرتے ہیں اگر فعل ثانی کو عمل دیا جاوے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے اور فعل اول کو عمل میں خرابی لازم نہیں آتی ہے اسوجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا مختار ہوگا تیسری دلیل امرء القیس شاعر کا مصرع شعر سے ہے اسکا قول کفانی ولم اطلب قلیل من المال ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ امرء القیس صورت ثالثہ میں فعل اول کو عمل دیتا ہے اور قلیل من المال کو من کفانی ثانی فاعل قرار دیتا ہے اور المال کا مفعول نہیں بناتا پس معلوم ہوا کہ فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے مصنف اسکا جواب بصریوں کی جانب سے دیتے ہیں کہ امرء القیس کا قول کفانی ولم اطلب قلیل من المال تنازع سے نہیں ہے کیونکہ اگر تنازع ہوتا تو فعلان سے کہا جاتا کفیانی قلیل تو شعر کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ استدلال کیلئے اس مصرع سے ہم تفصیل مقام کی یہ ہے کہ پورا شعر اسطرح پر ہے بیت ولو انما اسعی لادنی معیشۃ کفانی ولم اطلب قلیل من المال پس شعر کے مصرع اول میں عرض کیا ہے اور دوسرے مصرع میں جزاء کو ذکر کیا ہے (باقی بر صفحہ ٦٧ پر)

وَاَمَّا اِنْ اَعملتَ الفِعلَ الاولَ علی مذھبِ الکوفیین فانظر اِن کانَ الفِعلُ الثانی یقتضی الفاعِلَ اضمرتَ الفاعِلَ فی الفِعلِ الثانی کما تقولُ فی المتوافِقَین ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربونی واکرمونی الزیدون وفی المتخالفین ضربتُ واکرمنی زیدًا وضربتُ واکرمانی الزیدَین وضربتُ واکرمونی الزیدین وان کان الفعلُ الثانی یقتضی المفعولَ ولم یکن الفعلانِ من افعالِ القلوبِ جازفیہ الوجھانِ حذفُ المفعولِ والاضمارُ والثانی ھو المختارُ لیکونَ الملفوظُ مطابقًا للمرادِ اما الحذفُ فکما تقولُ فی المتوافِقَین ضربتُ واکرمتُ زیدًا وضربتُ واکرمتُ الزیدَین وضربتُ واکرمتُ الزیدین وفی المتخالفین ضربنی واکرمتُ زیدٌ وضربنی واکرمتُ الزیدان وضربنی واکرمتُ الزیدون

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۶۶) داخل ہوتا ہے اور اسکا خاصہ ہے کہ شرط وجزا میں سے جو مثبت ہوتا ہے اس کو منفی اور منفی کو حکم میں مثبت کے کر دیتا ہے علیٰ ہذا القیاس شرط جزا پر جو معطوف ہوتا ہے اسکے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے اس تمہید کے بعد جانو کہ افا اسی جملہ فعلیہ شرطیہ اور کفانی اسکی جزا ہے اور دونوں مثبت ہیں ای لو ثبت سعی لادنی معیشۃ کفانی قلیل من المال یعنی اگر میں ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا تو قلیل مال مجھے کافی ہوتا پس اس جگہ بقاعدہ مذکورہ دونوں فعل منفی ہو جائینگے اور یہ معنی ہونگے کہ میں نہ ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا ہوں اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے پھر چونکہ لم الطلب کا کفانی پر عطف ہے لہذا یہ بھی لو کا جواب ہوگا اور تقدیر عبارت اسطرح پر ہوگی لو ثبت سعی لادنی معیشۃ لم الطلب پس ادنیٰ معیشت کی سعی منفی اور لم الطلب مثبت ہوگا اب اگر یہ کہیں کہ لم طلب اور کفانی قلیل من المال کو اپنا معمول بنانے میں تنازع کرتے ہیں تو بقاعدہ الاعمال مثبت منفی مثبت ہو کر یہ معنی ہونگے کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں قلیل مال کو اور یہ صریح تناقض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قول مکو امر والقیس کا تنازع فعلان سے نہیں بلکہ لم الطلب کا مفعول محذوف ہے ای العز والمجد اور قرینہ یہ دوسرا شعر ہے ولکنما اسعی لمجد مؤثل اور قد یدرک المجد المؤثل امثالی اور اسوقت معنی شعر کے ظاہر ہیں۔ کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں میں عزت ثبوتی کو (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فان اعملت** یہاں پر مصنف بصریوں کے مذہب کی تفصیل بیان کرتا ہے کیونکہ اجمال میں مصنف نے مذہب بصریین کو مقدم کیا تھا سو جو بہ سے تفصیل میں بھی مقدم کر دیا تاکہ نشر علی الترتیب اللف ہو جاوے مصنف کے کلام کا حال یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تم فعل ثانی کو لگاؤ جیسا کہ بصریوں کا مختار ہے۔ تو فعل اول پر نظر کرو کہ فعل اول فاعل کا تقاضا کرتا ہے یا مفعول کا اگر فعل اول فاعل کا مقتضی ہے یعنی اسوقت جبکہ فعل اول اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لائیں گے یعنی اگر اسم ظاہر مفرد ہو تو مفرد کی ضمیر لائیں گے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ اور تثنیہ یا جمع ہوگا تو ضمیر تثنیہ یا جمع کی لائیں گے جیسے ضربانی واکرمنی الزیدان و ضربونی واکرمنی الزیدون ایسے تذکیر و تانیث میں موافقت ضروری ہے تذکیر میں موافقت کی مثالیں گذر چکی ہیں تانیث مثالیں یہ ہیں ضربتنی واکرمت ہندٌ و ضربتانی واکرمت الہندان ضربتنی واکرمت الہندات یہ امثلہ میں موافق نہ ہوں۔ بلکہ مخالف ہوں جیسے ضربنی واکرمت زیدٌ ضربانی واکرمت الزیدین وضربونی واکرمت الزیدین ضربتنی واکرمت ہندٌ وضربتانی واکرمت ہندین وضربتنی واکرمت ہندات پھر یہ توافق اسم ظاہر اور ضمیر میں اسوجہ سے ضروری ہے۔ کہ وہ اسم ظاہر اس ضمیر کا مرجع ہے اور مرجع اور ضمیر کے درمیان توافق لازم ہے بہر حال فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں فعل اول اگر فاعل کو مقتضی ہو تو اس میں موافق اسم ظاہر کے فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ اور فاعل کو محذوف نہ مانیں گے جیسا کہ کسائی کا مذہب ہے۔ کسائی کہتا ہے جب کہ پہلا فعل فاعل کو تقاضا کرے اور دوسرے کو فعل کو عمل دیا ہو تو پہلے فعل کے فاعل کو حذف کر دینگے اور ضمیر نہ لائیں گے۔ چونکہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جمہور اور کسائی میں خلاف کا اثر اس وقت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک ضربانی واکرمنی الزیدان و ضربونی واکرمنی الزیدون کہا جاوے گا اور کسائی کے نزدیک ضربنی واکرمنی الزیدان اور و ضربنی واکرمنی الزیدون بولا جاویگا اور جب کہ اسم ظاہر مفرد ہو تو خلاف کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ دونوں کے نزدیک ضربنی واکرمنی زید کہا جاویگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ صورت تنازع میں جب کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ فاعل کو حذف کریں دوسرے یہ کہ فاعل کو ذکر کریں تیسرے یہ کہ اسم ظاہر کے موافق پہلے فعل میں ضمیر لائیں۔ ذکر تو کسی کے نزدیک درست نہیں چونکہ تکرار لازم آتا ہے اور تکرار مخل بالفصاحۃ ہے اس وجہ سے ذکر درست نہیں ہے۔ اور حذف بھی درست نہیں ہے۔ جب تک کوئی قائم مقام نہ ہو جاوے اب فقط ضمیر لانا رہ گیا تو جمہور کہتے ہیں۔ کہ ضمیر لائیں گے اگرچہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ جو درست نہیں ہے۔ (باقی بر صفحہ ۶۸ پر)

مسئلہ یہ ہے کہ دونوں میں اختلاف

واما الاضمار فكما تقول في المتوافقين ضربتُ واكرمتُهُ زيداً وضربتُ واكرمتُهما الزيدين وضربتُ واكرمتُهم الزيدين وفي المتخالفين ضربني واكرمتُه زيدٌ وضربني واكرمتُهما الزيدان وضربني واكرمتُهم الزيدون واما اذا كان الفعلان من افعال القلوب فلابدّ من اظهار المفعول كما تقول حسبني وحسبتُهما منطلقين الزيدان منطلقا وذلك لان حسبني وحسبتُهما تنازعا في منطلقاً واعملت الاول وهو حسبني واظهرت المفعول في الثاني فان حذفت منطلقين وقلت حسبني وحسبتُهما الزيدان منطلقاً يلزم الاقتصار على احد المفعولين في افعال القلوب وهو غير جائز وان اضمرت فلا يخلو من ان تضمر مفرداً وتقول حسبني وحسبتُهما اياه الزيدان منطلقاً وحينئذٍ لا يكون المفعول الثاني مطابقاً للمفعول الاول وهو هما في قولك حسبتهما ولا يجوز ذلك او ان تضمر مثنى وتقول حسبني وحسبتهما اياهما الزيدان منطلقاً وحينئذٍ يلزم عود الضمير المثنى الى اللفظ المفرد وهو منطلقاً الذي وقع فيه التنازع وهذا ايضاً لا يجوز واذا لم يجز الحذف

(متعلقہ حاشیہ ص۶۷) مگر یہ اسوقت درست ہوتا ہے۔ جبکہ عمدہ میں بشرط تفسیر ہو۔ جیسا کہ قل ہو اللہ احد اور نعم رجلا او کسی اضمار قبل الذکر سے پہلے کیونکہ جسے حذف کو جائز رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ فاعل کا حذف کرنا جائز ہے۔ بلا اسکے کہ اسکے کوئی قائم مقام ہو جیسے قولہ تعالیٰ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ اور قولہ تعالیٰ اسمع بہم وابصر میں کہ اس میں ہم کو حذف کر دیا ہے جیسا کہ سیبویہ کہتا ہے اور جیسے ما قعد وما قام الا انا کہ اس میں سب کے نزدیک پہلے فعل کا فاعل محذوف ہے اور جیسے احزن ہم ما کرموا القوم کہ اس میں فاعل جو کہ واو ہے۔ محذوف ہے اور جیسے بئس الہم اے بدا لہم رائی کہ اس میں رای فاعل محذوف ہے جمہور نے ان شواہد کے جواب دیئے ہیں اول شاہد اطعام الخ کے بارے میں کہا ہے کہ اطعام مصدر ہے اور مصدر عمل میں قاصر ہوتا ہے۔ لہذا اس میں فاعل کا وجود ضروری نہیں ہے لہذا یہ جسطرح اور جملہ فاعل کے مقتضی نہیں اسیطرح یہ بھی فاعل کو مقتضی نہیں ہے لہذا یہ حذف فاعل کے باب سے نہ ہوا باقی شواہد کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ سب تقدیر فاعل پر محمول ہیں اور حذف فاعل نسیاً پر محمول نہیں اور باب تنازع میں نسیاً منسیاً ہوتا ہے دوسرا جواب انکا یہ بھی دیا گیا ہے کہ ان میں فاعل کا حذف نادر ہے اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا **قولہ ان کان الخ** یعنی فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں جبکہ فعل اول مفعول کو مقتضی ہو اور دونوں فعل افعال قلوب سے نہ ہوں تو مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ وہ کلام میں فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے اور اضمار مفعول قبل ذکر کی اس میں ضرورت نہیں رہتی ہے اسوجہ سے مفعول کی ضمیریں لاتے اسکو کتاب میں موجود دیکھیں فانظر فیہا۔ **قولہ فان کان الخ** یعنی اگر افعال تنازع افعال قلوب سے ہوں تو اس وقت مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہوگا جیسے حسبنی وحسبت زیداً منطلقاً کہ یہاں حسبنی اور حسبت اولاً زیداً میں تنازع کرتے ہیں فعل اول اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے اور فعل ثانی اسکو مفعول پس موافق مذہب بصریوں کے فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول میں ضمیر فاعل کی لائے اسلئے کہ فاعل عمدہ اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے پھر ثانیاً یہ دونوں فعل منطلقاً میں تنازع کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے پس یہاں پر بھی موافق مذہب بصریوں کے فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول کے مفعول کو ظاہر کیا گیا چنانچہ کہا ہے حسبنی منطلقاً وحسبت زیداً منطلقاً اسلئے کہ اگر فعل اول کے مفعول کو حذف کریں تو دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار لازم آتا ہے اور افعال قلوب میں یہ جائز نہیں کہ دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار کیا جائے اور ضمیر لائیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ اور وہ ناجائز ہے پس لامحالہ فعل اول کے مفعول کو ذکر کریں گے۔ اور یہ واجب ہوگا یہاں اظہار اسم کیا جاتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ افعال قلوب کے مفعول کا حذف درست نہیں ہے حالانکہ قولہ تعالیٰ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا میں حتی بصیغہ غایت پڑھی جاوے تو پہلا مفعول یہاں پر محذوف ہوگا تقدیر عبارت ہوگی تعلمہم خیرا ہم بعض نے جواب دیا ہے کہ اس قراءۃ پر ضمیر ہو مفعول اول ہے جبکہ کیلئے راجع ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ مفعول اول منصوب ہوتا ہے ضمیر مرفوع کیسے مفعول ہو سکتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ یہاں پر ضمیر مرفوع کو ضمیر منصوب کی جگہ میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ قولہ تعالیٰ انک انت العلیم الحکیم میں انت ضمیر مرفوع کو منصوب کی جگہ میں واقع کیا ہے **قولہ اما ان اعملت الخ**۔ یعنی موافق مذہب کوفیوں کے جب فعل اول کو عمل دیں (بقیہ حاشیہ ص۶۹ پر)

والاضمار کما عرفت وجب الاظہار فصل مفعول مالم یسم فاعلہ وھو کل مفعول حذف فاعلہ واقیم ھو مقامہ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۶۸)

تو فعل ثانی میں اگر وہ فاعل کا مقتضی ہے تو فاعل کی ضمیر لائیں گے اور ضمیر لانیکی صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آتا ہے نہ رتبۃً اور یہ جائز وہ اضمار قبل الذکر ہے جو کہ لفظاً اور رتبۃً لازم آئے اور اگر فعل ثانی اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہتا ہے تو مذہب مختار کے بموجب فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر لائیں گے اور حذف بھی جائز ہوگا ضمیر لانا یا حذف کرنا اسوقت ہے جبکہ افعال افعال قلوب سے نہ ہوں اور ضمیر لانا حذف سے اسوجہ سے مختار ہے کہ ملفوظ و مقصود کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ مقصود یہ ہے کہ اسم دونوں فعلوں کا مفعول ہے۔ تو جب ثانی فعل میں ضمیر نہ لائی جاویگی۔ تو یہ وہم ہوگا کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اول کے مفعول کے مغائر ہے۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے۔ اس وجہ سے ضمیر لانا مختار ہوا امثلہ مفصلاً کتاب میں ہیں غور سے انکو دیکھو۔ **قولہ واما اذا کان الخ** یعنی جبکہ دونوں افعال قلوب سے ہوں اور کوئی ایسا مانع موجود ہو کہ ضمیر نہ لا سکیں تو اسوقت مفعول فعل ثانی کا اظہار ضروری ہوگا۔ کیونکہ جب اضمار اور حذف ممتنع ہونگے تو بدون اظہار چارہ نہ ہوگا اسوجہ سے اظہار ضروری ہو جاویگا یعنی وحسبتہا الزیدان منطلقاً میں دونوں فعلوں نے اولا زیدان میں تنازع کیا فعل اول نے اسکو اپنا فاعل اور فعل ثانی نے اسکو اپنا مفعول بنانا چاہا تو عمل فعل اول کو دیا گیا اور فعل ثانی میں ضمیر مفعول کی لائے یعنی حسبتہا کہا پھر دونوں نے منطلقاً میں تنازع کیا دونوں نے اسکو اپنا مفعول بنانا چاہا پس بنا بر مذہب اہل کوفہ کے فعل اول کو عمل دیا گیا اور فعل ثانی کے مفعول کو ظاہر کیا یعنی وحسبتہا منطلقین الزیدان منطلقاً کہا اسلئے کہ اگر فعل ثانی کے مفعول کو حذف کرتے ہیں تو فعل قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور ضمیر لاتے ہیں۔ تو دو حال سے خالی نہیں مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تثنیہ کی مفرد کی ضمیر لانے میں حسبت کے دونوں مفعولوں میں موافقت نہیں رہتی حالانکہ موافقت ضروری ہے اسلئے کہ حسبت کا مفعول اول حقیقت میں مبتدا اور مفعول ثانی اسکی خبر ہے اور مبتدا اور خبر کے مابین افراد اور تثنیہ میں تطابق ضروری ہے اور تثنیہ کی لانے میں مرجع اور ضمیر کے مابین توافق نہیں رہتا کیونکہ مرجع ضمیر کا منطلقاً ہے اور وہ مفرد ہے پس جب اضمار اور حذف دونوں ناجائز ہوئے تو لامحالہ فعل ثانی کے مفعول ثانی کو ظاہر کرنا پڑا۔ اب اگر کوئی کہے کہ مثال مذکور میں تنازع ممکن نہیں اسلئے کہ شرط تنازع کی یہ ہے کہ دونوں فعل عمل کرنے کیلئے کسی امر واحد کیطرف متوجہ ہوں گے اور ہر ایک کا عمل اس میں علی سبیل البدلیت جائز ہو اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ فعل کا عمل منطلقاً میں علی سبیل البدلیت جائز نہیں فعل اول مفعول مفرد کو مقتضی ہے اور فعل ثانی مفعول مثنی کو پس دونوں امر واحد کیطرف متوجہ ہوئے اور جواب یہ ہے کہ منطلقاً سے مراد فقط منطلقاً نہیں بلکہ اس سے مراد وہ اسم ہے جو کہ وصف انطلاق کیساتھ متصف ہو عام اس سے کہ مفرد ہو یا تثنیہ

(حاشیہ صفحہ بلا) **قولہ فصل** جب مصنف مرفوعات کی پہلی قسم کے بیان سے فارغ ہوگئے۔ تو اب مرفوعات کی دوسری قسم کے بیان میں شروع کر دیا مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہ ہے یعنی مفعول اس فعل یا شبہ فعل کا کہ جس کا فاعل مذکور نہ ہو مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام فاعل ہونیکی حیثیت سے اگرچہ فاعل میں شمار ہے۔ مگر چونکہ اسکا نام مفعول ہو گیا ہے لہذا مصنفؒ نے اسکی تعریف کو مستقل طور پر ذکر کیا اور اس کیلئے فصل مستقل لا کر اس امر کیطرف اشارہ کر دیا کہ مرفوع کی دوسری قسم ہے۔ مفعول مالم یسم فاعلہ میں سے مراد فعل یا شبہ فعل ہے اور مفعول کی اسکی طرف اضافت ہو رہی ہے اور لم یسم سے مراد لم یذکر ہے۔ یعنی ایسے فعل یا شبہ فعل کا مفعول جسکا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو جب لم یسم سے مراد مجاز بالکنایہ کے طور پر لم یذکر ہو گیا تو یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ حذف شے وجود شے پر متفرع ہے اور لم یسم مقتضی ہے کہ اس کے فاعل کیلئے بالکل نام نہ ہو۔ لہذا جب اس کے لیے کوئی اسم نہیں تو اسکا حذف کرنا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حذف معدوم محال ہے۔ **قولہ کل مفعول الخ** یعنی ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کے مفعول کو اسکی جگہ رکھدیا ہو۔ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ادنی اتصال یعنی اس تعلق کی بنا پر ہے کہ یہ فاعل اسی فعل یا شبہ فعل کا ہے جسکا مفعول ہے۔ یعنی دونوں ایک فعل یا شبہ فعل کے مدلول پر ہونے میں شریک ہیں معمولیت کی شرکت کا جو ایک تعلق ہے اس کی بنا پر اضافت کر دی ہے **قولہ اقیم ھو مقامہ**۔ اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ اسوقت لاتے ہیں جبکہ کسی شئی کا ضمیر متصل پر عطف کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ مزیت تابع کی متبوع پر لازم نہ آئے لیکن یہاں باوجودیکہ اقیم کی ضمیر مستتر پر کسی کا عطف نہیں پھر اسکی تاکید ضمیر منفصل لائی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے نہ کی جاتی تو دو قباحتیں پیدا ہو جاتیں ایک یہ کہ اس وقت وہم ہوتا کہ مقام اقیم کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے دوسرے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ضمیر اقیم کی فاعل کی طرف راجع ہے اسلئے وہ قریب ہے اور قاعدہ ہے کہ قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف نہیں جاتے۔ مگر چونکہ دونوں صورتوں میں کلام کے معنی غلط ہیں لہذا خلاف قیاس اس کی تاکید ضمیر منفصل سے کر دی گئی تاکہ اس کا مرجع بھی خلاف قیاس بعید یعنی مفعول ہو جائے اور کلام بے معنی نہ رہے۔ باقی رہا یہ امر کہ اس مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہ کیوں کہتے ہیں تو اس کی وجہ تعریف سے ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں جاننا چاہیے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کے لیے شروط ہیں جن کو مصنف نے ترک کر دیا، برائے افادہ میں ان کو بیان کرتا ہوں لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ فاعل کو . . .

. . . . حذف کرنے اور مفعول کو اس کے قائم مقام کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ صیغہ معروف صیغہ مجہول کی طرف متغیر کیا گیا ہو۔ اور یہ شرط اس وقت ہے جس وقت کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کا عامل فعل ہو۔ اور جس وقت اس کا عامل شبہ فعل ہوگا جیسے زید مضروب غلامہ اس وقت یہ شرط نہ ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس مفعول کو قائم مقام فاعل کیا جاوے (باقی بر صفحہ ۷۰ پر)

نحو ضُرِبَ زیدٌ وحکمُہٗ فی توحید فعلِہٖ و تثنیتہٖ وجمعہٖ وتذکیرہٖ وتانیثہٖ علیٰ قیاسِ ما عرفتَ فی الفاعل فصل المبتدا والخبر ھما اسمان

(متعلقہ حاشیہ ص۶۹) وہ مفعول باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث نہ ہو۔ کیونکہ باب علمت کا مفعول ثانی مفعول اول کیطرف مسند ہوتا ہے اسیطرح مفعول ثالث باب اعلمت کا مفعول ثانی کیطرف مسند ہوتا ہے پس اگر ان دونوں مفعولوں کو قائم مقام فاعل کیا جاویگا۔ تو لازم آئیگا کہ ایک چیز دو اسناد تام کیساتھ مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی بخلاف اسکے کہ دو اسنادوں میں ایک ناقص جیسے انجبنی ضرب زید عمرا اگر یہاں ضرب مسند الیہ ہے اور مسند بھی مگر مسند الیہ باعتبار اعجبنی کے اور مسند باعتبار زید کے ہے اسناد اول تام ہے اسلیئے کہ وہ فعل کی ہے اور اسناد ثانی ناقص ہے نیز ضروری ہے کہ وہ مفعول لہ بھی نہ ہو اسلیئے کہ نصب اس میں اسکے علت ہونے پر دال ہے پس اگر مفعول لہ کو بجائے فاعل کے کرکے رفع دینگے تو نصب اور یہ دلالت فوت ہو جائیگی نیز مفعول علت اور غرض فعل پر دلالت کرتا ہے اور علت اور غرض ہر فعل کیلئے ضروری نہیں اسلیئے کہ فعل کبھی اختیاری ہوتا ہے اور اسکے لئے علت اور غرض ہوتی ہے اور کبھی اضطراری ہوتا ہے اور اس کے لیے علت اور غرض ضروری نہیں ہے بخلاف فاعل کے کہ وہ ہر فعل کے لیے ضروری ہے پس اگر مفعول لہ کو بجائے فاعل کے کرینگے تو اس صورت میں خلیفہ بنانا غیر ضروری کا ضروری کیلئے لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں ہے اور اسیطرح مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مفعول معہ وہ مفعول ہے کہ جو واو بمعنی مع کے بعد واقع ہوتا ہے۔ پس اگر مفعول معہ قائم مقام فاعل کے کریں تو دو صورتیں ہیں یا تو مع واو کے کرینگے یا بدون واو کے مع واو کے نائب فاعل نہیں کر سکتے اس لیے کہ واو انفصال کو چاہتا ہے اور قائم مقام فاعل مثل فاعل کے جزو فعل کی مانند ہوتا ہے پس وہ اتصال کو چاہتا ہے اور انفصال اسکے منافی ہے علی ہذا بدون واو کے بھی مفعول معہ قائم مقام فاعل کے نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ اسوقت اسکا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا نیز جاننا چاہیے کہ فاعل کو حذف کرکے مفعول کو قائم مقام فاعل کرنا ایسے چند اغراض کیوجہ سے ہوتا ہے جن میں سے بعض ذیل میں درج ہیں (۱) جسوقت فاعل کا علم نہ ہو تو مفعول کو اس کی جگہ ذکر کرتے ہیں جیسے سرق المتاع (۲) فاعل جب خسیس ہو جیسے شتم الخلیفۃ (۳) فاعل جب معظم ہو جیسے قطع اللص (۴) سامع کے اختیار کیلئے جیسے قتل عدوک (۵) ابہام کی بنا پر جیسے ضرب زید (۶) اختصار کی بنا پر جیسے اقیمت الصلوۃ (۷) موافقت قوافی کی بنا پر جیسے وما المال والاہل الا ودائع۔ ولا بد یوما ان تُرَدّ الودائع (۸) رعایت سجع کی وجہ سے جیسے وما لاحد عندہٗ تجزیٰ (۹) علم مخاطب کی بناء پر جیسے قولہ تعالیٰ اذا بعثر ما فی القبور۔ اور بہت سی اغراض ہیں جن کی وجہ سے فاعل کو حذف کرکے مفعول کو اس کے قائم مقام کیا جاتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ مصنف نے مفعول کو بدیہ کیساتھ مقید نہیں کیا اس سے اس کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ اقامۃ مفعول مقام فاعل میں مفعول بہ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ان مذکورین کے علاوہ اور باقی قائم نائب فاعل بننے کی قابلیت رکھتے ہیں خواہ وہ مفعول مطلق ہو یا مفعول فیہ ظرف زمان یا مکان منصوب یا مجرور ہو **قولہ ضرب زید** اس کی اصل ضربت زیدا فاعل کو حذف کر لیا اور مفعول آ زید کو اسکے قائم مقام کر دیا لہذا مفعول مالم یسم فاعلہ ہوا اور ہر مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوع ہوتا ہے۔ اسوجہ سے یہ مرفوع ہے **قولہ حکمہ فی توحید فعلہ** یعنی اس مفعول کا حکم اسکے فعل کے واحد اور تثنیہ اور جمع اور مذکر مونث لانے میں اسی قیاس پر ہے جو فاعل میں پہچانا ہے یعنی جس وقت مفعول مفرد ہو تو فعل کو واحد لایا جائیگا خواہ وہ مفعول واحد ہو یا مثنی یا مجموع جیسے ضرب زید ضرب الزیدان وضرب الزیدون اور اگر مضمر ہو تو مثنی کیلئے مثنی اور مجموع کیلئے مجموع لایا جائیگا جیسے الزیدان ضربا الزیدون ضربوا اور اگر مونث حقیقی ہو تو فعل کو مونث لایا جاویگا چاہے مظہر ہو چاہے مضمر اور اگر مفعول اور فعل کے درمیان فصل نہ ہو جیسے ضربت ہندٌ ہندٌ۔ ضربت اور اگر فصل ہو تو پھر فعل کو مونث اور فعل مذکر لانے میں اختیار ہوگا جیسے ضربت الیوم ہندٌ و ضرب الیوم ہندٌ اور ایسے ہی اگر مونث غیر حقیقی ہو تو اگر مظہر ہے جیسے کورت الشمس و اکورت الشمس اور اگر مضمر ہے تو فعل کو مونث لایا جاویگا جیسے الشمس کورت۔ **قولہ فصل۔** جب مصنف مرفوعات کی قسم ثانی یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف اور اسکے احکام سے فارغ ہو گیا۔ تو اب مصنف مرفوعات کی قسم ثالث و رابع کو بیان کرتا ہے مرفوعات کی قسم ثالث و رابع مبتدا اور خبر ہے مصنف نے ان دونوں کو ایک فصل میں ذکر کیا ہے باوجود دیگر مرفوعات کی مستقل دو صنفیں ہیں چونکہ یہ دونوں متلازم ہیں۔ جیسا کہ وہ اصل ہے کیونکہ اصل ان دونوں میں یہ ہے کہ جب مذکور ہو تو دوسرا بھی دوسرے اس وجہ سے جمع کیا کہ دونوں عامل میں شریک ہیں کیونکہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے **قولہ ھما اسمان۔** یعنی مبتدا و خبر دو اسم ہیں خواہ حقیقی یا حکمی اس تعمیم پر قولہ تعالیٰ وان تصدقوا خیر لکم۔ تعریف مبتدا و خبر میں داخل ہوا۔ کیونکہ ان تصدقوا اگرچہ اسم حقیقی نہیں ہے مگر حکمی ہے کیونکہ تصدقکم کی تاویل میں ہے ایسے ہی ان تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ مبتدا و خبر کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ ان تسمع تاویل میں سماعک کی ہے ایسے ہی وہ جملہ جو خبر واقع ہو۔ کیونکہ وہ اسم کی تاویل میں ہے جیسے زید ضرب زید ضارب کی تاویل میں ہے۔ یہ وہ ہے جس کی طرف نحاۃ کی ایک جماعت گئی ہے مصنف اور شیخ ابن حاجب بھی ان میں ہے کیونکہ شیخ نے شرح مفصل میں تصریح کی ہے کہ خبر جملہ اسم کی تاویل میں ہوتا ہے اور محققین نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ جملہ بلا تاویل کے خبر ہوتا ہے جبکہ ایسا ہے تو پھر خبر کی یہ تعریف اس پر صادق نہ ہوگی۔ اسوجہ سے بعض نے خبر کی تعریف سے لفظ اسم کو حذف کر دیا ہے۔

مجردانِ عن العوامِل اللفظیۃ احدُھما مُسندٌ الیہ ویُسمّی المبتدأ والثانی مُسندٌ بہٖ ویسمّی الخبر نحو زیدٌ قائمٌ والعامِلُ فیھما معنویٌ وھو الابتداءُ واصل المبتدأ ان یکونَ معرفۃً واصلُ الخبر ان یکون نکرۃً والنکرۃُ اذا وصِفَت جاز ان تقعَ مبتدأً نحو قولہ تعالیٰ ولعبدٌ مُؤمنٌ خیرٌ مِّن مُّشرِکٍ

قولہ مجردان عن العوامل یعنی وہ دونوں اسم عوامل لفظی خواہ سماعی ہوں خواہ قیاسی سب سے خالی ہوں کلمہ عن مجردان کے متعلق ہے اور اللفظیۃ عوامل کی صفت ہے اگر کوئی کہے کہ مجرد تجرید سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنی خالی کرنے کے ہیں اور خالی کرنا کسی چیز کا کسی چیز سے اس کو مقتضی ہے کہ جس سے خالی کیا جاوے۔ وہ چیز اس میں پہلے موجود ہو پس معلوم ہوا کہ مبتدا پہلے عامل لفظی تھا جس سے خالی کیا گیا ہے۔ حالانکہ خلاف واقع ہے اسلیئے کہ جسوقت سے وہ مبتدا ہوا ہے اس وقت سے اس پر عامل لفظی نہیں آیا اور جواب یہ ہے کہ کبھی امکان وجود اور احتمال وجود کو بجائے وجود کے کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ضیق فم الجبر کنوئیں کے منہ کو تنگ کر دیں اس جگہ ناممکن ہے۔ کہ پہلے سے کنوئیں کا منہ کشادہ ہو اور اس کو تنگ کیا جائے بلکہ یہ معنی ہیں کہ کنوئیں کے بناتے وقت اسکے منہ کے کشادہ ہونیکا احتمال ہے اسکو ابتدا سے تنگ کیا جائے پھر اگر کوئی کہے کہ عوامل جمع عامل کی ہے اور اقل افراد جمع کے تین ہیں پس معلوم ہوا کہ اگر ایک یا دو عامل لفظی مبتدا میں ہونگے تو اس کے مبتدا ہونے میں کوئی محذور نہیں فتور اس صورت میں ہوگا جبکہ کم از کم تین عامل لفظی اس پر داخل ہوں اور اگر یہ کہیں کہ عوامل سے مراد مافوق الواحد ہے اور جمع کا استعمال اس معنی میں کثرت سے آتا ہے۔ تو کہا جائیگا کہ اس صورت میں اصل اعتراض رفع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبتدا پر ایک عامل لفظی کا پایا جانا ممنوع نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ لام تعریف جب جمع کیساتھ مجتمع ہوتا ہے تو معنی جمعیت کے باطل ہو کر استغراق مراد ہوتا ہے۔ اور لفظ جمع تمام افراد کو شامل ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں پر بھی جمع پر لام تعریف داخل ہونے سے یہ ہی مراد ہیں کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عام عوامل لفظیہ سے خالی ہو پس معلوم ہوا کہ عوامل لفظیہ کا ایک فرد بھی مبتدا میں نہ پایا جائیگا۔ **قولہ احدھما الخ** یعنی اور وہ اسموں میں سے جو تجرید کیساتھ موصوف ہیں ایک مسند الیہ ہے اس اسم مسند الیہ کو مبتدا کہتے ہیں اور ثانی اسم مسند ہے اسکو خبر کہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنفؒ نے مبتدا اور خبر دونوں کی تعریف ملا کر کر دی ہے بہتر یہ تھا کہ ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ کرتا جیسا کہ صاحب کافیہ نے کیا ہے مصنف کی عبارت سے ہر ایک کی جدا جدا تعریف یہ نکلی کہ المبتدا ہو الاسم المجرد عن العوامل اللفظیۃ المسند الیہ اور خبر کی تعریف ہوئی الخبر ہو الاسم المجرد عن العوامل اللفظیۃ المسند بہ ہم اولاً مبتدا کی تعریف کی تشریح کرتے ہیں۔ لہذا غور سے مطالعہ کیجیے۔ مصنفؒ کہتا ہے کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عامل لفظی قیاسی اور سماعی سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو جیسے زید قائم میں زید مبتدا ہے جو کہ عوامل لفظی سے خالی ہے اور مسند الیہ ہے مصنفؒ کے قول المجردان سے وہ اسما خارج ہو گئے کہ جنمیں عامل پایا جاتا ہے جیسے ان اور کان کا اسم اور مسند الیہ کی قید سے خبر اور قسم ثانی مبتدا سے احتراز ہوگیا۔ اس لئے کہ وہ مسند ہیں مسند الیہ نہیں۔ تعریف خبر کی تشریح یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند ہو مبتدا کیطرف مجرد عن العوامل سے وہ اسما نکل گئے جو مجرد نہیں جیسے ان وغیرہ کی خبر جو کہ مرفوع ہوتی ہے اور مسند قسم کی قید سے مبتداء اور خبر ثانی مبتدا کی نکل گئے۔ چونکہ وہ مبتدا کیطرف مسند نہیں ہوتے ہیں **قولہ نحو زید قائم** زید اور قائم دو اسم ہیں جو عوامل لفظی سے مجرد ہیں ان میں سے زید مسند الیہ ہے اسی وجہ سے مبتدا ہے اور قائم مسند ہے اسی وجہ سے خبر ہے۔ **قولہ العامل فیھما الخ** یعنی مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہیں اور وہ عامل معنوی ابتدا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں یا نہیں بصری کہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہے آ وہ عامل معنوی ابتدا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں یا نہیں بصری کہتے ہیں کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں اور وہ عامل معنوی ابتداء یعنی اسم کا عامل لفظی سے خالی ہونا تاکہ اسکی طرف کسی شے کا اسناد ہو یا اسکا کسی شے کیطرف اسناد ہو تو ان کے نزدیک یہ ابتدا مبتدا اور خبر میں عامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتدا بایں معنی مبتدا میں عامل ہے اور خبر میں مبتدا عامل ہے۔ اس قول پر خبر مانحن فیہ سے نہیں ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہیں یعنی مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں۔ اس قول پر دونوں عوامل لفظی سے مجرد نہ ہوں گے اور بعض عامل معنوی کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ عامل معنوی وہ ہے جو عقل سے مدرک نہ ہو اور اسکا تلفظ نہ کیا جاوے۔ **قولہ واصل المبتدا ان یکون** یہ جاننا چاہیئے کہ مبتدا کے لیے دو اصلیں ہیں مصنفؒ ان دونوں اصل کو بیان کرتا ہے۔ اصل کے معنی لغت میں بہتنی علیہ غیرہ کے ہے یہاں پر مراد حالت مناسبہ کے ہے۔ لہذا مصنفؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ مبتدا کی اصل یعنی وہ حالت مناسب جس پر مبتدا کو ہونا مناسب ہے یہ ہے کہ مبتدا معرفہ ہو اس لیے کہ مبتدا کا حکم افادہ پر ہے اور وہ کثرت اوقات میں معرفہ پر حکم کرنے کے ساتھ وابستہ ہے **قولہ اصل الخبر** یعنی خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیونکہ خبر محکوم بہ ہوتی ہے۔ اور اصل محکوم بہ تنکیر ہے **قولہ والنکرۃ الخ** چونکہ مصنفؒ نے جمہور نحاۃ کا مذہب اختیار کیا ہے کہ مبتدا کے لیے معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہونا ضروری ہے کیونکہ نکرہ بذریعہ تخصیص کے اس معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ جس کا محکوم علیہ میں دلیل سے ہونا ثابت ہوا ہے اس وجہ سے مصنفؒ نے والنکرۃ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مبتدا بھی نکرہ ہوتا ہے بشرطیکہ وجوہ تخصیص میں سے کسی امر کے ذریعہ تخصیص کی جائے تاکہ نکرہ بعد تخصیص کے معرفہ کے نزدیک ہو جاوے اور اس کا مبتدا ہونا درست ہو (باقی صفحہ ۷۲ پر)

وکذا اذا تخصصت بوجہٍ اخر نحو ارجلٌ فی الدارِ ام امرأۃٌ وما احدٌ خیرٌ منک و شرٌّ اھرّ ذا نابٍ وفی الدارِ رجلٌ وسلامٌ علیک وان کان احدُ الاسمین معرفۃً و الاخرُ نکرۃً فاجعلِ المعرفۃَ مبتدأً والنکرۃَ خبرًا البتۃ

(متعلقہ حاشیہ پرلے) وجہ تخصیص میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت ذکر کی گئی ہو۔ لہٰذا جب نکرہ موصوف ہوگا تو اسکا مبتدا ہونا درست ہوگا جیسے قولہ ولعبد مومن خیر من مشرک میں عبد نکرہ ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے لہٰذا اس کا مبتدا ہونا صحیح نہ تھا مگر جب اسکی صفت لائے اور لعبد مومن کہا تو بذریعہ صفت کے تخصیص ہوگئی یعنی تقلیل اشتراک ہو کر اس کا مبتدا ہونا صحیح ہوگیا۔ جاننا چاہیے کہ تصغیر بمنزلہ وصف کے ہے جیسے رجیل تا عد گویا کہ رجل حقیر قاعد کہا گیا ہے۔ لہٰذا تصغیر بھی وصف کے حکم میں ہے (حاشیہ صفحہ ہذا)

قولہ وکذا اذا تخصصت بوجہ آخر یعنی جیسے نکرہ مبتدا ہو جاتا ہے جب وصف کے ذریعہ سے مخصوص ہو جائے اسی طرح نکرہ اس وقت بھی مبتدا ہو جاتا ہے جبکہ کسی اور طریقہ سے مخصوص ہو جائے تخصیص سے مراد یہاں پر عام ہے چاہے حقیقی ہو یا حکمی آنیوالی امثلہ میں تخصیص حکمی ہے حقیقی نہیں ہے بخلاف مثال مذکور کے کہ اس میں تخصیص حقیقی ہے **قولہ نحو ارجل فی الدار ام امرأۃ** ۔ اس مثال میں رجل نکرہ ہے اور اس میں علم متکلم کے اعتبار سے تخصیص ہے اسلئے کہ متکلم جانتا ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی نہ کوئی گھر میں ضرور ہے اور سوال صرف اسکی تعیین سے ہے کہ مرد ہے یا عورت پس مثال مذکور میں احد ہمانی الدار کی صفت سے تخصیص پیدا ہوگئی **قولہ وما احد خیر منک** لفظ احد اس کی جگہ نکرہ ہے تحت میں نفی کے واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ تحت النفی کے واقع ہوتا ہے تو فائدہ عموم و شمول افراد کا حاصل ہوتا ہے یعنی حکم تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محکوم علیہ من حیث العموم متعین اور متخصص ہے اسلئے کہ مجموع افراد میں تعدد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ امر واحد ہے لہٰذا اس حیثیت سے اس میں تخصیص پیدا ہو جائے گی۔ **قولہ وشر اھر ذا ناب** ۔ اس مثال میں شر نکرہ مبتدا ہے اور اس کی تخصیص کا وہ طریقہ ہے جو فاعل میں ہوتا ہے فاعل میں تخصیص ذکر فعل سے ہوتی ہے مثلاً جب ہم نے کہا ضرب تو اس سے یہ سمجھا گیا کہ ضرب کے بعد جو چیز مذکور ہوگی وہ فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے پس جب رجل کہا گیا تو معلوم ہوا کہ رجل فاعل ہے اور اس میں فاعل ہونے کی صلاحیت ہے اب ضرور طلب یہ ہے کہ شر اھر ذا ناب میں شر کو فاعل کے ساتھ کیا مشابہت ہے کہ اس میں تخصیص تخصیص فاعل کے طور پر آتی ہے جواب یہ ہے کہ شر اھر ذا ناب جملہ میں ما اھر ذا ناب الاشر کے مستقل ہوتا ہے یعنی جو معنی کہ ما اھر ذا ناب الاشر سے حاصل ہوتے ہیں وہی معنی شر اھر ذا ناب سے سمجھے جاتے ہیں اور ما اھر ذا ناب الاشر میں شر فاعل سے بدل ہے اور بدل فاعل حکمی ہے پس وجہ یہ ہے کہ شر اھر ذا ناب میں شر فاعل کے مثل ہے اور اگر کوئی کہے کہ شر اھر ذا ناب کے معنے ما اھر ذا ناب الاشر کے کیونکر ہو سکتے ہیں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ما اھر ذا ناب الاشر میں ما اور الا کے ساتھ حصر ہے بخلاف شر اھر ذا ناب کے کہ اس میں حصر نہیں جواب یہ ہے کہ اس ترکیب میں بھی حصر موجود ہے اس لئے کہ شر اھر ذا ناب اصل میں اھر شر ذا ناب تھا اھر کی ضمیر مستتر سے شر بدل ہے اور بدل فاعل حکمی ہے اور وجہ اسکا فعل سے موخر ہے پس جب اسکو مقدم کیا تو حصر مستفاد ہوگیا اسلئے کہ تقدیم ما حقہ التاخیر کی فائدہ حصر کا دیتی ہے اور جب اس ترکیب نے حصر کا فائدہ دیا تو شر اھر ذا ناب کے معنے ما اھر ذا ناب الاشر کے ہوئے پھر اگر کوئی کہے کہ تخصیص اصطلاح میں قلت اشتراک کو کہتے ہیں پس یہاں کون سی چیز ہے جس کے اعتبار سے قلت اشتراک یعنی تخصیص حاصل ہے جواب یہ ہے کہ کتے کا بھونکنا کبھی معتاد ہوتا ہے اور کبھی غیر معتاد اور اگر غیر معتاد ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں کبھی خیر ہوتی ہے اور کبھی شر پس یہاں پر اگر نباح یعنی کتے کا بھونکنا معتاد ہو تو حصر بہ نسبت خیر کے حاصل ہوگا یعنی شر لا غیر اھر ذا ناب اور اگر غیر معتاد ہو تو جو نکرہ اس وقت اس کا بھونکنا محض شر ہے لہٰذا حصر حاصل نہ ہوگا اور صفت مقدرہ ہوگی تاکہ حصر صحیح ہو پس یہ معنی ہونگے کہ شر عظیم لا تقیا اھر ذا ناب نیز کہہ سکتے ہیں کہ شر کی تنوین تعظیم کیلئے ہے ای شر عظیم پس اسوقت احتیاج ان تکلفات بعیدہ کی نہ ہوگی اور عقل سلیم ان کو دشوار جانے گی **قولہ وفی الدار رجل** ۔ یہاں پر تقدیم خبر کی وجہ سے رجل میں تخصیص ہے اسلئے کہ فی الدار کہنے سے معلوم ہوا کہ جو بعد فی الدار کے واقع ہوگا وہ صفت استقرار کے ساتھ متصف ہوگا پس تقدیم خبر بمنزلہ تخصیص بالصفت کے ہے اور اس اعتبار سے اسکا مبتدا ہونا صحیح ہے **قولہ وسلام علیک** ۔ یہاں سلام نکرہ ہے۔ اور اس میں اس حیثیت سے تخصیص ہے کہ اصل میں سلمت سلاماً علیک تھا فعل کو حذف کر کے سلاماً کو بقصد دوام و استقرار کے رفع کیطرف معدول کیا اسلئے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے۔ اور اسکے لیے سزاوار دوام ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ باعتبار اصل کے قوۃ میں سلام من قبلی علیک کے ہے۔ اور متکلم کیطرف منسوب ہونیکی وجہ سے اسمیں تخصیص ہے (فائدہ) وارد مدار خبر کا افادہ پر ہے۔ پس اگر نکرہ محضہ سے افادہ حاصل ہوگا تو حق یہ ہے کہ وہ بھی مبتدا واقع ہے۔ جیسا کہ کوکب انقض الساعۃ میں کوکب مبتدا ہے **قولہ وان کان احد الاسمین** ۔ یعنی اگر دونوں میں سے ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ تو جو معرفہ ہے اس کو مبتدا بنایا جاوے جیسے مثلاً زید قائم کہ اس میں زید معرفہ ہے اور قائم خبر کیونکہ اصل مبتدا میں معرفہ ہے۔ اس وجہ سے زید مبتدا ہونے کے لیے معین ہوگیا۔ اور چونکہ اصل خبر میں نکرہ ہوتا ہے۔ اسوجہ سے قائم خبر ہونے کیلئے معین ہوگیا مصنف کا قول البتہ منصوب ہے چونکہ قولہ فاجعل المعرفۃ کا ظرف زمان ہے یا تقدیر عبارت ہوگی فی کل وقت یا فاجعل کا ظرف مکان ہے اسے فی کل ترکیب یا موصوف کو حذف قرار دے کر یہ مفعول مطلق ہے۔ یعنی فاجعل المعرفۃ مبتدأ جعلا تابیداً واللہ اعلم ۱۲ - ۱۲

كما مرّ وإن كانا معرفتين فاجعل أيّهما شئت مبتدأ والآخر خبراً نحو الله تعالى إلهنا ومحمد نبينا وآدم أبونا وقد يكون الخبر جملة اسمية نحو زيد أبوه قائم أو فعلية نحو زيد قام أبوه أو شرطية نحو زيد إن جاءني فأكرمته أو ظرفية نحو زيد خلفك وعمرو في الدار

قولہ وان کانا۔ یعنی اگر دو اسم معرفہ ہوں یا تخصیص میں مساوی ہوں تو پھر اختیار ہے کہ ان میں سے جسکو چاہیں مبتدا بنا دیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک مبتدا ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے تعریف اور تخصیص کی بنا پر جب اس کو مبتدا قرار دے لیا تو دوسرے کو خبر بنا لینا چاہیئے مختصر کے اکثر نسخوں میں اسی طرح واقع ہے صواب یہ ہے کہ مصنف اس طرح کہتا کہ فاجعل اولہما مبتدا یعنی اول کو مبتدا بنایا جاوے تاکہ التباس سے محفوظ ہو جاوے اور سامع کی حیرۃ دور ہو جاوے البتہ اگر مصنف کی عبارت کو بشرط التقدیم سے مقید کر دیا جاوے جیسا کہ ہم نے کیا ہے تو پھر عبارت کا مطلب درست ہو جاویگا اور حاصل یہ ہوگا کہ جب دونوں اسم معرفہ ہوں تو تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کر کے مبتدا بنایا جاوے اور جسکو چاہے مؤخر کر کے خبر بنایا جاوے یعنی اسوقت مبتدا کی تقدیم خبر پر واجب ہوتی ہے کیونکہ اگر مؤخر کیا جاوے تو التباس لازم آویگا اس وقت تک جب تک کہ کوئی قرینہ نہ ہو اور اگر کوئی قرینہ ہو اس امر پر کہ فلاں اسم مبتدا ہے اور فلاں خبر تو اسوقت مبتدا کی تاخیر درست ہے جیسے بنوّتنا جوابنا ثنا اس میں بنوّتنا مبتدا ہونے اور بنو ثنا خبر ہونے کیلئے متعین ہے۔ کیونکہ اگر اسکا عکس کیا جاوے گے کیونکہ پوتوں کو بمنزلہ بیٹوں کے قرار دیتا ہے نہ بیٹوں کو بمنزلہ پوتوں کے لہذا اگر بنوّتنا کو مبتدا اور بنو ابنا ثنا کو خبر قرار دیں تو لازم آئے گا کہ بیٹوں کو بمنزلہ پوتوں کے قرار دیا جاوے جو مقصود کے خلاف ہے جاننا چاہیے کہ جب دونوں اسم معرفہ ہوں تو جسکو چاہیں مبتدا قرار دینا مقدم کر کے یہ اسوقت درست ہے جبکہ ایک ان میں سے مفسر اور دوسرا مفسَّر نہ ہو اگر ایک ان میں سے بصیغہ مفعول ہے اور دوسرا مفسِّر بصیغہ اسم فاعل ہو تو مفسر کو یقیناً مبتدا بنایا جائیگا اور مفسر کو خبر اسلئے کہ مفسر اگرچہ معرفہ ہے جو ابتدا کا مستحق ہے لیکن وہ بمنزلہ مرکب ہے اور محطِ فائدہ ہے اسوجہ سے وہ خبر ہونے کیلئے الیق۔ کیونکہ خبر محطِ فائدہ ہوتا ہے اور کبھی مرکب بھی ہوتی ہے ایسے ہی اگر دونوں معرفہ ہونیکی صورت میں ایک اسم جامد ہو۔ دوسرا صفت جیسے زید الفضلق تو اس وقت زید جو کہ اسم جامد ہے مبتدا ہونے کے لیئے الیق ہے اگرچہ صفت بھی معرفہ ہے اور مستحق تقدیم ہے کیونکہ جامد بمنزلہ مفرد کے ہوتا ہے اور صفت بمنزلہ مرکب کے کیونکہ وہ ذات اور صفت پر دال ہے اور اسم جامد بمنزلہ مفرد کے اسوجہ سے ہے کہ وہ محض ذات پر دال ہے ایسے ہی اگر کوئی اُن میں سے عرف المعارف نہ ہو جیسے زید انت اگر ایسا ہوگا تو جو اعرف المعارف ہوگا وہ مبتدا ہونے کیلئے متعین ہو جاویگا **حاصل** یہ کہ اگر کوئی قرینہ ان دونوں میں کسی ایک کے مبتدا پر ہونیکو مقتضی ہو تو اسی کو مبتدا بنایا جاویگا اگرچہ دوسرا اسم بھی معرفہ ہونیکی وجہ سے مبتدا ہونے کے قابل ہے **قولہ قد یکون الخبر جملۃ۔** یعنی کبھی خبر جملہ ہوتی ہے لفظ کبھی کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو اسلئے کہ مفرد ہی کے لئے یہ مناسب ہے کہ دوسرے اسم کے ساتھ وابستہ ہو تاکہ دونوں کے درمیان نسبت حاصل ہو جاوے بخلاف جملہ کے کہ وہ خود ہی حامل اور تام ہوتا ہے اس کو دوسرے کی حاجت نہیں مگر ایں ہمہ خبر کبھی جملہ بھی ہوتی ہے خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ اشتدان سب کی کتاب میں ہیں۔ غور سے دیکھنا چاہیے مصنفؒ نے خواہ انشائیہ ہو نہیں کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک بھی جملہ انشائیہ خبر نہیں ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ بعض جملہ انشائیہ کو بھی خبر بنانا درست قرار دیتے ہیں کہ تاویل کے بغیر درست نہیں ہے رہا یہ امر کہ جملہ کا خبر بنانا کیسے درست ہے تو جاننا چاہیے کہ جملہ کا خبر ہونا اس وجہ سے درست ہے کہ خبر سے مراد مبتدا پر اس کے ساتھ حکم کرنا ہے اور وہ حکم جیسا مفردات سے درست ہے جملات سے بھی درست ہے لہذا اس کے خبر ہونے کیلئے کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن جب کہ خبر جملہ ہوتی ہے تو وہ عائد کا محتاج ہوتا ہے۔ اور مفرد عائد کا محتاج نہیں ہے اسوجہ سے جملہ باب خبر میں فرع اصل ہے اور مفرد اصل ہے اسلیے وجہ سے مصنف کلمہ قد جو تقلیل کے واسطے آتا ہے لایا ہے۔ **قولہ او شرطیۃ نحو زید ان جاءنی فاکرمتہ۔** شرطیہ کی خبریت میں نحویوں کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے جن میں سے خود مصنف بھی ہے کہ شرط اور جزا دونوں مجموعاً خبر ہے اس لیے کہ ایک جملہ کے بمنزلہ ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر یا شرط ہے یا جزا الا الانفراد اور ایک جماعت اس پر ہے کہ خبر صرف جزا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ جملہ شرطیہ خبر واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ اشارات کے گروہ سے ہے واللہ اعلم۔ **قولہ ظرفیہ۔** خواہ ظرف زمان ہو یا مکان یا جاری مجری ظرف جیسے جار مجرور یہ اقتضاء عامل میں جاری مجری ظرف ہیں جاننا چاہیے کہ ظرف زمان کا خبر واقع ہونا اس ذات سے درست نہیں ہے جو متجدد نہ ہو لہذا زید یوم الجمعۃ کہنا درست نہیں ہے البتہ اس ذات سے خبر ہونا درست ہے جو متجدد ہوتی ہے جیسے الہلال یوم الجمعۃ نیز جاننا چاہیئے کہ جو حروف جر کہ مبتدا سے خبر ہوتے ہیں وہ فقط یہ ہیں۔ من الی انی، لام، باء، کان، علی، عن، فی اور ان کے ماسوا اور حروف جر خبر نہیں ہوتے ہیں پھر نحاۃ میں اختلاف ہوا ہے کہ جس وقت ظرف خبر ہو تو فی الحقیقت خبر کیا شے ہوتی ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ فعل مقدر ہوتا ہے اور ظرف جو اس کے قائم مقام ہے وہ خبر نہیں ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خبر ظرف ہے جو قائم مقام فعل ہے۔ اور فعل مقدر نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں خبر فعل اور ظرف دونوں ہیں۔ ۱۲

والظرفُ متعلقٌ بجملةٍ عند الاکثر وھی استقر مثلاً تقولُ زیدٌ فی الدارِ تقدیرہ زیدٌ استقرّ فی الدار ولابُدّ فی الجملةِ من ضمیرٍ یعودُ الی المبتدأ کالھاءِ فی ما مرّ و یجوزُ حذفُہٗ عند وجودِ قرینةٍ نحو السّمنُ منوانِ بدرھمٍ والبُرُّ الکُرُّ بستّین درھماً

قولہ والظرف ۔ جاننا چاہیئے کہ نحویوں میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جملے جو خبر واقع ہوتے ہیں وہ کئی قسم پر ہیں بعض کہتے ہیں کہ چار قسم ہیں جو متن میں مذکور ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تین قسم پر ہیں ظرفیہ کو مفرد میں داخل کر دیا ہے اور بعض نے فعلیہ میں داخل کیا ہے۔ اور بعض دو قسم کرتے ہیں اور شرطیہ کو فعلیہ میں اور ظرفیہ کو مفرد یا فعلیہ میں داخل کرتے ہیں جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ جز ظرف خواہ ظرف زمان ہو یا مکان یا انکے قائم مقام اکثر نحاۃ کے نزدیک جملہ کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی اکثر نحوی اسکو جملہ کیساتھ مقدر کرتے ہیں اس لیے کہ ظرف کیلئے کوئی عامل ہونا چاہیے۔ جس کے وہ متعلق ہو پس چونکہ فعل عمل میں اصل ہے اسلئے اسکو مقدر کرینگے اور جب فعل مقدر ہوا تو ظرف فعل کے متعلق ہوگا اور خبر جملہ ہوگی ان لوگوں کے مذہب کے موافق زیدٌ فی الدار کی تقدیر زیدٌ استقرّ فی الدار ہوگی اور بعض نحوی ظرف سے پہلے مفرد کو مقدر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ خبر ہے اور اصل خبر میں افراد ہے پس اس وقت ظرف اسم فاعل یا مفعول کے متعلق ہوگا اور زیدٌ فی الدار کی تقدیر زیدٌ مستقرٌ فی الدار ہوگی افادہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ ظرف اور جاری مجری ظرف یعنی جار مجرور کا تعلق کسی عامل کیساتھ ہونا ضروری ہے جبکہ عامل مذکور ہوتا ہے تو اسکے متعلق ہوتا ہے پس اس وقت اسکو ظرف لغو کہا جاتا ہے اور جب عامل مذکور نہیں ہوتا تو مقدر کرتے ہیں اس وقت اسکو ظرف مستقر کہا جاتا ہے جس عامل کو مقدر کرتے ہیں افعال عامہ یعنی کون ثبوت حصول وجود اور جو ان کے ہم معنی اور انکے مرادف ہوتے ہیں۔ مقدر کرتے ہیں البتہ اگر مخصوص قرینہ ہو تو اس وقت افعال خاصہ سے بھی مقدر کرنا درست ہوتا ہے **قولہ وھی الخ** اس مقام پر نسخوں میں اختلاف ہے بعض نسخوں میں ہی ضمیر مونث ہے اور بعض میں ہو ضمیر مذکر، ضمیر کا مذکر لانا فعل کے اعتبار سے ہے کیونکہ یہ جملہ فعل ہوتا ہے یا ضمیر کا مذکر لانا متعلق ظرف کے اعتبار سے ہے اور جبکہ ضمیر مونث ہوتی ہے تو جملہ کی طرف اسکا لوٹنا صاف ظاہر ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر ضمیر مذکر ہو تو جملہ کیطرف بلا تاویل کے راجع کر دی جاوے اور یہ اعتراض نہیں پڑتا ہے کہ ضمیر مذکر جملہ مونث کیطرف کس طرح راجع ہو سکتی ہے کیونکہ راجع اور مرجع میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں پر مطابقت نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ مونث بالقاء دو قسم پر ہے ایک یہ کہ اس کیلئے مذکر نہ ہو جیسے شبعۃ کہ اسکا مذکر مستعمل نہیں ہے۔ کیونکہ شبعہ نہیں کہا جاتا ہے اور ثانی وہ ہے کہ جسکے لیے مذکر ہے۔ جیسے قائمۃ کہ اسکا مذکر مستعمل ہے چنانچہ بولا جاتا ہے قائم مذکر کیلئے ضمیر اور مرجع میں مطابقت قسم ثانی مونث میں واجب ہے اور جملہ پہلی قسم میں سے ہے اسوجہ سے یہاں پر مطابقت لازم نہیں ہے اسوجہ سے کچھ اعتراض نہیں پڑتا۔ **قولہ ولابد فی الجملۃ** یعنی جب خبر جملہ ہو گئی تو اس میں ایک عائد ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہوتا کہ مبتدا اور خبر کے درمیان ارتباط پیدا ہو۔ ورنہ جملہ مستقل بنفسہ ہے اور خبر کا ارتباط مبتدا کیساتھ ضروری ہے پس اگر عائد نہ ہوگا تو خبر کا مبتدا کیساتھ ارتباط نہ ہوگا۔ پھر وہ عائد کبھی ضمیر ہوتا ہے جیسا کہ مثالیں مذکور ہیں گذرا اور کبھی لام ہوتا ہے جیسا کہ نعم الرجل اور کبھی اسم ظاہر کا موضع میں مضمر کے ساتھ ہونا جیسا کہ الحاقۃ ما الحاقۃ میں اور کبھی خبر کا تفسیر مبتدا ہونا جیسا کہ قل ھو اللہ احد میں ہے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عائد عام ہے کبھی ضمیر ہوتا ہے اور کبھی اس کا غیر مگر چونکہ ضمیر دوسرے روابط سے زیادہ آتی ہے اور ضمیر کا حذف جائز بھی ہے نہ دوسرے روابط کا اسوجہ سے مصنف ضمیر کے ذکر پر کفایت کی اور باقی روابط کو بیان نہیں کیا **قولہ کالھا مر الخ** ہا سے مراد یہاں پر وہ ضمیر ہے جو جملہ سابقہ میں ہیں **قولہ یجوز حذفہ** ۔ یعنی جبکہ عائد ضمیر ہو تو اسکو وقت قیام قرینہ کے کبھی حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ ان دو مثالوں میں ہے جو کتاب میں مذکور ہیں ان میں منہ کو حذف کر دیا ہے کیونکہ بالغ اسی کا شرح بیان کرتا ہے جسکی بیع کرتا ہے جاننا چاہیے کہ مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حذف کثیر شائع ہے جب ہی قرینہ پایا جاوے حالانکہ امر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حذف ضمیر مجرور کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ یہ جملہ اسمیہ میں ہو اور اس کے غیر میں یہ تفصیل ہے کہ مرفوع کا حذف بالکل جائز نہیں ہے منصوب اور مجرور میں سماعی ہے **قولہ السمن منوان الخ** مصنف نے دو مثالیں دیں ہیں پہلی مثال کی یہ ترکیب ہے کہ السمن مبتدا ہے اور منوان مبتدا ثانی اور بدرھم خبر مبتدا ثانی اور جملہ محل رفع میں ہے اس طور پر کہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ضمیر محذوف ہے تقدیر یہ ہے کہ السمن منوان منہ بدرھم منہ اس میں محل رفع میں ہے اس طور پر کہ منوان کی صفت ہے اسکی وجہ سے منوان کا مبتدا ہونا درست ہو رہا ہے منہ کو حذف کرنا روا اسوجہ سے ہوا ہے کہ جب السمن ذکر کیا اس کے بعد منوان بدرھم کو ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ منوان اسی سمن سے ہے اسوجہ سے منہ کے ذکر کی ضرورت نہ رہی ایسے ہی دوسری مثال البر الکر بستین درھم کی ترکیب ہے یعنی البر مبتدا ہے اور الکر مبتدا ثانی اور بستین مبتدا اول کی خبر ہے اور جملہ محل رفع میں ہے اس بنا پر کہ مبتدا اول کی ضمیر خبر ہے اور ضمیر عائد منہ محذوف ہے اسکا حذف کرنا اسوجہ سے واقع ہوا ہے کہ جب البر ذکر کیا پھر الکر بستین اسکے بعد تو اس سے معلوم ہوا کہ الکر بستین اسی بر سے ہے لہذا اسکے ذکر کی ضرورت نہ رہی اور منہ اس مثال میں محل نصب میں ہے کیونکہ حال ہے۔ فائدہ جو جملے کہ محل اعراب میں واقع ہوتے ہیں وہ سات قسم میں منحصر ہیں خبر حال مفعول۔ مضاف الیہ شرط و جزا جازم اور تابع مفرد اور وہ خبر جس کے لیے محل اعراب ہے ایسے ہی جملے جو محل اعراب میں واقع نہیں ہوتے وہ بھی سات قسم میں منحصر ہیں مستانفہ اسکا نام ابتدائیہ بھی رکھا جاتا ہے معترضہ تفسیر جواب قسم شرط غیر جازم کا جزا لولا لما و کیف کا جواب یا شرط جازم کا جواب لیکن فجاۃ یا اذا داخل ہو رہا ہو اور وہ جملہ جو اسم یا حرف کا صلہ ہو۔ اور اس کا تابع جس کے لئے محل اعراب نہ ہو۔

وقد يتقدم الخبر على المبتدأ نحو في الدار زيد يجوز للمبتدأ الواحد أخبار كثيرة نحو زيد عالم فاضل عاقل واعلم ان لهم قسما آخر من المبتدأ ليس مسندا اليه و هو صفة وقعت بعد حرف النفي نحو ما قائم زيد او بعد حرف الاستفهام نحو اقائم زيد بشرط ان ترفع تلك الصفة اسما ظاهرا نحو ما قائم الزيدان واقائم الزيدان

قولہ قد یتقدم یعنی کبھی خبر مبتدا پر مقدم ہوتی ہے اس لفظ قد جو تقلیل کیواسطے آتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مبتدا سے متاخر ہو کیونکہ قلت تقدیم اصالۃً تاخیر کو مستلزم ہے گویا کہ مصنف نے کہا والاصل فی الخبر ان یتاخر وقد یتقدم علی المبتدأ یعنی اصل خبر میں یہ ہے کہ مبتدا کے بعد آئے اور کبھی مبتدا پر مقدم بھی ہوتی ہے اس سے بطور کنایہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو بشرطیکہ تقدیم سے کوئی مانع منع نہ کرے اسلئے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اسکے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ مبتدا کبھی غیر ذات ہوتا ہے جیسے العلم حسن جواب یہ کہ یہاں پر ذات سے مراد یہ ہے کہ اسکی نسبت خبر دی جائے اور کچھ کہا جائے نہ وہ کہ خود بخود قائم ہو پھر اگر کوئی کہے کہ دلیل تقدیم ذات کی صفات پر فاعل میں بھی جاری ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے کہ فاعل اپنے فعل پر مقدم ہو جواب یہ ہے کہ اس جگہ عدم تقدیم ایک مانع کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ فعل عامل ہے اور مرتبہ فعل عامل کا یہ ہے کہ اپنے معمول پر مقدم ہو پھر تقدیم مبتدا کی دلیل میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مبتدا محکوم علیہ ہے اور اصل یہ ہے کہ محکوم علیہ مقدم ہو۔ اسلئے کہ ثبوت الشئ للشئ فرع ہے ثبوت ثبت لہ کی۔ پس مثبت لہ پیشتر ہونا چاہیئے۔ **قولہ نحو فی الدار زید**۔ اس میں زید مبتدا ہے اور فی الدار خبر مقدم ہے۔ **قولہ یجوز للمبتدأ الواحد** یعنی مبتدا واحد کیلئے کثیر خبروں کا ہونا جائز ہے یعنی منع نہیں یہاں پر جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب عدم ہے یعنی کثیر خبروں کا ہونا ایک مبتدا کیلئے غیر ضروری نہیں ہے۔ اس وقت مصنف کا یہ کلام اسکو بھی شامل ہو جاویگا جہاں پر اخبار کثیر کا ایک مبتدا کیلئے ہونا واجب ہوتا ہے تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ ایک مبتدا کیلئے ایک سے زائد خبروں کا ہونا دو قسم پر ہے ایک جائز اور ایک واجب جائز تو وہاں ہوتا ہے جبکہ بغیر دوسری خبر کے معنی پورے ہو جاتے ہوں جیسے زید عالم فاضل ناصر اور واجب وہاں پر ہوتا ہے ..... جہاں اسکے بغیر معنے پورے نہیں ہوتے ہیں جیسے الحلو حامض والابلق اسود یعنی ایک مبتدا کیلئے اخبار کثیرہ کے ممتنع نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ خبر ایک حکم ہے اور کثیر حکموں کا ایک چیز پر حکم کیا جا سکتا ہے چونکہ احکام فی الحقیقۃ صفات ہوتی ہیں نیز جاننا چاہیئے تعدد خبر بغیر تعدد مخبر عنہ کے دو طریقہ پر ہے ایک عطف جیسے زید عالم و عاقل اور دوسرے بغیر عطف کے جیسے زید عالم عاقل غیر جاننا چاہیئے کہ ہم نے مبتدا کو واحد کیساتھ مقید کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر واحد کیساتھ مقید کیا جاوے تو ذہن خلاف مقصود کیطرف جاتا ہے اور وہ تکثر اخبار کا جواز ہے مبتدا متعدد کیلئے حالانکہ مقصود تکثر اخبار مبتدا واحد کیلئے بیان کرنا ہے کیونکہ اول الذکر کثیر شائع ہے اسکے بیان کی حاجت نہیں بخلاف ثانی الذکر کے کہ یہ قلیل ہے اسکے بیان کی ضرورت ہے اسوجہ سے اسکو بیان کرتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ مبتدا کو واحد کیساتھ مقید کر دے ورنہ خلاف مقصود کی طرف ذہن جاویگا اس بحث سے معلوم ہو گیا کہ مبتدا اور خبر دونوں کا تعدد درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مبتدا کئی ہوں اور ان کی خبر ایک ہو جیسے زید عمرو جلان الحلو حامض من الطعوم مصنفؒ نے اس تعدد کو بیان نہیں کیا کیونکہ ایسا کلام میں بہت ہی قلیل ہے **قولہ اعلم ان لہم**۔ جاننا چاہیئے کہ نحات نے مبتدا کو دو قسموں کی طرف منقسم کر دیا ایک قسم ان میں سے وہ ہے جو مسند الیہ ہوتی ہے اور اسکے لیے خبر ہوتی ہے جو اس مبتدا کی طرف مسند ہوتی ہے۔ جیسا کہ تم نے پہچانا اور ان میں سے مبتدا کی ایک قسم ایسی ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ مسند ہوتی ہے۔ فاعل کی طرف جو مبتدا کی خبر کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن خالی ہونا عوامل لفظی سے دونوں مبتدا میں شرط ہے جب شیخ مبتدا کی قسم اول کے بیان سے فارغ ہو گیا تو قسم ثانی کے بیان میں شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ نحاۃ کے لیے مبتدا کی ایک دوسری قسم ہے علاوہ اس قسم کے جو ماسبق میں گزری یہ مبتدا مسند الیہ نہیں ہوتی ہے جاننا چاہیئے کہ مبتدا کی قسم ثانی ان میں سے ہے جسکا جمہور نحاۃ نے بنا بر ضرورت کے اقرار کیا کیونکہ جب انہوں نے اس میں اعراب کی ابتدا کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں پائی تو مجبوراً اس مبتدا قسم ثانی کے معترف ہوئے اور مصنفؒ اور شیخ ابن حاجب بھی انکے ہمراہ ہو گئے اور بعض اس کے رفع کی توجیہ میں کہتے ہیں کہ یہ اسم مابعد اسم کیلئے خبر ہوتا ہے وہ اسم ہونیکی بنا پر مرفوع اور قائم الزیدان میں وہ یہ تکلف کرتے ہیں کہ قائم الزیدان کی اصل اقائم ان الزیدان ہے مظہر کو مضمر کی جگہ میں رکھدیا ہے پھر تکرار سے بچنے کیلئے اقتصاراً کر کے اقائم الزیدان کہا **قولہ وہو صفۃ**۔ یعنی وہ مبتدا قسم ثانی یہ ہے کہ صیغہ صفت کا حرف نفی یا ہمزہ استفہام یا اسکے مثل کے بعد واقع ہو درآنحالیکہ یہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والی ہو یعنی مبتدا کی اس قسم کیلئے شرط یہ ہے کہ صیغہ صفت ہو کر اسم ظاہر کو یا اس اسم کو جو اسم ظاہر کے حکم میں ہے۔ رفع کرے جیسے قولہ تعالےٰ اراغب انت عن آلہتی یا ابراہیم میں ضمیر منفصل اسم ظاہر کے حکم میں ہے اس کو رفع دینے والا صیغہ صفت یعنی اراغب مبتدا ہے پھر قول مصنف صفۃ ظاہر کی قید ہے مثل اقائمان الزیدان سے احتراز ہے اس لیے کہ یہ صفت کا صیغہ اگر چہ بعد حرف استفہام کے واقع ہے لیکن اسم ظاہر کو رفع دینے والا نہیں اسلئے کہ وہ اگر اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اسکا تثنیہ لانا صحیح نہ تھا۔ اس لئے کہ صفت مثل فعل کے ہے یعنی جب تثنیہ اور جمع ہوتا ہے تو فعل کو مفرد لاتے ہیں اسی طرح صفت کو بھی جب فاعل تثنیہ اور جمع ہو گا مفرد لائیں گے۔ ۱۲

بخلافِ ما قائمان الزیدان فصل خبرِ اِنَّ و اخواتها و هی اَنَّ و کَاَنَّ و لٰکِنَّ و لیتَ و لَعَلَّ فهٰذه الحروفُ تدخل علی المبتدأ و الخبرِ فتنصبُ المبتدأ و یسمّٰی اسمَ اِنَّ و ترفعُ الخبرَ و یسمّٰی خبرَ اِنَّ فخبرُ اِنَّ هو المسندُ بعد دخولها کنحو اِنَّ زیدًا قائمٌ و حکمهٗ فی کونِهٖ مفردًا او جملةً او معرفةً او نکرةً کحکمِ خبرِ المبتدأ و لا یجوزُ تقدیمُ اَخبارِها علی اسمائِها الا اِذا کان ظرفًا نحو اِنَّ فی الدارِ زیدًا

قولہ بخلاف ما قائمان الزیدان حاصل بحث یہ ہے کہ جو صفت بعد حرف نفی یا استفہام کے واقع ہو اگر وہ اسم ظاہر مفرد کے مطابق ہو یعنی صیغہ صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں اس صورت میں دو امر جائز ہیں یہ کہ صیغہ صفت مبتدا ہو اور اسم ظاہر اس کا فاعل اور یہ کہ اسم ظاہر مبتدا اور صیغہ صفت اس کی خبر مقدم اور اسوقت صفت میں ایک ضمیر ہوگی جو اسم ظاہر کیطرف راجع ہوگی۔ اس جگہ مطابقت اور مخالفت سے تین صورتیں حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ مطابقت افراد میں ہوں یعنی صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں جیسا کہ گذرا ہے جیسے ما قائم زید میں دونوں امر جائز ہیں زید کا مبتدا موخر اور قائم کا خبر مقدم ہونا نیز قائم کا مبتدا رہنا اور زید کا اسکا فاعل ہونا اور دوسری صورت مطابقت کی یہ ہے کہ اسم ظاہر اور صفت کی مطابقت تثنیہ یا جمع میں ہو جیسے ما قائمان الزیدان اور ما قائمون الزیدون اور اسوقت واجب ہے کہ اسم ظاہر مبتدا اور صفت خبر ہو ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور وہ جائز نہیں ہے باقی رہی تیسری صورت اور وہ یہ کہ مخالفت افراد اور تثنیہ اور جمع میں ہو صفت مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے قائم الزیدان اور قائم الزیدون اور اس وقت یہ صفت یقیناً مبتدا کی قسم ثانی ہوگی ورنہ ضمیر مفرد تثنیہ یا جمع کیطرف راجع ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔ **قولہ ہذہ الحروف تدخل** یہ حروف مبتدا و خبر پر داخل ہوتے ہیں مبتدا کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع جانتا چاہیے کہ ان حروف کو حروف مشبہ بالفعل کہتے ہیں چونکہ یہ وزن اور معنے عمل میں فعل متعدی کے مشابہ ہیں وزن میں مشابہت تو یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتے ہیں اسیطرح ان میں سے بعض ثلاثی اور بعض رباعی ہیں اور معنی میں مشابہت یہ ہے کہ ہر ایک ان میں سے معنی میں فعل کے ہے چنانچہ اِنَّ اور اَنَّ معنی میں حقیقت کے اور کاَنَّ معنی میں تشبیہ کے اور لیت معنی میں تمنیت کے اور لعل معنی میں ترجیت کے ہے علیٰ ہذا القیاس اور عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جسطرح فعل متعدی کیلئے دو اسم لازم ہیں ایک فاعل اور دوسرا مفعول اسیطرح ان کیلئے بھی دو اسم لازم ہیں ایک اسم دوسرا خبر اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل متعدی فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کیوں کرتے ہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ یہ اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عمل میں یہ حروف فعل کے مشابہ نہیں جواب یہ ہے کہ یہ جملہ حروف چونکہ عمل میں فعل متعدی کی فرع ہیں لہذا مناسب ہے کہ انکا عمل فعل کی فرع ہو جانتا چاہیے کہ یہ مذکور بصریین کے مذہب ہے اور کوفیوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ حروف مشبہ اسم واحد میں فقط نصب کا عمل کرتے ہیں اور خبر جسطرح ان حروف کے داخل ہونیسے قبل مرفوع تھی اسیطرح ان حروف کے داخل ہونیکے بعد بھی مرفوع رہتی ہے غرضیکہ کوفیہ کے نزدیک خبر میں انکا اثر لفظاً کچھ نہیں ہوتا ہے۔ **قولہ فخبر ان الخ** یعنی کلام میں بعد داخل ہونے احد ہذا الحروف کے جو مسند ہو وہ خبر ہے۔ اس تعریف میں قولہ المسند جنس ہے خبر کان اور خبر مبتدا اور خبر لائے نفی جنس سب کو شامل ہے اور قولہ بعد دخول ہذہ الحروف فصل ہے اس سے یہ سب اخبار خارج ہو جاتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ ان زید یقوم ابوہ میں یقوم بعد داخل ہوتے ان کے مسند ہے لہذا خبر کی تعریف اس پر صادق آتی ہے حالانکہ وہ خبر نہیں بلکہ خبر مجموعہ یقوم ابوہ ہے جواب یہ ہے کہ مراد دخول احد ہذہ الحروف سے یہ ہے کہ اس کا اثر لفظاً یا معناً اس مسند تک پہنچ جاوے پھر اثر لفظی تو یہ کہ وہ بعد داخل ہونے حروف مشبہ بالفعل کے مرفوع ہو جائے لفظاً یا تقدیراً یا محلاً اور اثر معنوی یہ ہے کہ مدلول مسند مسند الیہ کیلئے علیٰ وجہ التخصیص ہو۔ پس یہاں ان نے بایں معنی اپنا اثر جملہ یقوم ابوہ میں کیا ہے نہ کہ صرف یقوم میں اسلئے کہ یقوم ابوہ کیطرف مسند ہے نہ کہ اسم ان یعنی زید کیطرف۔ **قولہ حکمہ الخ** حکم کے یہاں معنی حال اور شان کے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اثر کے معنی میں ہے یعنی خبر ان و اخوتہا کا حال اسکے مفرد اور جملہ اسمیہ یا فعلیہ یا ظرفیہ یا ایسی ہی معرفہ اور نکرہ ہونے میں اور متعدد یا متواحد ثبت اور منفی اور محذوف اور زائدہ کے وجب کی شرائط میں جو وقت جملہ ہو اور دیگر حالات میں مبتدا کی خبر کے حال کے مانند یعنی جو مبتدا کی خبر صالح ہوتا ہے ان حالات میں یہ ان حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حال ہے اسپر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب اسکا حکم مبتدا کی خبر کا حکم ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو مبتدا کی خبر نہ ہو سکتے ہو وہ ان کی بھی خبر نہ ہو سکتے ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو چیز مبتدا کی خبر نہیں ہو سکتے ہیں لیکن انکی خبر نہیں ہو سکتے ہیں جیسے ان زیدا کہ ان مبتدا کی خبر ہوتا ہے اور انکی خبر نہیں ہو سکتا ہے جو نکرہ ہو جو صدارۃ کو چاہتا ہے وہ مقصود ہو جاتی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ ان حروف کی خبر کا حکم وہی ہے جو مبتدا کی خبر کا حکم ہے اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان حروف کی خبر ہونے کی جو شرائط ہیں جب وہ پائی جاویں اور موانع کا ارتفاع ہو جاوے جب ان حروف کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کا حکم ہے لہذا اب اعتراض لازم نہیں آتا ہے۔ **قولہ لا یجوز تقدیم اخبارہا الخ** یعنی جسطرح مبتدا کی خبر کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے اسطرح انکی خبروں کی تقدیم انکے اسموں پر جائز نہیں چونکہ یہ حروف عمل میں ضعیف ہیں اور قاعدہ ہے کہ عامل ضعیف ترتیب اصلی کو وقت عمل کرتا ہے پس جب ترتیب بدل گئی یعنی ان وغیرہ کی خبر انکے اسم پر مقدم ہو گئی تو وہ ہے منع عمل کیوجہ سے عمل نہ کرینگے۔ **قولہ الا اذا کان الخ** یہ استثناء مفرغ ہے یعنی جائز نہیں ہوتی ان حروف کی خبر کی تقدیم ان کے اسموں پر کسی وقت میں مگر جسوقت کہ خبر ظرف ہو حاصل یہ کہ ان وغیرہ کی خبر جب ظرف ہوگی تو اس وقت خبر کی تقدیم ان کے اسماء پر جائز ہوگی۔ بشرطیکہ اسم معرفہ ہو جیسے ان البیتا ایاہم اور جب اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم اسم پر واجب ہوگی جیسے ان من البیان لسحرا ان من الشعر لحکمۃ اس واسطے کہ ظرف میں زیادہ وسعت ہے پس ان قائم زیدا تا جائز اور ان فی الدار زید جائز ہے۔ ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ -

لمجال التوسع فی الظروف فصل اسم کان واخواتها وهی صار واصبح وامسی واضحی وظل وبات وزال وبرح وفتی وانفک وما دام ولیس فهذه الافعال تدخل ایضاً علی المبتدأ والخبر فترفع المبتدأ ویسمی اسم کان وتنصب الخبر ویسمی خبر کان فاسم کان هو المسند الیه بعد دخولها نحو کان زید قائماً ویجوز فی الکل تقدیم اخبارها علی اسمائها نحو کان قائماً زید وعلی نفس الافعال ایضاً فی التسعة الاول نحو قائماً کان زید ولا یجوز ذلک فی ما فی اوله ما فلا یقال قائماً ما زال زید

قولہ لمجال التوسع ۔ جار مجرور جائز کے متعلق ہے جو کہ استثناء سے مستفاد ہوتا ہے یعنی انما جاز تقدیمہا فی کونہ ظرفاً لمجال التوسع اپنی خبر کے ظرف ہونے کے وقت میں ان کے اسموں پر تقدیم جائز ہے ظروف میں توسع کے مجال کی وجہ سے یعنی ظروف میں ایسی توسع ہے جو اس کے غیر میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہر حدث زمان اور مکان سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا ظروف حدوث کیواسطے محارم کے مانند ہے اور محارم کے لیئے کچھ مانع نہیں ہوتا ہے۔ محارم وہاں بھی داخل ہوتے ہیں جہاں غیر محارم داخل نہیں ہوتے ہیں **قولہ اسم کان الخ** یعنی کان اور اس کے نظائر کے اسم ہیں کان کا استعمال چونکہ کثیر ہے اس وجہ سے اس کو مقدم کر دیا اور باقی کو اس کی نظائر قرار دیا۔ جاننا چاہیے کہ شیخ ابن حاجب نے کان کو اُم مرفوعات میں علیحدہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس نے اس کو فاعل میں داخل کر دیا ہے اس لیے کہ اس کے نزدیک یہ فاعل ہے اور فاعل کے ساتھ ملحق نہیں ہے اور بعض نحاۃ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ یہ اسم فاعل کے ساتھ ملحق ہے اور فاعل نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پر وہ متعلق ہے جو فاعل کے ساتھ لازم ہے یعنی لام کا اس کے ساتھ تمام ہونا مصنف نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور فاعل میں اس کو داخل نہیں کیا بلکہ اس کو علیحدہ ذکر کیا ہے **قولہ وہی** ۔ یعنی کان کے اخوات اور نظائر جاننا چاہیے کہ یہ کل سترہ فعل ہیں ان کو افعال ناقصہ کہتے ہیں بحث فعل میں ان کو ناقصہ کہنے کی وجہ آئے گی اور یہیں ان کے معنی بیان کیے جائیں گے۔ **قولہ ترفع المبتدأ** ۔ یعنی ان میں سے ہر ایک مبتدا کو رفع دیتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ ان کے اثر کے بعد بظاہر فاعل ہے اور اس مبتدا کو ان کے اثر کے بعد کان اور اس کے نظائر کا اسم کہتے ہیں اور محض ان کے دخول سے اسم نہیں کہتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں اس بنا پر کہ وہ خبر نظائر مفعول بہ کے مشابہ ہے اور اس خبر کو ان کے عمل کرنے اور اثر کرنے کے بعد ان کی خبر کہتے ہیں جاننا چاہیے کہ یہ مبتدا اور خبر ان کے دخول اور اثر کے بعد فی الحقیقت فاعل اور مفعول نہیں ہوتے بلکہ فاعل اور مفعول کے مشابہ ہوتے ہیں کیونکہ انکا فاعل فی الحقیقت ان کی خبر ہے جو معنی مصدری ہوتا ہے وہ ہوتا ہے مثلاً کان زید قائم میں قیام جو معنی مصدری خبر میں ہے۔ وہ فاعل کان ہے کیونکہ کان کی اسناد جو زید کی طرف ہو رہی ہے وہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت جو معنی مصدری کی طرف ہے وہ مقصود ہے۔ لہٰذا اس مثال میں زید کا مرفوع ہونا فاعلیت کی بنا پر بظاہر کے اعتبار سے ہے اس وجہ سے انکا مرفوع اور منصوب فی الحقیقت فاعل اور مفعول بہ نہیں ہے اسی وجہ سے انکے مرفوع کو اسم اور منصوب کو خبر کہتے ہیں اور فاعل اور مفعول نہیں کہتے ہیں۔ **قولہ ہو المسند الیہ** ۔ یعنی کان اور اس کے نظائر کا اسم وہ مرفوع اسم ہے جس کی طرف کسی شے کی نسبت ان افعال کے دخول کے بعد یعنی جب یہ وارد ہو کر اپنا اثر کر چکے تو اس کے بعد جس کی طرف نسبت ہو اس کو کان اور اسکے نظائر کا اسم کہتے ہیں مسند الیہ اس میں جنس ہے ہر مسند الیہ کو شامل ہے جیسے مبتدا، ما ولا مشبہین بلیس کا اسم وغیرہ بعد دخولہا فصل ہے۔ اس سے تمام وہ اسمار خارج ہو گئے جو ان کے دخول کے بعد مسند الیہ نہیں ہوتے ہیں بعد دخول سے مراد جب تاثیر ہو گئی تو اب جو کہ کان زید یعرب اخوہ میں اس وجہ سے جو اعتراض پڑتا ہے اب نہیں پڑیگا کیونکہ کان کا اثر اخوہ میں نہیں ہو رہا ہے **قولہ یجوز فی الکل الخ** یعنی ان تمام افعال میں بلا خلاف یہیں نحاۃ بصرہ جائز ہے۔ کہ ان کی خبروں کو ان کے اسموں پر مقدم کر دیا جائے یعنی یہ افعال چونکہ عمل میں قوی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے منصوب کو ان کے مرفوع پر مقدم کرنا جائز ہے لہٰذا کان قائماً زید ایسے کان لنا ک صدیقک اور کان خیراً من زید شر من عمرو لنا جائز ہے۔ مگر یہ تقدیم منصوب علی المرفوع اس وقت تک جائز ہے جبتک کہ التباس نہ ہو اور اگر التباس ہوتا ہو جیسے کہ دونوں اسم مقصور ہوں اور کوئی معنوی ایسا قرینہ بھی نہ ہو جس سے اسم اور خبر متعین کیا جا سکے۔ تو اس وقت تقدیم خبر اسم پر درست نہ ہوگا جیسے ما کان عیسیٰ موسیٰ بلکہ اسوقت اول اہمیت کیلیئے متعین ہو جاویگا۔ **قولہ وعلی نفس الافعال الخ** یعنی جس طرح اسمار پر اخبار کی تقدیم جائز ہے اسیطرح انکی اخبار خود ان افعال پر مقدم کرنا جائز ہے لیکن یہ تقدیم کل میں جائز نہیں بلکہ اول کے نو میں درست ہے یعنی کان سے لے کر راح تک میں لہٰذا قائماً کان زید بول سکتے ہیں اور ان کے ماسوا میں جو کہ اول میں ما ہے تقدیم درست نہیں ہے ان نو میں ۔ اسوجہ سے درست ہے کہ یہ عامل فعل ہیں اور فعل عمل میں اور قوی ہوتا ہے۔ اور جو عمل میں قوی ہو اس کے معمول کی تقدیم (باقی بر صفحہ ۷۸ پر) ✦ ✦ ✦

وفی لیس خلافٌ وباقی الکلام فی ھٰذہ الافعال یجیٔ فی القسم الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ فصل اسم ما ولا المشبّھتین بلیس وھو المسند الیہ بعد دخولھما نحو ما زیدٌ قائمًا ولا رجلٌ افضل منک ویختصّ لا بالنکرۃ ویعمّ ما بالمعرفۃ والنکرۃ فصل خبر لا لنفی الجنس وھو المسند بعد دخولھا نحو لا رجلَ قائمٌ ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اس پر درست ہوتی ہے۔ جب تک کہ کوئی مانع نہ ہو۔ البتہ جب کوئی مانع ہو جیسا کہ باقی افعال ناقصہ ہیں یا جو انکے اول میں مانع ہے۔ وہاں پر تقدیم درست نہیں ہوتی ہے لہذا ان افعال میں سے جن کے اول میں ما ہے انپر اخبار کی تقدیم درست نہیں ہے مادام میں تو یہ ما مصدریہ آور باقی میں ما نافیہ اور دونوں صدارۃ کو مقتضی ہیں اسوجہ سے تقدیم درست نہیں فقد صدارۃ فوت ہو جائیگی ابن کیسان اس میں خلاف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مادام کے سوا سب میں تقدیم اخبار خود ان افعال پر درست ہے کیونکہ یہاں ما نافیہ اثبات کیلیے ہے چونکہ یہ افعال نفی پر دال ہیں اور نفی کی نفی اثبات ہوتی ہے۔ لہذا ما زال زید عالماً کے معنے ہیں کان زید عالماً دائماً (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ لیس خلاف** ۔ یعنی اس میں اختلاف ہے کہ لیس کی خبر یا خود لیس پر مقدم کی جا سکتی ہے یا نہیں سیبویہ کہتا ہے کہ اسکا حکم وہی ہے جو ان افعال کا ہے جنکے اول میں ما ہے یعنی اس کی خبر اس کے اوپر مقدم کرنا درست نہیں ہے اور اکثر بصری کہتے ہیں کہ تقدیم درست ہے چونکہ اسکے اول میں ما نہیں ہے یا وہ بحث اس کی مطولات میں ہے۔ **قولہ المشبّھتین بلیس** ۔ یعنی ما و لا دونوں لیس کے ساتھ مشابہ نفی اور دخول میں ہیں یعنی جس طرح لیس نفی کیواسطے آتا ہے اسی طرح یہ دونوں بھی اور جیسے لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسیطرح یہ بھی داخل ہوتے ہیں **قولہ المسند الیہ** ۔ یعنی ما و لا کا اسم وہ مسند الیہ ہے جہاں دونوں کے عمل الا نفراد داخل ہو نیکے بعد ہوتا ہے جیسے زید قائماً اور لا رجل افضل منک المسند الیہ اس میں جنس ہے جو کہ ہر مسند الیہ کو شامل ہے اور بعد دخولہا فصل ہے اس سے ما و لا کے اسم کے علاوہ سب خارج ہو گئے دخول سے مراد وہی ورود کے بعد اثر کرنے کے ہیں اس وجہ سے تعریف اخوہ سے جو کہ ما زید یضرب اخوہ میں ہے اعتراض نہیں پڑیگا۔ **قولہ ویختص لا بالنکرۃ** ۔ یعنی لا نکرہ کے ساتھ مختص ہے اس سے مصنف ما اور لا دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے چنانچہ ان دونوں میں تین وجہ کے ساتھ فرق ہے اول لا نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور وہ بھی بہت کم اور ما نکرہ اور معرفہ دونوں پر داخل ہوتا ہے (۲) لا مطلق نفی کیواسطے آتا ہے اور ما نفی حال کیواسطے آتا ہے (۳) لا کی خبر پر ما کا داخل ہونا جائز نہیں ہے اور ما کی خبر پر لا کا داخل ہونا جائز ہے اسیوجہ سے ما کو لیس کے ساتھ بہ نسبت لا کے زیادہ مشابہت ہے کیونکہ لیس بھی نفی حال کیواسطے آتا ہے۔ اور اس کی خبر پر ما کا دخول جائز ہے اور چونکہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ ضعیف ہے اسیوجہ سے لیس کا عمل لا میں شاذ ہے اور مشابہت ضعیف اسوجہ سے ہے کہ لیس نفی حال کیواسطے آتا ہے اور لا مطلق نفی کے لیے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا پھر جاننا چاہیے کہ لا دلالت عین مناص میں لا مشابہ لیس ہے جس پر تاء تانیث زیادہ کر دی گئی جیسا کہ رتبۃ میں تاء تاکید کیواسطے زیادہ کی گئی ہے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب اس پر تاء زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کا دخول کس پر ہو اس میں اختلاف ہو گیا ہے خلیل اور سیبویہ کہتے ہیں کہ یہاں پر اسوقت اسکا دخول مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس کے معمولوں میں سے ایک ہو گا دونوں کا ظہور ایک دم جائز نہیں ہے اخفش لکھتا ہے کہ یہ لا نفی جنس کا لا ہوتا ہے جس پر تاء زیادہ کی گئی ہے۔ اور اس کا دخول احیان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے نزدیک قولہ حین مناص منصوب ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اے لات حین مناص لہم اور ان دونوں کے نزدیک حین مناص خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور لہم محذوف ہے اے ولات الحین حین مناص بمعنی لیس الحین حین مناص اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عامل ہے اور تعلق اس کے بعد فعل کے اضمار کے سبب سے ہے اے ولات حین کان مناص **قولہ لنفی الجنس** ۔ یعنی من جملہ مرفوعات کے لا نفی جنس کی خبر ہے اور چونکہ یہاں لا سے ذات کی نفی نہیں ہوتی جیسے لا رجل قائم میں ذات رجل کی نفی نہیں بلکہ صفت رجل یعنی قیام کی نفی ہے۔ لہذا تقدیر عبارت یہ ہے کہ خبر لا التی لنفی صفۃ الجنس **قولہ ھو المسند** ۔ یعنی کلام میں اس لا کے داخل ہونے کے بعد جو مسند ہوتا ہے وہ لا نفی جنس کی خبر ہے پس قولہ ھو المسند خبر مبتدا اور خبران وغیرہ سب کو شامل ہے اور قولہ بعد دخولہا میں ان سب سے احتراز ہے اور مراد دخول سے وہی ہے جو خبران میں گزرا پس اس وقت لا رجل یضرب ابوہ میں یضرب سے اعتراض وارد نہ ہو گا۔ اور وجہ لا نفی جنس کی خبر کے مرفوع ہونے کی یہ ہے۔ کہ یہ ان وغیرہ کی طرح تاکید کے لیے آتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان اثبات کی تاکید کرتا ہے اور لا نفی جنس کی نفی پس جب مطلق تاکید میں دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تو ان کا حکم بھی یہاں ہو گا کلا النقیض یا حملاً للنظیر علی النظیر **قولہ لا رجل قائم** ۔ اس مثال میں قائم لا کے اثر کرنے کے بعد رجل کی طرف مسند ہے اس وجہ سے مرفوع ہے۔ جاننا چاہیے کہ نحاۃ کا اس میں تو اتفاق ہے یہ لا اسم کے لئے ناصب ہے جو کہ اس کے متصل ہوتا ہے اور اسکی خبر کے رفع میں اختلاف کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ لا کے دخول سے پہلے جیسے ابتدا کی بنا پر مرفوع ہے۔ لہذا لا مع اپنے اسم کے مبتدا ہو گا اور مابعد اس کا خبر مبتدا کی اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ مبرد اور اخفش اور زمخشری کہتے ہیں کہ خبر لا کی وجہ سے ہے نہ ابتدا کی بنا پر۔ ۱۲

المقصد الثانی فی المنصوبات الاسماء المنصوبة اثنا عشر قسما المفعول المطلق وبہ وفیہ ولہ ومعہ والحال والتمییز والمستثنیٰ واسم ان واخواتہا وخبر کان واخواتہا والمنصوب بلا التی لنفی الجنس وخبر ما ولا المشبہتین بلیس فصل المفعول المطلق

قولہ فی المنصوبات ۔ مصنف منصوبات کو مرفوعات کے بعد اور مجرورات سے پہلے اسوجہ سے لایا کہ جس طرح مرفوعات میں ایک عامل ہوتا ہے اسی طرح منصوبات میں بھی ایک عامل ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل واحد میں دونوں شریک ہوتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ جو تلفظ میں منصوب ہوتا ہے وہ کبھی معنی میں مرفوع بھی ہوتا ہے ۔ ایسے ہی بالعکس اسوجہ سے مناسب یہ ہوا کہ مرفوعات کے بعد منصوبات لائے جائیں نہ مجرورات نیز منصوبات بالنسبت مجرورات کے زیادہ بھی ہیں اور کثرۃ بیان میں مقصود ہوتی ہے ۔ اور جو مقصود ہوتی ہے اس کو مقدم کیا جاتا ہے اسوجہ سے مجرورات پر منصوبات کو مقدم کر دیا نیز یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ منصوب کیا چیز ہے تو جاننا چاہیے کہ منصوب اسم ہے کہ جو اسم کے مفعول ہونیکی علامت پر مشتمل ہو ۔ خواہ مفعول حقیقتاً ہو یا حکماً اور یہ تعمیم اسلئے ہے کہ منصوب کی یہ تعریف منصوب اصلی (مفاعیل خمسہ) اور ان منصوبات کو شامل ہو جائے کہ جو مفعولوں کیساتھ ملحق ہیں ۔ اسم کے مفعول ہونیکی چار علامتیں ہیں ۔ فتحہ ۔ کسرہ ، الف ، یا ہو جیسے رایت زیداً و مسلمات و ایاک مسلمین اب اگر کوئی کہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں کہ جن میں علامات مفعولیت کی پائی جاتی ہیں ۔ مگر وہ منصوبات سے نہیں پس تعریف دخول غیر مانع نہ ہوئی جیسے مررت بمسلمات میں مسلمات کسرہ علامت مفعولیت پر مشتمل ہے مگر اسکو منصوب نہیں کہتے بلکہ مجرور ہے جواب یہ ہے کہ تعریف منصوب میں قید حیثیت معتبر ہے یعنی منصوب وہ ہے کہ جس میں مفعولیت کی علامت اس حیثیت سے پائی جائے کہ وہ علامت مفعولیت کی ہے اور ظاہر ہے کہ کسرہ مثال مذکور میں ہونکہ اس حیثیت سے نہیں لہذا مسلمات تعریف مذکور سے خارج ہے ۔ **قولہ الاسماء المنصوبۃ الخ** ۔ یعنی منصوب اسماء بارہ قسم ہیں ان میں سے وقیہ اول کے یا ہ کو اصول منصوبات کہتے ہیں اور باقی کو ملحقات کہتے ہیں ایک شاعر فارسی مفاعل خمسہ کی تعداد میں کہتا ہے ۔ مفاعیل پنج است بشنوی بزلہ و مطلق و معہ و بہ و ۔ ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے وہ حمدت وحامداً احمداً حمیداً ۔ رعایۃ شکرہ دھراً مدیداً

سیرافی نے ایک چھٹا مفعول بھی مزید کیا ہے اور اسکا نام مفعول عنہ رکھا ہے جیسے قولہ تعالیٰ واختار موسیٰ قومہ ای من قومہ اس پر رد کیا ہے کہ اگر اسطرح نام رکھنا درست ہو جیسا کہ دخلت البیت میں کہ اصل دخلت الی البیت تھا ۔ الی کے ذریعہ متعدی ہے جس کو کہ حذف کر دیا ہے ۔ ایسے ہی ایک مفعول علیہ ہو جیسا کہ ملتمس کا قول ہے ۔ ابیت جنب الفراق والدہر الفراق مفعول علیہ ہے چونکہ علی کو حذف کر کے فعل کو بنفسہ پہنچا دیا ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر اسیطرح مفاعیل کی تعداد زیادہ کرنی ہو تو جس حرف کو حذف کر کے فعل بنا تو وصل کیا ہے اسکا دہی نام ہو جائے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ اسوجہ سے تمہارا مفعول عنہ زیادہ کرنا درست نہیں ہے زجاج نے مفعول لہ اور معہ کو ساقط کر دیا ہے ۔ . . . . مفعول معہ کو مفعول بہ میں داخل کیا ہے ۔ اور مفعول لہ کو مفعول مطلق میں اسکے نزدیک کل تین مفعول رہ جاتے ہیں منصوبات کیوجہ ضبط ان بارہ قسموں میں یہ ہے کہ منصوب کا عامل تین حال سے خالی نہیں یا فعل ہے یا شبہ فعل یا حروف اول اور ثانی تقدیر پر انکا معمول اصول منصوبات سے یا ملحقات سے اول جزو فعل ہے یا نہیں اول مفعول مطلق ہے اور ثانی یا فعل اس پر واقع ہے یا واقع ہے ۔ اول مفعول بہ ہے ۔ اور ثانی فیہ اور ثالث لہ اور رابع معہ اور اگر معمول ملحقات سے ہے تو معمول مبین ہے یا نہیں ثانی مستثنیٰ ہے اور اول دو حال سے خالی نہیں یا مبین ذات ہے یا صفات اول تمیز اور ثانی حال ہے اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس عامل کا معمول مسند الیہ ہے یا مسند بہ اور اگر مسند الیہ ہے تو وہ کلام موجب میں ہے ۔ یا غیر موجب میں اول معمولات حروف مشبہ بالفعل ہے اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم اور اگر مسند ہے تو وہ بھی ان دو حال سے خالی نہیں اول افعال ناقصہ کی خبر ہے سوائے لیس کے اور ثانی لیس و ما کی خبر ہے واللہ اعلم بالصواب ۔ **قولہ المفعول المطلق** ۔ مطلق یعنی منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے مفعول مطلق کو تمام مفعولوں پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس مفہوم پر بلا قید زائد دلالت کرتا ہے بخلاف باقی مفعولوں کے کسی میں بر کی قید ہے اور کسی میں قید فیہ یا معہ یا لہ کی ہے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر طبعاً مقدم ہوتا ہے لہذا ذکر میں بھی اسکو مقدم کیا گیا تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے اور اگر کوئی کہے کہ مفعول مطلق مطلق نہیں بلکہ یہ قید اطلاق کیساتھ مقید ہے جو کہ بشرط لاشئی کا درجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکو مفعول مطلق کہتے ہیں صرف مفعول بدون ذکر مطلق کے نہیں کہتے ۔ جواب یہ ہے کہ ذکر لفظ مطلق کا یہاں تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان مفہوم کے لیے ہے اور وجہ یہ ہے کہ قید ہیئت مقید سے خارج ہوتی ہے اور یہ اطلاق مفہوم مفعول مطلق میں داخل ہے اس سے خارج نہیں کہ قید ہو نیز وجہ تقدیم مفعول مطلق میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مفعول مطلق کو فاعل کیساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ وہ اور فاعل دونوں فعل کے جز ہیں ۔ پس جسطرح پر کہ فاعل کو فعل جز ہونیکی حیثیت سے تمام مرفوعات پر مقدم کرتے ہیں اسی طرح مفعول مطلق کو فاعل کیساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے تمام منصوبات پر مقدم کرتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ مفعول مطلق اور فاعل دونوں فعل کے جز ہیں یا نہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ ما قبل مذکور ہو چکا ہے کہ فعل تین جزوں سے مرکب ہوتا ہے (۱) معنی حدثی جو کہ مفعول مطلق ہے (۲) اقتران بالزمان (۳) نسبت الی فاعل ۔ پس ثابت ہوا کہ فاعل اور مفعول مطلق اجزاء فعل میں سے ہیں ۔ اور اس اعتبار سے وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ۔

وهو مصدرٌ بمعنىٰ فعلٍ مذكورٍ قبلَهٗ ويذكر للتاكيد كضربتُ ضربًا او لبيانِ النوعِ نحو جلستُ جلسةَ القارِي او لبيان العددِ كجلستُ جلسةً او جلستين او جلساتٍ وقد يكونُ من غيرِ لفظِ الفعلِ المذكورِ نحو قعدتُ جلوسًا وانبتَ نباتًا وقد يُحذَفُ فعلُهٗ لقيامِ قرينةٍ جوازًا كقولِكَ للقادمِ خيرَ مقدمٍ اَيْ قدمتَ قدومًا خيرَ مقدمٍ

قولہ وہو مصدر یعنی مفعول مطلق مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی پر شامل ہو جو اس مصدر سے پہلے مذکور ہو غرضیکہ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے۔ جو معنی مصدری میں فعل مذکور کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے۔ مصدر سے مراد یہاں پر عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسے ضرب زید ضربًا میں خواہ حکمی ہو جیسے دیۃٌ اہلکہ اللہ دیۃً میں جو واقع ہے اگرچہ اسم عین مصدر نہیں ایسے اہلکہ اللہ جندلًا میں جندلًا اگرچہ اسم عین ہے۔ یعنی شکستن مگر دماغ میں مصدر کے قائم مقام ہو گئے یہاں پر مراد ان سے اہلاک ہے اور یعنی فعل مشتق کے متعلق ہو کر مصدر کی صفت ہے فعل سے مراد معنے مصدری حدثی ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں ہو یا اسماء مشتقات کے جب فعل سے مراد معنی مصدری حدثی ہو گئے۔ تو اب اس کی صفت مذکور درست ہو گئی۔ کیونکہ معنی مصدری مراد نہ ہو تو پھر مذکور فعل کی صفت درست نہیں ہوتی اسی وجہ سے زمان اور نسبت قابل ذکر نہیں ہے جو کہ فعل اصطلاحی سے متبادر ہوتے ہیں چونکہ فعل اصطلاحی معنی مصدری اور زمان اور مکان سے مرکب ہے مصدر کے قبل مذکور ہونے سے عام مراد ہے خواہ حقیقتًا مذکور ہو جیسے ضربت ضربًا خواہ حکمًا مذکور ہو جیسے ضرب الرقاب اس لیے کہ تقدیر ہے فاضربوا ضرب الرقاب خواہ وہ اسم ہو۔ جو معنی فعل پر شامل ہو۔ جیسے زید ضارب ضربًا اس سے وہ مصدر نکل گیا یہاں پر اس سے پہلے فعل نہ حقیقتًا مذکور ہو اور نہ حکمًا۔ جیسے الضرب واقع علی زید غرضیکہ ایسا مصدر مفعول مطلق نہ ہوگا اسی وجہ سے الضرب مفعول مطلق نہیں ہے ایسے ہی کہ ہیئت قیامی میں جو قیامی مصدر ہے مفعول مطلق نہیں ہے کیونکہ اگرچہ قیام مصدر ہے کسی سے پہلے فعل بھی ہے مگر یہ مصدر فعل مذکور کے معنی میں نہیں ہے اس وجہ سے مفعول مطلق ہونے سے خارج ہے سوال سوئی جو کہ ضربت سوطًا میں واقع ہے اس کو تم مفعول مطلق کہتے ہو حالانکہ فعل مذکور قبلہ کے معنی میں نہیں ہے اس لیے اس کا مفعول مطلق ہونا درست نہیں جواب ضربت سوطًا اصل میں یا ضربت ضربًا بالسوط یا ضربت سوطًا تھا اسی وجہ سے اس کا مفعول مطلق ہونا درست ہے مصنف کی یہ تعریفیں مات موتًا اور جسم جسامۃ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ چونکہ موتًا ایسے ہی جسامۃ مصدر ہیں جن سے پہلے فعل مذکور ہے۔ جو کہ ان کے معنی میں ہے نیز یہاں پر بہت بحثیں ہیں جو کہ شروح کافیہ میں مذکور ہیں۔ **قولہ ویذکر** الخ جواب مصنف مفعول مطلق کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم شروع کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مفعول مطلق کبھی تاکید فعل کے لیے ذکر کیا جاتا ہے یعنی جو معنی کہ فعل سے مستفاد ہوتے ہیں ان ہی پر مفعول مطلق دلالت کرتا ہے ان سے زائد کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے جیسے ضربت ضربًا اور کبھی بیان نوع کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جیسے جلست جلسۃ القاری یعنی بیٹھا میں قاری کا بیٹھنا مفعول مطلق نوع کے واسطے اس وقت ہوتا ہے جبکہ مصدر کا مدلول فعل کی بعض انواع ہوں اور کبھی بیان عدد کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی وحدۃ یا کثرۃ پر دلالت کرنے کے لیے اور ایسا اسوقت ہوتا ہے جب کہ مفعول مطلق کا مدلول عدد ہو خواہ لفظ مصدر سے عدد مفہوم ہو یا کسی اور لفظ سے جیسے جلست جلسۃً او جلستین او جلسات کہ ان امثلہ میں عدد لفظ مصدر سے مفہوم ہو رہا ہے اور ضربت ضربًا کثیرًا کہ اس میں صفت کثیرًا سے عدد مفہوم ہو رہا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو مفعول مطلق تاکید کے واسطے آتا ہے وہ تثنیہ جمع نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ ماہیت فعل پر دلالت کرتا ہے اور ماہیت میں تعدد نہیں اور جب مفعول مطلق بیان نوع اور عدد کے لیے آتا ہے تو وہ تثنیہ اور جمع ہو جاتا ہے **قولہ وقد یکون من غیر لفظ الفعل** یعنی کبھی مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ سے مغائر لفظًا کیساتھ ہوتا ہے خواہ ہمنائرت باعتبار مادہ کے ہو جیسے قعدت جلوسًا یا باعتبار باب کے جیسے وتبتل الیہ تبتیلًا یا باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے جیسے فاوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ کہ یہاں ایجاس باب افعال سے بمعنی وردل اتگندن ترس را کے ہے (کذا فی الصراح) لیکن بایں ہمہ یہ ضرور ہے کہ مفعول مطلق باعتبار معنی کے کبھی اپنے فعل کے مغائر نہ ہوگا۔ اور نہ اس کا مفعول مطلق ہونا صحیح ہوگا۔ **قولہ قد یحذف فعلہ الخ** یعنی کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو بوقت قائم ہونے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے حذف کر دیتے ہیں اور یہ حذف کرنا جائز ہے واجب نہیں جیسا کہ اس شخص کو جو سفر سے آئے خیر مقدم کہیں ای قدمت قدومًا خیر مقدم پس اول قدمت کو کہ ناصب مفعول مطلق ہے بہ قرینہ حال مخاطب کے حذف کیا۔ اس کے بعد قدومًا کو حذف کر کے اس کی صفت یعنی خیر مقدم کو اسکا قائم مقام کیا اور اگر کوئی کہے کہ خیر اسم تفضیل ہے۔ اصل میں اخیر تھا جو بکثرت استعمال کے خلاف قیاس اس کے الف کو حذف کیا گیا اور جب خیر اسم تفضیل ہے تو مفعول مطلق کیونکر ہوگا (باقی بر صفحہ ۸۱ پر)

وُجُوبًا سماعًا نحو سقيًا وشكرًا وحمدًا ورعيًا اى سقاك الله سقيا وشكرتك شكرا وحمدتك حمدًا ورعاك الله رعيًا **فصل** المفعول به وهو اسم ما وقع عليه فعل الفاعل كضرب زيد عمرًا

(متعلقہ حاشیہ صـ۸۰) اسلئے کہ مفعول مطلق کیلیے مصدر ہونا ضروری ہے۔ کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل جب کسی چیز کی صفت یا کسی چیز کیطرف مضاف ہو تو پھر وہ اس کے موصوف اور اس کے مضاف الیہ کی کرتے ہیں۔ یعنی اسکے معنی موصوف اور معنی مضاف الیہ کیطرف منقلب ہو جاتے ہیں۔ پس مثال مذکور میں چونکہ اسم تفضیل کی اضافت مقدم مصدر ہی کیطرف ہے لہذا سب تقریر مذکور وہ مصدر ہوگا اور اس اعتبار سے اس کو مفعول مطلق کہنا درست ہو جاوے گا نیز کہہ سکتے ہیں کہ اس کی مصدریت باعتبار موصوف محذوف کے ہے۔ ای خدمت قدوما نیز مقدم **قوله وجوبًا** اس کا عطف جوازًا پر ہے اور درحقیقت معنی میں واجبًا کے ہو کر یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے ای یحذف حذفًا واجبًا نیز سماعًا بھی معنی میں سماعیًا کے ہو کر مفعول مطلق کی صفت ثانی ہے۔ یعنی کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ دو قسم پر ہے پہلی قسم سماعی کہ جس میں ناصب مفعول مطلق کے حذف پر کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر نہیں کہ جس پر دوسرے مفعول کو قیاس کیا جا سکے بلکہ اسکا حذف محض سماع پر موقوف ہے جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اور دوسری قسم قیاسی ہے جس کو مصنف نے بوجہ اختصار کے چھوڑ دیا ہے **قوله سقيًا الخ** ان مصادر مذکورہ میں افعال عاملہ کو از روئے وجوب حذف کیا گیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ کلام عرب میں افعال عاملہ کا استعمال مصادر مذکورہ میں دیکھا نہیں گیا اور یہی غرض سماعًا وجوب حذف سے ہے **قوله المفعول به** جار مجرور دراصل میں مفعول مالم یسم فاعلہ تھا المفعول کیلیے یعنی الفعل الذی فعل یہ پھر یہ اصطلاح میں اس اسم کا نام ہو گیا جو اسکے ساتھ مصطلح ہے اور ضمیر مجرور المفعول میں جو لام موصولہ ہے اس کی طرف راجع ہے **قوله هو اسم ما الخ** یعنی مفعول بہ اصطلاحی ایسی چیز کا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ خواہ فعل مثبت ہو جیسے ضربت زیدًا یا منفی جیسے لم اضرب زیدًا اب اگر کوئی کہے کہ مات زید بھی زید فاعل ہے۔ حالانکہ مفعول بہ کی تعریف اس پر صادق آتی ہے ایسے کہ موت زید پر واقع ہے جواب یہ ہے کہ مراد وقوع فعل فاعل سے یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہو کر مفعول پر واقع ہو۔ اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ موت فاعل سے صادر ہو کر زید پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ زید کی روح کے پرواز کر جانے سے متحقق ہوئی (شارح) **قوله واقع عليه فعل الفاعل** سے مفعول فیہ اور مفعول لہ اور مفعول معہ خارج ہو جائیں گے اس لیے کہ ان میں سے کوئی مفعول ایسا نہیں کہ جس پر فعل فاعل کا واقع ہو بلکہ یا تو اس میں یا اسکے لیے اس کے ساتھ فعل فاعل کا واقع ہے نیز اس قید سے مفعول مطلق بھی خارج ہو جائے گا اسلئے ما وقع علیہ فعل الفاعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل فاعل اور ما وقع علیہ الفعل میں مغائرت ہونی چاہیے اسلئے کہ ایک شئ اپنے نفس پر واقع نہیں ہوتی پس مفعول مطلق کہ عین فعل فاعل ہے۔ اس قید سے خارج ہو جائیگا اور تعریف مفعول بہ کی جامع مانع ہو جائے گی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ مصنف نے لفظ اسم مفعول بہ کی تعریف میں کیوں زائد کر دیا اسکی کیا وجہ ہے جبکہ مقصود اس کے بغیر اختصار کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ قید اسم زیادہ نہ کرنے سے خلاف مقصود لازم آتا ہے اس لیے کہ اسوقت تعریف مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول اسکو کہتے ہیں جس پر فعل واقع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مفعول بہ وہ لفظ ہے جو اس معنے اور مدلول پر دلالت کرے اسلئے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں نہ کہ معنے سے اسوجہ سے مصنف نے لفظ اسم زائد کر دیا نیز جاننا چاہیے کہ وقوع سے مراد تعلق ہے یعنی فاعل کے فعل کا تعلق اس اسم کیساتھ اس طرح پر ہو کہ فعل اس تعلق کے بغیر مفہوم نہ ہو اور جب وقوع سے مراد تعلق ہو گیا تو ایسا لفظ عبد وغیرہ سے اعتراض نہ ہوگا اگر کوئی کہے کہ مفعول بہ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ پر صادق آتی ہے کیونکہ فعل مطلق اس کے ساتھ بالذات ہے باوجود اس کے وہ مفعول بہ منصوب نہیں ہے جواب تحمل سے مراد وہ فعل ہے جسکی اسناد فاعل کیطرف اعتبار کی گئی ہو اور مفعول مالم یسم فاعلہ ایسا نہیں ہے نیز مراد فاعل سے عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی لہذا در ہمًا تعریف میں داخل ہو جاویگا جو کہ اعطی زید درہمًا میں واقع ہے چونکہ اعطی فاعل حکمی کیطرف مسند ہے تنبیہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ یا تو بغیر واسطہ حرف جر ہوتا ہے کبھی وہ ایک ہوتا ہے جیسے ضربت زیدًا اور کبھی زائد جیسے اعطیت زیدًا درہمًا واعلمت زیدًا عمرًا فاضلًا یا بواسطہ حرف جر کے جیسے مررت بزید اور اس کا نام مفعول بہ بحذف حرف جر بھی کہتے ہیں لہذا اگر مفعول بہ کیلیے دو عامل ایک فعل اور ایک حرف ہوئے تو اگر دونوں ملفوظ ہو دیں تو جار کا عمل ظاہر ہوگا کیونکہ وہ اقرب ہے اور فعل کا عمل یعنی نصب ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ اسم واحد دو اعراب کو قبول نہیں کرتا ہے لیکن تابع کو مجرور اور منصوب دونوں پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ جیسے مررت بزید وعمرو عمرًا بالجر والنصب دونوں پڑھنا جائز ہے لیکن جر اجود ہے۔ اور نصب اس فعل کو مقدر کرنے کیساتھ ہوگا جو فعل مذکور کے موافق ہو گا اور متعدی بنفسہ ہوگا لہذا جب مررت بزید کو زائد پڑھیں گے تو عمرًا جاوزت کیوجہ سے منصوب ہوگا جسکو یہاں پر محذوف قرار دینگے۔ اور اگر دونوں مقدر ہوں جیسے مثلاً کسی نے تم سے کہا کیف اصلحت تو تم نے اس کے جواب میں کہا خیرًا اصل میں اصلحت بخیر تھا اسصورت میں نیز اولی ہے کیونکہ مقدر ملفوظ کے حکم میں ہوتا ہے اور نصب جائز ہے لہذا خیرًا بالجر بولنا اجود ہوگا خیرًا بالنصب بولنے سے اور اسصورت میں کہ فعل مقدر ہو جائے تو اسصورت میں جر واجب ہوتا ہے جیسے باللہ لاعبدنّ اور جسصورت میں کہ جار مقدر ہو اور فعل ملفوظ ہو جیسے اختار موسیٰ قومہ ای من قومہ اسصورت میں فعل کا عمل واجب ہوتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مفعول بہ کس چیز کو کہتے ہیں ناصب کون چیز ہے سیبویہ کہتا ہے کہ ناصب فقط فعل ہے اور ہشام کہتا ہے فقط فاعل ناصب ہے اور فراء فعل اور فاعل دونوں کو ناصب قرار دیتا ہے۔ اور بعض فاعلیت کو ناصب قرار دیتے ہیں؟ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

وقد يتقدم على الفاعل كضرب عمرا زيد وقد يحذف فعله لقيام قرينة جوازا نحو زيدا في جواب من قال من اضرب ووجوبا في اربعة مواضع الاول سماعي نحو امرأ ونفسه وانتهوا خيرا لكم واهلا وسهلا والبواقي قياسية الثاني التحذير وهو معمول بتقدير اتق تحذيرا مما بعده نحو اياك والاسد

قولہ وقد یتقدم الخ یعنی مفعول بہ کبھی اپنے فعل عامل پر مقدم ہوتا ہے اسلئے کہ عامل قوی ہے پس وہ ہر صورت میں عمل کریگا۔ خواہ معمول مقدم ہو یا مؤخر پھر مفعول بہ کا فعل پر مقدم ہونا دو قسم پر ہے۔ کبھی تو جائز ہوتا ہے جیسے وجہ الجمیل اتمنی اور کبھی واجب ہوتا ہے اور یہ اسوقت جبکہ مفعول بہ معنی استفہام یا شرط کو متضمن ہو۔ جیسے من رایت اور من تکرم یکرمک **قولہ وقد یحذف** یعنی کبھی مفعول بہ کے فعل کو بوقت پائے جانے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص بقصد حج بیت اللہ جا رہا ہے اور اس سے مکہ کہیں پس یہاں حج کے لئے جانا قرینہ حالیہ ہے اور اس کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اے ترید مکۃ **قولہ ووجوبا فی اربعۃ مواضع** یعنی ناصب مفعول بہ کا حذف چار جگہ واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ان مواضع اربعہ کے علاوہ بھی بہت سی جگہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مفعول بہ کے ناصب حذف کرنا واجب ہے پس کیا وجہ ہے کہ مواضع اربعہ کا ذکر کیا اور باقی کو چھوڑ دیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ مواضع اربعہ میں چونکہ مباحث بکثرت ہے لہذا مصنف نے ان کے بیان پر اکتفا کی اور باقی کو چھوڑ دیا پھر دوا حصر کا کیا نہیں کہ اعتراض واقع ہو **قولہ الاول سماعی** یعنی ان مواضع اربعہ میں سے اول سماعی ہے۔ جس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ وہ مورد سماع پر موقوف ہے جیسے قولہ امرأ ونفسہ یہ اصل میں اترک امرأ ونفسہ تھا یعنی مرد کو مع اسکے نفس کے چھوڑ اور اپنے ہاتھ اور زبان کو اسکے مارنے اور نصیحت کرنے سے روک لے پس یہاں امرأ اترک کا مفعول بہ ہے فعل کو حذف کر دیا گیا۔ **قولہ وانتہوا الخ** یہ اصل میں انتہوا عن التثلیث واقصدوا خیرا لکم تھا یعنی تم تین خدا کہنے سے بچو اور اپنے لئے خیر کا قصد کرو پس یہاں خیرا مفعول بہ ہے اور اس سے پہلے اقصدوا فعل محذوف ہے **قولہ اہلا وسہلا** ای اتیت اہلا ووطیت سہلا یعنی تو اپنے اہل میں آیا اور تو نے نرم زمین کو روندا پس مثال مذکور میں مفعول بہ کے فعل کو سماعا حذف کر دیا اور یہ حذف واجب ہے اہل مرحبا اہلا سہلا کو اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص سفر کر کے بطور مہمان کے وارد ہوتا ہے نیز جاننا چاہیئے کہ لفظ اہل مقابلہ میں دو چیزوں کے آتا ہے۔ ایک اجانب یعنی بیگانوں کے دوسرے اقراب یعنی جائے ولادت کے اپنے ہوں جو اول کی تقدیر کلام یہ ہوگی اتیت اہلا لا اجانب یعنی نزدیک رشتہ داروں کے ایا نہ اجانب کے اور بنا بر ثانی کے اہل بمعنی ماہول ہوگا اور اس کیلئے موصوف مقدر کیا جائیگا۔ یعنی لفظ مکان ہے اتیت مکانا ماہولا مانوسا لا خربا اور سہل بمعنی زمین نرم مقابل حزن یعنی درشت اور زمین ناہموار کے ہے ای وطیت سہلا من البلاد ولا حزنا یعنی تو نے شہروں کی نرم زمین میں سفر کیا نہ جائے درشت اور نہ ہموار میں۔ **قولہ والبواقی** یعنی باقیہ کی جمع ہے یعنی باقی مواضع قیاسی ہیں یعنی ایسے قواعد کلیہ ہیں کہ جہاں وہ ضابطے حاصل ہوتے ہیں فعل محذوف ہو جاتا ہے **قولہ الثانی التحذیر** یعنی جن مواضع میں مفعول بہ کے عامل ناصب کو وجوبا محذوف کیا جاتا ہے۔ ان میں سے دوسرا موضع تحذیر ہے اور باعث وجوب حذف کا اس جگہ تنگی مقام اور قلت فرصت ہے **قولہ وہو معمول بتقدیر اتق الخ**۔ تحذیر کے معنی لغت میں ڈرانے کے ہیں کہ جس کو ڈرایا جائے وہ محذر اور جس سے ڈرایا جائے وہ محذر منہ ہے اور اصطلاح نحاۃ میں تحذیر وہ اسم ہے جو بنا بر مفعولیت اتق مقدر یا بعد مقدر کا معمول ہے اور یہ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے دوسرے وہ کہ اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو لیکن وہ محذر منہ ہو جس کو مکرر کیا گیا ہے پس تحذیر کی قسم اول اپنے مابعد سے محذر ہے اور قسم ثانی محذر منہ ہے جس کو مکرر کیا گیا ہے اور یہ دونوں قسمیں اس امر میں شریک ہیں کہ دونوں اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہوتی ہیں پھر عامل قولہ تحذیرا کا یا تو حذر فعل محذوف ہے ای حذر ذلک المعمول تحذیرا یا ذکر فعل محذوف ہے ای ذکر ذلک المعمول لاجل تحذیرہ پس تحذیرا پہلی صورت میں مفعول مطلق اور دوسری صورت میں مفعول لہ وعلی ہذا القیاس قولہ وذکر المحذر منہ کا عطف ذکر یا حذر مقدر پر ہے۔ اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قولہ تحذیرا مما بعدہ اپنے فعل مقدر کے ساتھ مل کر معمول کی صفت ہے اور فعل مقدر میں ایک ضمیر ہے۔ جو معمول موصوف کی طرف عائد ہے۔ اس لئے کہ جملہ جب صفت ہوتا ہے تو اس میں ایک ضمیر ہوتی ہے۔ جو کہ موصوف کی طرف لوٹتی ہے تاکہ صفت اور موصوف کے درمیان ارتباط حاصل ہو پس بہ قاعدہ مذکورہ بالا یہاں بھی معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور جب معطوف علیہ میں ضمیر ہوئی تو معطوف میں بھی ایک ضمیر ہونی چاہیے جو موصوف کی طرف عائد ہو تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں تناسب باقی رہے اور دونوں کا ایک حکم ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ معطوف یعنی قولہ اور ذکر المحذر منہ میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو موصوف کی طرف عائد ہو پس معطوف اور معطوف علیہ میں رعایت تناسب کی نہ ہوئی اور دونوں کا ایک حکم نہ ہوا لہذا عطف کیونکر صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ معطوف میں عائد ہونا چاہیئے تھا لیکن عائد کا فقط ضمیر میں منحصر ہونا ہم کو تسلیم نہیں بلکہ مظہر کے موضع میں مضمر کا آنا بھی عائد ہے پس معطوف مذکور عائد سے خالی نہیں اسلئے کہ عطف مذکور صحیح نہ ہو۔ لا

اصلُهٗ اِتَّقِكَ والاسَدَ اوذُكِرَ المحذُوفُ منه مكرراً نحو الطريقَ الطريقَ الثالثُ ما اُضمِرَ عاملُهٗ على شريطةِ التفسيرِ وهو كلُّ اسمٍ بعدَهٗ فعلٌ او شبهُهٗ يشتغِلُ ذٰلكَ الفعلُ عن ذٰلكَ الاسمِ بضميرِهٖ او متعلِّقِهٖ بحيثُ لو سُلِّطَ عليهِ هو او مناسبُهٗ لنصبَهٗ نحو زيداً اضربتُهٗ فانَّ زيداً منصوبٌ بفعلٍ محذوفٍ مضمرٍ وهو ضربتُ يفسرُهٗ الفعلُ المذكورُ بعدَهٗ وهو ضربتُهٗ

قولہ اصلہ اتقک الخ مصنفؒ نے یہ اصل بادی النظر کے اعتبار سے نکالی ہے ورنہ یہ اصل میں بعدک والاسد تھا اوّل میں لفظ نفس کو زیادہ کیا گیا اور بعد میں بعد نفسک والاسد کیا گیا اسلئے ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول کا اتصال مناقل کے ساتھ جب کہ ان دونوں سے مراد شئ واحد ہو جائز نہیں مگر افعال قلوب میں جائز ہے جیسے علمتنی پس جب لفظ نفس زیادہ ہوا تو اب مفعول اسم ظاہر ہو گیا اور محذوف لازم نہ آئیگا پھر جب تعلی مقام کی وجہ سے ضل کو حذف کیا گیا تو اسکے ساتھ ضمیر فاعل کو بھی حذف کیا گیا اور لفظ نفس کو بھی اسلئے کہ اب اسکی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور ضمیر متصل کو منفصل سے بدلا پس ایاک والاسد ہو گیا۔ **قولہ الطریق الطریق** ۔ اصل میں اتق الطریق تھا فعل کو حذف کر کے معمول جو کہ محذوف منہ ہے مکرر کر دیا تاکید کی غرض سے ایسے ہی الجدار الجدار ہے۔ **قولہ الثالث ما اضمر عاملہ الخ** یعنی تیسرا موضع ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے یعنی وہ مفعول بہ کے جس کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے آ رہی ہے۔ شریطۃ اور شرط دونوں کے معنی ایک ہیں شریطۃ التفسیر میں اضافت بیانیہ ہے ای علی شریطۃ ہی التفسیر پھر عامل کا حذف اس جگہ پر اسلئے ضروری ہے کہ اگر حذف نہ کریں گے تو اجتماع مفسر اور مفسر لازم آئے گا اور وہ علی الاطلاق جائز نہیں۔ **قولہ وھو کل اسم الخ** یہاں سے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف کا بیان ہے۔ یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر وہ اسم ہے کہ جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل ہو کہ وہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کریں یعنی ضمیر اسم یا اس کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل کو اس اسم کو نصب دے دے اب ما اضمر عاملہ الخ کی تعریف کے بعد اسکے فوائد قیود سننے کے بعد وہ فعل اور شبہ کہنے سے اس اسم سے احتراز ہے کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہ ہو جیسے زیدٌ ضربتُ اور اما المسائل فلا تشتہر اور لو سلط علیہ ہوا ونیاسبہ لنصبہ سے وہ اسم خارج ہے کہ بعد مسلط کرنے فعل یا شبہ فعل کے منصوب نہیں ہوتا جیسے زیداً ضربتُ اسلئے کہ اگر اس جگہ فعل کو مسلط کریں گے تو زید مفعول مالم یسم فاعلہ ہوگا اور اس پر نصب نہیں آئیگا پھر جاننا چاہیئے کہ فعل یا شبہ فعل کا عدم عمل اس اسم میں صرف ضمیر اسم یا اسکے متعلق میں عمل کرنیکی وجہ سے ہو نہ کہ کسی اور وجہ سے پس وہ صورت اس سے خارج ہو جائیگی کہ جس میں سوائے اس وجہ کے کسی اور وجہ سے وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل نہیں کرتا جیسے زیدٌ ضربتُ کہ یہاں ضربتُ کا عدم عمل زید میں صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ضمیر زید میں عمل نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اسکا زید میں عمل نہ کرنا اسلئے ہے کہ زید مرفوع ہے اور اس میں معنی ابتدا کے عامل ہیں فائدہ اوپر گزر چکا ہے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں یہ شرط ہے کہ جو فعل یا شبہ فعل کہ اس اسم کے بعد واقع ہے وہ بوجہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور یہ کہ جب اس فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے پس اس جگہ خواہ فعل کو اس اسم پر مقدم کریں یا شبہ فعل کو عقلاً یا وہ صورتیں پیدا ہوتی ہیں اسلئے کہ جب فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کریگا تو اس صورت میں عین فعل کو مقدم کیا جائیگا یا اس کے مناسب مرادف کو یا اسکے مناسب لازم کو ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کریگا تو اس میں بھی یہ ہی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں علی ہذا القیاس جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو تو اس صورت میں بھی ہر ایک کی یہ ہی تین تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور مجموعہ ان تمام کا بارہ صورتیں ہیں لیکن ان میں سے چار صورتیں مفقود ہیں اسلئے کہ جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے تو اس کی جگہ بجز فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کے مسلط کرنے کے اور کوئی صورت نہیں پس آٹھ صورتیں باقی رہتی ہیں۔ **قولہ نحو زیداً اضربتہ** ۔ مصنفؒ نے فقط ایک مثال دی ہے یعنی اس فعل کی جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اس فعل کو اس پر مسلط کریں تو یہ اس کو نصب دیگا جیسے ضربتُ زیداً اور باقی کی امثلہ کو مصنفؒ نے ترک کر دیا مبتدیوں کی آگاہی کیواسطے ان کا بیان ضروری ہے۔ پس زیداً ضربتہ اس فعل کی مثال ہے کہ جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اس اسم پر فعل مذکور کے مناسب مرادف کو مسلط کریں گے تو وہ اس کو نصب دے دیگا جیسے جاوزت زیداً اسلئے کہ مررت باو کیساتھ متعدی ہونے کے بعد جاوزت کے معنی میں ہے۔ لیکن جب ہم اس جگہ بعینہ فعل مذکور کو مسلط کریں تو اس اسم پر نصب نہ آئیگا اسلئے کہ فعل مذکور کو مسلط کرنیکی دو صورتیں ہیں یا تو بار کے ساتھ اس کو مقدم کریں گے یا بدون بار کے اگر بار کے ساتھ مقدم کریں جو اس پر بجائے نصب کے جر آئے گا۔ بدون بار کے فعل مذکور لازم ہوگا مفعول کو نہیں چاہتا کہ نصب دے زیداً ضربت غلامہ (باقی صفحہ ۸۴ پر)

ولهذا الباب فروعٌ كثيرةٌ الرابع المنادى وهو اسمٌ مدعوٌّ بحرف النداء لفظاً نحو يا عبدَ اللهِ اى ادعو عبد الله وحرفُ النداءِ قائمٌ مقامَ ادعو وحروفُ النداءِ خمسةٌ يا وايا وهيا واى والهمزةُ المفتوحةُ

(متعلقہ حاشیہ ص۸۳) مثال اس فعل کی ہے کہ جو متعلق اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم سے بے پرواہ ہے اور جب فعل مذکور کے مناسب بالملزوم کو اس پر مسلط کیا جائیگا تو وہ اس کو نصب دے دیگا۔ ای اہنت زیدًا اسلئے کہ عرفًا ضرب غلام سے اہانت خواجہ لازم آتی ہے۔ پھر یہاں اگر عین فعل مذکور کو مسلط کریں تو نصب نہ آئے گا اسلئے کہ اگر فعل کو غلام کیساتھ مقدم کریں تو اسم مذکور مجرور ہوگا۔ اور بدون غلام کے مقدم کریں تو مقصود فوت ہو جائے گا اور زیدًا جلست علیہ یہ مثال اس فعل کی ہے۔ جو ضمیر اسم میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اسم مذکور پر فعل مذکور کے مناسب لازم کو مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے دیگا ای لابست زیدًا اسلئے کہ زید پر کسیکا محبوس ہونا اسکی ملابست کو مستلزم ہے پھر یہاں عین فعل کی تسلیط سے نصب نہیں آسکتا اسلئے کہ اگر اسکو علی کے ساتھ مقدم کریں تو وہ مجرور ہوگا اور بدون علی کے مقدم کریں تو مفعول نہ ہوگا اسلئے کہ ضمیر جلست کی اسکا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور شبہ فعل کی مثالیں یہ ہیں کہ زیدًا ناضارب اس میں عین شبہ فعل کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا ضارب زیدًا اور زیدًا انا ضارب۔ یہاں مناسب بالترادف کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا مجاوز زیدًا اور زیدًا انا ضارب غلامہ اس میں مناسب بالملزوم کی تقدیم سے نصب آئے گا ای انا مہین زیدًا اور زیدًا انا محبوس علیہ اس میں بھی مناسب بالملزوم کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا ملابس زیدًا پہلی تین مثالوں میں شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم کو اپنا معمول بنانے سے بے پرواہ ہے اور مثال چہارم میں متمسن اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرے گا (حاشیہ صفحہ ہذا) **ولهذا الباب** یعنی اس باب کے لئے بہت سی فرعیں ہیں یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی باعتبار اعراب کے پانچ صورتیں ہیں خواہ وہ حقیقۃً ما اضمر عاملہ ہو یا بادی النظر میں اس پر ما اضمر عاملہ کی تعریف صادق آئے وہ پانچ صورتیں یہ ہیں (۱) اختیار رفع (۲) اختیار نصب (۳) وجوب رفع (۴) وجوب نصب (۵) تساوی رفع و نصب تفصیل چونکہ طول رکھتی ہے اسوجہ سے ترک کیجاتی ہے۔ **قوله الرابع المنادى** یعنی چوتھا موضع ان مواضع اربعہ میں سے کہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے منادیٰ ہے اور منادیٰ وہ اسم ہے جسکے مسمیٰ کی اجابت کا سوال کیا گیا ہو بواسطہ حرف ندا کے درآں حالیکہ وہ حرف تلفظ کیا گیا ہو مصنف کا قول لفظاً باعتبار ترکیب کے دو احتمال رکھتا ہے یا تو ملفوظ کے معنے میں ہو کر حال ہے۔ یا تمیز ہے اب یہ حال اور تمیز یا تو اسم سے ہے یا حرف ندا سے اول پر مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم ملفوظ ہو یا سوال اجابت اس تعریف اسم کے تلفظ کے اعتبار سے ہو اور ثانی پر یہ مطلب ہوگا کہ وہ حرف ندا ملفوظ ہو یا اس کے تلفظ کے اعتبار سے ندا ہو منادیٰ کی جو مصنف نے تعریف کی ہے یہ مراد اس شخص کی ہے جو مطلوب اجابت کا ذکر کرتا ہے اس نے ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا ہے۔ اسم کا لفظ منادیٰ اور غیر منادیٰ دونوں کو شامل ہے اور مدعو کی قید اس میں احترازی ہے مندوب اس سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے کہ اسکے مسمیٰ سے اجابت کا سوال نہیں ہوتا ہے بلکہ اسپر اظہار تفجیع اور گریہ کرنا مقصود ہوتا ہے پھر سوال اجابت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ منادیٰ اپنا رخ نادی کی طرف کرے جیسے مثلاً کوئی شخص ہم سے پشت کئے کھڑا ہو اور ہم بذریعہ ندا کے اس کے چہرے کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں دوسرے یہ کہ منادیٰ اپنا دل نادی کی طرف کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص باوجودیکہ ہماری طرف منہ کئے کھڑا ہے۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ دل سے ہماری طرف متوجہ ہو غرضیکہ دعوت کی یہ دو صورتیں ہیں اور ہر دو صورت دعوت حقیقی کی ہیں اور ان کے مقابلہ میں ایک دعوت حکمی ہے اور وہ یہ کہ جس چیز میں اجابت سوال کی صلاحیت نہ ہو اس پر حرف ندا کو داخل کریں جیسے یا سماء یا جبال پس یہاں سماء اور جبال کو حقیقۃً اپنی طرف مدعو کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو مدعو مجازًا کیا گیا ہے بحرف الندا کی قید سے مثل ادعو زیدًا سے احتراز ہو گیا اسلئے کہ اس میں زید بذریعہ حرف ندا کے مدعو نہیں ہے ایسے لیے زیدًا سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ یہاں دعوت فعل زید بذریعہ حرف ندا کے نہیں ہے۔ **قوله نحو يا عبدَ اللهِ اى ادعو عبد الله** یعنی یا عبد اللہ کی اصل ادعو عبد اللہ یا انادی عبد اللہ ہے فعل مع فاعل کو حذف کرکے اس کے قائم مقام حرف ندا کو کر دیا ہے اس پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں اول اگر یہاں پر فعل محذوف اور حرف ندا قائم مقام ہو تو لازم آتا ہے کہ یہ جملہ ندائیہ خبریہ ہو حالانکہ یہ جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ انشائیہ ہے جواب فعل کی تقدیر اس کے جملہ خبریہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے چونکہ اس سے انشاء مراد لینا جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ بعت اور اشتریت کہ فعل ہیں بلفظ ماضی ان سے انشاء مراد ہے ثانی اعتراض یہ ہے کہ ادعو زیدًا حکایت مع الغیر مستعمل ہے اور یا زید اس کا احتمال نہیں رکھتا ہے لہذا یا زید کی اصل ادعو زیدًا نہیں ہو سکتی ہے جواب یا زید کی اصل ادعوک ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دیا اور حرف ندا کو ادعو کے قائم مقام کر دیا اور ادعوک حکایت مع الغیر کا احتمال نہیں رکھتا ہے لہذا جو اس کے قائم مقام ہوں گے وہ بھی احتمال نہیں رکھیں گے جاننا چاہیے کہ فعل کا حذف کرنا اس مقام پر کثرت استعمال کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے تاکہ نائب اور منوب میں جمع لازم نہ آوے اور سیبویہ کا مذہب ہے اس کے نزدیک منادیٰ کا ناصب فعل ہے اور زجاج وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ ناصب منادیٰ خود حرف ندا ہے لہذا اس وقت منادیٰ تمامًا حرف فیہ سے نہ ہوگا۔

وقد يُحذفُ حرفُ النداء لفظًا نحو يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هذا واعلم أنّ المنادى على اقسامٍ فان كان مفردًا معرفةً يُبنى على علامةِ الرفعِ كالضمةِ ونحوها نحو يا زيدُ ويا رجلُ ويا زيدانِ ويا زيدونَ ويُخفضُ بلامِ استغاثةٍ نحو يا لزيدٍ ويُفتحُ بالحاقِ الفها نحو يا زيداه ويُنصبُ ان كان مضافًا نحو يا عبدَ اللهِ او مشابهًا للمضافِ نحو يا طالعًا جبلًا او نكرةً غيرَ معيّنةٍ كقولِ الاعمى يا رجلًا خُذْ بيدي وان كان معرّفًا باللامِ قيل يا ايها الرجلُ ويا ايّتها المرأةُ ويجوز

قولہ قد یحذف الخ یعنی جس وقت کوئی قرینہ قائم ہو تو حرف ندا کا منادیٰ پر سے تلفظ میں حذف کرنا جائز ہے مگر یہ حذف کرنا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اگرچہ مصنفؒ نے ان شرطوں کو ذکر اترک کر دیا ہے۔ ہم برائے افادہ انکو لکھ دیتے ہیں تو جاننا چاہیئے کہ جب منادیٰ اسم جنس ہو تو اسوقت حرف ندا کا حذف کرنا ناجائز ہے اور مراد اسم جنس سے یہ ہے کہ حد ارسے پہلے نکرہ ہو عام اس سے کہ ندا سے معرفہ ہو گئی ہو جیسے یا رجل یا نکرہ ہی رہے۔ جیسے یا رجلًا اور وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی ندا مثل علم کے کثیر الاستعمال نہیں پس اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیں گے تو ذہن اسکے منادیٰ ہونیکی طرف سبقت نہیں کریگا ایسے ہی جب منادیٰ اسم اشارہ ہو تو اس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا اسلئے کہ وہ قلت ندا میں مثل اسم جنس کے ہے اسی طرح جب منادیٰ مستغاث اور مندوب ہو گا تو اس سے حروف ندا کو حذف نہ کیا جائیگا اسلئے کہ دونوں میں درازی آواز کی مطلوب ہوتی ہے اور حذف اسکے منافی ہے سوال حرف ندا را دعو کا نائب ہے اور نائب محذوف نہیں ہوتا ہے ورنہ نائب اور منوب بہ دونو کا حذف لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے جواب نائب کا حذف کرنا اسوقت درست نہیں ہوتا ہے جب منوب کا حذف کرنا درست نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں **قولہ یوسف اعرض عن ہذا** یہ اصل میں یا یوسف اعرض عن ہذا تھا یا حرف ندا محذوف ہوگی اور قرینہ حذف کا یہ ہے کہ اگر یوسف سے پیشتر یا حرف ندا کو مقدر نہ مانیں گے تو یوسف مبتدا اور اعرض عن ہذا خبر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ انشاء ہے اور انشاء کو بلا تاویل خبر بنانا درست نہیں پس معلوم ہوا کہ یوسف سے پہلے حرف ندا محذوف ہے **قولہ فان کان مفردًا الخ** یعنی منادیٰ جب مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے مفرد سے مراد یہ ہے کہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو اور معرفہ سے مراد عام ہے کہ قبل ندا کے معرفہ ہو جیسے یا زید یا بعد ندا کے جیسے یا رجل اور وجہ منادیٰ مفرد معرفہ کے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ وہ کان اسکی موقع میں واقع ہوتا ہے اور کان اسکو کان خطاب حرفیہ کیساتھ لفظاً و معناً مشابہت ہے پس بوجہ مناسبت مبنی اصل کے منادیٰ مفرد معرفہ مبنی ہوگا اب اگر کوئی کہے کہ جب تمہیں منادیٰ مفرد کو مبنی کرنا تھا تو سکون پر مبنی کرنا چاہیئے تھا جو کہ بنا میں اصل ہے علامت رفع پر مبنی کرنیکی کیا وجہ ہے جواب یہ ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ بوجہ مشابہت کے مبنی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا اور سکون اس مبنی کی علامت ہے جو کہ اصل ہے وہ سکون پر مبنی نہ ہوگا اور نہ علامت نصب اور جر پر اسلئے کہ علامت نصب مبنی کرنیکی حالت میں اسکا التباس اس منادیٰ کیساتھ ہوگا جو یا مسلم کیطرف مضاف ہے اور یا مسلم کو الف سے بدلکر ماقبل الف کو فتحہ اور الف کو گرا دیا گیا ہے جیسے یا غلام اور علامت جر پر مبنی کرنیکی صورت میں اس منادیٰ کیساتھ التباس ہوگا جو کہ یا مسلم کیطرف مضاف ہے اور یا مسلم کو حذف کرکے کسرہ ماقبل کو باقی رکھا گیا ہے جیسے یا رب پس جب یہ صورتیں التباس کی ہیں تو اب کیا کرسکے اور کوئی صورت نہیں کہ اسکو علامت رفع پر مبنی کیا جائے باقی مصنف کا مبنی علی علامۃ الرفع کہنا اور مبنی علی الضم نہ کہنا اسوجہ سے ہے کہ یہ حرف اور حرکت دونو کو شامل ہو جائے مثل یا زید یہ مثال اس منادیٰ مفرد معرفہ کی ہے جو کہ غیر مبنی ہو اور قبل از ندا معرفہ ہو **قولہ یا رجل** یہ مثال اسی منادیٰ مفرد معرفہ ہے قبل از ندا نکرہ ہو یہ مثال اس منادیٰ کی ہے کہ الف پر مبنی ہے **قولہ یا زیدان** یہ مثال اس منادیٰ کی ہے جو کہ واو پر مبنی ہے **قولہ ویخفض بلام الاستغاثۃ** الخ یعنی جب منادیٰ پر لام استغاثہ کا داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہو جائیگا استغاثہ کے معنی فریاد طلب کرنیکے ہیں اور لام استغاثہ لام ہے جو بوقت استغاثہ کے مستغاث پر داخل ہوتا ہے اور یہ لام جملہ مفتوح ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مکسور ہوگا تو اسکا التباس لام مکسور مستغاث لہ سے ہوگا جبکہ مستغاث کو حذف کرکے مستغاث لہ کو مستغاث بہ کر دیا جائے کیونکہ اصل میں یا قوم للمظلوم تھا اب اگر کوئی کہے کہ اسکا برعکس کیوں نہیں کیا گیا اگر لام مستغاث کو مکسور اور لام مستغاث لہ کو مفتوح کرتے اس صورت میں بھی التباس نہ تھا جواب یہ ہے کہ مستغاث جگہ میں کاف ضمیر کے ہے اور ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے جیسے لک لہذا یہ لام بھی مفتوح ہوگا ۔ بخلاف مستغاث لہ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ میں واقع نہیں لہذا اسپر داخل ہونیوالا لام مفتوح نہ ہوگا ثابت ہوا کہ لام مستغاث مفتوح اور لام مستغاث لہ مکسور ہوتا ہے اسکا برعکس نہیں ہو سکتا پھر لام مستغاث لام جارہ ہے لہذا جب وہ منادیٰ پر داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہوگا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اسوقت منادیٰ پر دو عامل مجتمع ہیں ایک تو دوسرے لام اور دونوں میں سے لام عامل بنفسہٖ ہے اور منادیٰ کے قریب ہے یا رمیں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ عامل بنفسہٖ نہیں باعتبار فعل کے عامل ہے اور بنسبت لام کے منادیٰ سے بعید ہے پس جب لام نسبۃً یا سے کے عامل قوی اور قریب ہے لہذا اسکو عمل دیا جائیگا اور منادیٰ مجرور ہوگا۔ **قولہ نحو یا لزید** یہ مثال منادیٰ مستغاث مجرور کی ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اے زید مظلوم کی فریاد رسی کر پس زید مستغاث ہے کہ اس سے فریاد رسی کی ہے اور مظلوم مستغاث لہ ہے کہ اس کے لیے فریاد چاہتے ہیں اس مثال میں مستغاث لہ مذکور نہیں بلکہ محذوف ہے **قولہ ویفتح بالحاق الفہا** یعنی جب منادیٰ کے آخر میں الف استغاثہ کا داخل ہوگا تو وہ فتحہ پر مبنی ہوگا جیسے یا زیداہ الف اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے لیکن جب الف استغاثہ کا ہو گا لام استغاثہ کا داخل نہ ہوگا اس لیے کہ لام اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے اور الف اپنے ماقبل فتحہ کو چاہتا ہے پس دونوں کے اثر میں منافات ہے اور وہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے **قولہ نحو یا زیدہ** یہ مثال اسی منادیٰ کی ہے کہ جس پر الف استغاثہ کا داخل ہے اور وقف کیوجہ سے اسکے آخر میں ہا کا اضافہ کیا گیا ہے **قولہ منصوب** الخ کا ترجمہ چار صورتیں ہیں ایک تو منادیٰ مفرد ہو بلکہ مضاف ہو دوسرے مشابہ مضاف ہو جو تیسرے صرف نہ ہو چوتھے نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو

ترخیمُ المنادیٰ وھو حذفٌ فی اٰخرہٖ للتخفیفِ کما تقول فی مالکٍ یا مال وفی منصورٍ یا منصُ وفی عثمانَ یا عثمُ ویجوزُ فی اٰخر المنادیٰ المرخَّم الضمُّ والحرکۃُ الاصلیۃُ کما تقولُ فی یا حارثُ یا حارُ ویا حارِ واعلمَنَّ یا من حروفِ النداءِ قد تستعملُ فی المندوب ایضًا وھو المتفجَّعُ علیہ بیا اوواکما یقالُ یا زیداہ ووازیداہ فوا مختصّۃٌ بالمندوب ویا مشترکۃٌ بین النداءِ والمندوب وحکمُہٗ فی الاعراب والبناءِ مثلُ حکمِ المنادیٰ

فصل المفعولُ فیہِ ھو اسمُ

(متعلقہ حاشیہ ص۸۵) منادیٰ منصوب کیوں ہوتا ہے باوجودکان غیر جو کہ کاف خطاب کے مشابہ ہے اسکے ساتھ مشابہت رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بر جہت اسمیت کے قوی ہونیکے سبب سے کمزور ہو گئی ہے اسر جہ سے بنا بر مفعولیت کے منصوب ہو جاتا ہے۔ قولہ مشابہا للمضاف۔ مشابہ مضاف اس اسم کو کہتے ہیں کہ اس کے معنے بدون انضمام مابعد کے تام نہ ہو جیسا کہ مضاف اور مضاف الیہ کا حال ہے کہ مضاف بدون مضاف الیہ کے نام نہیں ہوتا ہے (حاشیہ صفحہ ہذا) قولہ یجوز ترخیم المنادیٰ۔ مصنفؒ یہاں سے ترخیم کو بیان کرتا ہے اسلئے کہ وہ خصائص ندا سے ہے منادیٰ میں ترخیم فخر اور نظم دونوں میں درست ہے اسلئے کہ ندا تخفیف کا مقام ہے اور مقصود اس سے غیر ندا ہوتا ہے پس مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو ندا سے جلد فارغ ہو کر مقصود میں مشغول ہوں ترخیم کے معنی لغت میں نرم و آسان کر دینا ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو مصنفؒ نے بیان کیا ہے کہ منادیٰ کے آخر سے کسی حرف کو بغرض تخفیف گرا دینا یعنی یہ گرانا کسی قانون صرفی اور سماع لغوی کی بنا پر نہ ہو۔ قولہ کما تقول فی مالک الخ۔ مصنفؒ ترخیم منادیٰ کی تین مثال لایا ہے اس لئے کہ اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ منادیٰ جب اسم مرکب نہیں ہوتا تو ترخیم کے وقت اس سے کبھی ایک حرف حذف ہوتا ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے آخر میں دو زیادتی ایک زیادتی ہے حکم میں نہ ہو اور نہ اسم کے آخر میں حرف صحیح اس کے پہلے مدہ ہو جیسے مالک کہ اس کے آخر میں وہ زیادتی فی حکم واحد اور حرف صحیح قبلہ مدہ نہیں لہذا ترخیم کے وقت اس میں سے ایک حرف محذوف ہوگا۔ اور کبھی دو حرف حذف ہوتے ہیں جبکہ منادیٰ ان دو قسموں میں سے ہو جو مذکور ہوئیں جیسے منصور اور عثمان کہ منصور ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں حرف صحیح ہے اور اس کے پہلے مدہ ہے۔ لہذا ترخیم کے وقت دو حرف حذف ہونگے اور یا منص کہا جائیگا اور عثمان ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں دو زیادۃ فی حکم واحد نہیں جب اس میں ترخیم کریں گے تو حرف الف و نون اکٹھے گرا دیں گے اور یا عثم کہیں گے قولہ ویجوز فی آخر المنادیٰ یعنی وہ منادیٰ جس میں ترخیم کی گئی ہے کبھی اسکو بمنزلہ اسم مستقل کے کرتے ہیں گویا کہ اس سے کوئی حرف حذف نہیں ہوا پس تعلیل اور بنا میں اسکے ساتھ منادیٰ مستقل کا معاملہ کرتے ہیں چنانچہ یا حارث میں جب ثاء کو گرا دیتے ہیں تو مبنی علی الضم کر لیتے ہیں اور یا حارُ بالضم پڑھتے ہیں اسلئے کہ وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے پس مبنی علی الضم ہوگا اور یہ بھی درست ہوتا ہے کہ محذوف سے پیشتر کا حرف ترخیم سے پہلے جس حالت پر تھا۔ اسی حالت پر باقی رہیگا مثلاً یا حارث میں ثاء سے پہلے حرف را کو کسرہ ہے ترخیم کے بعد بھی اس کو کسرہ پڑھا جائے اسوقت گویا کہ محذوف اس کے آخر میں موجود ہے قولہ یا من حروف الخ۔ یعنی یا حرف ندا سے ہے کبھی استعمال مندوب میں بھی ہوتا ہے کیونکہ تمام حروف ندا میں یہ زیادہ مشہور ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکو وسعت دی جائے کہ غیر منادیٰ میں بھی اسکا استعمال کیا جائے لیکن یہ استعمال اسوقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ فارق بین ندا اور ندبہ پایا جاوے اور اگر فارق نہ ہو تو پھر اس طرح اسکا استعمال نہیں ہوتا ہے قولہ وھو المتفجع الخ۔ تفجیع کے معنے درد مند ہونا اسکا صلہ لام کیساتھ آتا ہے لہذا المتفجع لہ ہونا چاہیے تھا البتہ اگر کہا جاوے کہ کلمہ علی مبنی لام ہے جیسے محمود علیہ میں علی بمعنی لام ہے یا یکاء پر کے معنے کی تضمین کی بنا پر علی لایا گیا ہے تو پھر علی یہاں پر درست ہو سکتا ہے ورنہ نہیں الف لام المتفجع علیہ میں بمعنی الذی ہے۔ اور اس سے پہلے مضاف اسم مقدر ہے اور اسم مفعول بمعنی فعل مجہول ہے تو جو یہ ہوا کہ ای اسم الذی یعنی یتفجع علیہ بیا او واو یعنی مندوب اس ذات کا اسم ہے جسکی وجہ سے درد مند ہوا جاتا ہو بذریعہ یا کے یا واو کے عام اس کے کہ وہ متفجع علیہ موجود ہو یا عدماً ہو پس متفجع علیہ عدم وہ چیز ہے کہ اسکے عدم پر درد مندی کی جاوے جیسے مردہ کہ اس پر نوحہ کرنیوالے گریہ کریں اور متفجع علیہ موجود وہ چیز ہے کہ اسکے وجود پر اظہار درد مندی کی جائے اس لئے کہ ایک چیز معدوم ہوتی ہے کسی کی وجہ سے اس چیز کا موجود ہونا جیسے وامصیبتاہ وا اسرتاہ وا ارملاہ کہ نوحہ کرنیوالے اپنے عزیز کی وفات کیوقت کہتے ہیں مندوب کی یہ تعریف ہر دونوں قسم کے مندوب کو شامل ہے قولہ حکمہ الخ یعنی مندوب کا حکم اعراب و بناء میں مثل حکم منادیٰ کے ہے یعنی جیسا کہ منادیٰ معرفہ معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے ایسے مندوب معرفہ یعنی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور علی ہذا القیاس قولہ المفعول فیہ۔ یعنی تیسرا مفعول پانچ مفعولوں میں سے مفعول فیہ ہے اور وہ ایسی شے کا اسم ہے جس میں فاعل کا فعل واقع ہوا ہو مصنف نے لفظ اسم زیادہ کر کے اسی امر کی طرف اشارہ کر دیا جس کو ہم مفعول بہ میں بیان کر کے آئے ہیں فعل سے مراد یہاں پر فعل لغوی ہے یعنی حدث اور فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے لہذا یہ تعریف اسم فاعل اور اسم مفعول اور مصدر سب کو شامل ہو گئی اور فعل سے مراد یہاں پر عام ہے حقیقی ہو جیسے صمت زماناً یا تقدیری ہو جیسے یوم الجمعۃ (باقی بر صفحہ ۸۷ پر)

مَا وقع فعل الفاعِلِ فيه من الزمانِ والمكانِ ويسمّى ظرفاً وظروفُ الزمان على قسمين مبهمٌ وهو ما لا يكونُ له حدٌّ معينٌ كدهرٍ وحين ومحدودٌ وهو ما يكونُ له حدٌّ معيّنٌ كيومٍ وليلةٍ وشهرٍ وسنةٍ وكلُّها منصوبٌ بتقديرِ في تقولُ صُمتُ دهراً وسافرتُ شهراً اى في دهرٍ وشهرٍ وظروفُ المكان كذلك مبهمٌ وهو منصوبٌ ايضاً بتقديرِ في نحو جلستُ خلفَكَ وامامَكَ ومحدودٌ وهو ما لا يكونُ منصوباً بتقديرِ في بل لابدّ من ذكرِ فيه نحو جلستُ في الدارِ وفي السوقِ وفي المسجد فصل المفعول له هو اسمٌ ما لاجله يقع الفعل المذكورُ قبلَه

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۸۶) صمت فیہ کہ جو فعل یوم الجمعۃ میں واقع ہے مقدر ہے اور وقوع سے مراد عام ہے مطابقۃً ہو جیسے صمت الیوم یا تضمناً جیسے مزیت یوم الجمعۃ یعنی صمت یوم الجمعۃ حسن داخل ہے حالانکہ یوم الجمعۃ مفعول فیہ نہیں داخل اسی وجہ سے ہے کہ اس میں صوم واقع ہو رہا ہے۔ اگر مصنف المذکور کی قید بڑھا دیتا تو یہ تعریف سے نکل جاتا جیسا کہ صاحب کافیہ نے اس قید کے ذریعہ اس کو خارج کیا ہے حاصل یہ کہ ما وقع تمام اسماء زمان اور مکان کو شامل زمان اور مکان ایسا نہیں کہ جس میں کوئی مذکور فعل نہ کیا گیا ہو اسی وجہ سے مصنف کو مذکور کا لفظ زیادہ کرنا ضروری ہے تا کہ اعتراض مذکور نہ واقع ہو (حاشیہ صفحہ ہذا) قولہ من الزمان الخ یہ ما کا بیان ہے یعنی دراں حالیکہ ہو نیز والی ہو وہ چیز زمان یا مکان میں۔ زمان سے مراد وہ چیز ہے جو متی کا جواب ہو سکے اور مکان سے مراد وہ چیز ہے جو این کا جواب ہو سکے پھر زمان اور مکان سے مراد یہاں عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسے سرت یوم الجمعۃ خلفک عا اخفوق الخ و جلست مکان قیام زید مطلب یہ ہوا کہ مصدر کو ظرف کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے مضاف کو حذف کر کے مجالستہ کی وجہ سے اور کبھی اسم عین کو بھی مکان قرار دیتے ہیں اگرچہ ندرۃ ہی سہی جیسے جلست قدوم زید الشمس مفعول فیہ یعنی بناء پر منصوب ہے یعنی جلست وقت قدوم زید فی مکان بروز الشمس قولہ یسمی ظرفاً یعنی مفعول فیہ کا ایک نام ظرف بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ ظرف کے معنے برتن کے ہیں اور مفعول فیہ فعل کیواسطے مثل ظرف کے ہوتا ہے اس وجہ سے اسکا نام ظرف رکھتے ہیں قولہ ظروف الزمان۔ ظروف کی اضافت زمان کی طرف بمعنے من ہے جیسے باب الساج اور سوار الذہب ہیں یعنی الظروف التی ہی الزمان اور الزمان میں الف لام جنس کیواسطے ہے یعنی اس جنس کے ظروف ایسے ہی ظروف المکان ہے قولہ کلہا منصوب بتقدیر فی یعنی جمیع ظروف زمان مبہم ہوں یا محدود تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں اسلئے کہ زمان مبہم مفہوم فعل کا جزء ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جزء فعل کو علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق لہذا ظرف زمان مبہم بھی تقدیر فی کو قبول کرے گا اور زمان محدود کو زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں اسلئے کہ دونوں ذات یعنی زمانیت میں شریک ہیں نیز مصنف کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اس میں فی مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے دوسری قسم مفعول فیہ کی وہ ہے جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے اسصورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حروف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا اور یہ مصنف اور صاحب کافیہ کی رائے ہے اور جمہور کے نزدیک وہ ظرف کہ جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے جیسے جلست فی المسجد مفعول بہ بواسطہ حروف جار کے اور مفعول فیہ نہیں ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل واقع ہو اور فی اس میں مقدر ہو یعنی ان کے نزدیک مفعولیت فیہ کی صحت کیلئے تقدیر فی کی شرط ہے اور صحت نصب کے واسطے شرط نہیں بخلاف مصنف کے کہ اس کے نزدیک صحت نصب کے واسطے تقدیر فی کی شرط ہے اسیوجہ سے مصنف نے وہ تعریف جو جمہور نے کی نہیں کی قولہ ظروف المکان کذلک یعنی۔ ظروف مکان ظروف زمان کی طرح دو قسم پر ہیں ایک مبہم اور ایک محدود مبہم وہ ہیں جن کے لیے حد معین نہ ہو اور محدود وہ ہیں جن کے لیے حد معین ہو قولہ وہو منصوب الخ۔ یعنی جسطرح ظروف زمان منصوب ہوتے ہیں اس لئے کہ دونوں وصف ابہام میں شریک ہیں جیسے جلست خلفک اس میں خلف ظرف مکان مبہم ہے چونکہ مقابل پشت جس کے واسطے کوئی حد نہیں اس لیئے یہ موضوع ہے قولہ وہو ما لا یکون الخ یعنی ظرف مکان محدود تقدیر فی کیساتھ منصوب نہیں ہوتا ہے بلکہ فی کا ذکر اس میں ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کا اشتراک زمان مبہم کے ساتھ بالکل نہیں نہ ذات میں نہ صفت میں جیسے جلست فی المسجد۔ قولہ ہو اسم ما الخ یعنی مفعول لہ ایسی شے کا نام ہے جس کی وجہ سے ایسا فعل ہوتا ہو جو اس اسم سے پہلے ذکر کیا گیا ہو یعنی جس کے حاصل کرنے یا اس کے پائے جانے کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل سے مراد فعل لغوی ہے اور تعریف میں قولہ ما جنس ہے جو کہ تمام مفاعیل کو شامل ہے اور قولہ لاجلہ یقع الفعل الخ فصل ہے اس سے تمام مفاعیل خارج ہوتے ہیں اب اگر کوئی کہے بعض اوقات مفعول لہ کے فعل کو ذکر کیا جاتا ہے یا کہ تاویلاً اس آدمی کے جواب میں کہیں گے کہ جس نے کہا مزیت زیداً کہا پس یہ تعریف تمام افراد مفعول لہ کو شامل نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ مذکور سے مراد عام ہے حقیقتاً مذکور ہو یا حکماً پس مثال مذکور میں فعل اگرچہ حقیقتاً مذکور نہیں مگر حکماً مذکور ہے۔

* * * * * * * *

وينصب بتقدير اللام نحو ضربته تاديبا اى للتاديب وقعدت عن الحرب جبنا اى للجبن وعند الزجاج هو مصدر تقديره ادبته تاديبا وجبنت جبنا فصل المفعول معه هو ما يذكر بعد الواو بمعنى مع لمصاحبة معمول الفعل نحو جاء البرد والجبات وجئت انا وزيدا اى مع الجبات ومع زيد فان كان الفعل لفظا وجاز العطف يجوز فيه الوجهان النصب والرفع نحو جئت انا وزيدا او زيد وان لم يجز العطف تعين النصب نحو جئت وزيدا وان كان الفعل معنى وجاز العطف تعين العطف نحو ما لزيد وعمرو

قولہ وینصب الخ یعنی مفعول لہ تقدیر لام کے ساتھ منصوب ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو اسلئے کہ اگر مذکور ہوگا تو جر در ہوگا مصنف کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک مفعول لہ اس چیز کا نام ہے کہ جسکے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو خواہ لام اس میں مذکور ہو یا مقدر البتہ اسکے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو اور یہی خلاف اصطلاح قوم کے ہے اسلئے کہ وہ مذکور اللام کو مفعول لہ نہیں کہتے بلکہ مفعول بہ کہتے ہیں جس وقت فعل معلل بہ کا فاعل اور مفعول لہ فعل معلل ایک ہوتا ہے اور مفعول لہ فعل معلل بہ کیساتھ وجود میں مقارن ہوتا ہے اسوقت مفعول لہ مفعول مطلق کا جز ہوجاتا ہے اس وجہ سے اسوقت اسکا اسلئے منصوب ہونا ہے بخلاف اسکے کہ جب یہ شرط نہ پائی جاوے تو فعل کا جز نہیں ہوتا ہے تو اس وقت لام کا اظہار ضروری ہوتا ہے **قولہ ضربتہ تادیبا** یہ مثال ان مفعول لہ کی ہے کہ جسکے حاصل کرنیکے لیئے فعل مذکور کیا گیا ہے اسلئے کہ تادیب ضرب سے حاصل ہوتا ہے اور اس پر مرتب ہے **قولہ وعند الزجاج الخ** یعنی جمہور کے نزدیک وہ مفعول مستقل ہے اور زجاج کے نزدیک وہ مفعول مطلق نہیں بلکہ غیر لفظ فعل سے مفعول مطلق ہے پس زجاج کے نزدیک ضربتہ تادیبا کے معنی ادبتہ بالضرب تادیبا کے ہیں نیز قعدت عن الحرب جبنا کے معنی جبنت فی القعود عن الحرب جبنا کے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو زجاج کا یہ قول صحیح نہیں اسلئے کہ تادیل کرکے ایک نوع کو دوسرے نوع میں داخل کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اول عین ثانی ہو جائے ورنہ تاویل سے حال بھی مفعول فیہ ہو جائیگا اسلئے کہ مثلاً جاء زید راکبا کو تاویل کرکے معنے میں جاء زید فی وقت الرکوب کے کہہ سکتے ہیں **قولہ المفعول معہ** اگر کوئی کہے کہ کلمہ معہ کا قولہ المفعول کہنا یہ مفعول بالیم فاعلہ ہے اسلئے کہ الف ولام معنی میں الذی کے ہے اور مفعول بمعنی فعل پس لفظ معہ کو مرفوع ہونا چاہیئے تھا نہ کہ منصوب جواب یہ ہے کہ بعض نحویوں نے اسکو جائز رکھا ہے کہ جب فعل کی اسناد لازم النصب کیطرف ہو تو اسکو منصوب ہی باقی رکھا جائے تاکہ اکثر احوال کیساتھ اسکی موافقت ہو جائے **قولہ وہو ما یذکر بعد الواو** یعنے بمصاحبۃ میں ذکر کے متعلق ہے اور یہ معنی ہیں کہ مفعول معہ وہ اسم ہے جو واو بمعنی مع کے بعد مذکور ہو نہ یوجہ مصاحبت معمول فعل کے خواہ وہ معمول فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبۃ یعنی پانی لکڑی کیساتھ بلندی میں برابر ہو گیا یا وہ مفعول ہو جیسے کفانی وزیدا درہم۔ اور خواہ وہ فعل لفظی ہو یا معنوی فعل لفظی کی مثال ماقبل میں مذکور ہو چکی ہے اور فعل معنوی کی مثال مالک وزیدا ہے اے ما تصنع وزیدا یعنی تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے تنبیہ یہ ضروری نہیں کہ جو اسم واو بمعنی مع کے بعد واقع ہو۔ وہ مفعول معہ ہو جیسے کل رجل وضیعتہ میں بمعنی مع کے بعد واقع ہے اور مفعول معہ نہیں اسلئے مفعول معہ ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ معمول فعل کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہو جیسے سرت وزیدا یا مکان واحد میں مصاحب ہو جیسے لو ترکت الناقۃ وفصیلہا لرضعتہا **قولہ فان کان الخ** اس میں فا تفسیر کیلئے ہے اور کان یا ناقصہ ہے یا تامہ اول کی بنا پر لفظاً خبر کان ہے اور ثانی کی بنا پر بحال ہے یعنی لفظیاً یا ملفوظاً کی تاویل میں ہو کر یا تمیز ہے من حیث اللفظ اور الفعل میں لام عہد کا ہے اور وہ جاز العطف میں واو یا تر عاطفہ ہے عطف جملہ علی جملہ ہو رہا ہے یا بتقدیر قد حال ہے حاصل یہ ہے کہ اگر فعل لفظی ہو اور واو کے مابعد کا عطف اسکے ماقبل پر جائز ہو تو اسوقت مفعول معہ میں دو وجہ ہیں عطف کرنا بھی جائز ہے اور بنا بر مفعولیت کے نصب دینا بھی جائز ہے جیسے جئت انا وزید و زیدا کہ اس جگہ واو کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے اسلئے کہ اس میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل انا کیساتھ کی گئی ہے پس عطف جائز ہوگا اور بنا بر عطف کے زید مرفوع پڑھا جائیگا اور نصب دینا بھی جائز ہوگا اسلئے کہ وہ مفعول معہ ہے **قولہ وان لم یجز الخ** یعنی اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب بنا بر مفعولیت کے متعین ہو جائیگا جیسے قولہ جئت وزیدا اسلئے کہ اس جگہ ضمیر متصل کی تاکید منفصل نہ آنیکی وجہ سے عطف ممتنع ہے لہذا سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں پس نصب واجب ہوگا (فائدہ) قول مصنف جاز العطف میں جواز سے مراد مکان خاص بمعنا سلب ضرورت طرفین ہے اور یہ معنی ہیں کہ عطف اور نصب اس جگہ پر جائز ہیں کہ عطف کرنا اور نہ کرنا دونوں ضروری نہ ہوں اور اسکے مقابلہ میں وان لم یجز العطف تعین النصب سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے وہ معنی میں امتناع کے ہے اسلئے کہ لفظ ان لم یجز سے امکان خاص کی نفی ہے جیسا کہ گذر رہا ہے اور امکان خاص کی نفی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانب مخالف کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف ممتنع ہو دوسرے یہ کہ جانب موافق کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف واجب ہو بر تقدیر ثانی جزا پر شرط پر مرتب نہیں ہوتا اسلئے کہ جب عطف واجب ہوگا تو نصب متعین نہ ہوگا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ لفظ ان لم یجز سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مراد امتناع ہے تاکہ محذور لازم نہ آئے خال فانہ دقیق **قولہ ان کان الفعل** اسے اگر فعل معنوی ہو یعنی ایسا امر ہو کہ جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو یعنی ممتنع نہ ہو۔ یہاں جواز بمعنی امکان عام ہے خواہ عطف واجب ہو یا نہ ہو (باقی بر صفحہ ۸۹ پر)

وان لم یجز العطف تعیّن النصب نحو مالک وزیدا ومالشانک وعمرا لان المعنیٰ ما تصنع فصلح الحال لفظ یدل علی بیان ھیأۃ الفاعل او المفعول بہ او کلیھما نحو جاءنی زید راکبا وضربت زیدا مشدودا ولقیت عمرا راکبین وقد یکون الفاعل معنویا نحو زید فی الدار قائما لان معناہ زید استقر فی الدار قائما وکذا المفعول بہ نحو ھذا زید قائما فان معناہ المشار الیہ قائما ھو زید

(بقیہ حاشیہ ص۸۸) تو اس صورت میں عطف متعین ہوگا جیسے قولہ مالزید وعمرو اسلئے اس میں فعل معنوی ہے اور عطف امر ظاہر ہے پس یہ نہ ہوگا کہ امر ظاہر کو چھوڑ کر امر ضعیف خفی کو اختیار کریں لہذا عطف متعین ہوگا حاشیہ مؤلف ہذا **قولہ وان لم یجز العطف** ۔ یعنی اگر عطف جائز نہ ہوگا بلکہ ممتنع ہو تو اس صورت میں نصب متعین ہو جائیگا۔ اسلئے کہ یہاں سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں ہے جیسے مالک وزیدا ومالشانک وعمرا کہ ان دونوں مثالوں میں عطف ممتنع ہے اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں تو ضمیر مجرور پر بدون اعادۂ جار کے عطف لازم آئیگا۔ اور وہ جائز نہیں ہے اسیطرح عمرا کا عطف اگر شانک میں شان پر کریں تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اسوقت خلاف مقصود دونوں کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسری کی ذات سے یہاں پر مصنف رح دو مثالیں اس لیے لائے ہیں کہ پہلی مثال مجرور بحرف جر کی ہے اور دوسری مثال مجرور باضافت کی ہے اور دونوں میں عطف جائز نہ ہونیکی وجہ سے نصب متعین ہے **قولہ لان المعنیٰ الخ** ۔ یہ امثلہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونیکی دلیل ہے چنانچہ مالک وزیدا کے معنی ماتصنع وزید کے ہیں اور مالشانک وعمرا کے معنے ماتصنع وعمرو کے ہیں۔ اور مالزید وعمرو کے معنی ماتصنع زید وعمرو کے ہیں حال لغت میں حال اشی بول معنے برگشتن تبدیل پذیرفتن سے ماخوذ ہے اور حال اصطلاحی کو بھی حال اسلئے کہتے ہیں کہ وہ اکثر اوقات انقلاب اور تغیر سے خالی نہیں ہوتا کذا فی حاشیہ عبد الغفور اور حال کا منصوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ فضل کا جزء ہے کیونکہ فاعل اور مفعول کی ہیئت کو بیان کرتا ہے اور فاعل مفعول جزء فعل ہیں لہذا یہ بھی فعل کا جزء ہے **قولہ لفظ الخ** نحویوں کی اصطلاح میں حال وہ لفظ ہے کہ جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت پر دلالت کرے لفظ جنس ہے جو تمام الفاظ کو شامل ہے اور لفظ ہیئت سے تمیز خارج ہو جاتی ہے اسلئے کہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے نہ کہ صفت کو جیسے اعطیتہ عشرین درہما کہ اس جگہ درہم بعینہ عشرون ہے پھر ہیئت کی فاعل اور مفعول بہ کیطرف اضافت کر دینے سے وہ چیز خارج ہو جائے گی جو کہ غیر فاعل ومفعول کی ہیئت کو بیان کرتی ہے جیسے زید العالم اخوک میں العالم مبتدا کی صفت ہے اور اسکی ہیئت کے بیان کرنے سے نہ فاعل اور مفعول کی ہیئت کو پس اس قید سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہو جائیگا لیکن بایں ہمہ فاعل اور مفعول کی صفات ابھی تک تعریف حال میں داخل ہیں انکے اخراج کیلئے مناسب یہ ہے کہ قید ہیئت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور کہا جائے کہ حال وہ ہے کہ جو فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو اس حیثیت سے بیان کرے کہ وہ فاعل یا مفعول ہے پس اسوقت فاعل اور مفعول بہ کی صفات بھی تعریف حال سے خارج ہو جائینگی اسلئے کہ وہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت کرتی ہیں اس حیثیت سے دلالت نہیں کرتیں کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ اور وجہ یہ کہ صفت ہمیشہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ جو تبوع میں پائے جاتے ہیں اس میں یہ حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی کہ وہ متبوع فاعل ہے یا مفعول بہ اور یہی وجہ ہے کہ جاءنی زید العاقل میں زید کا صفت عاقل کیساتھ اتصاف ہر حالت میں ہے خواہ جار کو ذکر کریں یا نہ کریں بخلاف حال کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس میں فاعلیت ومفعولیت کی ہیئت معتبر ہے پھر ہیئت کی قید اگرچہ کلام مصنف میں مذکور نہیں مگر چونکہ تعریفات میں اکثر ہیئت کی قید معتبر ہوتی ہے لہذا شہرت پر اعتماد کر کے مصنف علام نے اس کو ذکر نہیں فرمایا اگر کوئی کہے کہ حال کبھی مفعول مطلق اور مفعول معہ اور مضاف الیہ سے بھی ہوتا ہے جیسے ضربت ضربا شدیدا اور جاءنی زید وعمرو راکبا اور قولہ تعالیٰ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفا پس فاعل اور مفعول کی تخصیص نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ اس جگہ فاعل اور مفعول بہ سے مراد عام ہے۔ حقیقی ہوں یا حکمی، اب مفعول مطلق اگرچہ حقیقتاً مفعول بہ نہیں ہوگا مفعول بہ سے اسلئے کہ ضربت ضربا شدیدا کے معنی احدث الضرب شدیدا کے ہیں اور یہی حال مفعول معہ کا ہے اگرچہ فاعل کے مصاحب ہو تو وہ حکماً فاعل اور مفعول کے مصاحب ہو تو وہ حکماً مفعول ہے اسی طرح مضاف الیہ کو سمجھو کہ مضاف الیہ حال اس وقت ہوگا جبکہ مضاف الیہ فاعل اور مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہو جیسا کہ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفا میں مضاف مفعول ہے اور مضاف کو مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہے چنانچہ بل نتبع ابراہیم حنیفا کہہ سکتے ہیں پس گویا کہ اس صورت میں ذوالحال فاعل یا مفعول بہ سے ہے مصنف لفظ بجائے اسم کے اس وجہ سے لایا ہے تاکہ یہ تعریف اس حال کو بھی شامل ہو جائے جو کہ جملہ ہوتا ہے اگر مصنف لفظ نہ کہتا اسم کہتا تو یہ تعریف جملہ حال کو شامل نہ ہوتی۔ **قد یکون الفاعل معنویا الخ** اس سے مصنف نے اشارہ کر دیا کہ فاعل اور مفعول بہ میں قسم ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی فاعل لفظی اور مفعول لفظی سے مراد یہ ہے کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی لفظ کلام سے سمجھی جاتی ہو اور وہ فاعل اور مفعول ملفوظ ہو اور خارج از لفظ کسی امر کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہ ہو جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اور معنوی سے یہ مراد ہے کہ وہ لفظی کے خلاف ہو اس کے دو فرد نکل آئیں گے۔ ایک یہ کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی اگرچہ منطوق کلام سے سمجھی جاتی ہو اور لیکن وہ ملفوظ نہ ہو دوسرے یہ کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی منطوق کلام سے سمجھی جاتی ہو بلکہ باعتبار امر خارج کے جیسے مثلاً اول کی مثال زید فی الدار قائما (باقی صفحہ ۹۰ پر)

والعامل فی الحال فعل او معنی فعل والحال نکرۃ ابدًا وذو الحال معرفۃ غالبًا کما رأیت فی الامثلۃ المذکورۃ فان کان ذو الحال نکرۃ یجب تقدیم الحال علیہ نحو جاء نی راکبا رجل لئلا تلتبس بالصفۃ فی حالۃ النصب فی مثل قولک رایت رجلا راکبا وقد تکون الحال جملۃ خبریۃ نحو جاء نی زید وغلامہ راکب او یرکب غلامہ ومثال ما کان عاملہا معنی الفعل نحو ھذا زید قائما معناہ انبہ و اشیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) کہ تاکا استقر کی ضمیر سے حال ہے۔ جو کہ ملفوظ نہیں ہے اگرچہ لفظ کلام سے بھی اسکی فاعلیت مفہوم ہو رہی ہے اور ہذا زید تاکا مثال مفعول ہے حالی ہو نیکی ہے اس میں مفعولیت مفعول کی فحوائے کلام سے سمجھی جاتی ہے جو کہ ہذا سے اشارہ اور تنبیہ سے مفہوم ہوتی ہے جو لفظ ہذا سے سمجھے جاتے ہیں پس اسوقت تقدیر کلام یہ ہوگی اشیرای زید ماتبہ زید کا حال کرنا تاکا ہر حال ہر جو مطلق تنبیہ اور مطلق اشارہ ملفوظ ہذا سے منطوق ہے مگر یہ اشارہ اور تنبیہ جو کہ متکلم کی طرف منسوب ہے فحوائے کلام سے مفہوم ہوتی ہے الغرض یہ مثال مفعول معنوی سے حال واقع ہو نیکی ہے نہ لفظی سے نیز جاننا چاہیے کہ لفظی اور معنوی کے یہ معنے مصنف کے نزدیک ہے بخلاف صاحب کافیہ کے کہ اس کے نزدیک لفظی اور معنوی کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ لفظی وہ ہے کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی منطوق کلام سے مفہوم ہو خواہ وہ ملفوظ ہو یا نہ ہو اور معنوی وہ ہے جو کہ فاعلیت فاعل اور مفعولیت مفعول فحوائے کلام سے مفہوم ہو نہ منطوق کلام سے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ والعامل فی الحال** ایسا عامل جو حال میں ہو خواہ لا ہے یا تو فعل ہے یا فعل کے معنی میں فعل سے مراد اسم فاعل اور مفعول اور صفت و افعال تفضیل اور مصدر اور ظرف اور جار مجرور اور اسماء افعال اور ہر ایسا فعل جو مضمون کلام سے مستنبط ہو جیسے حرف ندا حرف تنبیہ اسم اشارہ وغیرہ **قولہ والحال نکرۃ ابدا**۔ یعنی حال کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اس لئے کہ معنی حال مقید ہو اور حال اسکی قید ہے پس اگر حال معرفہ ہوگا تو فوقیت قید کی مقید پر لازم آئیگی اور یہ امر نہایت مذموم ہے **قولہ وذو الحال معرفۃ غالبا**۔ یعنی ذو الحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں محکوم علیہ ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے لہذا وہ معرفہ ہوگا لیکن کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ لفظ غالبا سے معلوم ہوتا ہے۔ **قولہ فان کان ذو الحال الخ** یعنی جب ذو الحال نکرہ ہو تو تقدیم حال کی ذو الحال پر واجب ہوگی ورنہ ذو الحال کے منصوب ہو نیکی صورت میں حال کا صفت کے ساتھ التباس ہوگا جیسے رایت رجلا راکبا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ راکبا رجلا کی صفت ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حال واقع ہو پس اسوقت حال کو ذو الحال پر مقدم کرینگے۔ تاکہ حال کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو اسلئے کہ صفت کبھی اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی بخلاف حال کے کہ وہ ذو الحال پر مقدم ہو سکتا ہے پس جب حال کو ذو الحال پر مقدم کرینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ حال ہے صفت نہیں پھر ذو الحال کے منصوب ہو نیکی حالت میں جب بخوف التباس حال ذو الحال پر مقدم کیا گیا تو دیگر مواضع میں بھی طرداً للباب مقدم کیا گیا۔ **قولہ وقد تکون الحال جملۃ الخ**۔ یعنی حال کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے پس لفظ قد سے اسکی کیفیت اشارہ ہے اسلئے حال مثل خبر مبتدا کے ہے اور اصل خبر میں افراد ہے پس حال میں اصل افراد ہوگا باقی رہا جملہ انشائیہ سو وہ حال نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ حال ذو الحال سے بمنزلہ خبر کے ہے اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے پس حال بمنزلہ محکوم بہ کے ہوگا اور ظاہر ہے کہ جملہ انشائیہ محکوم بہ نہیں ہو سکتا ہے مگر بتاویل پس وہ حال نہ ہوگا پھر جملہ جو بمنزلہ اخبار ہے میں مستعمل ہے لہذا وہ دوسری شے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لہذا وہ حال کو متعلق نہیں بخلاف حال کے کہ وہ ذو الحال کیساتھ مرتبط ہوتا ہے پس حال جملہ ہوگا تو لا محالہ رابطہ اس کا ضروری ہوگا اور وہ رابطہ ضمیر اور واؤ ہے لہذا جملہ اسمیہ اگر حال واقع ہو تو اس میں یا تو واؤ اور ضمیر دونوں لائیں گے اسلئے کہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی ہے لہذا اسکو ذو الحال کیساتھ ربط دینے والا رابطہ بھی زیادہ قوی ہونا چاہیے جیسے سبحٰن اتار کیا اور کبھی رابطہ اسمیہ جملہ میں صرف واؤ ہوگا اسلئے کہ واؤ اول امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے لہذا اس پر اکتفا کیا جائیگا جیسے کنت تبا وآدم بین الماء والطین اور کبھی جملہ اسمیہ حالیہ میں رابطہ صرف ضمیر ہوگی لیکن صرف ضمیر سے متلبس ہو کر جملہ اسمیہ کا حال واقع ہونا ضعیف ہے اسلئے کہ ضمیر کیلئے لازم نہیں ہے کہ وہ واؤ کے مانند ابتدا میں واقع ہو پس وہ رابطہ پر اول امر میں دلالت نہیں کرتی جیسے لکنہ فوہ الآن اور ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو لفظ قد کا داخل ہونا ضروری ہے خواہ قد لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو اسلئے کہ ماضی زمانہ گذشتہ کی خبر دیتی ہے اور حال وہ ہے کہ جو زمانہ موجودہ پر دلالت کرے پس لا محالہ ماضی پر جبکہ وہ حال واقع ہو قد کو داخل کر دیتے ہیں تاکہ ماضی کا حال کے نزدیک کرنے صورۃ اور مجازاً نہ کہ حقیقتاً اس لیے کہ قد حقیقت میں زمانہ ماضی کو زمانہ حال لغوی کے جو کہ زمانہ تکلم ہے نزدیک کرتا ہے نہ کہ زمانہ حال اصطلاحی کے وہ زمانہ صدور فعل کا ہے مثال قد کی کہ لفظوں میں ظاہر ہو جیسے جاءنی قد رکب غلامہ اور مثال قد مقدرہ کی جیسے قولہ تعالیٰ او جاؤکم حصرت صدورہم ای قد حصرت اور یہ قول سیبویہ اور مبرد کے خلاف ہے اسلئے کہ قد کا حذف انکے نزدیک جائز نہیں پس وہ کہتے ہیں کہ حصرت صدورہم حال نہیں بلکہ حال سیبویہ کے نزدیک محذوف ہے اور جملہ مبرد کے نزدیک محذوف کی صفت ہے جاؤکم قوما حصرت صدورہم اور مبرد کہتا ہے کہ حصرت صدورہم جملہ دعائیہ ہے اور باقی رہا آیت کا ترجمہ تو وہ حال لینے کی صورت میں یہ ہوگا کہ جماعت تمہارے قتل کے لئے اس حال میں آئی کہ تنگدل تھی اور دعا لینے کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جماعت تمہارے قتل کے لئے آئی دل اس قوم کے تنگ ہو جیسے۔

وقد يحذف العامل لقيام قرينة كما تقول للمسافر سالماً غانماً اى ترجع سالماً غانماً فصل التمييز هو نكرة تذكر بعد مقدار من عدد او كيل او وزن او مساحة او غير ذلك مما فيه ابهام ترفع ذلك الابهام نحو عندى عشرون درهماً وقفيز ان براً ومنوان سمناً وجريبان قطناً وعلى التمرة مثلها زبداً وقد يكون

قولہ قد یحذف العامل الخ یعنی حال کے عامل کو کبھی حذف کر دیتے ہیں جبکہ اسکے حذف پر کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو جیسے مثلاً کوئی سفر سے واپس ہوتا ہے تو اسکے لیئے کہو کہ سالماً غانماً اصل میں تعاد سالماً غانماً بقرینہ حال عامل فعل کو حذف کر دیا ہے اور قولہ غانماً حال بعد حال ہے یا سالماً کی صفت ہے اور جیسا کہ کوئی شخص سفر کا ارادہ کرے اس کو راشداً مہدیاً کہیں گے۔ اس مثال میں راشداً حال ہے اور اس سے پہلے لفظ امر محذوف ہے جسکو بقرینہ حال مخاطب کے حذف کر دیا گیا ہے ای سر راشداً مہدیاً اور قولہ مہدیاً یا تو راشداً کی صفت ہے یا حال بعد حال ہے قرینہ مقالیہ کی مثال جیسے کہا اس شخص کے جواب میں کہیں گے کہ جسنے کہا کیف حبت اے حبت راکباً پس حبت کو بقرینہ سوال مذکور کے حذف کر دیا گیا ہے اور جب معنے فعل عامل ہوتا ہے اور کبھی اسکو بھی حذف کر دیتے ہیں جیسے الہلال طالعاً اصل میں تعاہذا الہلال طالعاً اور مشبہ فعل عامل کو بھی حذف کرتے ہیں جیسے مثلاً کسی نے تم سے کہا کہ کیف کنت ضارب زیداً تم نے جواب میں کہا قائماً تو اصل کنت ضارب زیداً قائماً تھا یہاں پر عامل کو قرینہ سوال کیوجہ سے حذف کر دیا ہے **قولہ التمییز** تمیز کو تبیین اور تفسیر اور ممیز بکسر یاء تمتا نیہ بھی کہتے ہیں اصل لغت میں یہ مصدر بمعنی جدائی کردن ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو مصنف بیان کرتا ہے کہ تمیز وہ نکرہ ہے جو مقدار کے بعد ذکر کیا جاتا ہے عام اس سے کہ وہ مقدار عدد ہو خواہ کیل ہو خواہ وزن ہو خواہ مساحت ہو۔ خواہ اسکے علاوہ ان میں سے جو جس میں ابہام ہو یعنی ابہام ثابت راسخ ہو چکا ہو معنے موضوع لہ میں۔ حاصل یہ کہ تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو مقدار سے اس ابہام کو دور کرے جو مقدار کہ معنے موضوع لہ میں راسخ ہو چکا ہو مصنف کا قول اسم نکرہ تام اسمار نکرات کو شامل ہے اور یہ قید ذلک الابہام بدل کو خارج کرتا ہے اسلئے کہ بدل مبدل منہ ابہام کو رفع کرنے کیلئے نہیں ہوتا بلکہ مبدل منہ حکم میں متروک کے ہے اور بدل مقصود ہوتا ہے پس بدل ترک مبہم اور ایراد معین کیلئے ہے نہ کہ کسی چیز سے رفع ابہام کیلئے اور ہم نے جو کہا ہے کہ یہ اس ابہام کو دفع کرتا ہے جو موضوع لہ میں راسخ ہو چکا اس سے تین چیزیں خارج ہوتی ہیں ایک لفظ مشترک کی صفت جیسے رایت عیناً جاریۃ اسلئے کہ کلمہ جاریہ کا لفظ عین کے ابہام کو رفع کرتا ہے اور یہ ابہام لفظ عین کے وضع میں نہیں بلکہ استعمال میں باعتبار تعدد موضوع لہ کے پیدا ہوا ہے دوسرے صفت مبہم کی جیسے ہذا الرجل اسلئے کہ ہذا مثلاً یا تو مفہوم کلی کیلئے وضع کیا گیا ہے بشرط استعمال فی الجزئیات اور اسوقت ظاہر ہے کہ مفہوم کلی میں کوئی ابہام نہیں بلکہ ابہام از راہ تعدد مستعمل فیہ پیدا ہوا ہے اور یا یہ کہ تحت اسکی جزئی جزئیات ہیں ان میں سے ہر ایک کیلئے وضع کیا گیا ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور ظاہر ہے کہ ہر جزئی میں از راہ وضع کے ابہام نہیں بلکہ ابہام ہذا میں بسبب تعدد موضوع لہ کے پیدا ہوا ہے پس ہذا کی صفت الرجل اگرچہ اس سے ابہام کو دور کرتی ہے لیکن چونکہ یہ ابہام وضعی نہیں لہذا وہ تمیز سے خارج ہو جائے گی تیسرے صفت بیان جیسے فولک ابو حفص اور عمر اسلئے کہ ہر ایک ابو حفص اور عمر شخص معین کیلئے وضع کیا گیا ہے پس دونوں میں سے کسی میں ابہام نہیں لیکن چونکہ وہ عمر کے نام سے زیادہ مشہور ہے لہذا ابو حفص میں بوجہ عدم شہرت کے ابہام ہے اور ابہام عمر کہنے سے زائل ہو جاتا ہے پس عمر عطف بیان ہے نہ کہ تمیز اسلئے کہ تمیز کیلئے ممیز میں ابہام وضعی ہونا چاہیے اور یہ ابہام وضعی نہیں **قولہ نکرۃ** بصریوں کا مذہب ہے کہ تمیز اسم نکرہ ہی ہوتی ہے چونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہے اور یہ نکرہ سے حاصل ہے اور اسم ہے اور تعریف امر زائد ہے غرض اصلی پر اسوجہ سے نکرہ تمیز ہوتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک تعریف تمیز لام اور اضافت کیساتھ درست ہے استدلال نہیں عین رایہ اور انا اکثر منہ نفراً کو پیش کرتے ہیں کہ یہ سب بنا بر تمیز کے منصوب ہیں بصریین جواب میں کہتے ہیں عین رایہ معنی میں فی رایہ اور انا اکثر منہ نفراً بمعنی انا اکثر منہ نفراً کے ہے **قولہ مقدار** صیغہ اسم آلہ ہے یا بقدر الشیء (وہ چیز جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے) کے معنی میں مقدار کیا گیا پھر مصنف نے اسکو خود بیان کر دیا ہے جو ذلک سے مراد مقیاس ہے **قولہ عندی عشرون درہماً** یہ مثال اس تمیز کی ہے جو مقدار عدد ہے جس میں ممیز اسم تام مشابہ بجزء ہے عشرون مقدار عدد اسم مبہم کہ اسکا مصداق معلوم نہیں کہ کونسی چیز ہے درہم یا دینار یا ان کے غیر پس جب درہماً کہا تو تمام مختلات سے احتراز ہو گیا اور اگر کوئی کہے کہ عشرون عدد مقیس کیلئے وضع کیا گیا ہے بیس سے کم یا زیادہ پر اسکا اطلاق نہیں پس اس میں ابہام وضعی نہ ہوا اور جواب یہ ہے کہ عدد سے مقصود معدود ہے پس جب معدود میں ابہام ہوا تو گویا عدد میں بھی ابہام ہوا نیز بیان پر ایک اور سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے عدد کی مثال عشرون درہماً سے کیوں دی احد عشر درہماً مثال میں کیوں نہ دیا تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مصنف عشرون درہماً مثال میں اسوجہ سے لایا تاکہ دو امر کی مثال ہو جاوے یعنی عدد اور تام بالنون کی اسپر معارضہ کیا ہے کہ اگر احد عشر درہماً مثال میں لاتا تب بھی دو امر کی مثال ہوتی ایک عدد اور ایک اسم تام بتنوین مقدر کی **قولہ قفیزان** بڑا اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار کیل کے بعد مذکور ہے اور منوان سمناً اس تمیز کی مثال ہے جو وزن مقدار کے بعد مذکور ہے اور جریبان قطناً اس تمیز کی مثال ہے جو مسموع مقدار کے بعد مذکور ہے اور یہ سب مثال اس اسم تام کی ہے جو نون تثنیہ کے ساتھ تام ہے۔ **قولہ علی التمرۃ مثلہا زبداً** مقدار مقیاس کی (باقی بر صفحہ ۹۲ پر)

عن غیر مقدار نحو ھٰذا خاتمٌ حدیدًا وسوارٌ ذھبًا وفیہ الخفض اکثر وقد یقع بعد الجملۃ لرفع الابھام عن نسبتہا نحو طاب زیدٌ نفسًا او علمًا او اباً فصل المستثنیٰ لفظٌ یُذکر بعد الا واخواتہا لیعلم انہ لا یُنسب الیہ ما نسب الی ما قبلہا وھو علی قسمین متصلٌ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) مثال ہے اس میں اسم تام اضافت کیساتھ ہے جاننا چاہیے کہ جب تمیز مقدار سے ہوتی ہے یا غیر مقدار سے جیسا کہ آتا ہے اسوقت تمیز مفرد سے ہوتی ہے اور یہ اسم مفرد اس تمیز میں نصب کا عمل کرتا ہے جبکہ اسم تام ہوتا ہے اسم تام کا مطلب ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اسکے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری چیز کی طرف مضاف نہ ہو سکتا ہو۔ چنانچہ اسم یا تنوین سے تام ہوتا ہے خواہ وہ ملفوظ ہو یا مقدر یا نون تثنیہ سے یا نون جمع سے یا اضافت جیسا کہ امثلہ مذکورہ بالا سے معلوم ہوا اور اگر کوئی کہے کہ الف لام سے بھی اسم تام ہو جاتا ہے کیونکہ تمامی اسم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اسکے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری چیز کیطرف مضاف نہ ہو سکتا ہو پس جب کہ الف لام کے ساتھ بھی اسم مستحیل الاضافت ہے تو الف لام سے بھی اسم تام ہوگا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ اسم تام مراد ہے جو کہ ناصب تمیز ہو معرف باللام چونکہ ناصب تمیز نہیں لہٰذا وہ خارج ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اسم جب ان اشیاء کے ذریعہ تام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کیساتھ ہو جائیگی پس جس طرح فعل اپنے فاعل کیساتھ تام ہوتا ہے اسیطرح یہ اسم بھی اشیاء مذکورۃ الصدر میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے تام ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اشیاء تو بمنزلہ فاعل کے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے ہوگی اور جسطرح کہ فعل فاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسیطرح تمیز بھی منصوب ہوگی اور ناصب وہ اسم تام ہوگا بخلاف معرف باللام کے کہ اس میں چونکہ لام اول میں ہے اور ظاہر ہے کہ فاعل فعل کا ہمیشہ بعد میں ہوتا ہے پس معرف باللام کی مشابہت فعل کیساتھ نہ ہوگی لہٰذا اس جگہ تمامی اسم میں الف ولام کا اعتبار نہ کیا جاوے گا اور معرف باللام کے بعد جو اسم ہوگا وہ منصوب نہ ہوگا (حاشیہ صفحہ ۹۲)

قولہ عن غیر مقدار یعنی تمیز جیسا کہ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے ایسے ہی غیر مقدار سے بھی رفع ابہام کرتی ہے مراد غیر مقدار سے یہ ہے کہ نہ عدد ہو اور نہ وزن اور نہ مذراع اور نہ کیل اور نہ مقیاس **قولہ وفیہ الخفض** یعنی غیر مقدار کی تمیز کو مجرور دینا اکثر ہے اس لیے کہ تمیز سے مقصود رفع ابہام اور وہ خفض یعنی جر کی صورت میں تخفیف کیساتھ حاصل ہو جاتا ہے **قولہ وقد یقع الخ** یعنی تمیز جملہ کے بعد واقع ہوتی ہے تاکہ اس جملہ کی نسبت سے ابہام کو دور کرے یعنی جملہ میں جو نسبت ہوتی ہے اس نسبت میں جو ابہام ہوتا ہے اس ابہام کو دور کرنے کیواسطے آتی ہے **قولہ طاب زید نفسًا** جاننا چاہیے کہ تمیز جب نسبت سے ہوتی ہے تو محذوف ہوتا ہے اس مثال میں بھی محذوف ہے یہ اصل میں تھا طاب شئی منسوب لزید شئے کو حذف کرکے زید کو اس کے بجائے رکھ دیا اسلئے کہ زید عین شئے ہے پھر اگر کوئی کہے کہ اب بھی مثال اور تمثیل لہ میں مطابقت نہیں اسلئے کہ تمثیل لہ یہ ہے کہ تمیز رفع ابہام نسبت جملہ سے کرے اور اس مثال میں رفع ابہام مسند الیہ سے ہے نہ کہ نسبت سے پس مثال اور تمثیل لہ میں مطابقت نہ ہوئی اور اس کا جواب بھی وہی دیا جائیگا جو کہ ماقبل مذکور ہوا کہ ابہام طرف نسبت میں ابہام فی النسبۃ کو مستلزم ہے پس مثال مذکور میں جس طرح رفع ابہام مسند الیہ سے ہے اسکے ساتھ ساتھ نسبت سے بھی ہے مصنفؒ نے نسبت سے تمیز کی تین مثالیں ذکر کی ہیں اس سے اس کی کثرۃ کا اضافت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ تمیز یا تو اسم فقط منتصب عنہ کے لیے ہے۔ یا فقط متعلق منتصب عنہ کیلئے یا ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے اس میں سے نفس منتصب عنہ کے ساتھ مختص ہے اور علم متعلق منتصب عنہ کے ساتھ اور اب دونوں کا احتمال رکھتا ہے کہ منتصب عنہ کیلئے ہو یا متعلق منتصب عنہ کے لیے ہو۔ **قولہ المستثنیٰ** یہ لفظ مستثنیٰ اسم مفعول ہے استثناء سے جو کہ مثنیٰ سے مشتق ہے جو بمعنے صرف و منع ہے ایسے ہی لفظ استثناء بمعنے صرف و منع ہے قولہ لفظ الخ مصنف یہاں مستثنیٰ کے اصطلاحی معنے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مستثنیٰ ایسا لفظ ہے کہ جو الا اور اس کے نظائر کے بعد ذکر کیا جاتا ہو مصنف لفظ بجائے اسم کے (باوجودیکہ مستثنیٰ منصوبات کی قسم سے ہے اور منصوبات اسماء کی ایک قسم ہے) اسوجہ سے ذکر کیا ہے تاکہ تعریف جملے کو بھی شامل ہو جاوے۔ چونکہ جملہ بھی کبھی مستثنیٰ واقع ہوتا ہے اخوات سے مراد حروف استثناء ہیں جو کہ خلا عدا ما خلا ما عدا لیس لا یکون وغیرہ ہیں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی یہ لفظ الا اور اس کے نظائر کے بعد اسوجہ سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو جاوے کہ الا کے ماقبل اسم کیطرف جو منسوب ہے وہ اس لفظ یعنی الا کے مابعد کی طرف منسوب نہیں شیخ ابن حاجبؒ نے مستثنیٰ کی تقسیم مستثنیٰ کی تعریف کئے بغیر کر دی اس وجہ سے اس میں گفتگو ہوئی شیخؒ نے کیوں تعریف چھوڑ دی اور بعض نے کہا کہ جامع بین القسمین مفہوم کوئی نہیں نکلتا ہے اسوجہ سے شیخؒ نے تعریف چھوڑ دی۔ اور بعض نے اس کے لیے مفہوم مشترک نکالا ہے جیسا کہ مصنفؒ نے شیخ رضیؒ سے یہ تعریف کی کہ المستثنیٰ ہو المذکور بعد الا واخواتہا مخالفًا لما قبلہا نفیًا واثباتًا اور بعض یہ تعریف کرتے ہیں۔ صرف بعض جملہ مذکورۃ عن وحولہ فی تلک الجملۃ اور بعض تعریف کرتے ہیں اخراج الشئ عما دخل فیہ غیرہ۔

وهو ما اخرج عن متعدد بالاّ او اخواتها نحو جاء نی القومُ الا زیدًا او مُنقطِعٌ وهو المذکورُ بعد الا او اخواتها غیر مُخرَجٍ عن متعدد لعدم دخولِه فی المستثنیٰ منه نحو جاء نی القومُ الا حمارًا واعلم انّ اعراب المستثنیٰ علی اربعةِ اقسامٍ فان کان متصلا وقع بعد الا فی کلامٍ موجبٍ او مُنقطِعًا کما مرّ او مُقدّمًا علی المستثنیٰ منه نحو ما جاء نی الا زیدا اَحَدٌ او کان بعد خلا وعدا عند الاکثر او بعد ما خلا وما عَدَا او لیس ولا یکون نحو جاء نی القوم خلا زیدًا الخ کان منصوبًا وان کان بعد الا فی کلامٍ غیر موجبٍ وهو کل کلامٍ یکون فیه نفیٌ ونهیٌ واستفهامٌ والمستثنیٰ منه مذکورٌ یجوز فیه الوجهانِ النصبُ والبدلُ عما قبلها نحو ما جاءنی احدٌ الا زیدًا او الا زیدٌ وان کان مفرّغا بان یکون بعد الا فی کلامٍ

قولہ وہو ما اخرج عن متعدد یعنی مستثنیٰ متصل وہ ہے جو الا یا اس کے اخوات کے ذریعہ متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ وہ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو یا مقدر مثال مستثنیٰ منہ ملفوظ کی جیسے جاءنی القوم الا زیدًا اور مثال مستثنیٰ منہ مقدر کی جیسے جاءنی الا زیدًا اب اگر کوئی کہے کہ قولہ ہو المخرج سے کیا مراد ہے شمول متعدد سے مستثنیٰ کو خارج کرنا یا حکم متعدد سے پہلی صورت قابل تسلیم نہیں اسلئے کہ متعدد بعد استثناء کے بھی مستثنیٰ کو شامل ہوتا ہے اور دوسری صورت قابل تسلیم ہے اسلئے کہ اسکے تسلیم کرنے میں تناقض لازم آتا ہے کیونکہ افراد فرع ہے دخول کی پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ حکم متعدد میں داخل بھی ہو اور خارج بھی جواب یہ ہے کہ مصنف کے قول ہو المخرج عن متعدد سے مراد مجازًا منع دخول فی المتعدد بلا واخواتہا کے ہیں پس اب کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ **قولہ ومنقطع الخ** یعنی مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ جو الا واخوات الا کے بعد مذکور ہو اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو عام اس سے کہ وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو اس لئے استثناء منقطع میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے داخل نہیں ہوتا جیسے ما جاء احد الا حمارًا میں ظاہر ہے کہ حمار جنس احد سے نہیں ہے اور جیسے ما جاءنی القوم الا زیدًا کہ زید اگرچہ قوم مگر اس قوم میں داخل نہ ہو تو اسوقت یہ مثال مستثنیٰ منقطع کی ہوگی **قولہ فان کان متصلا الخ** چونکہ قسم اول کا اعراب چھ قسم پر ہے اسوجہ سے اسکی تفصیل بیان کرتا ہے۔ **قولہ بعد الا فی کلام موجب الخ** یعنی جب مستثنیٰ کلام موجب میں الا کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوگا کلام موجب سے مراد یہ ہے کہ ایسا کلام ہو کہ جس میں نفی اور نہی اور استفہام نہ ہو جیسے جاءنی القوم الا زیدًا اور وجہ اسوقت مستثنیٰ کے وجوبًا منصوب ہونیکی یہ ہے کہ اس جگہ مستثنیٰ میں بدل ہونیکا احتمال نہیں لہذا بجز منصوب ہونیکے اس میں کوئی صورت نہیں والتفصیل فی الرضی ان شئت فطالعہ پھر جاننا چاہئے کہ یہاں پر بعد الا کہنے کے وہ صورت خارج ہو جاتی ہے کہ جس میں مستثنیٰ غیر اور سوا کے بعد واقع ہو اسلئے کہ اس وقت یہ مستثنیٰ مجرور ہوگا **قولہ او منقطعًا** یعنی مستثنیٰ منصوب کا ہونا اسصورت میں بھی واجب ہے کہ مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو جیسے ما فی الدار احد الا حمارًا اور یہ اکثر نحویوں کا مذہب ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منقطع میں بجز بدل غلط کے اور کوئی صورت متصور نہیں پھر چونکہ بدل غلط از روئے سہو اور غفلت کے واقع ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع قصد اور تفکر کے بعد واقع ہوتا ہے۔ لہذا وہ بدل غلط بھی نہیں ہو سکتا پس جب مستثنیٰ میں بدل غلط کا بھی احتمال نہیں تو وہ وجوبًا منصوب ہوگا اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع بنا بر بدلیت کے مرفوع ہوگا جبکہ اس سے پہلے ایسا اسم ہو کہ جسکا حذف جائز ہے جیسے ما فی القوم الا حمارٌ **قولہ مقدمًا علی المستثنیٰ** یہ قولہ بعد الا پر منطوف ہے اور مطلب یہ کہ جب مستثنیٰ منہ مقدم ہو خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب تو اسوقت مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوگا جیسے جاءنی الا زیدًا القوم اور ما جاءنی الا زیدًا احد اسلئے کہ اسجگہ پر بھی بدل کا احتمال نہیں کیونکہ بدل منہ پر مقدم نہیں ہوتا **قولہ او کان بعد خلا الخ** بعض نحاۃ کے نزدیک خلا اور عدا حروف جر سے ہیں پس مستثنیٰ ان دونوں کے بعد مجرور ہوگا اور اکثر نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں حروف جر سے نہیں ہیں اسلئے کہ انپر ما مصدریہ داخل ہوتا ہے اور ما مصدریہ کا یہ دخول فعل پر ہوتا ہے پس یہ دونوں فعل ہیں اور غیر فعل سے ملکر لیا ہوا کلام بمنزلہ مفعولیت کے نصب پڑھتے جیسے جاءنی القوم خلا زیدًا پس خلا میں ایک ضمیر ہے جو بمعنی تجاوز کے ہے اور مفعول کو خلا ضمیر ہم زید بمعنی تجاوز زید اسکا حال واقع ہے اور اگر کوئی کہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتا ہے تو اسمیں قد ضروری ہے پس کیا وجہ ہے کہ یہاں بغیر قد کے حال واقع ہے جواب یہ ہے کہ یہاں پر قد کا نہ ہونا اسکی قلت میں ضعف پیدا کرتا ہے پس اس پر قد کو داخل نہیں کریں گے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خلا میں خالی کے ہو کر حال واقع ہے و مثلہ قولہ وما خلا وما عدا جیسے جاءنی القوم ما خلا زیدًا پس ما خلا تاویل مصدر پر کر مضاف الیہ ہے اور مضاف اسکا محذوف ہے اور وہ وقت ہے اسے وقت خروج زید پس اسوقت ما خلا جاءنی القوم کا مفعول فیہ ہوگا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ما خلا تاویل مصدر ہو کر حال واقع ہوگا جیسے جاءنی القوم خالیا یعنی من زید پس ما خلا اسوقت حال ہوگا **قولہ او لیس ولا یکون** یعنی اسیطرح ما بعد ما خلا وما عدا کے علاوہ لیس اور لا یکون کے بعد بھی مستثنیٰ پر نصب واجب ہوگا اسلئے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ ہیں جو خبر کو نصب دیتے ہیں اور کلام میں جو فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف لوٹتی ہے اور یہ دونوں ترکیب میں بنا بر حالیت کے محل نصب میں ہیں **قولہ النصب الخ** یعنی مستثنیٰ میں نصب بنا بر استثناء کے جائز ہے (باقی بر صفحہ ۹۴ پر)

غیر موجبٍ والمستثنیٰ منہ غیر مذکورٍ کان اعرابہٗ بحسب العوامل تقول ماجاءنی الّا زیدٌ وما رأیتُ الّا زیدًا وما مررتُ الّا بزیدٍ وان کان بعد غیر وسویٰ وسواء و حاشا عند الاکثر کان مجرورًا نحو جاءنی القوم غیر زیدٍ وسویٰ زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ واعلم انّ اعراب غیر کاعراب المستثنیٰ بالّا تقول جاءنی القوم غیر زیدٍ وغیر حمارٍ وما جاءنی غیر زیدٍ القومُ وما جاءنی احدٌ غیر زیدٍ وغیر زیدٍ وما جاءنی غیر زیدٍ وما رأیتُ غیر زیدٍ وما مررتُ بغیر زیدٍ واعلم ان لفظۃ غیر موضوعۃٌ للصفۃ وقد تُستعمل للاستثناء کما ان لفظۃ الّا موضوعۃٌ للاستثناء وقد تُستعمل للصفۃ کما فی قولہ تعالیٰ لو کان فیہما آلہۃٌ الّا اللّٰہ لفسدتا ای غیر اللّٰہ وکذلک قولک لا الٰہ الّا اللّٰہ۔

اور بدل مستثنیٰ منہ سے مختار ہے بشرطیکہ مستثنیٰ الّا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو ..... اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو جیسے قولہ تعالیٰ ما فعلوہ الا قلیل والا قلیلا پس مثال مذکور میں اگر پڑھا قلیلا کو بنا بر استثناء کے منصوب پڑھنا جائز ہے لیکن قلیل فعلوہ کی خبر ہے بدل قرار دیکر مرفوع پڑھنا اولیٰ اور مختار ہے پھر بدل کے مختار ہونیکی وجہ یہ ہے کہ بدل ہونیکی صورت میں اسکا اعراب بالاصالت ہوگا۔ اسلئے کہ بدل حکم میں تکریر عامل کے ہے بخلاف مستثنیٰ کے نصب اس میں مشابہت مفعول کی وجہ سے ہے۔ **قولہ اعرابہ بحسب العوامل** یعنی مستثنیٰ کو موقع اقتضاء عوامل کے اعراب دیا جاتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اور حاصل یہ ہے کہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور کلام غیر موجب میں ہونیکی شرط اسلئے ہے کہ کلام مثبت مجموعًا فائدہ دے اور اگر کوئی یہ کہے کہ صورت مذکورہ میں اعراب علی حسب العوامل کی دلیل کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا تو عامل اپنے معمول یعنی مستثنیٰ منہ کے پائے جانیکی وجہ سے غیر عامل باقی رہیگا پس جسوقت وہ اپنے سامنے کسی غیر کو دیکھے گا یقینًا اس میں عمل کریگا مگر الا کہ اس میں عمل نہ کرے گا اسلئے کہ وہ حرف ہے پس لامحالہ بعدًا اس میں عمل کریگا اور اس کا اعراب بحسب العوامل ہوگا۔ **قولہ کان مجرورًا** یعنی مستثنیٰ جب بعد غیر اور بعد سویٰ (القصر والکسر والضم) اور بعد سواء (بالکسر والفتح) کے واقع ہوتا ہے تو اضافت کیا ہوا مجرور ہوتا ہے اور اکثر نحویوں کے نزدیک مستثنیٰ حاشا کے بعد بھی مجرور ہوتا ہے اسلئے کہ وہ حرف جر ہے اور بعض نحوی مستثنیٰ کو حاشا کے بعد بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حاشا فعل متعدی ہے اور ضمیر مستتر اسکا فاعل ہے اور معنی یہ ہیں کہ مستثنیٰ اس چیز سے پاک ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہے جیسے عرب القوم عمرًا حاشا زیدًا ای برأہ اللّٰہ سبحانہ عن ضرب عمرو یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو عمرو کے مارنے سے پاک رکھا **قولہ ان اعراب غیر الخ** یعنی لفظ غیر کا اعراب باب استثناء میں مذکر صفت میں مثل اعراب مستثنیٰ بالا کے ہے اس تفصیل پر کہ سابقًا مذکور ہوئی اسلئے کہ لفظ غیر جب اپنے مابعد کو اضافت کیا ہوا مجرور کر دیا گویا اسکا اعراب کو خود قبول کر لیا اور یہ قید کہ غیر باب صفت میں نہ ہو اسلئے لگائی ہے کہ صفت اعراب موصوف کے ساتھ معرب ہوتی ہے **قولہ اعلم ان لفظۃ غیر** یعنی اصل کلمہ غیر میں یہ ہے کہ صفت واقع ہو جیسے جاءنی رجل غیر زید اور اس طریقہ پر اسکا استعمال کلام میں بہت ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کو الا پر محمول کر کے استثناء میں اسکا استعمال کرتے ہیں جیسے جاءنی القوم غیر زید کہ یہاں صفت متعذر ہے اسلئے کہ موصوف اور صفت کے مابین تعریف اور تنکیر میں مطابقت شرط ہے اور اس جگہ قوم معرفہ اور غیر اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر تو غل ابہام کی وجہ سے نکرہ ہے بخلاف الا کے کہ اس میں اصل یہ ہے کہ استثناء میں مستعمل ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ الا کو غیر پر محمول کر کے صفت بنا دیتے ہیں پھر عمل الا کا غیر پر صفت میں اسوقت ہوگا جبکہ الا ایسے جمع کے بعد واقع ہو جو منکور یعنی نکرہ ہو اور غیر محصور ہو۔ یعنی افراد اسکے شمار کئے ہوئے معین نہ ہوں جیسے جاءنی رجال الا زید پس مثال مذکور میں الا کا عمل غیر صفتی پر اس وجہ سے ہے کہ اس جگہ استثناء متعذر ہے نہ متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع اسلئے کہ استثناء متصل میں مستثنیٰ کا دخول مستثنیٰ منہ میں یقینی ہوتا ہے۔ اور استثناء منقطع میں مستثنیٰ کا خروج مستثنیٰ منہ سے قطعی ہوتا ہے۔ اور یہاں اس مثال میں ممکن ہے کہ زید جماعت رجال میں داخل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ داخل ہو۔ لہٰذا اس جگہ استثناء کی دونوں قسموں میں سے کوئی قسم بھی متصور نہیں ہو سکتی بخلاف جاءنی الرجال الا زیدًا کہ الرجال معرف باللام ہونیکی وجہ سے سب کو شامل ہے پس زید یقینًا اس میں داخل ہے اور استثناء متصل ہے اسکے بعد ملتا چاہیے کہ یہاں جمع منکور غیر محصور کی قید اسوجہ سے ہے کہ الا سے پہلے جمع محصور ہوگی تو وہاں استثناء جائز ہوگا جیسے لزید علی عشرۃ دراہم الا واحدًا واثنین الا غیر ذلک اسلئے کہ ایک عشرہ اور ان کا غیر نو تک جتنے اعداد ہیں سب میں یقینًا داخل ہیں بخلاف الا اشخاصًا کے بھی ہیں الا صفت پر محمول ہے باری تعالیٰ کا قول لو کان فیہما آلہۃٌ الا اللّٰہ لفسدتا اسلئے کہ اسجگہ الا بمعنی غیر ہے اور آلہۃ کی صفت ہے اور آلہۃ جمع منکور غیر محصور ہے اس میں لفظ اللہ کا داخل ہونا اور نہ ہونا دونوں امر غیر یقینی ہیں پس یہ استثناء متصل ہوگا اور نہ منقطع کا پس لا محالہ الا اللّٰہ آلہہ کی صفت ہوگا اور یہ معنے ہونگے کہ اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ کے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ورنہ فساد لازم آجاتا پس ظاہر ہے کہ یہ معنے توحید کی اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ الا بمعنے غیر ہو۔

فصل خبر کان واخواتها هو المسند بعد دخولها نحو کان زید قائمًا وحکمه کحکم خبر المبتدأ الا انه یجوز تقدیمه علی اسمائها مع کونه معرفة بخلاف خبر المبتدأ نحو کان القائم زید **فصل** اسم ان واخواتها هو المسند الیه بعد دخولها ان زیدا قائم **فصل** المنصوب بلا التی لنفی الجنس هو المسند الیه بعد دخولها یلیها نکرة مضافة نحو لا غلام رجل فی الدار او مشابهة لها نحو لا عشرین درهما فی الکیس فان کان بعد لا نکرة مفردة تبنی علی الفتح نحو لا رجل فی الدار وان کان معرفة

قولہ خبر کان واخواتہا یعنی کان اور اسکے اخوات کی خبر وہ ہے جو کہ انکے داخل ہونیکے بعد مسند ہوتی ہے اب اسپر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ تعریف مذکور دخولی خبر سے مانع نہیں اسلئے کہ کان زید ابوہ قائم میں قائم پر یہ تعریف صادق آتی ہے حالانکہ وہ خبر کان نہیں ہے جواب یہ ہے کہ ورود سے مراد اثر کا پہنچانا ہے اور وہ دو قسم پر ہے لفظی اور معنوی لفظی تو یہ ہے کہ اسم کو مرفوع اور خبر کو منصوب کرے اور معنوی یہ کہ خبر کو اسم کیلئے ثابت کرے پس اسجگہ کان قیام اب کو زید کیلئے ثابت کرتا ہے نہ صرف قیام کو پس کان کا دخول قیام اب پر متحقق ہوگا نہ کہ فقط قیام پر تعریف منتقض ہو مثل کان زید قائما اس مثال میں زید کان کا اسم اور قائما خبر ہے **قولہ حکمہ الخ** یعنی اقسام اور شرائط اور احکام میں کان کی خبر کا حال مثل حال خبر مبتدا کے ہے **قولہ الا انہ یجوز الخ** یہ حکم سابق سے استثنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جمیع احکام میں کان اور اخوات کان کا حال مثل حال خبر مبتدا کے ہے مگر ایک حکم میں کہ کان کی خبر حالانکہ خبر مبتدا کے ہے اور وہ یہ کہ جب خبر مبتدا کی معرفہ ہو تو اسکی تقدیم مبتدا پر جائز نہیں ورنہ التباس لازم آجائیگا بخلاف کان کی خبر کے کہ گو معرفہ ہو تو اسکی تقدیم اس کے اسم پر جائز ہے اسلئے کہ اسوقت بوجہ اختلاف اعراب اسم وخبر کے تقدیم میں التباس پیدا نہیں ہوگا البتہ اگر کان کی اسم وخبر میں اعراب اور قرینہ دونوں متفق ہو جائیں۔ تو اس وقت بوجہ التباس کے تقدیم یہاں بھی ناجائز ہوگی جیسے کان الفتی ہذا **قولہ اسم کان الخ** یعنی ان اور اسکے اخوات کا اسم منصوبات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ جو انکے داخل ہونیکے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے قولہ ان زیدا قائم اور معنی دخول کے اس جگہ بھی وہی ہیں جو کہ ماقبل میں بارہا گذر چکے ہیں پس اب ان زیدا ابوہ قائم میں مثل ابوہ سے تعریف منتقض نہ ہوگی **قولہ المنصوب** یہاں پر مصنف نے اور منصوبات کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس ذکر کیا اسلئے کہ اسم کا ہر حال میں منصوب نہیں ہوتا پس اگر اسم لا کہتے تو یہ وہم ہوتا کہ ہر اسم لا کا منصوب ہوتا ہے اسلئے کہ یہ باب منصوبات کا ہے پس اس سے احتراز کرنے المنصوب بلا کہا **قولہ ہو المسند الیہ الخ** یعنی منصوب التی لنفی الجنس وہ اسم ہے جو لا کے داخل ہونیکے بعد مسند الیہ ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو دراں حالیکہ وہ مسند الیہ نکرہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف اس تعریف میں بعد دخولہا کی قید سے مسند الیہ خارج ہو گئے اسلئے ان میں سے کوئی بھی داخل ہونے لا کے مسند الیہ نہیں پھر اگر یہ مطلق اسم لائے نفی جنس کی تعریف بیان تک کافی ہے لیکن چونکہ مقصود اس اسم کا بیان کرنا ہے جو کہ منصوب ہوتا ہے لہذا اسپر اپنے قول یلیہا نکرۃ الخ کا اضافہ کیا اور ترکیب کے اعتبار سے یہ چاروں یعنی قولہ یلیہا اور قولہ نکرۃ اور قولہ مضافا اور قولہ مشابہا حال ہیں اور ان سب کا ذوالحال ایک ہے یعنی ضمیر مجرور متصل قولہ للمسند الیہ میں پس اسوقت یہ احوال متداخلہ ہونگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا حال یعنی یلیہا ہو تو قولہ الیہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع اور باقی یلیہا کی ضمیر مستتر سے پس اسوقت یہ احوال متداخلہ ہونگے۔ لا غلام رجل الخ یہ مثال نکرہ مضاف کی ہے جو کہ لا کے متصل ہے۔ **قولہ تبنی الخ** یعنی اگر لا کے بعد مفرد نکرہ ہو یعنی لا کا اسم نکرہ مفرد ہو تو وہ فتح پر مبنی ہوگا مراد اس سے علامت نصب سے مبنی ہونا ہے اور مراد مفرد سے یہ ہے کہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو پس یہ حکم کتیبہ اور جمع کو بھی شامل ہوگا جیسے لا رجل ولا مسلمات ..... فی الدار ولا مسلمین ایک اور وجہ اسکے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ وہ معنے من کو متضمن ہوتا ہے چنانچہ معنی لا رجل فی الدار کے لا من رجل فی الدار کے ہیں اسلئے کہ یہ اس آدمی کے جواب میں ہے کہ جس نے کہا ہل من رجل فی الدار پس من کو تخفیف کیلئے حذف کر دیا اور متضمن معنے حرف ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی کیا باقی رہا یہ امر کہ علامت نصب پر کیوں مبنی کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اسلئے کیا گیا تاکہ حرکت اور حرف بنائی موافق حرکت اور حرف اعرابی کے ہو جائے اور حتی الامکان عمل اصلی کی رعایت ہو جائے۔ **قولہ ان کان معرفۃ الخ** یعنی اگر شرط نکارت کی منتفی ہو جائے اور لا کا اسم معرفہ ہو یا اتصال کی شرط معدوم ہو جائے اور درمیان اسم اور لا کے فصل واقع ہو۔ عام ازیں کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونیکی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو اسوقت اسم لا کو بنا بر ابتدا کے رفع ہوگا اور لا کی نکرہ مع اسم کے واجب ہوگی پھر یہ دونوں شرطیں یعنی اسم لا کا معرفہ ہونا اور مفعول ہونا بسبیل منع الخلو ہیں کہ ان دونوں سے خالی نہ ہو پس دونوں کے درمیان جمع بایں طور کہ اسم لا معرفہ بھی ہو اور مفعول بھی جائز ہے اور اس اعتبار سے یہاں چھ صورتیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ نقشہ ذیل ظاہر ہے

اسم لا کے معرفہ اور مفعول ہونے کی صورتیں	غلام زید لا عمرو	(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)

او نكرة مفصولا بينه وبين لا كان مرفوعا ويجب تكرير لا مع اسم آخر تقول لا زيد في الدار ولا عمرو ولا فيها رجل ولا امرأة ويجوز في مثل لا حول ولا قوة الا بالله خمسة اوجه فتحهما ورفعهما وفتح الاول ونصب الثاني وفتح الاول ورفع الثاني ورفع الاول وفتح الثاني وقد يحذف اسم لا لقرينة نحو لا عليك اي لا باس عليك

فصل خبر ما ولا المشبهتين بليس هو المسند بعد دخولهما نحو ما زيد قائما ولا رجل حاضرا وان وقع الخبر بعد الا نحو ما زيد الا قائم او تقدم الخبر على الاسم نحو ما قائم زيد او زيدت ان بعد ما نحو ما ان زيد قائم

بہرحال یہ چھ صورتیں اسم لا کی ایسی ہیں کہ ان میں اسم لا ابتداء کی بنا پر رفع اور لا کی تکریر مع اسم کے واجب ہے رفع تو اسلئے واجب ہے کہ نکرہ کی نفی کیلئے موضوع ہے لہذا اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہے اور چونکہ لا عامل ضعیف ہے۔ اور معمول معمول میں عمل کرنا عامل قوی کا کام ہے لہذا حالت فصل میں بھی وہ عمل نہیں کر سکتا پس بنا بر ابتداء کے رفع واجب ہوگا اور تکریر معرفہ میں اسلئے واجب ہے کہ لا اصل میں نفی جنس کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد سے معرفہ میں تعدد نہیں لہذا تکریر کو قائم مقام تعدد کے کیا گیا اور مفصول میں تکریر اسلئے واجب ہے انہیاز عمل ام امرأۃ کے جواب میں بولا جاتا ہے پس سوال کی مطابقت سے جواب میں تکریر واجب ہوتی ہے۔ **قولہ یجوز فی مثل لا حول الخ** یعنی مثل لا حول ولا قوۃ الا باللہ میں پانچ صورتیں جائز ہیں اور مراد مثل لا حول سے وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرہ غیر مفصول ہو **قولہ فتحہما** یعنی وجہ اول یہ ہے کہ دونوں نکرے مفتوح ہوں اور ہر ایک میں لا نفی جنس کا ہو پس اس صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ مثال مذکور ایک جملہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دو جملہ ہوں اگر ایک جملہ ہو تو تقدیر عبارت اسطرح ہوگی لا حول عن المعصیۃ ولا قوۃ علی الطاعۃ موجودان بتشئی الا باللہ اور اگر دو جملے ہوں اسطرح ہوں گی لا حول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پس جملہ اولی کی خبر کو بقرینہ خبر جملہ ثانیہ حذف کر دیا گیا۔ **قولہ رفعہما** یہ دوسری وجہ ہے کہ اس میں دونوں کو بنا بر ابتداء کے مرفوع پڑھا جاتا ہے پس اس وقت دونوں لا ملغی ہونگے اسلئے کہ یہ قول ان کے قول الغیر اللہ حول وقوۃ کے جواب میں بولا گیا ہے پس دونوں کو مرفوع پڑھا جائیگا تاکہ سوال جواب کے مطابق ہو جائے اور اسصورت میں بھی اسکو ایک جملہ اور دو جملے بنانا دونوں ترکیبیں جائز ہیں **قولہ فتح الاول ونصب الثانی** یہ تیسری وجہ ہے اس میں اول کا فتحہ اور ثانی کا نصب پڑھا جاتا ہے۔ پس اس وقت لائے اول نفی جنس کا اور لائے ثانی زائدہ تاکید نفی کیلئے ہے اور قول قوۃ کا لفظ حول پر عطف ہے اور اسصورت میں بھی اگر دو خبر مقدر ہوں تو یہ دو جملے ہوں گے اور ایک خبر مقدر کریں تو ایک جملہ ہوگا۔ **قولہ فتح الاول ورفع الثانی**۔ یہ چوتھی وجہ ہے کہ اس میں اول کا فتحہ اور ثانی کا رفع پڑھا جائیگا اول کا فتحہ تو اسوجہ سے کہ لائے اولی نفی جنس کا ہے اور ثانی کا رفع اس بنا پر کہ لا زائدہ ہے اور ثانی کا عطف محل اول پر ہے اور وہ بنا بر ابتداء لائے مہمل فرض ہے پھر دونوں کی اگر ایک خبر مانی جائے تو عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا اور دو خبر ہوں تو عطف جملہ کا جملہ پر ہے۔ **قولہ رفع اول الخ** یہ پانچویں وجہ ہے اور اس میں اول کا رفع ثانی کا فتحہ پڑھا جاتا ہے اول کا رفع تو اسوجہ سے کہ یہ لا معنی لیس ہے اور ثانی کا فتحہ اسلئے کہ اس پر لا نفی جنس کا ہے اور یہ صورت ضعیف ہے اسلئے کہ لا بمعنے لیس کا عمل قلیل ہے ای لا حول ولا قوۃ الا باللہ اسصورت میں ترکیب مذکور ایک جملہ نہیں ہو سکتی اسلئے کہ خبر لائے نفی جنس کی مرفوع اور خبر لا مشابہ بلیس کی منصوب ہوتی ہے پس اگر عطف مفرد کا مفرد پر کر کے دونوں کی ایک خبر مقدم مقدر کریں گے تو اسم واحد کا آن واحد میں اعراب مختلف کیا لازم آئیگا اور یہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ہوتا ہے لہذا دونوں کو ایک جملہ بنانا محال ہوگا لیکن اگر اول کا رفع بنا بر ابتداء کے مانا جائے تو ضعیف نہ ہوگا اور ایک جملہ بنانا بھی صحیح ہوگا۔ **قولہ قد یحذف اسم لا الخ** یعنی لائے نفی جنس کا اسم مثل لا علیک میں اکثر حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ عموم کے معنی زیادہ ہو جائیں پس لا علیک اصل میں لا باس علیک تھا لائے اسم کو حذف کر دیا گیا۔ اور مراد لا علیک سے وہ ترکیب ہے کہ جس میں اسم لا کے حذف پر قرینہ قائم ہو جیسا کہ قرینہ اس مثال میں لا کا حرف پر داخل ہونا لازم آتا ہے اور حرف پر داخل نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ اسمیں لا کا اسم محذوف ہے جاننا چاہیے کہ یہاں پر قد تقلیل کیلئے نہیں جیسے قد یعلم اللہ میں۔ **قولہ ان وقع الخبر الخ** یعنی اگر لا کے بعد خبر واقع ہو مطلب یہ کہ معنے نفی لا کے ذریعہ سے منتقض ہو جاوے تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے ما زید الا قائم اسلئے کہ ما مشابہت لیس کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور یہ مشابہت معنے نفی اور جملہ پر داخل ہونیکے اعتبار سے ہے پس جب معنے نفی منتقض ہو گئے تو اسکی مشابہت باقی نہیں رہی لہذا عمل نہیں کریگا **قولہ او تقدم الخ** یعنی اگر خبر اسم پر مقدم ہو جائے تو ما کا عمل باطل ہو جاویگا اسلئے کہ عامل ضعیف ہے اسوقت عمل کر لے گا جبکہ اس کے معمول بالترتیب ہوں ترتیب کے بدلنے کے ساتھ عمل نہیں کر سکے گا جیسے ما قائم زید **قولہ او زیدت ان بعد ما الخ** یعنی جب لفظ ان کو کلمہ ما کے بعد زیادہ کیا جائے تو اسکا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ ما عامل ضعیف ہے پس جب ما اور اسکے معمول کے درمیان فاصلہ ہوگا عمل نہ کر سکیگا۔ جیسے ما ان زید قائم اور صرف ما کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نحویوں کے استعمال میں ان کا کلمہ لا پر زائد ہونا درست نہیں چھ بصریوں کے نزدیک یہ ان زائدہ ہے اور کوفیوں کے نزدیک نافیہ موکدہ ہے۔ نفی اول کی تاکید کر رہا ہے۔

بَطَلَ العَمَلُ كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ وَهٰذِهِ لُغَةُ اَهْلِ الْحِجَازِ اَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يُعْمِلُوْنَهُمَا اَصْلًا قَالَ الشَّاعِرُ عَنْ لِسَانِ بَنِيْ تَمِيْمٍ شِعْرٌ وَمُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ اُنْتَسِبْ ۞ فَاَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ حَرَامُ

برفعِ حرام

الاسماء

المقصدُ الثالث فی المجرورات

اَلْمَجْرُوْرَةُ هِيَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ فَقَطْ وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ نُسِبَ اِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَيُعَبَّرُ عَنْ هٰذَا التَّرْكِيْبِ فِي الْاِصْطِلَاحِ بِاَنَّهُ جَارٌّ وَمَجْرُوْرٌ اَوْ تَقْدِيْرًا نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ تَقْدِيْرُهُ غُلَامٌ لِزَيْدٍ وَيُعَبَّرُ عَنْهُ فِي الْاِصْطِلَاحِ بِاَنَّهُ مُضَافٌ وَمُضَافٌ اِلَيْهِ

قولہ بطل العمل ۔ یہاں شرط کی جزاء ہے یعنی تینوں صورتوں میں عمل باطل ہو جاتا ہے وجہ بطلان ہر ایک کی مذکور ہوئی۔ **قولہ وہذہ لغۃ اہل الحجاز** یعنی ما ولا کی خبر کی جزمیت اور اسی طرح ان کے اسم کی اسمیت اہل حجاز کی لغت ہے بنی تمیم ان دونوں عمل نہیں کرتے اور چونکہ قرآن عزیز کا نزول لغت حجاز پر ہے اس لیے اس میں مالکر عمل دیا گیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ما ہذا بشرا **قولہ ومہفہف الخ** ومہفہف میں واو بمعنے رب ہے اور المہفہف اسم مفعول مہفہفۃ بفتح الہائین وسکون الفاء الاولیٰ باریک کمر سکڑ ویعنے جلد باز چالاک پھرتیلا بولا جاتا ہے رجل مہفہف امرأۃ مہفہفۃ جیسے رجل خصان وامرأۃ خصانۃ **قولہ انتسب** ۔ انتساب سے امر ہے فارسی میں اسکے معنے ہیں نسبت داشتن یکسے یعنی نسب بیان کرنا اور غیر مستقر مجرور اجاب میں ہے مہفہف کی طرف راجع ہے اور قتل کی اضافت محب کی مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل متروک ہے یعنی قتل المحبوب المحب تجریہ یہ جواب کہ بہت بھڑتیلے ہیں ٹہنی کے مانند میں نے اس سے کہا کہ اپنا نسب بیان کر تو اس نے جواب دیا کہ محبوب کا مار ڈالنا محب کو حرام نہیں مصنف نے یہ شعر اس امر کے استشہاد میں پیش کیا کہ ما مشبہ بلیس عامل نہیں ہے کیونکہ اس کا ابطال ابتداء کی بنا پر مرفوع ہے اور حرام خبر یعنی بنی تمیم کے لغت پر خبر جزمیکی بنا پر مرفوع ہے وجہ تناسب سوال اور جواب کے درمیان بیت میں باعتبار لفظ اور معنے کے حاصل باعتبار لفظ کے یہ ہے کہ مجیب نے لفظ حرام کو مرفوع پڑھا باوجودیکہ ما بمعنی لیس کے بعد مستند ہے اور یہ بنی تمیم کی لغت ہے تو گویا مجیب نے کہا اثنائیت اور مطابقت بین السوال والجواب باعتبار معنے کے یہ ہے کہ مصنف نے جواب دیا قتل محب کے اباحت کے ساتھ تو گویا اس نے کہا ہے کہ میں ایسی قوم سے ہوں جو قتل محب کو مباح قرار دیتے ہیں اور وہ محبوب ہیں تو گویا کہ اس نے کہا کہ میں قوم محبوبوں سے ہوں تعبیر کا حاصل کہتے ہیں کہ انتساب بمعنے میل اور رجوع ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ٹہنی کے مانند لبعض معشوق ہیں میں نے اس سے کہا ہے کہ میری طرف میل اور رجوع کر اور مجھے جدائی کی تکلیف سے مت مار ڈال تو اس نے جواب دیا کہ دوست کا مار ڈالنا حرام نہیں ہے کہ مجھے تیرے قتل سے گناہ ہو۔ **قولہ المجرورات** یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مجرور مضاف الیہ ہوتا ہے اور وہ ایک ہے لہذا اسکو مفرد لانا چاہیے تھا جمع لانے کی کیا وجہ ہے اور جواب یہ ہے کہ مجرور کی انواع تمام پر نظر کرتے ہوئے اسکو جمع لائے جیسا کہ چاہیے کہ مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ وہ کسرہ ہو یا فتحہ یا یا اور خواہ جر تقدیری ہو یا لفظی **قولہ ہی المضاف الیہ فقط** یعنی اسمار مجرور محض مضاف الیہ ہی ہے اور نہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ درست نہیں ہے کیونکہ اسمار مجرور مضاف الیہ کے علاوہ بھی ہوتا ہے جیسے بیک وکفی باللہ وما جاء فی من احد ان میں مجرور مضاف الیہ نہیں ہے ایسے ہی مثالیں زید اور حسن الوجہ میں مجرور مضاف الیہ نہیں ہے جمہور کے مذہب پر ان امثلہ سے معلوم ہوگیا کہ مجرور مضاف الیہ کے علاوہ بھی ہوتا ہے جواب مجرور اصلی ۔ وہ مضاف الیہ ہوتا ہے اور مضاف الیہ کے ماسوا جو مجرور ہیں وہ اصلی مجرور نہیں بلکہ اسکے ساتھ ملحق ہیں لہذا مصنف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اسمار مجرورہ اصلیہ وہ مضاف الیہ ہی ہے اس سے مصنف کو تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ مضاف الیہ دو قسم پر ہے ایک اصلی اور ایک ملحق جیسا کہ مرفوع ومنصوب دو قسم پر ہے لفظ فقط زائد اور باطل ہے کیونکہ حصر غیر سے مستفاد ہے **قولہ کل اسم** ۔ یعنی مضاف الیہ ہو وہ اسم ہے (خواہ حقیقی ہو جیسے غلام زید یا حکمی ہو جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم) جسکی طرف کسی شئے کی نسبت بواسطہ حرف جار کی گئی ہو۔ عام ازیں کہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے مررت بزید۔ اور اس ترکیب کو اصطلاح میں جار مجرور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مضاف اور مضاف الیہ سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے زمخشری نے رضی سے نقل کیا ہے کہ سیبویہ نے مجرور بحرف جر لفظاً کا مضاف الیہ نام رکھا ہے لیکن یہ مصطلح مشہور کے مخالف ہے کیونکہ جب مضاف الیہ بولا جاتا ہے تو مصطلح مشہور کے موافق مجرور بحرف جر تقدیراً مراد ہوتا ہے۔ لیکن من حیث اللغۃ مررت بزید میں بزید یقیناً مضاف الیہ ہے کیونکہ مررت کی طرف مجرور بواسطہ حرف کے اضافت کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید جو کہ مررت بزید میں ہے اس پر مضاف الیہ کا اطلاق لغت کے اعتبار سے ہے خواہ مررت کو اسم سے تاویل کیا جاوے یا نہ کیا جاوے لیکن جب تاویل اسم سے نہ کیا جاوے تو ظاہر ہے لیکن جب اسم سے تاویل کر لیا جاوے تو اس لئے کہ مصطلح مضاف ہے یا مقدر ہو مگر مراد ہو یعنے اس کا (باقی بر صفحہ ۹۸ پر)

ويجب تجريد المضاف عن التنوين او ما يقوم مقامه وهو نون التثنية والجمع نحو جاءني غلام زيد وغلاما زيد ومسلمو مصر واعلم ان الاضافة على قسمين معنوية ولفظية اما المعنوية فهي ان يكون المضاف غير صفة مضافة الى معمولها وهي اما بمعنى اللام نحو غلام زيد او بمعنى من نحو خاتم فضة او بمعنى في نحو صلوة الليل وفائدة هذه الاضافة تعريف المضاف ان اضيف الى معرفة كما مر او تخصيصه ان اضيف الى نكرة كغلام رجل واما اللفظية فهي ان يكون المضاف صفة مضافة الى معمولها وهي في تقدير الانفصال نحو ضارب زيد حسن الوجه وفائدتها تخفيف في اللفظ فقط

اثر لفظوں میں باقی ہو جیسے غلام زید کہ اصل میں غلام لزید تھا پس یہاں لام مقدر ہے مگر مراد ہے اسلئے کہ اس کا اثر لفظوں میں باقی ہے نیز وہ شے کہ جسکی نسبت مضاف الیہ کیطرف تمام ہے کہ اسم ہو جیسے غلام زید یا فعل ہو جیسے مررت بزید جاننا چاہیے کہ مضاف الیہ کی یہ تعریف اصطلاح قوم کے خلاف ہے اسلئے کہ وہ مجرور بحرف جر لفظی کو مضاف الیہ نہیں کہتے ہیں نیز جاننا چاہیے کہ مصنف نے مضاف الیہ کی تعریف کے جب یہ اسطرح حرف جر کی قید کے ساتھ مقید کی تو اس سے مضاف الیہ باضافت لفظی خارج ہو جائیگا اسلئے کہ وہ بتقدیر حرف جر نہیں ہوتا ہے لیکن چونکہ اضافت معنوی اصل اور اضافت لفظی اسکی فرع ہے لہذا وہ تبعاً اسمیں داخل ہوگا نیز جاننا چاہیے کہ لفظاً اور تقدیراً حال ہے اور ذوالحال حرف جر ہے اور عامل اس میں واسطہ کے معنے ہیں اسے یتوصل بحرف الجر ظاہراً اور مقدراً اور ٹھیک ہے کہ لفظاً اور تقدیراً معنے میں معمول کے ہو کر کان محذوف کی خبر ہو اسے کا الحرف ملفوظاً او مقدراً۔ **قولہ یجب تجرید المضاف** یعنی جو اضافت کہ بتقدیر حرف جر ہو اس میں ضروری ہوتا ہے کہ مضاف ایک ایسا اسم ہو جو اضافت کی وجہ سے اپنی تنوین یا قائم مقام تنوین مثلاً نون تثنیہ اور جمع سے خالی ہو اسلئے کہ کلمہ تنوین یا قائم مقام تنوین کے ساتھ تام ہونے کی وجہ سے انفصال پر دلالت کرتا ہے اور اضافت مقتضی اتصال ہے **قولہ علی قسمین** یعنی اضافت بتقدیر حرف جر دو قسم پر ہے معنویہ اور لفظیہ معنویہ معنے کی طرف منسوب ہے اور یہ اضافت مضاف میں چونکہ معنے تعریف اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اسلئے اسکو معنویہ کہتے ہیں اور لفظیہ لفظ کیطرف منسوب ہے اس اضافت سے صرف لفظ میں تخفیف آجاتی ہے اور مضاف میں معنی تعریف اور تخصیص کے حاصل نہیں ہوتے اسلئے اسکو لفظیہ کہتے ہیں۔ **قولہ فہی ان یکون الخ** یعنی اضافت معنویہ وہ ہے کہ جس میں مضاف وہ صفت نہ ہو جو کہ اپنے معمول کیطرف مضاف ہے اور اس جگہ تین صورتیں متصور ہیں ایک یہ کہ مضاف صیغہ صفت ہو اور نہ اپنے معمول کیطرف مضاف ہو جیسے غلام زید دوسرے یہ کہ مضاف صیغہ صفت ہو لیکن اپنے معمول کیطرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی کیطرف مضاف ہو جیسے یوم الجلد تیسرے یہ کہ مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور اپنے معمول کیطرف مضاف ہو جیسے ضرب اليوم۔ فائدہ اسجگہ صفت سے مراد اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل ہیں اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول بہ ہیں **قولہ اما بمعنی اللام** یعنی اضافت معنوی بتقدیر لام اس جگہ ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ وہ مضاف کا ظرف ہو پھر مضاف الیہ کے جنس مضاف سے ہونیکے یہ معنے ہیں کہ مضاف مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ دونوں پر صادق آئے اور اسکی صورت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو جیسے غلام زید کہ اصل میں غلام لزید تھا اسوجہ سے یہ اضافت بمعنے لام ہے اسکو اضافت لامیہ کہتے ہیں **قولہ بمعنی من الخ** یعنی جہاں مضاف الیہ جنس مضاف ہے تو اضافت معنوی بتقدیر من ہوتی ہے جیسے خاتم فضۃ کہ اصل میں خاتم من فضۃ تھا چونکہ من اس میں مقدر ہے اس وجہ سے یہ اضافت بمعنے من ہے اسکو اضافت بیانیہ اور اضافت بمعنے من اور اضافت بیانیہ و تبیینیہ کہتے ہیں **قولہ بمعنی فی الخ** یعنی اضافت بتقدیر فی اس جگہ ہوتی ہے کہ جس جگہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو جیسے صلوۃ الليل کہ اصل میں صلوۃ فی الليل تھا چونکہ فی یہاں مقدر ہے اسوجہ سے یہ اضافت فیہ ہے اسکو اضافت بمعنے فی اضافت فیہیہ اور اضافت ظرفیہ کہتے ہیں اسکے معنے ہوئے کہ صلوۃ وہ چیز ہے جو لیل میں پائی جاتی ہے **قولہ فائدۃ ہذہ الاضافۃ** یعنی علم کہ معرفہ کیطرف مضاف کرنے سے تعریف اور نکرہ کیطرف مضاف کرنے سے تخصیص یعنی قلت اشتراک حاصل ہوتی ہے لیکن یہ حکم مثل اور غیر ایسے کے مانند میں جاری نہ ہوگا اسلئے کہ یہ اسماء بوجہ کثرت ابہام کے معرفہ کیطرف مضاف ہونے سے معرفہ نہیں ہوتے مگر جب کہ مضاف الیہ کا کوئی ایسا مثل مشہور ہو کہ جسکی مماثلت مضاف الیہ کیساتھ اوصاف میں سے کسی خاص وصف مثلاً علم اور شجاعت میں پائی جائے تو یہ معرفہ ہو جائینگے چنانچہ جب ہم جانتے کہ زید کے مثل معرفہ ہو جائیگا بشرطیکہ مقصود اس سے اسکا مماثل خاص ہو **قولہ واما اللفظیۃ** اضافت لفظی کی علامت یہ ہے کہ صفت اپنے معمول کیطرف مضاف ہو خواہ **معمول** فاعل ہو یا مفعول جیسے ضارب زید کہ یہاں صفت اپنے معمول مفعول کیطرف مضاف ہے اور جیسے حسن الوجہ یہ مثال اس صفت کی ہے جو اپنے معمول فاعل کیطرف مضاف ہے **قولہ فائدتہا الخ** یعنی اضافت لفظی لفظ میں صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف اور تخصیص اس سے حاصل نہیں ہوتی پھر یہ تخفیف کبھی تو فقط مضاف میں ہوتی ہے۔ (باقی صفحہ ۹۹ پر)

واعلم انك اذا اضفت الاسم الصحيح والجاري مجرى الصحيح الى ياء المتكلم كسرت
اخره واسكنت الياء او فتحتها كغلامي ودلوي وظبيي وان كان اخر الاسم الفا تثبت
كعصاي ورحاي خلافا للهذيل كعصيّ ورحيّ وان كان اخر الاسم ياء مكسورا ما قبلها
ادغمت الياء في الياء وفتحت الياء الثانية لئلا يلتقي الساكنان تقول في قاضي قاضيّ
وان كان اخره واوا مضموما ما قبلها قلبتها ياء وعملت كما عملت الان تقول جاءني
مسلميّ وفي الاسماء الستة مضافة الى ياء المتكلم تقول اخي وابي وحمي وهني وفي
عند الاكثر وفمي عند قوم وذو لا يضاف الى مضمر اصلا وقول القائل ع انا يعرف
ذا الفضل من الناس ذو وه شاذ واذا قطعت هذه الاسماء عن الاضافة قلت اخ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ

جیسے ضارب زید کہ اصل میں ضاربٌ زیدًا تھا پس اضافت کیوجہ سے تنوین ضاربٌ سے ساقط ہوگئی اور کبھی مرض مضاف الیہ میں ہوتی ہے۔ بذریعہ حذف ضمیر کے جیسے القائم الغلام کہ اصل میں القائم غلامہ تھا غلام سے ضمیر مضاف الیہ کو حذف کرکے القائم میں اسکو مستتر مان لیا گیا اور القائم کو اسکی طرف مضاف کردیا گیا پس مضاف الیہ میں تخفیف حاصل ہوگئی اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوتی ہے جیسے حسن الوجہ کہ اصل میں حسنٌ وجهٌ تھا پس اضافت سے تنوین حسنٌ کی ضمیر وجہ کی محذوف ہوگئی اور عوض میں ضمیر وجہ کے لام تعریف کو لائے پس مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوگئی **قولہ اذا اضفت الاسم** یعنی جب اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت یا متکلم کیطرف کی جائے تو اسم کے آخر کو مناسبت یاء کی وجہ سے کسرہ دیں گے اور یاء متکلم کو مفتوح یا ساکن پڑھینگے مفتوح اسلئے کہ فتح اخف الحرکات ہے اور سکون میں تخفیف ظاہر ہے جیسے غلامی ودلوی کا ظبی پھر صحیح اصطلاح نحات میں وہ ہے کہ اسکے اخیر میں حرف علت نہ ہو جیسے زید اور ملحق بالصحیح وہ ہے کہ اس کے اخیر میں واؤ یا یائے ماقبل ساکن ہو جیسے دلوٌ ظبیٌ **قولہ وان کان آخر الاسم** یعنی اگر اس اسم کے اخیر میں جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہے الف ثابت رکھا جائیگا جیسے عصای ورحای اسلئے کہ اس جگہ سبب ابدال کا متحقق نہیں **قولہ خلافا للہذیل** یعنی قبیلہ ہذیل غیر تثنیہ میں اس الف کو یاء سے بدل کر یاء متکلم میں ادغام کرتا ہے جیسے عصیّ اور دلیل یہ ہے کہ مسطرح پر یاء متکلم کے جب فتح ہوتا ہے تو وہ کسرہ سے بدل جاتا ہے اسی طرح جب ماقبل یاء متکلم کے الف ہو تو وہ بھی یاء سے بدل جائیگا قیاسًا علی الفتح **قولہ وان کان آخر الاسم یاء** یعنی اگر اس اسم کے آخر میں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے یاء ہو تو اسکو یاء متکلم میں ادغام کریں گے اور یاء ثانیہ کو فتح دینگے تاکہ دو ساکن کا جمع ہونا لازم نہ آئے **قولہ وان کان آخرہ واوًا** یعنی ایسا اسم جس کے آخر میں واؤ ہو اور اس کو یاء متکلم کی طرف مضاف کیا جائے اور نون . . . . . کو اضافت کی وجہ سے گرا دیا۔ اور واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کیا اور مناسبت یاء کیوجہ سے ضمہ تیم کو کسرہ سے بدل لیا اور یائے متکلم کو التقائے ساکنین سے بچنے کیلئے فتح دینگے اسلئے کہ فتح اخف الحرکات ہے اور التقائے ساکنین محال **قولہ اخی وابی** یعنی اسماء ستہ میں حال اخ واب کا جبکہ یاء متکلم کیطرف مضاف ہوں یہ ہے کہ اخی اور ابی کہیں گے اور محذوف کو رد نہ کرینگے اسلئے کہ کثرت استعمال ان دونوں کا تخفیف کو چاہتا ہے لہذا لام کلمہ کو جو کہ نسیا منسیا کے درجہ میں محذوف ہو چکا ہے یا متکلم کیطرف اضافت کرتے وقت رد نہ کرینگے لیکن میرؔ ان دونوں کو یاء متکلم کی طرف مضاف کرتے وقت اَخَیَّ اور اَبَیَّ کہتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کثرت استعمال سے ثقل کا ثقل زائل ہو جاتا ہے پس لام محذوف کو رد کرینگے اور اسکو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کرینگے **قولہ حمی وہنی** یعنی بوقت اضافت حم وہن کیطرف یاء متکلم کے حمی ہنی بغیر واؤ کے لائے محذوف کے کہیں گے اور اسمیں میرؔ کی مخالفت جمہور کیساتھ مشہور نہیں ہے **قولہ وفی عند الاکثر** یعنی جب فوہ کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں تو فمی کہیں گے اسلئے کہ اس کلمہ میں لام نقل کیا ہوا ہے نسیا منسیا کے درجہ میں خلاف قیاس محذوف ہوگئی ہے پس یاء متکلم کیطرف اضافت کرتے وقت محذوف کو رد نہ کریں گے اور واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کرینگے اور فاء کلمہ کو جو بوجہ مناسبت یاء کے کسرہ دینگے فی ہوگا اور یہ لغت اکثر کے نزدیک ہے ایک قوم کہتی ہے کہ فمی بولو اور دلیل پر یہ ہے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ کلمہ اصل میں فوہ تھا جیسا کہ اسکی جمع افواہ اسپر دلالت کرتی ہے تاکہ خلاف قیاس حذف کرنے کے بعد واؤ کو میم سے بدل لیا اسلئے کہ دونوں قریب المخرج ہیں پس فم ہو گیا پھر جب بحالت اضافت الی یاء المتکلم کی صورت میں اسکے تقاضا پر قیاس کرکے فمی کہیں گے **قولہ ذو لا یضاف** الخ یعنی ذو کہ اسماء ستہ میں سے ہے غیر کیطرف مضاف نہیں ہوگا اسلئے کہ ذو اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنسی کیطرف مضاف ہو کر اسکو دوسری چیز کی صفت قرار دے پس اگر وہ غیر کیطرف مضاف ہوگا تو خلاف وضع لازم آئیگا اسلئے کہ غیر جنسی نہیں ہے **قولہ قول القائل** یہ ایک سوال مقدر کا جواب تقریری سوال یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ ذو غیر کیطرف مضاف نہیں ہوتا یہ غلط ہے کیونکہ اس مصرع (انا یعرف ذا الفضل من الناس ذو وہ) میں ذو کی اضافت غیر کیطرف ہو رہی ہے صحیح جواب دیتا ہے کہ شاعر کا اس قول ذو کی اضافت غیر کی طرف کر دینا شاذ ہے یعنی ایسا قلیل ہے کہ اسپر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے مطلب مصرع کا یہ ہے کہ فضیلت والے آدمیوں کو فضیلت والا ہی پہچانتا ہے یہ مصرع امثال مشہور مثل کے موافق ہے قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری **قولہ واذا قطعت الخ** یعنی جب اسماء ستہ میں سے اسماء مذکورہ کو اضافت سے قطع کریں گے (باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

وذو لا یُقطعُ عن الاضافۃ البتۃ ھذا کلّہٗ بتقدیر حرفِ الجر اما ما یذکر فیہ حرفُ الجرّ لفظًا فسیاتیک فی القسم الثالث ان شاء اللہ تعالیٰ الخاتمۃ فی التوابع اعلم اَنَّ التی مرّت مِن الاسماءِ المعربۃ کان اعرابھا بالاصالۃ بان دخلتھا العوامل مِن المرفوعات والمنصوبات والمجرورات فقد یکونُ اعراب الاسم بتبعیۃِ ما قبلہٗ ویُسمّی التابعَ لانہٗ یتبع ما قبلہ فی الاعراب وھو کُلُّ ثانٍ معرب باعراب سابقہٖ من جھۃٍ و احدۃٍ والتوابعُ خمسۃٌ اقسامٍ النعتُ والعطفُ بالحروفِ والتاکیدُ والبدلُ وعطفُ البیانِ فصلٌ النعت تابعٌ یدلُّ علی معنًی فی متبوعہٖ نحو جاءنی رجلٌ عالمٌ او فی متعلّق متبوعہٖ نحو جاءنی رجلٌ عالمٌ ابوہٗ ویُسمّی صفۃً ایضًا

تو ان پر مطلقاً اعراب بحرکات جاری کریں گے جیسا کہ کہیں اغاب ہم ہیں فم مصنف نے یہ بحث ج۔ ستاں بہ سبیل استطراد اور تبعیت کے ذکر کی ہے **قولہ وذو لا یقطع** اور ذو کبھی بھی اضافت سے قطع نہیں کیا جاتا ہے چونکہ اسکی اضافت اسم جنس کی طرف ہے اسلئے وہ اضافت سے علیحدہ بھی نہ کیا جائیگا جیسا کہ کہیں جاتی رجل ذو مال پس یہاں مال اسم جنس ہے اور بواسطہ ذو کے رجل کی صفت ہے **قولہ ہذا کلہ الخ** یعنی سبب جو اضافت معنویہ اور لفظی میں بیان کیا ہے تقدیر حرف جر میں ہے سوال اس بات کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ چونکہ سابق سے مفہوم ہو رہا ہے جواب اگر صفت یہ کلام ذکر نہ کرتا تو ما جو تفصیل کے واسطے آتا ہے اور کلمہ کم دو عدیل میں مستعمل ہوتا ہے اور مصنفؒ کے اس قول ہا ما یذکر الخ (لیکن وہ جسمیں انتظار حرف جر ذکر کیا جاتا ہے) بغیر عدیل کے رہ جاتا ہے اور اسکا عدیل ذکر حرف جر تقدیراً ہے لہذا کلام مذکور کا ذکر ضروری ہوا فائدہ مصنفؒ نے اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر کی تصریح نہیں کی جیسا کہ اضافت معنویہ میں تصریح کی ہے چونکہ تقدیر حرف جر ان تین حرف جر میں منحصر نہیں ہے بلکہ اسم فاعل و مفعول کا جیسا تقاضا ہوتا ہے ویسا ہی مقصد کر لیا جاتا ہے جیسے مثلاً بالغ البلاد میں الی مقدر ہے اور جس وقت کسی حرف جر کا تقاضا نہیں ہوتا اس وقت لام کی تقدیر کر لی جاتی ہے چونکہ غالب جر کو بغیر جار کے پڑھنا مکروہ جانتے ہیں **قولہ الخاتمۃ الخ** جب مصنفؒ مقاصد ثلثہ کے بیان سے فارغ ہو گیا جو کہ بیان معربات بالاصالۃ پر شامل ہے تو اب خاتمہ جس کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو بیان کرتا ہے یہ خاتمہ بیان معربات بالتبعیۃ پر شامل ہے ۱۲۔ **قولہ التوابع الخ** یہ تابع کی جمع ہے اور وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے اسلئے کہ فاعل جو صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسا کہ کاہل ما بین الکتفین کی جمع کواہل آتی ہے ۱۲ **قولہ فقد یکون الخ** اسمیں فا ریا تو تفسیر کیلئے ہے یا شرط محذوف کے جواب میں ہے یعنی اذا کان ذلک فقد یکون اعراب الاسم حاصل مطلب یہ ہے کہ اسمار معربہ (اسمار مرفوعات و منصوبات اور مجرورات) ان کا اعراب دو قسم پر ہے بالاصالۃ اور بالتبعیۃ اعراب بالاصالۃ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان اسمار معربہ پر ہی عوامل کو دافع ہو اصب و جار داخل ہوں اور اعراب بالتبعیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان اسمار معربہ پر عوامل داخل نہ ہو بلکہ ان اسمار کے ماقبل جو اسمار ہیں ان پر داخل ہوں تو اس طرح پر جس اسم کا اعراب ہوتا ہے اس کو **تابع** کہتے ہیں ماخوذ ہے تبع بمعنی پیروی کرنا چونکہ یہ بھی اسم اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے اعراب (رفع و نصب و جر) میں اس وجہ سے ایسے اسم کو تابع کہتے ہیں۔ **قولہ کل ثان باعراب** یعنی تابع نحویوں کی اصطلاح میں ہر وہ ثانی ہے جو اپنے سابق کے اعراب میں موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی ایک جہت ہو یعنی مثلاً اگر پہلے کلمہ پر اعراب جہت فاعلیت سے آیا ہو تو دوسرے کلمہ پر بھی اسی جہت سے آئے اور اگر اس پر اعراب جہت مفعولیت سے آیا ہو تو اس پر بھی جہت مفعولیت سے آئے غرض دونوں کلموں کے اعراب کی جہت ایک ہونی چاہیے جاری زید العالم کہ اسمیں العالم تابع ہے اس لئے کہ وہ بہ نسبت زید کے دوسرے درجہ میں ہے اور اعراب یعنی رفع میں زید کے موافق ہے پھر دونوں ایک ہی جہت سے مرفوع ہیں، اور وہ جہت فاعلیت ہے پس جسطرح زید فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔

..... اسی طرح العالم بھی بوجہ زید کے ساتھ متحد ہونیکے اسی حیثیت سے مرفوع ہے پس دونوں کا رفع ایک ہی حیثیت اور ایک ہی جہت سے ہے پھر چونکہ یہاں ثانی سے مراد مؤثر ہے لہذا یہ تعریف تابع ثالث اور رابع کو بھی شامل ہوگی اس لئے کہ ہر ایک بہ لحاظ اپنے متبوع کے درجہ ثانی میں ہے باقی رہے فوائد و قیود سو وہ یہ ہیں کہ قولہ کل ثان بمنزلہ جنس ہے ہر اسم مؤخر کو شامل ہے اور قولہ باعراب سابقہ بمنزلہ فصل کے ہے کہ اس سے سوا خبر مبتدا اور مفعول ثانی باب علمت اور مفعول ثالث باب اعلمت کے سب خارج ہو گئے اور قولہ من جہۃ واحدہ سے یہ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ مثلاً مبتدا کی خبر اگرچہ مبتدا کے اعراب میں موافق ہے مگر دونوں ایک جہت سے مرفوع نہیں بلکہ مبتدا مسند الیہ کی جہت سے مرفوع ہے اور خبر مسند ہونیکی جہت سے ایسے ہی باب علمت کا مفعول ثانی معلوم ہونے کے سبب سے منصوب ہے اور مفعول اول مفعول فیہ ہونیکی وجہ سے **قولہ النعت تابع الخ** یعنی نعت وہ تابع ہے جو اس معنے اور وصف پر جو متبوع یا متعلق متبوع میں ہو ہر حال میں دلالت (باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

والقسم الاول يتبع متبوعه في عشرة اشياء في الاعراب والتعريف والتنكير والافراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث نحو جاء ني رجل عالم ورجلان عالمان ورجال عالمون وزيد العالم وامراة عالمة والقسم الثاني انما يتبع متبوعه في الخمسة الاول فقط اعني الاعراب والتعريف والتنكير كقوله تعالى من هذه القرية الظالم اهلها وفائدة النعت تخصيص المنعوت ان كانا نكرتين نحو جاء ني رجل عالم وتوضيحه ان كانا معرفتين نحو جاء ني زيد الفاضل وقد يكون لمجرد الثناء والمدح نحو بسم الله الرحمن الرحيم وقد يكون للذم نحو اعوذ بالله من الشيطن الرجيم وقد يكون للتاكيد نحو نفخة واحدة واعلم ان النكرة توصف بالجملة الخبرية نحو مررت برجل ابوه عالم وقام ابوه

کسے اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے اور تعریف کے باقی الفاظ بمنزلہ فصل کے اس تعریف سے صفت کو تمام اور توابع سے تمیز حاصل ہوگی ہر حالت کی قید اس وجہ سے زائد کی گئی کہ بعض توابع مثل بدل اور تاکید اور معطوف کے اگرچہ گاہ بگاہ اس معنی پر کہ جو انکے متبوع میں ہیں دلالت کرتے ہیں مگر یہ دلالت ہمیشہ نہیں بلکہ بعض مادہ کے ساتھ خاص ہے خلاف اجنبی بیدلہ میں علمہ بدل ہے اور یہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ جو متبوع میں ہیں مگر یہ دلالت ہر حال میں نہیں بلکہ اسمیں خصوصیت مادہ کا لحاظ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر جائے علمہ کے غلامہ کہیں تو اس وقت بدل کی دلالت متبوع کے معنی پر نہیں ہوگی بخلاف صفت کے کہ وہ ہر حال اور ہر مادہ میں معنی متبوع پر دلالت کرتی ہے قولہ جاءنی رجل عالم الخ عالم صفت ہے جو کہ رجل کے اندر معنی علم و جہل ہے اس پر یہ دلالت کرتا ہے قولہ جاءنی رجل عالم ابوہ عالم ابوہ رجل کی نعت ہے چونکہ عالم رجل کے متعلق یعنی اب رجل میں جو معنی علم ہے اس پر دلالت کرتا ہے قولہ القسم الاول الخ یعنی صفت کی قسم اول اپنے موصوف کیساتھ ان دس صفتوں میں تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار کا موجود ہونا ضروری ہے اعراب میں سے ایک افراد اور تثنیہ اور جمع میں سے ایک اور تعریف تنکیر میں سے ایک اور تذکیر اور تانیث میں سے ایک قولہ والقسم الثانی یعنی صفت کی قسم ثانی اپنے موصوف کیساتھ ان اوصاف عشرہ مذکورہ میں سے ان پانچ میں تابع ہوگی جو کہ اول مذکور ہیں یعنی رفع نصب اور جر تعریف اور تنکیر اور ہر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو وصف ایک ساتھ پائے جائیں گے اور ان دس وصفوں میں سے باقی میں افراد اور تثنیہ اور جمع اور تذکیر اور تانیث میں صفت مثل فعل کے ہوگی اسلئے کہ وہ اپنے مابعد کیطرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے پس اس کے فاعل کو دیکھا جائے گا اگر وہ مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائیگا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے وہکذا فی الاحکام الباقیۃ قولہ فائدۃ النعت یعنی نعت کا فائدہ اگر دونوں یعنی موصوف اور صفت دونوں نکرہ ہوں تو منعوت میں تخصیص حاصل ہو جاتی ہے یعنی موصوف میں اشتراک کم ہو جاتا ہے جیسے جاءنی رجل عالم میں عالم اور رجل دونوں نکرہ ہیں رجل عالم اور غیر عالم سبھی میں برابر تھا جب عالم کی صفت ذکر کردی تو اس میں اشتراک کم ہو گیا اور اگر صفت و موصوف دونوں معرفہ ہوں تو اسکا فائدہ توضیح ہے جیسے جاءنی زید الفاضل توضیح سے مراد یہ ہے کہ متبوع سے اجمال کو دور کیا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں صفت سے بیشتر زید میں اجمال تھا کہ کونسا زید آیا فاضل یا غیر فاضل پس جب اسکی صفت فضل لائے تو یہ احتمال جو زید میں تھا دور ہو گیا قولہ قد یکون الخ یعنی کبھی نعت کو محض تعریف کی غرض سے لاتے ہیں اور اس سے اشتراک یا اجمال کا دور کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے یہ اس جگہ ہوتا ہے کہ منعوت معرفہ ہو اور نعت مخاطب کے نزدیک نعت لانے کے قبل منعوت میں معلوم ہو جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم قولہ قد یکون للذم سابق طریقہ پر کبھی نعت ذم کیلئے ہوتی ہے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم نعت یعنی ذم کے واسطے ہے۔ قولہ للتاکید یعنی کبھی نعت کو مجرد تاکید کیلئے لاتے ہیں اور یہاں پر بھی یہ شرط ہے کہ نعت مخاطب کے نزدیک لانے سے پہلے ضمناً منعوت میں معلوم ہو جیسا کہ نفخۃ واحدۃ کہ اسمیں وحدہ کے لانے سے قبل تار وحدت پر دال ہے قولہ ان النکرۃ توصف یعنی کبھی جملہ خبریہ نکرہ کی صفت ہو جاتا ہے اگرچہ اسکا صفت ہونا قیاس کے خلاف ہے اسلئے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے اور صفت کا موصوف کیساتھ ارتباط ضروری ہے مگر تاہم جملہ خبریہ تو نکرہ کی صفت ہو جاتا ہے اور جملہ انشائیہ نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جملہ انشائیہ کی مشابہت مفرد کے ساتھ ہو کہ صفت میں اصل ہے متحقق نہیں اسلئے کہ مفرد کے بے خارج میں کوئی عزیا پایا جاتا ہے اور جملہ انشائیہ کیلئے خارج میں کوئی مادہ نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ صدق اور کذب کیساتھ بھی متصف نہیں ہوتا پس وہ صفت نہیں ہوگا بخلاف جملہ خبریہ کے کہ وہ نکرہ کی صفت ہو جائیگا یہ کہ موصوف اسلئے کہ جملہ من بعث انہا جملۃ الخ چونکہ معرفہ ہے نہ نکرہ مگر جو نکرہ ادوات تعریف سے خالی ہوتا ہے اسلئے وہ حکم میں نکرہ ہے اور اس کا نکرہ کی صفت ہونا صحیح ہے اور اس وقت اس میں ایک ضمیر کا ہونا لازم ہے تاکہ وہ موصوف کی طرف عائد ہو اور اسکے ذریعہ درمیان موصوف و صفت کے ارتباط پیدا ہو۔ ۱۲

والمضمر لا یوصف ولا یوصف به **فصل العطف بالحروف** تابعٌ ینسب الیه ما نُسِبَ الی متبوعه وکلاهما مقصودان بتلك النسبة ویسمّٰی عطف النّسق وشرطه ان یکون بینه وبین متبوعه احد حروف العطف وسیأتی ذکرها فی القسم الثالث ان شاء الله تعالٰی نحو قام زیدٌ وعمرٌو واذا عُطِفَ علی الضمیر المرفوع المتصل یجب تاکیده بالضمیر المنفصل نحو ضربتُ انا وزیدٌ الا اذا فُصِلَ نحو ضربتُ الیومَ وزیدٌ واذا عطف علی الضمیر المجرور یجب اعادة حرف الجر نحو مررتُ بك وبزیدٍ واعلم انّ المعطوفَ فی حکم المعطوف علیه عنی اذا کان الاول صفةً لشیءٍ او خبرًا لامرٍ او صلةً او حالًا فالثانی کذلك ایضًا والضابطة فیه انه حیث

قولہ والمضمر لا یوصف ۔ یعنی ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اسلئے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف اور اوضح ہیں اور اوپر گذر چکا ہے کہ مقصود توصیف معرفہ سے اسکی توضیح ہے پس جب یہ دونوں اوضح ہیں تو اب ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں باقی رہی ضمیر غائب اسکو طرداً للباب ان دونوں پر محمول کر لیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ ضمیر موصوف نہ ہوگی۔ سوال ضمائر غائبہ موصوف واقع ہوتی ہے جیسے لا الٰہ الا ہو العزیز الحکیم کہ اسمیں العزیز الحکیم ہو کی صفت ہے جواب صفت نہیں بلکہ بدل ہے دوسرا جواب ہو ضمیر نہیں ہے بلکہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے اسوقت یہ بہ سکون واؤ ہے . . . . . **قولہ لا یوصف بہ** یعنی ضمیر کسی چیز کی صفت بھی نہ ہوگی اسلئے کہ صفت وہ ہے جو ان معنی پر کہ موصوف میں نہیں دلالت کرتی ہے اور ضمیر چونکہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جو کہ ذات میں پائے جاتے ہیں لہذا وہ صفت نہ ہوگی **قولہ العطف بالحروف** یعنی عطف بالحروف وہ تابع ہے کہ جو چیز اسکے متبوع کیطرف منسوب ہے اسکی طرف بھی منسوب ہو اور دونوں اس نسبت سے مقصود ہوں مصنف کا قول تابع تام تو اتابع کو شامل ہے اور کلاہما الخ سے تمام توابع خارج ہو گئے نعت، در تاکید عطف بیان اسلئے خارج ہیں کہ یہ نسبت سے مقصود نہیں ہیں بلکہ ان کا متبوع فقط مقصود ہوتا ہے اور بدل اسوجہ سے کہ وہ خود بدون اپنے متبوع کے مقصود ہوتا ہے اسکا متبوع یعنی مبدل منہ صرف توطیہ و تمہید کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ مثال جاءنی زید اخوك میں اخوك بدل ہے اور وہی اس نسبت سے مقصود ہے سوال معطوف بدل و بدل ولکن وام و اما و اذ تعریف سے خارج ہے کیونکہ ان حروف مذکورہ کے ساتھ تابع اور متبوع دونوں مقصود نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان دونوں میں سے ایک مقصود ہوتا ہے جواب متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے عطف بالحروف کے اندر یہ ہے کہ تابع کیواسطے متبوع بطریق تمہید و توطیہ مذکور نہ ہو اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے یہ مراد ہے کہ تابع متبوع پر مثل فرع کے نہ ہو اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو ان حروف کے ساتھ معطوف معطوف علیہ ہوتے ہیں اس معنے مذکور کے اعتبار سے دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں۔ **قولہ النسق** ۔ بفتح سین عرب کے قول ثغر نسق سے ماخوذ ہے یہ دانتوں کے استوار کے وقت بولتے ہیں چونکہ حروف عاطف تابع اور متبوع کو اعراب کے اعتبار سے منسوق کر دیتے ہیں اسوجہ سے اسکو عطف نسق کہتے ہیں اور نسق بسکون السین منسقت الکلام کا مصدر ہے یہ اسوقت بولتے ہیں جبکہ بعض کلمات کو بعض پر عطف کرتے ہیں کما فی الصحاح غیر میری شرح میں ہے کہ نسق بالتحریک بمعنے ترتیب دینا اور اسی تابع کو عطف نسق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسمیں معطوف معطوف علیہ کے بعد آتا ہے گویا کہ چند کلمات کو ترتیب دیا ہے۔ **قولہ وشرطہ الخ** یعنی عطف کی شرط یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان حروف عطف سے ایک حرف ہو۔ اس قسم کے تابع میں بین التابع والمتبوع حرف عطف کے ہونیکو مصنف نے اسوجہ سے شرط قرار دیا ہے کہ حرف عطف کا ہونا بیان واقعی ہے اس سے مقصود کسی شے کا اخراج نہیں ہے **قولہ حروف العطف الخ** حروف عطف جو قسم ثالث میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں واو۔ فاء۔ ثم۔ حتی۔ او۔ اما۔ ام۔ لا۔ لکن۔ بل۔ تفصیل انکی قسم ثالث میں انشاء اللہ آویگی **قولہ نحو قام زید وعمرو** اس مثال میں عمرو تابع ہے اور زید متبوع اور دونوں نسبت قیام سے مقصود ہیں انکے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف ہے اور وہ واو ہے **قولہ واذا عطف علی الضمیر** یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی چیز کا عطف کریں گے تو اسکی تاکید ضمیر منفصل کیساتھ لائینگے اس لئے کہ ضمیر مرفوع متصل مثل جز کلمہ کے ہے پس اگر بغیر تاکید کے اسی پر عطف کیا جائیگا تو کلمہ متصل کا عطف جزء کلمہ پر لازم آئیگا اور وہ ناجائز ہے جیسے ضربت انا وزید کہ یہاں زید کا عطف ضمیر مرفوع پر کرنے کیلئے انا ضمیر منفصل سے تاکید لائی گئی ہے **قولہ الا اذا فصل الخ** مگر جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فاصلہ ہوگا تو اسی وقت ترک تاکید جائز ہے اسلئے کہ فاصل قائم مقام تاکید کے ہو جائیگا اور اس کے ذریعہ عطف مذکور صحیح ہو جائیگا جیسے قولہ ضربت الیوم وزید کہ یہاں مثال مذکور میں الیوم فاصل ہے اور قائم مقام تاکید کے ہے **قولہ اذا عطف علی الضمیر المجرور الخ** ۔ یعنی جب ضمیر مجرور پر کسی چیز کا عطف کریں گے تو جار کو خواہ حرف ہو یا اسم معطوف پر اعادہ کریں گے اس لیے کہ جار اور ضمیر مجرور شدت اتصال کی وجہ سے مثل کلمہ واحدہ کے ہیں پس اگر فاصل کا اعادہ نہ کریں گے تو عطف کلمہ مستقلہ کا کلمہ جزء کلمہ پر لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے جیسے مررت بك وبزید ۔ یہ مثال حرف (باقی بر صفحہ ۱۰۳ پر)

يجوز أن يقام المعطوف مقام المعطوف عليه جاز العطف وحيث لا فلا والعطف على معمولي عاملين مختلفين جائز إن كان المعطوف عليه مجرورا مقدما والمعطوف كذلك نحو في الدار زيد والحجرة عمرو وفي هذه المسئلة مذهبان آخران وهما ان يجوز مطلقا عند الفراء ولا يجوز مطلقا عند سيبويه + فصل التاكيد تابع يدل على تقرير المتبوع في ما نسب اليه او على شمول الحكم لكل فرد من افراد المتبوع

(بقیہ صفحہ ۱۰۲) ہو گی ہے اور اسم خاص کی مثال یہ ہے جیسا کہ کہیں جاءني اخوك وزيد لیکن جاننا چاہیے کہ یہ اعادہ نثر اور حالت اختیار میں بصریوں کے نزدیک واجب ہے اور اسکا اضطرار کے وقت چھوڑنا جائز ہے اور کوفیوں نے ترک اعادہ کی مطلقاً اجازت دی ہے اور استشہاد میں مررت بک وزید اور مررت بنفسک وزید عرب کا قول پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ عرب سے بلا تاکید اس قسم کی امثلہ مروی ہیں نیز حمزہ کی قراءۃ میں والارحام بجر میم آیت کریمہ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام میں ہے یہ عطف الارحام کا مجرور بہ پر بغیر اعادہ جار خافض کے ہو رہا ہے یہ دلیل جواز کی ہے بصریین جواب دیتے ہیں کہ ان سے استدلال نہیں کر سکتے ہیں اسلئے کہ یہ شاذ ہے اور شاذ استدلال کے قابل نہیں ہے اور احتمال ہے کہ واؤ قسم کے واسطے ہو در اریہ **قولہ ان المعطوف الخ** یعنی معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو چیز کہ معطوف علیہ کیلئے جائز ہوتی ہے اور جو چیز کہ معطوف علیہ کیلئے ممنوع ہوتی ہے معطوف کے لیے بھی جائز اور ممتنع ہوتی ہے خود مصنفؒ اس کا مطلب بیان کرتا ہے کہ اگر معطوف علیہ صفت کسی شے کی ہو یا کسی شے کیلئے بجر یا صلہ یا حال ہو تو اس طرح معطوف بھی ہو مزید توضیح کیلئے مصنفؒ اسکے واسطے ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ معطوف علیہ کی جگہ معطوف کو قائم کر کے دیکھا جائے اگر یہ قائم کرنا درست ہو تو عطف کرنا درست ہوگا ورنہ درست نہ ہوگا اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ ما زید بقائم ولا ذاہب عمرو میں ذاہب کو رفع واجب ہے اور جر اور نصب درست نہیں ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر ذاہب کو منصوب یا مجرور پڑھیں گے تو اسکا عطف قائم پر ہوگا اور وہ اس وقت زید کی خبر ہوگا جیسا کہ معطوف علیہ اسکی خبر ہے پھر چونکہ معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہے جو زید کی طرف عائد ہے اور معطوف یعنی ذاہب میں کوئی ضمیر نہیں جو زید کی طرف عائد ہو لہٰذا ذاہب کا زید کی خبر واقع . . . . . ہونا ممتنع ہوگا پس لامی الہ ذاہب میں رفع متعین ہو جائیگا اور وہ خبر مقدم اور عمرو اس کا مبتدأ مؤخر ہوگا اور عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا نیز کہہ سکتے ہیں کہ ذاہب مبتدا کی قسم ثانی ہے اور عمرو اسکی خبر قائم مقام فاعل ہے **قولہ العطف الخ** جبکہ ایک حرف عطف سے دو عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف کیا جاوے تو آیا یہ عطف جائز ہے یا نہیں تو اس میں جمہور کے نزدیک تفصیل ہے جمہور کہتے ہیں کہ اگر معطوف علیہ مجرور مقدم ہو اور معطوف بھی مجرور مقدم ہو تو پھر عطف جائز ہے ورنہ نہیں جیسے مثلاً فی الدار زید والحجرۃ عمرو میں کہ فی الدار معطوف علیہ ایک مجرور ہے اور دوسرا زید معطوف علیہ مرفوع بالابتدا ہے اور الحجرۃ ایک معطوف مجرور ہے اور عمرو دوسرا معطوف مرفوع بالابتدا ہے یہ دونوں دو مختلف عاملوں کے دو معمول ہیں ایک حرف عطف کے ذریعہ سے عطف ہو رہا ہے اس عطف کو جمہور جائز قرار دیتے ہیں اور اگر اس طرح برعکس ہو تو پھر درست نہیں جیسے زید فی الدار وعمرو فی الحجرۃ کہ یہ عطف جائز نہیں جمہور کہتے ہیں کہ اول قسم کا عطف اسی وجہ سے جائز ہے کہ عرب سے اس قسم کا عطف خلاف قیاس مسموع ہے جیسا کہ بعض اشعار عرب میں ہے اکل امرؤ تحسبین امرأ ونار تؤقد باللیل نارا اور برعکس خلاف قیاس مسموع ہوتی ہے وہ مورد سماع پر منحصر ہوتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا ہے **قولہ فی ہذہ المسئلۃ الخ** مصنفؒ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں اور دو مذہب ہیں ایک فراء نحوی کا اور دوسرا سیبویہ کا فراء نحوی کہتا ہے کہ یہ عطف مطلقاً جائز ہے اور اسی مسموع پر قیاس کرتا ہے مگر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر عاطف اور معطوف مجرور کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو پھر عطف درست نہیں رہیگا جیسے ان زیداً فی الدار وعمرو فی الحجرۃ یہ فراء کے نزدیک جائز ہے **قولہ عند سیبویہ الخ** یہ دوسرا مذہب ہے غرض یہ کہ سیبویہ اس عطف کو مطلقاً جائز نہیں کہتے اور ان مثالوں میں کہ جو عرب سے مسموع ہیں ان کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسجگہ معطوف میں فی مقدر ہے تقریر عبارت یہ ہے فی الدار زید فی الحجرۃ عمرو پس اس وقت عطف جملہ کا جملہ ہوگا دو عامل مختلف کے دو معمولوں پر نہ ہوگا **قولہ التاکید الخ** یہ لفظ ہمزہ اور واؤ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے اس کے معنے مضبوط کرنا ہے مصنفؒ تاکید کو بعد عطف کے لایا ہے کیونکہ عاطف کیلئے فارتاکید زیادہ کیا جاتا ہے چنانچہ بولا جاتا ہے ثم واللہ وقواللہ اور جیسے قولہ تعالیٰ کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون دلائل من الذین یفرحون بما آتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنہم بمفازۃ **قولہ تابع الخ** یعنی تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے ثابت کرنے پر اس شے میں دلالت کرے جو متبوع کی طرف منسوب ہو یا حکم کے شمول پر دلالت کرے متبوع کے افراد سے ہر فرد کیلئے مطلب یہ ہے جو تابع ان دو غرضوں میں سے کسی ایک کیلئے مذکور ہو تو وہ تاکید ہوگا ایک غرض یہ ہے کہ جو شے متبوع کیطرف منسوب کی گئی ان میں تجوز کا احتمال ہو تو اس کو دور کر کے اس نسبت کو ثابت کر دے دوسری غرض یہ ہوتی ہے کہ اگر متبوع ایسی شے ہو جو افراد کثیرہ پر دال ہے اور اس میں شبہ ہو کہ اس متبوع کے تمام افراد مراد نہیں تو اگر تابع اس امر پر دلالت کرے کہ متبوع کے اس قدر افراد ہیں اور اس قدر نہیں تو اس کو بھی تاکید کہتے ہیں تابع ما بہ الاشتراک ہے تمام توابع کو شامل ہے **قولہ یدل علی تقریر** عطف بالحروف اور بدل کو خارج کرتا ہے کیونکہ ہر دو متبوع کی تقریر پر دال نہیں ہے اور فی ما نسب الیہ الخ کی قید سے نعت اور عطف بیان خارج ہوتا ہے کیونکہ اگر چہ ہر دو متبوع کی تقریر پر دلالت کرتے ہیں لیکن ما نسب الیہ کی تقریر پر دال نہیں ہیں بلکہ تعیین ذات پر دال ہے اور مصنفؒ کا قول او علی شمول الحکم الخ قید . . . مصنفؒ کی اور اسی سے جو تاکید کی جاتی ہے اس کو تاکید میں داخل کرتا ہے

والتاكيد على قسمين لفظي وهو تكرير اللفظ الاول نحو جاءني زيدٌ زيدٌ وجاء جاء زيدٌ ومعنوي وهو بالفاظ معدودة وهي النفس والعين للواحد والمثنى والمجموع باختلاف الصيغة والضمير نحو جاءني زيدٌ نفسه والزيدان انفسهما او نفساهما والزيدون انفسهم وكذلك عينه واعينهما او عيناهما واعينهم جاءتني هند نفسها وجاءتني الهندان انفسهما او نفساهما وجاءتني الهندات انفسهن وكلا وكلتا للمثنى خاصة نحو قام الرجلان كلاهما وقامت المراتان كلتاهما وكل واجمع واكتع وابتع وابصع لغير المثنى باختلاف الضمير في كل والصيغة في البواقي تقول جاءني القوم كلهم اجمعون اكتعون ابتعون ابصعون وقامت النساء كلهن جمع كتع بتع بصع واذا اردت تاكيد الضمير المرفوع المتصل بالنفس والعين يجب تاكيده بالضمير المنفصل نحو ضربت انت نفسك ولا يؤكد بكل واجمع الا اذا كان اجزاء وابعاض يصح افتراقها حسا كالقوم او حكما كما تقول اشتريت العبد كله

قوله التاكيد على قسمين یعنی تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی جو لفظ کی طرف منسوب ہے اور تکریر لفظ سے حاصل ہوتی ہے دوسرے معنوی جو معنے کی طرف منسوب ہے اور معنی کے لحاظ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے وجہ تسمیہ ہر ایک کی ظاہر ہے **قوله وهو تكرير اللفظ الاول** یعنی تاکید لفظی لفظ اول کے مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جیسے جاءنی زید زید پس یہاں زید ثانی زید اول کی تاکید لفظی ہے کہ زید کے مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جاننا چاہئے کہ لفظی تکریر لفظ میں جاری ہوتی ہے خواہ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف ہو مگر اس کو تاکید اصطلاحی نہیں کہتے ہیں بلکہ اصطلاحی تاکید صرف اسماء میں جاری ہوتی ہے **قوله ومعنوي وهو بالفاظ معدودة** یعنی دوسری قسم معنوی اور تاکید معنوی گنے چنے الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خاص الفاظ ہیں اور ان الفاظ کے غیر کے ساتھ نہیں ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں نفس عین کل اجمع اکتع ابتع ابصع پس ان سے زیادہ اور الفاظ تاکید معنوی کے نہیں ہیں بعض نحاۃ نے کہا ہے کہ کلہم جمیع اور عامہ سیبویہ کے نزدیک بمنزلہ کل کے ہیں مگر قیاس سے اور نحوی غافل ہیں ورایہ بغیر یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ تاکید معنوی ان مذکورہ الفاظ کے سوا دوسرے لفظوں سے بھی حاصل ہوتی ہے جیسے ان لام ابتداء نون تاکید وغیرہ لہذا تمہارا ان الفاظ میں تاکید معنوی حصر کرنا غلط ہے جواب یہاں پر تاکید معنوی سے مراد وہ تابع ہے جو مذکور ہوا اور مطلق تاکید مراد نہیں ہے ان الفاظ سے تاکید متبوع نہیں ہوتی ہے **قوله وهي النفس والعين** یعنی تاکید معنوی کے الفاظ میں دو اول کے یعنی نفس اور عین عام ہیں مفرد اور تثنیہ اور جمع سب کیلئے آتے ہیں البتہ متبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور ضمیر بدلتی رہیں گی لیکن ہر متبوع کے لحاظ سے صیغہ کا بدلنا صرف واحد اور جمع میں ہوگا تثنیہ کے لیے بھی جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے اشعر کا کتاب میں غور سے مطالعہ کرو **قوله او نفساهما** یعنی کبھی ان کبھی بعض عرب نے نفساہما کہا ہے یعنی ہر جگہ دو تثنیہ کی جمع ہوتا ہے جگہ پر دو کا اتصال لفظاً اور معناً ہو عرب کے نزدیک مکروہ ہے **قوله كلا وكلتا للمثنى** یعنی کلا اور کلتا دونوں کا استعمال مثنیٰ کے واسطے ہے خصوصیت سے اول تثنیہ مذکر کیلئے ہے اور ثانی تثنیہ مونث کیلئے عام اس سے کہ وہ تثنیہ اصطلاحی ہو خواہ مفرد کہ بواسطہ حرف عطف اسپر دلالت کرتا ہو دونوں قسم کے مثنیٰ کیلئے یہ آتا ہے جیسے قام زید عمرو اہما مثنیٰ کی قید لگانے سے مفرد اور جمع سے احتراز ہو گیا کہ ان دونوں کی تاکید لفظ کلا اور کلتا سے نہیں کی جاتی ہے **قوله كل الخ** یعنی یہ پانچوں لفظ غیر تثنیہ کی تاکید کے واسطے آتے ہیں یعنی واحد اور جمع کیلئے آتے ہیں ان میں صرف لفظ کل باختلاف ضمیر آتا ہے پس واحد مذکر میں کلہ اور واحد مونث میں کلہا اور جمع مونث میں کلہن کہتے ہیں اور کل کے سوا باقی الفاظ باختلاف صیغہ آتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں اجمع وجمعاء واجمعون وجمع اور یہی حاصل دیگر الفاظ کا ہے جیسا کہ اطلاع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے **قوله اذا اردت الخ** یعنی جبکہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ تاکید کرینگے تو اولاً اسکی تاکید ضمیر منفصل کیساتھ کرینگے اسے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید اولاً ضمیر منفصل کیساتھ نہ لائیں گے تو بعض مواقع میں تاکید کا التباس فاعل کیساتھ ہوگا مثلاً جب ہم بلا تاکید لائے منفصل کو زید اکرمنی نفسہ کہیں گے تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ نفسہ فاعل ہے یا فعل میں ضمیر مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے اور نفسہ اسکی تاکید ہے پس اس التباس سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ اولاً ضمیر منفصل کیساتھ تاکید لائیں یعنی یہ لفظ نفس اور عین سے تاکید کریں باقی جن صورتوں میں التباس نہیں یا ضمیر منفصل کیساتھ تاکید لانے کو ضروری قرار دیا گیا قولہ مثل ضربت انت نفسک ہے پس مثال مذکورہ میں تاء ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لفظ نفسک ہے کہ اولاً تاکید بلا ضمیر منفصل ات کے لائی گئی ہے **قوله ولا يؤكد بكل واجمع الا اذا كان اجزاء وابعاض** یعنی لفظ کل اور اجمع کیساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے کہ جو اجزاء اور جو ابعاض ایسے ہوں کہ ان کا افتراق از روئے حس یا حکم کے صحیح ہو **قوله كالقوم** جیسے قوم اور اسی کے مانند رجال ہے کہ افتراق اجزاء یعنی ہر فرد کے افراد کہ زید عمرو وغیرہ وغیرہ ہیں حسی درست ہوتے ہیں لہذا اکرمت القوم کلہ بول سکتے ہیں **قوله اشتريت العبد كله** عبد کے اجزاء کا افتراق باعتبار اشتراء کے حکماً صحیح ہے اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی غلام کے نصف کو ایک شخص خریدے اور نصف آخر کو کوئی دوسرا شخص پس اکرمت العبد کلہ بولنا درست نہیں کیونکہ عبد کا افتراق باعتبار اکرام کے نہیں ہو سکتا ہے حسًا اور نہ حکمًا ۔

ولا تقول اکرمت العبد کلّه واعلم انّ اکتع وابتع وابصع اتباع لاجمع وليس لها معنى ههنا
بدونه فلا يجوز تقديمها على اجمع ولا ذكرها بدونه فصل البدل تابع ينسب اليه ما نسب
الى متبوعه وهو المقصود بالنسبة دون متبوعه واقسام البدل اربعة بدل الكل من الكل
وهو ما مدلوله مدلول المتبوع نحو جاءني زيد اخوك وبدل البعض من الكل وهو ما مدلوله جزء
مدلول المتبوع نحو ضربت زيدا راسه وبدل الاشتمال وهو ما مدلوله متعلق المتبوع كسلب زيد
ثوبه وبدل الغلط وهو ما يذكر بعد الغلط نحو جاءني زيد جعفر ورايت رجلا حمارا والبدل ان كان نكرة من معرفة
يجب نعته كقوله تعالى بالناصية ناصية كاذبة ولا يجب ذلك في عكسه ولا في المتجانسين

قولہ ان اکتع یعنی اکتع وابتع وابصع اجمع کے تابع ہونے کی حیثیت سے مذکور ہوتے ہیں مصالۃ مذکور نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ نہ تو اجمع پر مقدم ہوتے ہیں اور نہ انکا ذکر اجمع کے بغیر قوی ہے اسلئے کہ الفاظ مذکورہ کی دلالت معنی بھیت پر ظاہر نہیں بخلاف اجمع کے کہ اسکی دلالت معنی مذکور پر زیادہ تر ہے نیز اجمع کے بدون انکے ذکر کرنے میں تابع کا ذکر بدون متبوع کے لازم آتا ہے اور یہ مخفی نہیں فائدہ مسند الیہ کی تاکید چار فائدوں کے لئے ہوتی ہے کبھی تاکید سے مسند الیہ کے مفہوم اور مدلول کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اس طریقہ پر کہ گمان غیر کا جاتا رہے جیسے کہ جارنی زید زید کہیں جب کہ متکلم غفلت سامع کا خیال کرتا ہے اور کبھی تاکید وہم مجاز دور کرنے کیلئے آتی ہے جیسے قطع اللص الامیر اذنہ اور یدہ کہیں تاکہ معلوم ہو کہ قطع کی اسناد امیر کی طرف مجازی نہیں اور کبھی تاکید توہم سہو کے دفع کرنے کیلئے آتی ہے جیسے جارنی زید زید کہیں پس اس سے یہ وہم کہ جارنی غیر زید ہے اور زید کا ذکر بسبیل سہو ہے دور ہو جاتا ہے اور کبھی تاکید عدم شمول کے توہم کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے جیسے ما جارنی القوم بعضون پس اس تاکید سے یہ وہم نہیں ہوتا کہ بعض قوم نہیں آئی۔ اور اکثر کا حکم کل پر لگایا گیا ہے نیز یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ فعل بعض سے ہوا ہے مگر اسکے فعل کو تمام کا فعل شمار کیا گیا ہے اسلئے کہ وہ سب حکم میں شخص واحد کے ہیں (کذا قال العلامۃ التفتازانی فی مختصرہ) **قولہ البدل تابع الخ** یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جو چیز اس تابع کے متبوع کی طرف منسوب کی گئی ہو وہی چیز تابع کی طرف منسوب ہو اور یہ ہی مقصود بالنسبۃ ہو نہ اسکا متبوع ہو حاصل مطلب یہ کہ بدل وہ تابع ہے کہ جو اس چیز کی نسبت سے متبوع کی طرف ہے اس کی نسبت تابع کی طرف بھی ہو اور یہ ہی مقصود ہو اور اس نسبت سے متبوع مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے تابع کیلئے توطیہ اور تمہید کے طور پر آیا ہو جیسے جارنی زید اخوک کہ یہاں مجیٔ کی نسبت سے مقصود اخوک ہے اور زید کا ذکر صرف توطیہ اور تمہید کیلئے ہے یہ تعریف مذکور بعض تابع تمام توابع کو شامل ہے اور ہو المقصود بالنسبۃ سے نعت اور تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے کیونکہ یہ ما نسب الی المتبوع سے مقصود نہیں ہوتے اور قولہ دون متبوعہ کی قید سے عطف بالحروف کو خارج کر دیا کیونکہ اگرچہ وہ تابع مقصود بالنسبت ہوتا ہے لیکن اس میں متبوع بھی بالنسبت ہوتا ہے اس وجہ سے وہ خارج ہے **قولہ اقسام البدل اربعۃ** مصنف تعریف بدل سے فارغ ہو چکے بعد تقسیم بدل شروع کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ بدل چار قسم پر ہے وجہ ضبط یہ ہے کہ بدل دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کا مدلول مبدل منہ کا مدلول ہے یا نہیں اول بدل الکل من الکل ہے اور ثانی قسم پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکا مبدل منہ کے مدلول کا بعض ہے یا نہیں اول بدل البعض من الکل ہے اور ثانی بدل اور مبدل منہ میں کلیت اور بعضیت کے غیر کا تعلق ہے یا نہیں اول بدل الاشتمال ہے اور ثانی بدل الغلط ہے بدل الکل اور بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط میں اضافت بمعنے لام ہے **قولہ وہو مدلولہ الخ** یعنی بدل الکل میں تابع اور متبوع کے معنے از روئے ذات کے متحد ہوتے ہیں جیسے جارنی زید اخوک کہ اس جگہ ذات زید اور اخوک ایک ہے **قولہ ما مدلولہ جزء مدلول المتبوع** یعنی بدل بعض مبدل منہ کا جزء ہوتا ہے جیسے ضربت زیدا راسہ کہ اسمیں راس زید کا جزء ہے **قولہ وہو ما مدلولہ متعلق المتبوع** یعنی بدل اشتمال وہ ہے کہ اسکے اور مبدل منہ کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور علاقہ ہو تو خواہ مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو جیسے یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ کہ یہاں شہر حرام قتال کو مشتمل ہے اور خواہ بدل مبدل منہ کو مشتمل ہو جیسے سلب ثوبہ کہ یہاں ثوب زید کو مشتمل ہے اور خواہ بدل اور مبدل منہ میں سے کوئی بھی دوسرے کو شامل نہ ہو جیسے اعجبنی زید علمہ کہ یہاں نہ زید علمہ کو مشتمل ہے اور نہ علم زید کو پھر بدل اشتمال کو بدل اشتمال اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اول کلام بالاجمال آخر کلام پر دلالت کرتا ہے پس گویا اول بمنزلہ مشتمل کے ہے ثانی پر مثلاً جب ہم اعجبنی زید کہیں تو یہ معلوم ہوگا کہ ذات زید کی تعجب انگیز نہیں بلکہ اسکی کوئی شے تعجب خیز ہے پس اسوقت کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اعجبنی شیٔ من زید اور یہ معنی بالاجمال علم ہو چکے ہیں اور یہ وجہ تسمیہ ایسی ہے کہ تمام اقسام بدل اشتمال کو شامل ہے **قولہ وہو ما ذکر بعد الغلط** یعنی بدل غلط وہ ہے کہ جسکا قصد مبدل منہ کو نہ لاوے ذکر کرنے کے بعد کیا جائے جیسے جارنی زید حمار اس میں زید بدل غلط ہے اسلئے کہ حکم جاءنی حمار کہنا چاہتا تھا غلطی کی زبان سے زید مذکور ہو گیا اور اسنے اس غلطی کے تدارک کیلئے بعد زید کے حمار کہا **قولہ البدل ان کان** بدل اور مبدل منہ دونوں کیلئے جائز ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں نکرہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مختلف ہوں یعنی مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ یا اسکا عکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ اسوجہ سے مصنف لکھتا ہے کہ جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ ہو (باقی بر صفحہ ۱۰۶ پر)

فصلٌ عطفُ البیان تابعٌ غیرُ صفۃٍ یوضحُ متبوعہٗ وھو اشھرُ اسمیٍ شیءٍ نحو قام ابوحفص عمرُ وقام عبدُ اللہِ بنُ عمرَ ولا یلتبس بالبدل لفظاً فی مثلِ قولِ الشاعر شعر

انا ابنُ التارکِ البکریِّ بشرٍ علیہِ الطیرُ ترقبہٗ وقوعاً

الباب الثانی فی الاسم المبنیِّ وھو اسمٌ وقع غیرَ مرکبٍ مع غیرہٖ مثلُ اب ت ث ومثلُ واحد واثنان وثلٰثۃ وکلفظۃِ زیدٍ وحدہٗ فانہٗ مبنیٌّ بالفعلِ علی السکونِ ومعربٌ بالقوۃِ او شابہ مبنیَّ الاصل

تو اسوقت نعت لانا نکرہ کی واجب ہے اسلئے کہ نکرہ بہ نسبت معرفہ کے انقص ہے پس نکرہ کی صفت لائیں گے تاکہ مقصود غیر مقصود سے انقص نہ ہو اور اس کے عکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ یا دونوں نکرہ ہوں یا دونوں معرفہ تو پھر بدل کی نعت واجب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مقصود غیر مقصود سے انقص ہے یا برابر ہے۔ **قولہ عطف البیان الخ** یعنے عطف بیان وہ تابع ہے کہ باوجود صفت نہ ہونیکے اپنے متبوع کی وضاحت کرے پھر اسکی صفت نہ ہونیکے یہ معنے ہیں کہ وہ مثل صفت کے اس معنے پر دلالت نہیں کرتا کہ جو ذات متبوع کا لیا تھا قائم ہیں عطف بیان کی تعریف میں اس قید سے باقی تین توابع خارج ہو گئے عطف بیان کی مثال اقسم باللہ ابوحفص عمرؓ سے مثال مذکور میں عمرؓ عطف بیان ہے کہ باوجودیکہ وہ ابوحفص کی صفت نہیں مگر اسکی وضاحت کرتا ہے تنبیہ جاننا چاہیے کہ اسم اور کنیت میں سے جو اشہر ہوتا ہے اس کو عطف بیان کیا جاتا ہے پس اسجگہ چونکہ اسم عمرؓ نسبت ان کی کنیت ابوحفص کے اشہر تھا اسلئے عمرؓ کو عطف بیان کیا گیا۔ **قولہ وھو اشھر اسمی الخ** یعنے شے کے جو دو نام ہوتے ہیں اس میں جو زیادہ مشہور رہتا ہے اسکو عطف بیان بنایا جاتا ہے صاحب مفصل کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ثانی کی شہرت شرط نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہر دو کے اجتماع سے ایک قسم کی ایضاح حاصل ہو جائے جو فقط ایک کے ذکر سے حاصل نہیں ہوتی ہے لہذا یہ بھی جائز ہے کہ اول اوضح اور یہ بھی جائز ہے کہ ثانی اوضح ہو۔ **قولہ ولا یلتبس** یعنے عطف بیان بدل کیا تھا مشتبہ نہیں ہوتا نہ لفظاً اور نہ معناً بعض نسخوں میں بجائے لا کے قد ہے اس وقت لفظاً کے بعد لا معنے مقدر ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ عطف بیان بدل کیا تھا لفظاً مشتبہ ہو جاتا ہے اور معنے مشتبہ نہیں ہوتا جاننا چاہیے کہ فرق درمیان عطف بیان اور بدل کل کے باعتبار معنی کے جمیع احوال میں اظہر من الشمس ہے اس لئے کہ بدل کل مقصود بالنسبۃ ہے اور عطف بیان مقصود بالنسبۃ نہیں پس اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ ان دونوں کے درمیان فرق باعتبار لفظ کے چونکہ خفی تھا اسلئے مصنفؒ نے اس فرق کو بیان کیا کہ عطف بیان اور بدل میں فرق از روئے احکام لفظی کے مثل انا ابن التارک الخ میں واقع ہے اور مراد مثل سے ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں عطف بیان کا متبوع وہ معرف باللام ہو جو صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے جیسے الضارب الرجل زید وانا ابن التارک البکری بشر پس مثال مذکور میں بشر عطف بیان اور البکری اسکا متبوع ہے جو کہ التارک صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور اس وقت اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن جب ہم بشر کو البکری سے بدل قرار دیں تو قباحت لازم آئے گی اس لئے کہ بدل حکم میں تکریر عامل کے ہوتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی انا ابن التارک بشر اور یہ جائز نہیں اسلئے کہ ترکیب التارک بشر مثل الضارب الرجل کی ہے اور اسکا جائز ہونا پہلے گذر چکا ہے علاوہ عطف بیان کے کہ اس میں چونکہ عامل مکرر نہیں ہوتا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی انا ابن التارک بشر نہ ہوگی بلکہ صرف التارک البکری ہوگی اور وہ جائز ہے اسلئے کہ وہ مثل الضارب الرجل کی ہے اور اسکا جائز ہونا پہلے گذر چکا ہے۔ **قولہ انا الخ** انا مبتدا ہے اور ابن التارک خبر اور التارک کے دو معنی ہیں ایک قاتل اور دوسرا معنے مصیر ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا ہے ہر صورت میں التارک البکری کی طرف محذوف ہے اور بشر البکری سے عطف بیان ہے اگر التارک کو بمعنی مصیر لیں تو اس وقت علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہوگا اور البکری مضاف الیہ مفعول اول ہے اور اگر بمعنے قاتل ہے تو علیہ الطیر البکری سے حال ہے اور الطیر طائر کی جمع ہے اور الطیر محذوف کا فاعل ہے تو ترقبہ اس سے حال ہے اور نہ علیہ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اور وقوع بالضم واقع کی جمع ہے اور ضمیر ترقبہ سے حال ہے **قولہ الباب الثانی الخ** چونکہ مصنفؒ اسم معرب جس کیلئے پہلا منعقد ہوا تھا اس کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب مصنفؒ اسم مبنی کے بیان میں مشغول ہوتا ہے اور دوسرا باب اسی کے بیان میں قرار دیا مبنی اسم مفعول کا صیغہ ہے بروزن مرمی اور بمعنی قرار عدم تغیر سے ماخوذ ہے مبنی کا آخر بھی مختلف عوامل کے آنے سے متغیر نہیں ہوتا اور ایک ہی حالت پر رہتا ہے یہ اصل میں مبنوی تھا کسی مبنی سے واؤ اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن تھا واؤ کو یاء سے بدل کر پھر یا کو یا میں ادغام کر دیا اور ضمہ کو یا کی مناسبت کیوجہ سے کسرہ سے بدل دیا **قولہ وھو اسم وقع الخ** یعنی مبنی دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اسم غیر مرکب ہو یعنی اسم اپنے تحقق عامل کے ساتھ نہ ملایا گیا ہو جیسے اسماء حروف تہجی اور جیسے اسماء عدد اور جیسے اسماء معدود نہ زید عمرو بکر وغیرہ جب ان میں سے کوئی یا انکا مثل مرکب ہوگا تو معرب ہو جائیگا پس ثابت ہوا کہ قسم دوم مبنی کی مبنی بالفعل اور معرب بالقوہ ہے دوسری قسم وہ کہ اسکی مناسبت مبنی اصل کے ساتھ منع اعراب میں موثر ہو پھر مبنی کی تعریف میں یہ قید کہ مناسبت موثرہ فی منع اعراب ہو ضروری ہے تاکہ تعریف دخول غیر سے مانع ہو جاوے ہم نے یہاں پر مشابہت کی تفسیر مناسبت سے کی ہے اسکی تحقیق اسم معرب کی تعریف میں گذر چکی ہے مناسبت موثرہ کے بعض اقسام کی طرف مصنفؒ بان یکون فی الدلالۃ سے اشارہ کرتا ہے **قولہ مثل اب ت ث** یہاں پر ان حروف سے مراد الفاظ اسماء یعنی الف باء تاء ثاء ہیں خود یہ حروف مراد نہیں (باقی بر صفحہ ۱۰۷)

بان یکون فی الدّلالۃ علی معناہ محتاجًا الی قرینۃٍ کالاشارۃ نحو ھٰؤلاءِ ونحوِھٖ او یکون علی اقلّ من ثلٰثۃِ احرفٍ او تضمّن معنی الحرفِ نحو ذا ومَنْ واحدَ عشرَ الی تسعۃَ عشرَ وھٰذا القسمُ لایصیر معربًا اصلًا وحکمہٗ ان لایختلفَ اٰخرہٗ باختلاف العوامل وحرکاتہٗ

اس لیے کہ مبنی سے بحث ہے حروف سے بحث نہیں ہے اور جیسے اسماء عدد میں سے واحد اور اثنان وثلثہ اور اربعہ اور جیسے لفظ زید تنہا یعنی عامل کے ساتھ نہ ہو چنانچہ یہ اسماء بالفعل مبنی ہیں یعنی موجودہ صورت میں کہ یہ عامل کے ساتھ واقع نہیں ہو رہے ہیں مبنی بر سکون ہیں اور بالقوہ معرب ہیں یعنی ان میں اعراب کی صلاحیت ہے کہ جب یہ عامل کے ساتھ واقع ہوں گے تو ان پر اعراب آجائیگا خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے اسماء جبکہ یہ تنہا ہوں یعنی عامل کیساتھ واقع نہ ہوں مبنی بر سکون ہیں اسلئے کہ جب یہ عامل کے ساتھ نہیں ہوتے تو ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن جب یہ عامل کے ساتھ واقع ہوتے ہیں تغیر آجاتا ہے جیسے جار الف میں الف اور جاءنی واحد اور جاءنی زید میں زید اپنے عامل کیساتھ ہیں اور رایت الفًا میں الفًا اور رایت واحدًا میں واحدًا اور رایت زیدًا میں زیدًا اپنے عامل رایت کے ساتھ ہیں اور بنا بر مفعولیت منصوب ہیں بنا بر فاعلیت کے مرفوع ہیں پس اس وقت عامل کے آنے سے زید پر کبھی رفع آیا کبھی نصب لہٰذا اس وقت یہ معرب ہیں لیکن جب یہ عامل کے ساتھ نہیں ہوتے تو اس وقت یہ صرف ایک ہی حالت پر ہوتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور مبنی بر سکون ہوتے ہیں **قولہ بان یکون فی الدلالۃ الخ** مشابہ کے متعلق ہے مصنفؒ یہاں سے اسم کے مبنی کے ساتھ مشابہت کے وجوہ بیان فرما رہے ہیں مصنفؒ نے یہاں مشابہت کے تین وجوہ بیان کئے ہیں لیکن بروئے استقراء سات ہیں جن کو ہم آگے بیان کریں گے **قولہ کالاشارۃ الخ** قرینہ کی مثال ہے یعنی جیسے قرینہ اور اشارہ حسیہ کو اس طرف اسم اشارہ ہو لہٰذا محتاج ہے پس یہ حروف کے ساتھ مشابہ ہو گیا جیسے حروف اپنے مدخول کے محتاج ہیں اسی طرح ہو لاء اور ذا اور من اور تاء اور اسماء اشارہ قرینہ اشارہ کی طرف محتاج ہیں **قولہ نحو ھٰؤلاء الخ** اسے نحو قرینۃ الاشارہ کقرینۃ الصلۃ یعنی اور مثل قرینہ اشارہ کے جیسے قرینہ صلہ جو موصولات میں ہوتا ہے کہ یہ صلہ کے محتاج ہیں جیسے الذی قام فلہ درہم (جو شخص کھڑا ہوا اس کیلئے ایک درہم ہے) اسمیں الذی اسم موصول ہے اور قام جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے موصول صلہ سے مل کر مبتدا ہوا اور فلہ درہم جملہ اسمیہ اسکی خبر پر ہے **قولہ ان یکون علی اقل الخ** اس کا عطف یکون فی الدلالۃ پر ہے یا وہ تین حروف سے کم ہو یا معنے حروف کو متضمن ہو جیسے ذا اور من یہ دونوں تین حروف سے کم ہونے کی مثالیں ہیں چونکہ یہ حرف ذا اور من کیساتھ میں مشابہ ہیں لہٰذا یہ مبنی ہیں اور جیسے احد عشر سے لیکر تسعۃ عشر تک یہ واد حرف عطف کے معنی کو متضمن ہونیکی مثالیں ہیں اس لیے احد عشر اصل میں احد وعشر تھا اور یہ واد حرف عطف کے معنی کو متضمن ہے اور معنے ایک اور دس یعنی گیارہ پس یہ معنی حرف کو متضمن ہونیکی وجہ سے مبنی ہے جیسے احد عشر سے لیکر تسعۃ عشر تک یہ تفصیل ہے احد عشر اثنا عشر ثلثۃ عشر اربعۃ عشر خمسۃ عشر ستۃ عشر سبعۃ عشر ثمانیۃ عشر تسعۃ عشر یہ سب اصل میں احد وعشر اثنان وعشر ثلث وعشر اربعۃ وعشر خمسۃ وعشر ستۃ وعشر سبعۃ وعشر ثمانیۃ وعشر تسعۃ وعشر تھے ان سب کی واد کو حذف کرکے دونوں اسموں کو بمنزلہ ایک کلمہ کے کر لیا گیا ہے اور ان سب کے دونوں جز مبنی بر فتح ہیں اسلئے کہ واد حرف عطف کے معنے کو متضمن ہے لیکن اثنان وعشر میں واد اور نون دونوں کو حذف کر دیا اور تیسرے حرف دوسرا جز مبنی بر فتح ہے اور پہلا جز معرب ہے جیسے جاءنی اثنا عشر رجلًا اور رایت اثنی عشر رجلًا اور مررت باثنی وعشر رجلًا جانا چاہیے کہ وجہ مشابہت بنا بر استقراء سات ہیں اول یہ کہ اسم معنی مبنی اصل کو متضمن ہو جیسے این کہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے دوم یہ کہ اسم اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہو جیسے کہ اسم اشارہ اور اسم موصول اپنے معنے پر دلالت کرنے میں قرینہ اشارہ حسیہ اور صلہ کے محتاج ہیں سوم یہ کہ اسم مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے کہ نزال اسم فعل انزل امر عامر کے موقع میں واقع ہوتا ہے چہارم یہ کہ کوئی اسم ہمشکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہوتا ہے جیسے فجار بمعنے الفجور کہ انزال کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزال واقع میں انزل کے واقع ہوتا ہے جیسے گذر چکا پنجم یہ کہ کوئی اسم موقع میں اسم کے واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسے منادی مفرد یا زید اور یا رجل میں کہ وہ موقع میں کاف خطاب ادعوک کے واقع ہے اور کاف خطاب جو اسم ہے مشابہ کاف حرفیہ کے ہے ششم یہ کہ کوئی اسم مبنی اصل کے طرف مضاف ہو خواہ بواسطہ مضاف ہو خواہ بلا واسطہ جیسے یومئذ میں کہ اصل میں یوم اذ کان کذا تھا اس میں یوم بفتح میم بواسطہ اذ بلکہ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور مبنی ہے اور جملہ صاحب مفصل کے نزدیک مبنی اصل ہے ہفتم یہ کہ اسم کی بنا تین حرف سے کم ہو جیسا کہ گذر چکا **قولہ وھذا القسم** یہ قسم جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہ ہو وہ بالکل معرب نہیں ہوتی ہے نہ بالفعل نہ بالقوہ بخلاف پہلی قسم یعنی وہ اسم جو تحقیق عامل کیساتھ نہ ملایا گیا ہو وہ بالفعل تو مبنی ہوتا ہے اور بالقوہ معرب ہوتا ہے ۱۲ **قولہ حکمہ ان لایختلف** یہاں حکمہ کی ضمیر مبنی کی قسم ثانی کی طرف راجع ہے اور یہ حکم اس اسم مبنی کا ہے کہ جو مبنی اصل کے مناسب اور مشابہ ہے ورنہ اگر یہ حکم مبنی کی دونوں قسموں کا ہوگا تو لازم آئیگا کہ وہ اسم جو عدم ترکیب کے سبب سے مبنی ہے ترکیب کے بعد بھی مبنی رہیگا حالانکہ وہ ترکیب کے بعد معرب ہوتا ہے کما مر مصنفؒ نے باختلاف العوامل اس وجہ سے کہا ہے کہ مبنی کا آخر بلا اختلاف عوامل کے مختلف ہو جاتا ہے جیسے من الرجل من الرجلین من زیدان اشتہ میں من جو کہ استفہامیہ ہے مبنی ہے اور مختلف ہو رہا ہے لیکن عوامل کے اختلاف سے مختلف نہیں ہو رہا ہے اس وجہ سے یہ مبنی ہے معرب نہیں ہے حاصل یہ کہ اگر قید عوامل نہ زائد کی جاتی تو مبنی پر کلمہ مبنی صادق نہیں آتا ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس قید کا اضافہ کر دیا **قولہ حرکاتہٗ** یعنی مبنی کی حرکتیں مبنی کی حرکتوں کو القاب سے بھی تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ صاحب کافیہ نے تعبیر کیا ہے چنانچہ کہا ہے والقاب اور معرب کی حرکات کو انواع سے تعبیر کرتے ہیں اسکی تحقیق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں معرب کی حرکات کو انواع سے کیوں تعبیر کرتے ہیں اور مبنی کی حرکات کو القاب سے کیوں تعبیر کرتے ہیں ۱۲

تسمّی ضمًّا وفتحًا وکسرًا وسکونًا وقفًا وھو علی ثمانیۃ انواعِ المضمراتُ واسماءُ الاشاراتِ والموصولاتُ واسماءُ الافعالِ والاصواتُ والمرکباتُ والکنایاتُ و بعضُ الظروفِ فصلُ المضمرِ اسمٌ وُضِعَ لیدلَّ علی متکلّمٍ او مخاطَبٍ او غائبٍ تقدم ذکرہ لفظًا او معنی او حکمًا وھو علی قسمین

قولہ تسمی ضما ضم کو ضم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ضم کے معنے ملنے کے آتے ہیں اور اسکا حصول دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ہوتا ہے۔ اور فتح کو فتح اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے تلفظ کیوقت میں منہ کھل جاتا ہے اور فتح کے معنے کھلنے کے ہیں اور کسر کو کسر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے تلفظ کیوقت میں لب زیرین سکڑ ہو جاتا ہے اور مبنی کے سکون کو وقف کہتے ہیں چونکہ نفس اسکے تلفظ کیوقت یعنی ٹھہر جاتا ہے۔ مبنی کی حرکات کا ان مخصوص القاب کیساتھ نام رکھنا ابصریوں کے نزدیک ہے کوفی معرب کی حرکات کا اطلاق مبنی کی حرکات پر کرتے ہیں اور مبنی کی حرکات کا اطلاق معرب کی حرکات پر کرتے ہیں یعنی ان کے یہاں اطلاق میں تخصیص نہیں ہے جاننا چاہیے کہ مصنف نے حرکات المبنی اسوجہ سے کہا ہے کہ وہ حرف جن پر کوئی اسم مبنی ہوتا ہے جیسے مثلاً یا زیدان میں الف اور لا رجلین میں یا۔ انپر ضم اور فتح وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور متقدمین کے خلاف ہیں جو اطلاق آیا ہے وہ مجازاً ہے۔ **قولہ وھو علی ثمانیۃ** الخ ضمیر ھو اسم مبنی کیطرف راجع ہے خواہ وہ اسم غیر مرکب ہو یا غیر مشابہ مبنی الاصل ہو اور اسم مشابہ مبنی الاصل فقط کیطرف راجع نہیں ہے لہذا اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اسم مبنی مطلقاً آٹھ قسموں پر ہے اور ضمیر مطلق اسم مبنی کیطرف اسوجہ سے راجع ہے کہ اگر اسم مشابہ مبنی الاصل کی طرف راجع کی جاوے تو اصوات اقسام سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ان اقسام میں داخل ہیں اور ان کی بنا مشابہت کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ انکی بنا غیر کیساتھ مرکب نہ ہونیکی بنا پر ہے اور ان آٹھ قسموں میں ضبط کیوجہ یہ ہے کہ اسم مبنی کی بنا یا عدم ترکیب ہے یا مبنی الاصل کیساتھ مشابہت ہے اول صورت کیونکہ بعض اصوات غیر مرکب ہیں جیسے غاق اور بعض اگرچہ مرکب ہوتے ہیں مگر وہ بھی غیر مرکب سے حکایت ہیں اور جو اسم مبنی کی مشابہت کیوجہ سے مبنی ہے یا وہ اسمی کیساتھ مشابہ ہے یا امر کے یا حرف کے اول اور ثانی اسما افعال یعنی ثالث یعنی اسم مبنی مشابہ بالحروف یا مشابہ من حیث الصورۃ ہے یعنی حرف کے طریقہ پر موضوع ہے یا من حیث المعنے مشابہ ہے اول کنایات ہیں جیسے کم کذا وغیرہ اور ثانی یا حرف کے معنے کو شامل ہیں یا احتیاج میں حرف کے مناسب ہیں اول مرکبات ہے اور ثانی یا جملہ کیطرف محتاج ہے یا مبنی اول موصولات ہیں اور ثانی یا محتاج الیہ اسمیں مذکور ہے یا نہیں ثانی ظروف ہیں اور اول یا محتاج الیہ اسمیں باشارہ حسیہ ہے یا بالتعریف مخاطب متکلم وغیبت اول اسمار اشارات اور ثانی مضمرات اگر کوئی کہے کہ اصوات اسمار نہیں ہیں کیونکہ معانی کیواسطے موضوع نہیں بلکہ طبعاً معانی پر دال ہیں پھر اسکو اسم مبنی کے اقسام میں کیسے شامل کر دیا جواب یہ ملحق باسماء ہیں چونکہ ان سے اسطرح فائدہ حاصل ہوتا ہے جس طرح اسمار سے اسوجہ سے انکے ساتھ اسم مبنی کا معاملہ کیا گیا اسکے بعد جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے اسم اسوجہ سے کہا تاکہ اس سے کاف خطاب جو ذالک اور ذینک وغیرہ میں ہے خارج ہو جائے اس لئے کہ یہ حرف ہے اور قولہ لیدل میں متکلم اور مخاطب اور غائب پر دلالت کرنیکے یہ معنے ہیں کہ یہ دلالت باعتبار مادہ ہو نہ باعتبار صیغہ پس لفظ متکلم اور لفظ مخاطب جو متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں تعریف سے خارج رہیں گے اسلئے کہ یہ ان پر باعتبار صیغہ دلالت کرتے ہیں نہ باعتبار مادہ یا کہا جائے کہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرنیکے یہ معنی ہیں کہ یہ دلالت بر سبیل کنایہ ہو پس لفظ متکلم اور مخاطب تعریف سے خارج رہیں گے کیونکہ یہ اگرچہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں لیکن بر سبیل کنایہ دلالت نہیں کرتی اسوجہ سے انکے ساتھ اسم مبنی کا معاملہ کیا گیا۔ **قولہ الاصوات** یہ یا تو بنا بر بدل مجرور ہوگا یا اس بنا پر کہ یہ اسمار پر معطوف ہے۔ مرفوع ہوگا اور الاصوات جو اس بنا پر کہ وہ الافعال پر معطوف ہے صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ بحث اصوات کے شروع میں مصنفؒ نے الاصوات فرمایا ہے نہ اسمار الاصوات **قولہ بعض الظروف**۔ یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے ظروف کے ساتھ بعض کا لفظ کیوں زائد کر دیا جواب چونکہ اکثر اسمار ظروف مبنی نہیں ہیں اسوجہ سے مصنف بیان واقع کیلئے لفظ بعض کا اضافہ کر دیا اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اسمار موصولہ جیسے اتی وآیۃ اور بعض اسمار کنایات جیسے فلان فلانۃ بھی مبنی نہیں ہیں لہذا ان کو بھی بعض کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا جواب مصنف نے بعض کی قید کو یہاں پر اسوجہ سے ترک کر دیا کہ للاکثر حکم الکل ہوتا ہے لہذا جب اکثر مبنی ہیں تو گویا کل مبنی ہیں لیکن مصنفؒ کو مناسب تھا کہ بعض المرکبات فرماتے اسلئے کہ مرکبات دو قسم پر ہیں ایک مبنی جیسے احد عشر اور ثلثۃ عشر وغیرہ دوسرے معرب جیسے لعلیک **فائدہ** جاننا چاہیے کہ اسمار اشارہ اور اسمار موصولہ کو باوجودیکہ وہ معرفہ کی اقسام میں سے ہیں مبہمات کہتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ اسم اشارہ کسی چیز کی طرف اشارہ کے بغیر مخاطب کے نزدیک مبہم ہے **قولہ المضمر**۔ یہ اضمار بمعنے پوشیدہ رکھنے سے ہے مصنفؒ نے اسکو تمام مبہمات پر اس لیے مقدم کیا کہ اس کے تمام افراد بغیر کسی اختلاف کے مبنی ہیں اور اسکے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ احتیاج میں حروف (جو مبنی الاصل ہیں) کی طرف مشابہ ہیں حروف اپنے معنے پر دلالت کرنے میں متعلق کے محتاج ہیں اور ضمیر اگر غائب کی ہے تو تقدیم ذکر کی طرف محتاج ہے جیسے ضرب زید غلامہ میں اور اگر ضمیر متکلم یا مخاطب کی ہے تو تکلم اور خطاب کیطرف محتاج ہے۔ **قولہ اسم وضع** الخ یعنی مضمرہ اسم ہے کہ جس کو متکلم کے لئے یا مخاطب کیلئے یا اس غائب کے لیے کہ جس کا ذکر پہلے لفظاً یا معنًا یا حکمًا ہو چکا ہے پھر دلالت کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہو پس قولہ تقدم ذکرہ غائب کی صفت ہے (باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

متصل وهو ما لا يستعمل وحده اما مرفوع نحو ضربت الى ضربن او منصوب نحو ضربني الى ضربهن واتى الى انهن او مجرور نحو غلامي ولي الى غلامهن ولهن ومنفصل وهو ما يستعمل وحده اما مرفوع نحو انا الى هن او منصوب نحو اياى الى اياهن فذلك ستون ضميرا واعلم ان المرفوع المتصل خاصة يكون ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸) اور قولہ لفظاً اور معناً اور حکماً یہ اس کے ذکر یعنی مرجع کی تفصیل ہے لفظاً سے مراد یہ ہے کہ مرجع مطابقتہ مذکور ہو جیسے زید ضربتہ اور معناً سے مراد یہ ہے کہ وہ تضمناً یا التزاماً مذکور ہو اول کی مثال جیسے احد ابوا ہو اقرب للتقوی۔ اور ثانی کی مثال جیسے ولابویہ لکل واحد منہما السدس اسلئے کہ ذکر میراث کا وارث پر التزاماً دلالت کرتا ہے اور تقدم حکمی ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں ہوتا ہے مثل ہو اللہ احد اور حکمی انہا امرۃ صالحۃ پھر ضمیر شان وہ ضمیر ہے کہ جس کو بلا مرجع کے ذکر کیا جاتا ہے جبکہ کسی چیز کی عظمت اور فخامت کا بیان مقصود ہوتا ہے اور اسکی تفسیر اس کے بعد سے کی جاتی ہے اور یہ ہی حال ضمیر قصہ کا ہے مگر فرق یہ ہے کہ ضمیر شان مذکر اور ضمیر قصہ ضمیر مونث ہوتی ہے اور اگر کوئی کہے کہ جب اس ضمیر کا مرجع اس سے پہلے مذکور نہیں ہوتا تو اس کے لانے سے کیا فائدہ ہے جواب یہ ہے کہ جب ضمیر کو بلا مرجع کے ذکر کریگے تو سامع کو طلب اور شوق اس کے مرجع کا پیدا ہوگا پھر وہ جب طلب اور شوق کے بعد اسکی تفسیر کو پائیگا تو وہ واقع انفس ہو جائیگا اسکے بعد جاننا چاہیے کہ مصنف نے اسم اسوجہ سے کہا کہ اس سے لفظ خطاب جو ذالک اور ذینک وغیرہ ہیں خارج ہو جائے اسلئے کہ یہ حرف ہے قولہ لبدل یعنی متکلم اور مخاطب اور غائب پر دلالت کرنے کے معنی ہیں باعتبار مادہ ہونے باعتبار صیغہ پس لفظ متکلم اور لفظ مخاطب جو متکلم اور مخاطب کی دلالت کرتے ہیں تعریف سے خارج ہیں اسلئے کہ یہ اس پر باعتبار صیغہ دلالت کرتے ہیں نہ باعتبار مادہ کہا جائے کہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ دلالت بر سبیل کنایہ ہو پس لفظ متکلم اور مخاطب تعریف سے خارج رہیں گے کیونکہ یہ اگرچہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں لیکن بر سبیل کنایہ دلالت نہیں کرتے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ متصل** ۔ یہ سارا اعراب کیا ساتھ یعنی اس کو مرفوع اور مجرور اور منصوب ہر تینوں طریقوں پر پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بار بار گذرا اور منفصل کا اسپر عطف ہے اسوجہ سے اسکو متصل کیطرح ہر سہ طریقہ پر پڑھیں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ضمیر دو قسم پر ہے متصل اور منفصل ضمیر متصل وہ ہے کہ جو بذاتہ غیر مستقل ہو یعنی اس کا تلفظ بقاعدہ لغت بدون ملائے کلمہ سابق کے اور بدون ملائے ہوئے عامل نہ ہو سکتا ہو جیسے مربی میں یا اور ضمیر منفصل وہ ہے جو بذاتہ مستقل ہو کہ اسکا تلفظ بدون لائے کلمہ سابق کے بقاعدہ لغت کر سکتے ہوں جیسے ہو ہی وغیرہ مصنف کی عبارت مالا یستعمل وحدہ اور یا یستعمل وحدہ کا یہ ہی مطلب ہے اس عبارت میں وحدہ منفرداً کی تاویل میں ہو کر ضمیر لا یستعمل اور یستعمل محل یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور وہ جملہ ہو کر حال ہے۔ **قولہ اما مرفوع**۔ یعنی ضمیر متصل مرفوع اور منصوب اور مجرور تینوں قسم کی ہوتی ہیں اور ضمیر منفصل دو قسم کی ہوتی ہے مرفوع اور منصوب اور مجرور نہیں ہوتی چونکہ اس ضمیر میں اتصال ہے اور مانع اتصال سے ضمیر مجرور میں کوئی چیز نہیں ہے لہذا وہ ہمیشہ متصل ہوگی اور منفصل نہ ہوگی۔ لہذا کل ضمیر کی پانچ قسمیں ہوئیں اور احتمال عقلی کے اعتبار سے ہر قسم کی اٹھارہ اٹھارہ ضمیریں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ فاعل اٹھارہ قسم پر ہے لہذا کل ضمیریں ۹۰ ہوئیں جن سے بعض بوجہ اشتراک ساقط ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ضمیر مرفوع وہ ضمیر ہے جو حالت رفع میں واقع ہو یہ دو قسم پر ہے متصل اور منفصل ضمیر مرفوع متصل یہ ضمیر ہمیشہ فعل معروف کا فاعل ہوتی ہے یا فعل مجہول کا نائب فاعل۔ کی تفصیل یہ ہے کہ صیغہ واحد غائب میں ایک لفظ پوشیدہ ہوتا ہے جس کو تعبیر ہو سے کیا جاتا ہے جس وقت کہ فاعل مظہر نہ ہو ایسے ہی واحد مونث غائب میں اس کو ہی سے تعبیر کرتے ہیں تثنیہ مذکر غائب کے لیے الف ہے اور جمع مذکر غائب کیلئے واؤ تثنیہ مونث غائب کے لیے بھی الف اور جمع مونث غائب کے لیے نون مفتوحہ اور واحد مذکر حاضر کے لئے تاء مفتوحہ اور تثنیہ مذکر حاضر اور تثنیہ مونث حاضر کے لئے تما ہے اور جمع مذکر حاضر کے لئے تم اور واحد مونث حاضر کے لیے ت مکسور اور جمع مونث حاضر کے لیے تن اور واحد متکلم کے لیے تاء مضموم اور جمع متکلم کیلئے نا جیسا کہ ماضی معروف اور مجہول کی گردان پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور مضارع واحد مذکر غائب اور واحد مونث غائب اور واحد مذکر حاضر اور واحد متکلم اور جمع متکلم میں ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے جن کو علی الترتیب ہو ہی انت نحن سے تعبیر کرتے ہیں تثنیہ مذکر غائب اور تثنیہ مونث و مذکر حاضر اور تثنیہ مونث غائب میں الف اور جمع مذکر غائب اور حاضر میں واؤ اور جمع مونث غائب و حاضر میں نون مفتوحہ اور واحد مونث حاضر میں یاء جس کا ماقبل مکسور اصل کے اعتبار سے ہے حاصل یہ کہ ضمیر مرفوع متصل ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ہوتی ہے اور مبتدا یا خبر یا فاعل سے بدل یا تاکید فاعل نہیں ہوتی ہے بخلاف مرفوع منفصل کے کہ وہ مبتدا اور خبر اور بدل اور تاکید وغیرہ فاعل یا نائب سے ہوتی ہے وہ ضمیر منصوب وہ ضمیر ہے جو حالت نصب میں واقع ہو۔ خواہ مفعول فعل ہو یا حرف خواہ متصل ہو یا منفصل گردان کتاب میں مذکور ہے۔ اور ضمیر مجرور وہ ضمیر ہے (باقی بر صفحہ ۱۱۰ پر)

مستترًا فی الماضی للغائب والغائبة کضرب ای هو وضربت ای هی و فی المضارع المتکلم مطلقًا نحو اضرب ای انا ونضرب ای نحن وللمخاطب کتضرب ای انت وللغائب والغائبة کیضرب ای هو وتضرب ای هی و فی الصفة اعنی اسم الفاعل والمفعول و غیرهما مطلقًا ولا یجوز استعمال المنفصل الا عند تعذر المتصل کایاک نعبد و وما ضربک الا انا و انا زید وما انت الا قائمًا

جو حالت مجرور میں واقع ہو یہ فقط متصل ہوتی ہے کبھی یہ اسم کا مضاف الیہ ہوتی ہے اور کبھی اس پر حرف جر داخل ہوتا ہے۔ لیکن اسکی بھی کتاب میں مذکور ہے نیز جاننا چاہیئے کہ نحویوں کے نزدیک ضمیر متکلم اعرف المعارف ہونیکی وجہ سے ضمیر مخاطب پر مقدم ہے اور وہ ضمیر غائب پر مقدم ہے بخلاف صرفیوں کے کہ ان کے یہاں ضمیر غائب تمام ضمائر پر مقدم ہے پھر ضمیر مخاطب کا درجہ ہے پھر ضمیر متکلم کا جیسا کہ صرف نحو کی ابتدائی کتابوں میں مذکور ہے

نقشہ ضمائر سنون

	واحد مذکر غائب	واحد مؤنث غائب	جمع مذکر غائب	جمع مؤنث غائب	واحد مذکر حاضر	واحد مؤنث حاضر	جمع مذکر حاضر	جمع مؤنث حاضر	واحد متکلم مع غیر	جمع متکلم مع غیر	واحد متکلم	جمع متکلم
مرفوع متصل	ضربت ت اضرب مستتر	ضربت ت تضرب مستتر	ضربا ا یضربان ا	ضربا ا تضربان ا	ضربت ت تضرب مستتر	ضربت ت تضربین ی	ضربتم تم تضربون و	ضربتن تن تضربن ن	ضربنا نا نضرب مستتر	ضربنا نا نضرب مستتر	ضربت ت اضرب مستتر	ضربن ن نضرب مستتر
مرفوع منفصل	هو	هی	هما	هما	انت	انت	انتم	انتن	نحن	نحن	انا	نحن
منصوب متصل	ضربه ه	ضربه ه	ضربهما هما	ضربهما هما	ضربک ک	ضربک ک	ضربکم کم	ضربکن کن	ضربنا نا	ضربنا نا	ضربنی نی	ضربنا نا
منصوب منفصل	ایاه	ایاه	ایاهما	ایاهما	ایاک	ایاک	ایاکم	ایاکن	ایانا	ایانا	ایای	ایانا
مجرور متصل	له ه	له ه	لهما هما	لهما هما	لک ک	لک ک	لکم کم	لکن کن	لنا نا	لنا نا	لی نی	لنا نا

قولہ مستتر الخ۔ جاننا چاہیئے کہ ضمیر مرفوع ہر بارز اور مستتر بارزہ ہو یا مستترہ ہو اور مستترہ تین قسم ہے جو حقیقۃً ملفوظ ہو اور مستترہ تقدیرًا یعنی اسکی کیلئے وقت میں کوئی لفظ نہ ہو بلکہ وہ لفظ حکمی ہوتا ہے جاننا چاہیئے کہ ضمیر مستتر محض ضمیر متصل ہوتی ہے اور منفصل نہیں ہوتی مصنف رحمہ اللہ یہاں سے بتانا چاہتا ہے کہ ضمیر متصل کون کونسے صیغوں میں مستتر ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ ماضی ضمیر متصل ماضی کے صیغہ واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائبہ میں جبکہ وہ دونوں کسی اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہوں مستتر ہوتی ہے جیسے زید ضرب و ہند ضربت اور مضارع متکلم کے صیغوں میں مطلقًا مستتر ہوتی ہے خواہ واحد ہو یا زید مذکر یا مؤنث اور مضارع غائب مذکر میں اور مضارع غائبہ میں مستتر ہوتی ہے جیسے زید یضرب و ہند تضرب اسی طرح ضمیر مرفوع متصل جبکہ وہ اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہو صیغہ صفت میں مطلقًا مستتر ہوتی ہے خواہ وہ اسم فاعل ہو یا اسم مفعول یا صفت مشبہ یا اسم تفضیل اور خواہ مذکر ہو یا مؤنث یا واحد یا زائد ہو جو صفت اگر اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہو جیسے اقائم الزیدان اور اگر کوئی کہے کہ ان خذ بان میں اور عجاب ضاربون میں ضمیر پس صفت میں مطلقًا ضمیر مستتر نہ ہوا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو ضمیر کہنا درست نہیں اسلئے کہ ضمیر مستتر نہیں ہوتی اور یہ دونوں مستتر ہوتے ہیں قولہ ولا یجوز استعمال الخ۔ یعنی ضمیر منفصل کا استعمال جائز نہیں ہے مگر جبکہ ضمیر مستتر کا لانا متعذر ہو اسلئے کہ ضمیر کو اختصار کیلئے وضع کیا ہے اور متصل منفصل سے اختصار میں اکمل ہے قولہ ایاک نعبد مصنف نے ان الفاظ سے وجوہ تعذر کی طرف اشارہ کرتا ہے لہذا ایاک نعبد سے اشارہ کرتا ہے کہ تعذر کبھی تو ضمیر کو بقصد حصر کے عامل پر مقدم کر دیتے ہوتا ہے جیسے ایاک نعبد میں کہ اگر ضمیر اسکے عامل کیساتھ متصل کیا جاوے اور تقدیم کو چھوڑ دیا جائے تو حصر منصوص فوت ہو جائیگا قولہ وما ضربک الا انا الخ۔ اسی دوسری وجہ کو بیان کرتا ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ کبھی تعذر متصل کا ضمیر اور اسکے عامل میں فصل ہونیکی وجہ سے ہوتا ہے بخلاف فصل کی غرض کیلئے ہو جیسے وما ضربک الا انا اسلئے کہ اگر ضمیر عامل سے متصل ہوگی تو غرض فوت ہو جائیگی قولہ انا زید الخ اس سے تیسری وجہ کیطرف اشارہ کرتا ہے یعنی کبھی تعذر متصل کا اسلئے ہوتا ہے کہ عامل حرف معنی ہے اس وقت اتصال متمنع ہے قولہ وما انت الا قائمًا۔ اس سے چوتھی وجہ کیطرف اشارہ کرتا یعنی کبھی تعذر متصل کا اسلئے ہوتا ہے کہ عامل حرف ہے اور ضمیر مرفوع ہے اور ضمیر مرفوع کا اتصال حرف کے ساتھ متعذر رہتا ہے ٭ ٭ ٭

واعلم انّ لهم ضميرًا يقعُ قبلَ جملةٍ تفسره ويُسمّى ضميرَ الشان في المذكر وضمير القصّةِ في المؤنثِ نحو قُل هُوَ اللهُ احدٌ وانها زينبُ قائمةٌ ويدخل بين المبتداء والخبر صيغةٌ مرفوعٌ منفصلٌ مطابقٌ للمبتدأ اذا كان الخبر معرفةً او افعل من كذا يُسمّى فصلًا لانهٗ يفصِلُ بين الخبر والصّفةِ نحو زيدٌ هو القائمُ وكان زيدٌ هو افضلُ من عمرٍو وقال الله تعالى كنتَ انت الرّقيبَ عليهم فصلٌ اسماءُ الاشارةِ ما وُضِعَ ليدُلَّ على مُشارٍ اليهِ وهي خمسةُ الفاظٍ لستّةِ معانٍ وذلك ذا للمذكرِ

قولہ اعلم ان لہم ضمیرا ہم کا مرجع یا تو اہل ہیں یا اہل عرب حاصل مسئلہ یہ ہے کہ جملہ اسمیہ اور فعلیہ سے پہلے ایک ضمیر غائب کی ہوتی ہے اس کو ضمیر شان اور قصہ کہتے ہیں اور یہ ضمیر اگر مذکر ہو تو ضمیر شان ہے جیسے ہو زید قائم اور قل ہو اللہ احد اور اگر مؤنث ہو تو ضمیر قصہ ہے جیسے انہا زینب قائمۃ اس ضمیر غائب کی تفسیر اسکے بعد والے جملہ سے ہوتی ہے اور جائز چاہیے کہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی بارزیعنی اور مستتر بھی علی حسب العوامل پس اگر عامل انفصال کو مقتضی ہو بایں طور کہ ضمیر مذکور کا عامل معنوی ہو تو ضمیر منفصل ہوگی اور اگر عامل اتصال کو مقتضی ہو بایں طور کہ اگر اس کا عامل لفظی ہو تو ضمیر مذکور متصل ہوگی اور عامل استتار ضمیر کی صلاحیت رکھتا ہے تو ضمیر مستتر ہوگی ورنہ بارز **قولہ ویدخل بین المبتدا الخ** یعنی مبتدا اور خبر کے درمیان صیغہ مرفوع متصل کا واقع ہوتا ہے جو افراد و تثنیہ و جمع و تذکیر و تانیث متکلم و خطاب و غیبت میں مبتدا کے مطابق ہوتا ہے فائدہ مصنف نے ضمیر مرفوع مذکر اور صیغہ مرفوع متصل کہا اسلئے کہ بعض اس کو نسبت ضمیر منفصل پر دلالت کرنیکی وجہ سے حرف کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ اسم ہے پس مصنف نے اس میں توقف کیا اور دونوں مذہبوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی **قولہ اذا کان** چونکہ صیغہ مرفوع متصل کے مبتدا اور خبر کے درمیان لانا چونکہ شرط کیساتھ مشروط ہے تو مصنف اذا کان سے اس شرط کو بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ صیغہ مرفوع منفصل لانیکی شرط یہ ہے کہ خبر یا تو معرفہ ہو اسلئے کہ اگر نکرہ ہوگی تو خبر اور نعت کے درمیان التباس نہ ہوگا کہ اسکے ازالہ کیلئے صیغہ مرفوع منفصل لانیکی ضرورت ہو یا خبر اسم تفضیل مستعمل بمن ہو اسلئے کہ یہ بھی حکم میں معرفہ کی ہے پس دونوں صورتوں میں صیغہ مذکور لانے کی ضرورت ہے تاکہ خبر کے ساتھ ملتبس نہ ہو مصنف کے قول افعل من کذا سے مراد وہ اسم تفضیل ہے جس کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے **قولہ یسمی فصلا** یعنی اس صیغہ کا نام فصل ہے جسکے معنی فرق کے ہیں چونکہ اس کے لانے سے خبر اور نعت کے درمیان فرق ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نام رکھدیا۔ کوفیہ اس کو عماد کہتے ہیں چونکہ عماد کی طرح اپنے مابعد کو خبر ہونے کیلئے محافظ ہے **قولہ نحو زید الخ**۔ مصنف امثلہ متعدد لا کر اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس صیغہ کا داخل ہونا دو طرح پر ہے ایک عوامل لفظی کے داخل ہونے سے پیشتر جیسے زید ہو القائم دوسرے عوامل لفظی کے داخل ہونیکے بعد اسکی درشان یا یا ہے ایک اسم تفضیل کی اور ایک معرفہ خبر کی یا ثالث مثال مزید توضیح یا بترک کیلئے کہی جائے **قولہ ما وضع** یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ پر دلالت کرنے کے واسطے وضع کیا گیا اس میں کلمہ ما جنس ہے اور لیدل الخ فصل ہے اس سے محدود کے ماسوائے اسمار تعریف اسم اشارہ سے خارج ہوگئی سوال لیدل علی مشار الیہ سے محدود کے سوائے تمام اسمار اسوقت خارج ہوتے ہیں جب کہ مشار الیہ سے مراد اصطلاحی معنے ہوں لیکن اس وقت دور لازم آتا ہے اور اگر اس سے لغوی معنے مراد ہوں تو یہ تعریف درست نہیں رہتی ہے کیونکہ ضمیر غائب اور لام ذہنی اس میں داخل ہو جاتے ہیں جواب اول مراد ہے اور یہ تعریف لفظی ہے اور تعریف لفظی معرف سے اعلی لفظ کے ساتھ کرنا درست ہے اور اگر ثانی مراد ہیں تب بھی تعریف درست رہتی ہے چونکہ یہاں پر قید حیثیت کا اعتبار کر لیا جائیگا کیونکہ ضمیر غائب اگرچہ مشار الیہ بمعنے لغوی کے واسطے موضوع ہے لیکن وہ مراد اس سے نہیں ہوتا بلکہ اسکے ساتھ غائب تقدم ذکرہ سے کنایہ کیا جاتا ہے جیسے ہو مشار الیہ سے مراد باشارۃ مشار الیہ حیثیت ہے بھی اس سے مشار الیہ کی طرف جوار اور اعتقاد سے اشارہ ہوا اور ضمیر غائب لام ذہنی سے اشارہ ان کے مرجع کی طرف . . . . . .

. . . . . ہے اشارہ ذہنیہ ہوتا ہے اعتبار ذلکم اللہ اس میں اشارہ حسیہ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ یہاں اشارہ ذہنیہ ہے لہذا تعریف درست نہیں اور یہ جواب مذکور غلط ہے جواب یہ مجاز پر محمول ہے اس میں غیر محسوس کو محسوس مشاہد کے منزلہ قرار دیا ہے۔ رہا یہ امر کہ اسم اشارہ مبنی کیوں ہوتا ہے تو اس کی تو وجہ یہ ہے کہ بعض اسمار اشارہ کی وضع چونکہ حروف کی وضع کے مانند ہے جیسے ذا لہذا جو حروف کی وضع پر نہیں وہ ان پر محمول ہیں اسوجہ سے سب مبنی ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حروف کے ساتھ مشابہ ہیں بلکہ جس طرح سے حروف محتاج ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی قرینہ اشارہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ **قولہ خمسۃ الفاظ**۔ مصنف کہتا ہے کہ اسمار اشارات کل پانچ لفظ ہیں چھ معنوں کے واسطے کیونکہ مشار الیہ یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہر صورت میں تین حال سے خالی نہیں یا تو مفرد ہے یا مثنی یا مجموع تو یہ کل چھ معنے ہوئے لیکن اولا جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں مشترک ہیں اسوجہ سے پانچ لفظ چھ معنوں کے واسطے ہو گئے **قولہ ذا للمذکر** یعنی ذا مشار الیہ واحد مذکر کیلئے موضوع ہے کوفی کہتے ہیں کہ اصل میں مفرد مذکر کیواسطے اسم اشارہ فقط ذال ہے۔ الف زیادہ کر دیا گیا۔ اور اخفش کہتا ہے کہ ذی بالتشدید ہے۔ لام کو حذف کر دیا (باقی بر صفحہ ۱۱۲ پر)

وذَانِ وذَيْنِ لمثنّاه وتَا وتِي وذِي وتَه وذِه وتِهي وذِهي للمؤنث وتَانِ وتَيْنِ لمثنّاه
وأُولاء بالمدّ والقصر لجمعهما وقد يلحق بأوائلها هاء التنبيه نحو هٰذا وهٰذانِ و
هٰؤُلاءِ ويتّصل بأواخرها حرف الخطاب وهو أيضاً خمسة ألفاظ لستّة معانٍ نحو ذٰلِكَ
كُمَا كُمْ ذٰلِكُنَّ فذٰلِكَ خمسة وعشرون الحاصل من ضرب خمسة في خمسة وهي ذاكَ الى ذاكُنَّ
وذٰلِكَ الى ذاكِنَّ وكذٰلِكَ البواقي واعلم انّ ذا للقريب وذٰلِكَ للبعيد وذاكَ للمتوسّط۔

لہذا ذی رہ گیا جیسے کے پھر یا کو الف سے بدلدیا تاکہ حرف کی صورت نکل جاوے بعض کہتے ہیں کہ ذا کی اصل ذوی ہے۔ عین کے فتح کے ساتھ اس اصل پر یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ عین اور لام دونوں کی جگہ یا کے ہونے سے عین کی واؤ اور لام کی جگہ یا کا ہونا زیادہ ہے اسکے بعد لام کلمہ یعنی ی کو حذف کر دیا اور عین کلمہ یعنی واؤ کو الف سے بدلدیا چونکہ واؤ متحرک ہے اور اسکا ماقبل مفتوح ہے لہذا ذا ہو گیا **قولہ ذان ذین لمثناہ** یعنی ذین مشار الیہ مثنیٰ مذکر کے واسطے ہے۔ ذان حالتِ رفع میں آتا ہے اور ذین حالتِ نصب اور جر میں آتا ہے۔ اسمیں اختلاف ہو رہا ہے۔ کہ یہ معرب ہیں یا مبنی بعض کہتے ہیں کہ یہ معرب ہیں چونکہ ذان کا الف حالت نصب اور جر میں یا سے بدل جاتا ہے جس طرح پر کہ مثنیٰ اسماء بدلتے ہیں اور بعض انکو مبنی کہتے ہیں چونکہ بنا رعلت انمیں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ زجاج تو تمام اسماء مثنیٰ کو مبنی کہتا ہے اور علت بیان کرتا ہے کہ تمام اسماء مثنیٰ حرف کے معنی کو شامل ہیں جیسے زیدان کہ اصل میں زید و زید تھا جاننا چاہیے کہ حق یہ ہے کہ ذان اور ذین کا اختلاف عوامل کے اختلاف کے سبب سے نہیں ہے بلکہ ذان تثنیہ مرفوع کے واسطے موضوع ہے۔ اور ذین تثنیہ منصوب و مجرور کیواسطے موضوع ہے اور ان کا معرب کی صورت پر واقع ہونا اتفاقی ہے اعراب کے نقصان کی وجہ سے نہیں ہے بعض صفت میں تینوں حالتوں میں ذان ہی آتا ہے اسی سے قولہ تعالیٰ ان ھذان لساحران کو کہا ہے۔ **قولہ تا وتی الخ** جاننا چاہیے کہ واحد مؤنث کیطرف اشارہ کرنیکے واسطے کئی لفظ موضوع ہیں جنکو کتاب میں شمار کرایا ہے لیکن انمیں سے اصل کونسا ہے۔ اسمیں اختلاف ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ ذی اصل ہے کیونکہ یہ ذا جو واحد مذکر کیلیے آتا ہے اسکے مقابلہ میں آتا ہے اور بعض تا کو اصل قرار دیتے ہیں کیونکہ مثنیٰ اسی کو بناتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں اصل ہیں نہ ذا اور یا کو واؤ سے بدل دیا ہے اور ذی اور تی میں الف اور یا کو ہاء سے بدلنے کے بعد یا تحتانیہ مزید لگیگی ہے **قولہ اولاء الخ** دو طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی مد اور قصر کے ساتھ اگر مد کو مقصور پڑھتے ہو تو ہا کے ساتھ ملحق اور اگر مقصور پڑھتے ہو تو ہا کے ساتھ پڑھو جیسے ھٰذا اور یہ جمع کے واسطے آتا ہے خواہ وہ جمع مذکر ہو یا مؤنث خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل **قولہ وقد یلحق باوائلہا ہاء التنبیہ** یعنی اسماء اشارہ کے اول میں ہا تنبیہ داخل کر دیتے ہیں اسلیے کہ اشارہ سے مقصود مخاطب کو تنبیہ کرنا ہے پس ہا تنبیہ کو اسکے اول میں لایا جاتا ہے تاکہ مخاطب مقصود سے غافل نہ ہو جیسے ھٰذا ھٰذان ھٰذین ہا تا تان ہا تین ہولا رجانا چاہیے کہ لحوق سے مراد مصنف کی یہاں پر دخول ہے بر سبیل مجاز کیونکہ لحوق کے معنے آخر میں ذکر کیے ہیں۔ **قولہ ویتصل باواخرہا** یعنی اسماء اشارہ کیساتھ حروف خطاب بھی متصل ہوتے ہیں تاکہ وہ مخاطب کے مفرد اور تثنیہ اور جمع اور مذکر اور مؤنث ہونے پر دلالت کرے اور یہ حرف خطاب کاف ہے اسکے حرف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اسم ظاہر کا اسکی جگہ میں واقع ہونا ممتنع ہے اگر یہ اسم ہوتا تو اسم ظاہر کا اسکی جگہ میں واقع ہونا درست ہوتا دوسرے اسوجہ سے کہ یہ مستقل بالمفہوم نہیں ہے۔ چنانچہ ذاک ترجمہ یہ ہے اور ذلک ترجمہ ہے **قولہ وہی ایضاً خمسۃ الفاظ** یعنی حروف خطاب پانچ لفظ ہیں چھ نہیں کیونکہ قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ حروف خطاب چھ لفظ ہوتے ہیں مگر چونکہ کی تثنیہ مذکر و مؤنث دونوں کیلیے آتا ہے تو اس وجہ سے کل پانچ لفظ رہ گئے۔ ک مفرد مذکر کیلیے اور کما مثنیٰ مذکر و مؤنث کیلیے اور کم جمع مذکر کیلیے اور کن جمع مؤنث کیلیے اور اسماء اشارہ بھی پانچ ہیں لہذا پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے پچیس قسمیں ہوئیں جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہے۔

اقسام مشار الیہ / اقسام کاف	جبکہ مخاطب واحد مذکر ہو	جبکہ مخاطب تثنیہ مذکر و مؤنث ہو	جبکہ مخاطب جمع مذکر ہو	جبکہ مخاطب واحد مؤنث ہو	جبکہ مخاطب جمع مؤنث ہو
جبکہ مشار الیہ واحد مذکر ہو	ذاک	ذاکما	ذاکم	ذاک	ذاکن
جبکہ مشار الیہ تثنیہ مذکر ہو	ذانک	ذانکما	ذانکم	ذانک	ذانکن
جبکہ مشار الیہ واحد مؤنث ہو	تاک	تاکما	تاکم	تاک	تاکن
جبکہ مشار الیہ تثنیہ مؤنث ہو	تانک	تانکما	تانکم	تانک	تانکن
جبکہ مشار الیہ جمع مذکر مؤنث ہو	اولئک	اولئکما	اولئکم	اولئک	اولئکن

قولہ واعلم ان ذا یعنی مشار الیہ قریب کے لیے ذا بولا جاتا ہے اسلیے کہ وہ قلیل الحروف ہے اور مشار الیہ بعید کے لیے ذالک لایا جاتا ہے اس لیے کہ وہ کثیر الحروف ہے اور ذاک متوسط کیلیے مستعمل ہوتا ہے اسلیے کہ وہ ان دونوں سے قلت اور کثرت حروف میں متوسط ہے جاننا چاہیے کہ جمہور نحاۃ کے نزدیک جو اسم اشارہ کاف اور لام یا قائم مقام لام کے جو تشدید سے خالی ہو تو وہ مشار الیہ قریب کیلیے ہے جیسے ذا اور اگر وہ حرف کاف کے ساتھ ہو تو وہ مشار الیہ متوسط کیلیے ہے جیسے ذاک اور تاک اور ذلک بتخفیف نون اور اولئک بتخفیف نون اور اگر وہ کاف اور لام یا قائم مقام لام کے ساتھ ہو تو وہ مشار الیہ بعید کیلیے ہے جیسے ذالک اور تلک اور ذلک بتشدید نون اور اولئک بتشدید نون اور اولالک بلام مصنف نے ذکر کیا ہے جو قیاس کو مقتضی ہے کہ اسکو وسط میں ذکر کرتا جیسا کہ بعض نحویوں نے واقع بھی ہے جو کہ اسکو صورت طرفیہ کی صرف پر موقوف ہے اور موقوف کا ذکر موقوف علیہ کے بعد ہوتا ہے۔

فصل الموصول اسم لا یصلح ان یکون جزءاً تاماً من جملة الا بصلة بعده والصلة جملة خبریة ولابد من عائد فیها یعود الی الموصول مثاله الذی فی قولنا جاء الذی ابوه قائم او قام ابوه والذی للمذکر واللذان واللذین لمثناه والتی للمؤنث واللتان واللتین لمثناها والذین والالی لجمع المذکر واللاتی واللواتی واللاء واللائی لجمع المؤنث وما ومن واٰی وایة وذو بمعنی الذی فی لغة بنی طی کقول الشاعر

فان الماء ماء ابی وجدی ۔۔۔ وبیری ذو حفرت وذو طویت

ای الذی حفرته والذی طویته والالف واللام بمعنی الذی صلته اسم الفاعل واسم المفعول نحو جاء نی الضارب زیداً ای الذی یضرب زیداً او جاء نی المضروب غلامه۔

قولہ الموصول الخ جاننا چاہیئے کہ اسم موصول مبنی ہے چونکہ حروف کے مشابہ ہے کہ جس طرح حرف محتاج ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی صلہ کیطرف محتاج ہیں **قولہ اسم الخ** یعنی اسم موصول وہ اسم ہے جسکا بغیر صلہ کے جزء تام ہونا درست نہ ہو جو کہ اس اسم موصول کے بعد ہوتا ہے۔ اس تعریف میں اسم جنس کے مانند ہے اور لا یصلح الخ بمنزلہ فصل کے ہے اس سے وہ تمام اسماء نکل گئے جو بغیر صلہ کے جزء تام ہوتے ہیں جیسے زید رجل جزءاً تاماً کہ مصنف نے اس امر کیطرف اشارہ کر دیا کہ اسم موصول بغیر صلہ کے جملہ کا جزء ہو سکتا ہے لیکن جزء تام نہیں ہو سکتا ہے جزء تام سے مراد مبتدا اور خبر فاعل وغیرہ ہوتا ہے۔ **قولہ والصلۃ جملۃ الخ** چونکہ اسم موصول کی تعریف میں لفظ صلہ مذکور ہے اسوجہ سے مصنف نے تعریف کرنا ہے کہ صلہ کیا ہوتا ہے تاکہ تعریف مجہول سے لازم نہ آئے تو کہتا ہے کہ صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ یعنی اسم موصول کی تعریف جسکو بتا رہی ہے وہ صلہ کے معنے جانتا ہے کہ وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اسکو نہیں جانتا تو تعریف مجہول بالمجہول ہو جائیگی جو درست نہیں ہے رہا یہ امر کہ صلہ کیلئے جملہ ہونا کیوں ضروری ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ صلہ موصول کے بیان کیواسطے ہوتا ہے۔ یعنی موصولات اس غرض سے موضوع ہوتے ہیں کہ یہ جملہ کو معرفہ کی جہت بنانے کیواسطے ذریعہ ہو جاتے ہیں اور جب یہ اس غرض کیلئے موضوع ہیں تو یہ غرض بلا اسکے پوری نہ ہوگی اسوجہ سے صلہ کیواسطے جملہ ہونا ضروری ہے اور صلہ موصول کا جملہ خبریہ ہوتا ہے نہ انشائیہ اس وجہ سے کہ صلہ کیلئے ثبوت بنفسہا لازم ہے اور جملہ انشائیہ اس سے خالی ہوتا ہے اور صلہ میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول کیطرف لوٹتی ہے۔ **قولہ لابد من عائد الخ** عائد اسم فاعل ہے بمعنے لوٹنے والا مصدر عود ہے بمعنے لوٹنا یعنی صلہ میں ایک عائد کا ہونا جو اکثر ضمیر ہوتا ہے اور موصول کی طرف لوٹتی ہے ضروری ہے اسلئے صلہ ایک جملہ مستقلہ ہوتا ہے اور صلہ سے موصول سے مرتبط ہوتا ہے لہذا صلہ میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ صلہ کا موصول سے ربط پیدا کرے اور جملہ اجنبی نہ رہے کیونکہ صلہ بغیر عائد کے موصول سے اجنبی رہیگا جیسے جاء الذی ابوہ قائم میں الذی وہ شخص آیا جسکا باپ کھڑا ہونے والا ہے اس مثال میں الذی موصول ہے اور ابوہ قائم جملہ اسمیہ خبریہ اسکا صلہ ہے اور اسی صلہ میں ابوہ کی ضمیر عائد ہے جو الذی کیطرف لوٹ رہی ہے موصول اپنے صلہ سے ملکر جاء کا فاعل ہے اور جملہ کا جزء تام یعنی فاعل ہے یہ جملہ اسمیہ کے صلہ ہونیکی مثال ہے اور جیسے جاء الذی قام ابوہ (آیا وہ شخص جسکا باپ کھڑا ہوا) اسمیں قام ابوہ جملہ فعلیہ خبریہ الذی موصول کا صلہ ہے اور اس جملہ فعلیہ میں ابوہ کی ضمیر عائد ہے جو الذی موصول کیطرف لوٹ رہی ہے اور موصول اپنے صلہ سے مل کر جملہ کا جزء تام یعنی فاعل خبر رہا ہے جملہ فعلیہ کے صلہ ہونے کی مثال ہے پھر کہنا چاہیئے کہ عائد اکثر ضمیر ہوتا ہے لیکن کبھی اسم ظاہر اسم ظاہر کی جگہ میں عائد ہو جاتا ہے جیسے جاءنی الذی ضرب زیداً میں اسمیں زید جو اسم ظاہر ہے ضمیر کی جگہ میں عائد ہے اسلئے کہ الذی سے مراد زید ہی ہے ورنہ اگر زید جو ضرب کا فاعل ہے نہ ہوتا تو ضرب میں ضمیر ہونی چاہیئے الذی کیطرف لوٹتی اور اسوقت جملہ اسطرح ہوتا جاءنی الذی ضرب ہو تبر۔ **قولہ مثالہ الخ** مصنف اسم موصول کی مثال بیان کرتا ہے چونکہ تمثیل شے سے غرض کی وضاحت ہو جاتی ہے لہذا جاء الذی ابوہ قائم میں الذی اسم موصول ہے جو اپنے صلہ ابوہ قائم یا قام ابوہ سے ملکر جاء کا فاعل بن رہا ہے۔ مصنف نے صلہ میں دو قسم کے جملہ خبریہ ذکر کئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صلہ جملہ خبریہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں واقع ہو سکتے ہیں **قولہ الذی للمذکر الخ** یعنی موصولات میں الذی واحد مذکر کیلئے اور التی واحد مونث کیلئے اور اللذان اور اللتان حالت رفعی میں تثنیہ مذکر و مونث کیلئے اور اللذین اور اللتین حالت نصبی اور جری میں تثنیہ میں مذکر و مونث کیلئے اور اولی بمعنی الذین جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں کے لئے ہے اور الذین جمع مذکر کے لئے اور اللاتی ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور اللاء (بدون یاء کے ہمزہ سے) اور اللائی . . . . . (بدون ہمزہ کے یا کے ساتھ) یہ تینوں جمع مونث کیلئے ہیں اور ما اور من مذکر اور مونث دونوں کیلئے مطلقاً آتا ہے لیکن اول غیر ذوی العقول کیلئے اور ثانی ذوی العقول کیلئے ہے اور اٰی مذکر کیلئے اور ایۃ مونث کیلئے ہے **قولہ وذو الخ** یعنی لغت بنی طی میں ذو اسم موصول ہے جو معنے میں الذی کے ہوتا ہے کما قول الشاعر البیت ذو حفرت خود طویت ای الذی حفرتہ والذی طویتہ لغت بنی طی کی تخصیص اسلئے ہے کہ ذو صرف صلہ کی لغت میں اسم موصول ہوتا ہے جملہ بنانا چاہیئے کہ ذو بمعنے کیلئے آتا ہے ایک بمعنے صاحب جیسے ذو مال بمعنے صاحب مال یہ معرب ہے اور اسماء ستہ مذکورہ میں سے ہے دوسرے بمعنے الذی اور التی اور یہ صرف لغت بنی طی میں ہے اور یہاں بیتین میں یہی مراد ہے اور یہ مبنی ہوتا ہے اور واحد مثنی سے مذکر و مونث اور غائب حاضر سب کیلئے آتا ہے سب حالتوں میں یکساں رہتا ہے متغیر نہیں ہوتا جیسے یہاں ذو قام اور رایت ذو قام ومررت بذو قام **قولہ قال الخ** اس شعر کا قائل سنان بن عمل ہے جو قبیلہ طی کا ہے ماء بمعنی پانی اور یہ مبنی ہوتا ہے اور ابی باپ مع اباء جد دادا اجع اجداد مثل کنواں جمع آبار حفرت واحد متکلم من الحفر بمعنے کھودنا اور طویت طوی سے بمعنے من باندھنا شعر کا مطلب ہے کہ وہ پانی جسمیں نزاع ہے میرے باپ دادا کا پانی ہے یعنی میں اسکا باپ دادا ہوا ہوں اور میں نے اسکو کھودا ہے اور میں نے اسکی مَن باندھی ہے **قولہ والالف واللام الخ** یعنی ایک اسم موصول الف لام ہے (باقی بر صفحہ ۱۱۴ پر)

ویجوز حذف العائد من اللفظ ان کان مفعولا نحو قام الذی ضربت ای الذی ضربتہ واعلم ان ایا وایۃ معربۃ الا اذا حذف صدر صلتہا کقولہ تعالیٰ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم اشد علی الرحمن عتیا ای ہو اشد فصل اسماء الافعال ہو کل اسم بمعنی الامر والماضی

یہ اسم فاعل یا مفعول پر داخل ہوتا ہے اور اپنے مدخول کے اعتبار سے بمعنے الذی یا التی یا اللذان یا اللتان یا الذین یا اللائی کے ہوتا ہے اور یہ اسم فاعل یا مفعول اسکا صلہ ہوتا ہے اسلئے کہ یہ لام ذو جہتین ہے اس صورت میں غلام حرفی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور حقیقت میں اسم ہے پس اسکا صلہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ صورۃً مفرد ہو اور حقیقت میں جملہ تاکہ دو جہتیں ہو جائے اور وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہے جیسے جاءنی الضارب زیداً میرے پاس وہ شخص آیا جو زید کو مارنے والا ہے اس میں الضارب پر الف لام بمعنے الذی ہے۔ یعنی جاءنی الذی یضرب زیداً اور جیسے جاءنی المضروب غلامہ میرے پاس وہ شخص آیا جس کا غلام مارا گیا ہے اصل جاءنی الذی یضرب غلامہ بصیغہ مضارع مجہول **قولہ صلتہ** یہ الالف واللام کی صفت ہے اور اسکی ضمیر مفرد العائد لام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ ایک اسم موصول ہے مصنف نے صلہ اسم الفاعل واسم المفعول کہا اسلئے کہ الف لام اسم موصول کا صلہ یہی دونوں آتے ہیں اور صفت مشبہ اور اسم تفضیل نہیں ہوتے ہیں۔ **قولہ یجوز حذف الخ** یعنے وہ ضمیر جو صلہ میں موصول کیطرف لوٹتی ہے جب کہ وہ مفعول واقع ہو تو اسکا کلام سے تلفظ میں حذف کرنا جائز ہے اسلئے کہ وہ فضلہ ہے لیکن جب حذف مذکور پر کوئی مانع موجود ہو تو اس وقت ضمیر مفعول کا حذف کرنا ناجائز ہے اور اگر وہ ضمیر فاعل ہے تو اس کا حذف کرنا جائز نہیں ہے اور ضمیر مرفوع اگر مبتدا ہو تو حذف درست ہے جبکہ اسکی خبر جملہ اور ظرف نہ ہو اور ای کے بعد غیر مرفوع کا حذف کرنا درست ہے اور ضمیر مرفوع کا صلہ میں سے حذف کرنا طول صلہ کے سبب سے بھی درست ہے جیسے اس آیت ہو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ میں اور ضمیر مجرور کو بھی حذف کرنا درست ہے جبکہ حرف جر مع مجرور کے متعلق ہو جیسے قولہ تعالیٰ اتسجد لما تامرنا یہ ایسے ہی اس ضمیر مجرور کو بھی حذف کرتے ہیں جسکی طرف صیغہ صفت [illegible] کی اضافت کی جائے اور وہ فی الحقیقت مفعول بہ ہو جیسے الذی انا ضارب زید کو اصل میں ضاربہ زید تھا واللہ اعلم **قولہ معربۃ الخ** یعنی ای اور ایۃ تمام صورتوں میں معرب ہوتے ہیں مگر صرف ایک صورت میں مبنی ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے صلہ کا جز اول محذوف ہو اور یہ مضاف ہوں پھر جاننا چاہیے کہ ای اور ایۃ کی چار حالتیں ہیں اسلئے کہ ہر ایک اپنے ما یا تو مضاف ہوگا یا غیر مضاف ہوگا بر تقدیر ثانی وہ معرب ہیں خواہ ان کا صدر صلہ مذکور ہو یا نہ ہو اور بر تقدیر اول اگر صدر صلہ مذکور نہ ہو تو مبنی ہونگے جیسے قولہ تعالیٰ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم اشد علی الرحمن عتیا الخ اے ایہم ہو اشد پس ای کی اس قرات میں کہ ایہم کو مرفوع پڑھیں مبنی ہے اسلئے کہ مثال مذکور میں ای کا صدر صلہ مذکور نہیں نیز وہ مضاف ہے اور اس صورت میں ای اور ایۃ کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جب انکے صلہ کا صدر یعنی جز اول حذف ہو گیا تو اسوقت انکی حرف کے ساتھ احتیاج الی الغیر میں مشابہت اور زیادہ قوی ہو گئی پس مبنی ہونگے اور بالخصوص ضم یعنی بر ضم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدر جملہ کے حذف کرنے میں اسکی مشابہت غایت کے ساتھ ہو جاتی ہے پس جس طرح پر کہ غایت سے مضاف الیہ کو حذف کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اسکے لئے مبین ہے اسی طرح پر یہاں اس چیز کو حذف کر دیتے ہیں۔ جو کہ ای اور ایۃ کو واضح کرتی ہے نقشہ ای اور ایۃ کے معرب و مبنی ہونیکا۔

معرب یا مبنی	مرفوع	منصوب	مجرور
معرب	جاءنی ایٌّ ہُوَ قائمٌ	رأیتُ ایًّا ہُوَ قائمٌ	مررتُ بایٍّ ہُوَ قائمٌ
معرب	جاءنی ایٌّ قائمٌ	رأیتُ ایًّا قائمٌ	مررتُ بایٍّ قائمٌ
معرب	جاءنی ہُوَ ایہم قائمٌ	رأیتُ ایہم ہو قائمٌ	مررتُ بایہم ہو قائمٌ
مبنی	جاءنی ایہمُ ہُوَ قائمٌ	رأیتُ ایہم قائمٌ	مررتُ بایہم قائمٌ
معرب	جاءتنی ایۃٌ ہی قائمۃٌ	رأیتُ ایۃً ہی قائمۃً	مررتُ بایۃٍ ہی قائمۃٌ
معرب	جاءتنی ایۃٌ قائمۃٌ	رأیتُ ایۃً قائمۃً	مررتُ بایۃٍ قائمۃٌ
معرب	جاءتنی ایتہنّ قائمۃٌ	رأیتُ ایتہنّ قائمۃً	مررتُ بایتہنّ قائمۃٌ
مبنی	جاءتنی ایتہنّ قائمۃٌ	رأیتُ ایتہنّ قائمۃً	مررتُ بایتہنّ قائمۃٌ

قولہ اسماء الافعال

مصنف نے اسماء افعال کو اصوات پر اسوجہ سے مقدم کیا ہے کہ اسماء افعال کی وجہ بنا اصوات کی وجہ بنا سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ **قولہ وہو کل اسم الخ** جاننا چاہیے کہ مصنف کا قول اسماء الافعال مبتدا ہے اور ہو ضمیر فصل ہے بعض کے نزدیک اسکے لئے اعراب سے محل نہیں ہے اور بعض کے نزدیک یہ مبتدا ہے پھر اپنی خبر سے ملکر خبر مبتدا کی ہو جاتی ہے یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ ہو ضمیر مفرد اور اسماء جمع کی طرف لوٹنا درست نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ ضمیر اسماء الافعال کی طرف کل واحد کی تاویل کے ساتھ لوٹ رہی ہے دوسرا جواب ضمیر اسماء الافعال کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے۔ بلکہ اسکے ضمن میں جو مفرد ہے یعنی اسم فعل اسکی طرف لوٹ رہی ہے چونکہ جمع کے ضمن میں مفرد ہوتا ہے اسوجہ سے ضمیر بلا مرجع کے نہ رہی ضمیر مفرد کی طرف اسوجہ سے لوٹاتے ہیں کہ تعریف شئے کی ماہیت اور جنس کی ہوتی ہے کہ افراد کی اور اگر اسماء جمع کیطرف لوٹائی جاوے تو تعریف افراد کی ہونا لازم آئیگا اب سوال ہوتا ہے کہ مصنف اسماء جمع کیوں ذکر نہ کیا تو جواب یہ ہے کہ صیغہ جمع یہاں پر اسوجہ سے لایا تاکہ باب اسماء الافعال کے تمام مسائل پر شامل ہو جاوے تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فعل وہ اسم ہے جو معنے میں امر یا ماضی کے ہو مصنف کی عبارت میں وبمعنی اور ہے اور امر یا ماضی کے معنے میں ہونے

(باقی بر صفحہ ۱۵ پر)

نحو رُوَيْدَ زيدًا اى اَمْهِلْهُ وهَيْهاتَ زيدٌ اى بَعُدَ او كان على وزنِ فَعالِ بمعنى الامر وهو من الثلاثى قياسٌ كنزالِ بمعنى اُنْزِلْ و تَراكِ بمعنى اُتْرُكْ ويلحق به فعالِ مصدرًا معرفةً كفَجارِ بمعنى الفجورِ او صفةً للمؤنّثِ نحو يا فساقِ بمعنى فاسقةٍ ويا لكاعِ بمعنى لائكعةٍ او علمًا للاعيان المؤنّثةِ كقَطامِ وغلابِ وحضارِ وهٰذِهِ الثلاثةُ ليست من اسماء الافعالِ وانما ذُكِرَتْ ههُنا للمناسبة فصل الاصواتُ كُلُّ لفظٍ حُكِىَ به صوتُ كنعاقِ لصوتِ الغرابِ او صُوِّتَ به البهائمُ كنَعْ لناخةِ البعيرِ فصل المركباتُ

سے یہ مراد ہے۔ کہ وضع کے اعتبار سے ہو لیکن یہ وضع ثانوی ہوگی۔ اسم کی قید سے خود ماضی اور امر نکل گئی اور وضع کی قید سے ضارب نکل گیا جو کہ زید ضارب اس میں ہے کیونکہ ضارب اگرچہ ماضی پر دلالت کرتا ہے مگر قرینہ سے دلالت کرتا ہے نہ وضع سے اور اسماء افعال کے صیغے افعال کے صیغوں کے بمقابل ہیں دلیل اس پر یہ ہے کہ بعض اسماء افعال تنکیر کے وقت منون ہوتے ہیں جیسے صہ صہ اور بعض پر لام داخل ہوتا ہے اور بعض مصدر نظرت اور جار مجرور سے منقول ہیں رہا یہ امر کہ اسماء افعال مبنی کیوں ہیں تو انکے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ موضع میں مبنی الاصل کے واقع ہیں جیسے رویدا میں رویدا محل کی جگہ واقع ہے اور ہیہات بعد کی جگہ میں اور بعض حرف کی صورت پر واقع ہیں اعتراض مصنف نے جو اسماء افعال کی تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء افعال ماضی اور امر کے معنے میں محصور ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ مضارع کے معنے میں بھی آتے ہیں جیسے اِنَّ الفجورَ کے معنے میں یہ جواب جو مضارع کے معنے میں ہے اصل میں ماضی کے معنے میں ہے مجازاً مستقبل سے اسکو تعبیر کیا گیا ہے۔ **قولہ کرُوَيدَ زيدًا اى امهلہ الخ** یہ اس اسم کی مثال ہے جو امر کے معنے میں ہے یہ مصدر سے منقول ہے اور متعدی ہے اور **هَيْهاتَ** زید ای بعُد میں اسم فعل کی مثال ہے جو ماضی کے معنی میں ہے اور یہ لازم ہے جاننا چاہیے کہ اسماء افعال کے اعراب میں نحاۃ کا اختلاف ہے اور ان میں دو مذہب ہیں ایک یہ ہے کہ اسماء افعال ابتداء کی بنا پر محل رفع میں ہیں لہذا یہ اپنے فاعل سے ملکر جملہ کی خبر کے قائم مقام ہیں اور ثانی مذہب یہ ہے کہ بنا بر مصدریۃ کے محل نصب میں ہیں لہذا رویدا رداً کے محل میں ہے بعض شارحین کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ انکے لیئے محل اعراب نہیں چونکہ یہ بمعنے امر اور ماضی ہو گئے ہیں لہذا انکا حکم لیں گے **قولہ او کان علی** تمام اسماء افعال میں سے ایک صیغہ فعال کا ہے جو کہ معنے میں امر کے ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے جیسے نزال بمعنے انزل اور تراک بمعنی اترک اور غیر ثلاثی مجرد سماعی ہے اور اسکے مبنی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ **قولہ ویلحق بہ الخ** اور اسی فعال بمعنے امر کے ساتھ یہ تینوں قسم کے فعال یعنی جو مؤنث کا صدر مرفہ اور اسم فاعل اور مؤنث شخص کا علم ہوتا ہے لاحق ہے حاصل یہ کہ جسطرح فعال بمعنی امر کے مبنی ہونے پر اتفاق ہے ایسے ہی وہ افعال بھی بالاتفاق مبنی ہے جو کہ مصدر معرفہ سے معدول ہے جیسے فجار الفجور اور حماد الحمد سے معدول ہیں نیز وہ افعال بھی مبنی ہے جو صفت مؤنث سے معدول ہے جیسے فساق فاسقہ اور لکاع لائکعۃ سے معدول ہیں اور وجہ لاحق معدول ہونے کی یہ ہے کہ یہ دونوں فعال بمعنے امر کے ساتھ عدل اور وزن میں مشابہت رکھتے ہیں **قولہ او علما للاعیان الخ** یعنی وہ افعال کہ اعیان مؤنث کا علم ہے جیسے قطام و غدام اور حضار اور انکی نظائر اس میں اختلاف ہے پس یہ فعال بنا مجاز کے نزدیک مبنی ہے اسلئے کہ فعال بمعنے امر کے ساتھ عدل اور وزن میں مشابہ ہے اور بنی تمیم کے نزدیک فعال معرب ہے لیکن وہ فعال کہ جس کے آخر میں راء ہے اکثر بنی تمیم کے نزدیک مبنی ہے اسلئے کہ راء حرف ثقیل مکرر ہے پس اگر اس پر اعراب مختلف جاری کریں گے تو ثقل ہو جائیگا لہذا مبنی ہوگا **قولہ هذہ الثلثۃ الخ** یہ تین بھی فعال مصدر معرفہ اور فعال صفت اور فعال علم للاعیان المؤنثۃ حقیقت میں اسماء افعال سے نہیں ہیں اب سوال ہوتا ہے کہ پھر انکو اسماء افعال کے فصل میں کیوں ذکر کیا تو مصنف جواب دیتا ہے کہ انکو اس فصل میں اسوجہ سے ذکر کیا ہے کہ انکو فعال بمعنی امر کیساتھ عدل اور وزن میں مناسبت ہے اس مناسب کی وجہ سے انکو اس فصل میں ذکر کیا گیا ہے ان تینوں کی فعال بمعنے امر کے ساتھ وزن میں مناسبت ظاہر ہے لیکن عدل میں مناسبت یہ ہے کہ فعال بمعنے مبالغہ کیلئے امر سے معدول ہے پس مثلاً صیغہ نزال انزل سے امر میں مبالغہ کیلئے معدول ہے اسیطرح فعال مصدری اور فعال صفتی اور فعال علمی بھی معدول ہیں پس فجار مصدر الفجرۃ یا الفجور سے ہے اور فساق صفت فاسقہ سے اور قطام قاطمہ سے اور غلاب غلابۃ سے معدول ہے **قولہ الاصوات** اصوات صوت کی جمع ہے اسکے معنے آواز کے آتے ہیں کبھی مصدر بمعنے تصویت یعنی آواز دینے میں استعمال کیا جاتا ہے اور وجہ اصوات کے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ ترکیب میں واقع نہیں ہوتے ہیں اور اگر ترکیب میں واقع ہوں تو انمیں تصرف نہیں کرتے تاکہ حکایات مقصود باقی رہیں اعتراض اسکی کیا وجہ ہے کہ اصوات تو ترکیب کے وقت مبنی ہوتے ہیں اور حروف کے اسماء جیسے باب کا اسم اور تاء کا اسم وغیرہ معرب ہوتے ہیں باوجودیکہ حروف کے اسماء حقیقت میں اپنے مسمیات کیواسطے اسیطرح موضوع ہیں جس طرح کل اپنے مسمیٰ کے مقابل میں تو جسطرح رجل ترکیب کے نہ ہونیکے وقت مبنی ہے اور ترکیب کے وقت معرب ہوگا اسیطرح اصوات کے مسمیات کیلئے موضوع نہیں ہیں تو ترکیب کے وقت ان کو معرب کیا جائیگا جواب یہ ہے کہ اصوات کی حکایت ہوتا ہے یا حیوان کی آواز سے آواز دی جاتی ہے **قولہ کل لفظ الخ** یعنی صوت وہ لفظ ہے جس سے کسی کی آواز کو نقل کیا جائے جیسے غاق کوا کی آواز کو نقل کرتے ہیں یا وہ لفظ ہے کہ اس سے بہائم میں کسی کو آواز دی جائے جیسے نع نع کہکر اونٹ کو بٹھاتا ہے جاننا چاہیے کہ بہائم کا لفظ بیان کیلئے ہے اور تمثیل ہے اور نقلوا الفاظ جیسے پرندوں اور چرندوں اور کوا کی آواز بتلانے کیلئے ہے یہ بھی صوت کی ایک قسم ثانی میں داخل ہیں نیز جاننا چاہیے کہ صوت کی ایک قسم ہے اور وہ لفظ ہے جسکو انسان ابتداء بلا ترکیب تصنع کرنیکے بوجہ جیسے انسان کی آواز کی آواز ہے اور آہ انسان درد مندی کو کہتے ہیں مصنف نے اسی قسم کو اسوجہ سے ترک کر دیا کہ اسکا حکم واللہ سلم ہو جاتا ہے اسطرح پر کہ جب مذکور قسمیں اسم مبنی میں داخل ہیں جو کہ انسان کی آواز نہیں تو جو انسان کی آواز ہے جسکا تعلق غیر کیساتھ نہیں وہ بطریق اولیٰ اسم مبنی میں داخل ہونی چاہیے نیز کہا جا سکتا ہے کہ کلام صوت کے حذف پر محمول ہے تقدیر عبارت یہ ہے صُوِّتَ به البهائمُ او غيرها اسی صورت میں بہائم کے ذکر کو علی التمثیل کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

كلُّ اسمٍ رُكِّبَ من كلمتينِ ليستْ بينهما نسبةٌ فإن تضمَّنَ الثاني حرفًا يجبُ بناؤهما على الفتحِ كأحدَ عشرَ إلى تسعةَ عشرَ إلا اثنَي عشرَ فإنها معربةٌ كالمثنّى وإن لم يتضمَّن ذلك ففيها لغاتٌ أفصحُها بناءُ الأول على الفتحِ وإعرابُ الثاني غيرَ منصرفٍ كبَعلبكَّ نحو جاءني بعلبكُّ ورأيتُ بعلبكَّ ومررتُ ببعلبكَّ فصلٌ الكناياتُ هي أسماءٌ تدلُّ على عددٍ مبهمٍ وهي كم وكذا أو حديثٍ مبهمٍ

قولہ کل اسم الخ یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ کل اسم کا کل المرکبات پر درست نہیں ہے کیونکہ اگر کل لریں تو لازم آئیگا کہ ہر اسم مرکبات ہو۔ اور ہر اسم کا مرکبات ہونا محال ہے لہذا مصنف کی عبارت غلط ہے جواب المرکبات میں لام جنس کا ہے اور جمع کے معنے مرکبات میں باطل ہے المرکبات کل اسم المرکب کے معنے میں ہے پھر اس پر اعتراض پڑتا ہے کل اسم جزئی ہے المرکب کلی ہے اور جزئی کا حمل کلی پر درست نہیں ہے۔ جواب یہ حمل بطریق مجاز ہے کیونکہ جب المرکب کل اسم پر صادق ہوتا ہے تو کل اسم کا حمل اس پر بطور مجاز کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ المرکبات میں لام عہد کیلئے ہو تقدیر عبارت یہ ہو۔ ہذا فصل المرکبات المذکورۃ فی حصر المبنیات اور اسوقت کل اسم مبتدا محذوف الخبر ہے یعنی کل اسم کذا فہو مرکب یعنی ہر اسم ایسا ہو وہ مرکب ہے اور یہ ہو سکتا ہے کل اسم مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی المرکب کل اسم مرکب واللہ اعلم تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مرکب ہر وہ اسم ہے کہ جو دو کلموں سے مرکب ہو اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو یعنی ترکیب اسنادی اور اضافی اور توصیفی نہ ہو مصنف نے بجائے اسمین کے کلمتین اس وجہ سے کہا کہ تاکہ جملہ نعم اور سیبویہ مرکب کی تعریف میں داخل ہو جاویں جو کہ اسمین کہنے پر خارج ہو جاتے ہیں چونکہ جملہ نعم اور سیبویہ میں ثانی جزء فعل اور سیبویہ میں ثانی جزء صورت ہے **قولہ فان تضمن** ۔ یعنی پس اگر جزء ثانی کسی حرف کو متضمن ہو تو اسکے دونوں جزء مبنی ہونگے جزء اول تو اسلئے کہ وہ جزء ثانی کا محتاج ہے پس احتیاج میں حرف کے مشابہ ہے اور جزء ثانی اس لیے کہ وہ حرف کو جو کہ مبنی اصل ہے جیسے خمسۃ عشر و حادی عشر اور اسکے امثال یعنی تسعۃ عشر وغیرہ کہ یہ سب مبنی ہیں اسلئے کہ انکا جزء ثانی حرف کو متضمن ہے مگر اثنا عشر اور اثنتا عشرۃ کہ ان دونوں کا جزء ثانی فقط مبنی ہے اور جزء اول مبنی نہیں بلکہ معرب ہے حالانکہ مبنی ہونے کی علت اسمیں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی اسکا وسط کلمہ میں واقع ہونا جو کہ محل اعراب کا نہیں لیکن باوجود علت بنا کے جزء اول معرب ہے اور وجہ معرب ہونیکی یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کی وجہ سے وہ مضاف کے ساتھ مشابہ ہے اور ترکیب اضافی مبنی ہونے کو واجب نہیں کرتی باقی رہا یہ امر کہ اثنا عشر سے نون کے محذوف ہونیکی علت کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ جو ترکیب کے واو کو انفصال کی خبر دیتا ہے حذف کیا گیا تو حذف نون بھی واجب ہو گیا تاکہ بادی النظر میں یہ معلوم ہو کہ یہاں انفصال نہیں اگر کوئی کہے کہ حذف نون سے اسکی مشابہت مضاف کے ساتھ کیوں ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ نون تثنیہ اور جمع کا حذف مہموز نہیں ہے مگر ساتھ اضافت کے پس جب اثنا عشر میں نون محذوف ہوا تو گویا کہ وہ مضاف ہے اور ترکیب اضافی مبنی ہونے کو واجب نہیں کرتی کما مر **قولہ وان لم یتضمن** ۔ یعنے اگر جزء ثانی متضمن حرف کو نہ ہو تو وہ معرب ہوگا اور جزء اول انفع لغت کی بنا پر مبنی ہوگا اسلئے کہ وہ وسط کلمہ میں واقع ہے اور ثانی معرب غیر منصرف ہوگا **قولہ فیہ لغات** اس اسم مرکب میں چار لغت ہیں ایک ہر دو جزء کا اعراب مضاف و مضاف الیہ کے مانند اور جزء ثانی غیر منصرف لہذا اول کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب فتح کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ غیر منصرف جیسا عامل تقاضا کریگا ویسا ہی اعراب اس مرکب پر آجائیگا اور ثانی پر ہمیشہ نصب رہیگا چونکہ غیر منصرف میں جر نصب کے تابع ہے جیسے ہذا بعلبک ورأیت بعلبک ومررت بعلبک دوسری لغت پہلے جزء کا اعراب بحسب احوال ہوگا یعنی حالت رفع میں ضمہ آویگا اور حالت نصب میں فتح اور حالت جر میں کسرہ اور ثانی منصرف ہمیشہ اسکا اعراب جر یعنی کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے ہذا البعلبک ورأیت البعلبک ومررت بالبعلبک تیسری لغت ہر دونوں جزء مبنی فتح پر خمسۃ عشر کے ساتھ مشابہ ہونے کے سبب سے اس میں یہ ہر دو کلمہ ہیں جو کہ ایک دوسرے کے بعد آئے ہیں جیسے ہذہ بعلبک ورأیت بعلبک ومررت بعلبک چوتھی لغت وہ ہے جو کتاب میں مذکور ہے ہذہ بعلبک رأیت بعلبک انظر الی بعلبک واللہ اعلم **قولہ غیر منصرف** ۔ یہ یا تو مبتدا محذوف کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہے اے ہو یعنی جزء ثانی غیر منصرف ہے یا الجزء الثانی کی صفت ہونیکی بنا پر مجرور ہے یا مفعول مطلق ہونیکی بنا پر منصوب ہے مفعول مطلق ہونا مصدر مضاف کی تقدیر کے ساتھ ہے اعراب الثانی اعراب غیر منصرف **قولہ الکنایات** کنایات کنایہ کی جمع ہے یہ مصدر ہے جسکے معنے کسی شے کو کسی غرض کی وجہ سے ایسے لفظ سے تعبیر کرنا کہ اسپر وہ دلالت کرنے میں صریح نہ ہو لیکن یہاں پر اسکے یہ معنے مصدری مراد نہیں ہیں بلکہ حاصل مصدر مراد ہے یعنی ما یکنی بہا یعنی وہ اسماء جن سے کنایہ کیا جاتا ہے اور وہ بھی سب مراد نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں جو کہ بعض اسماء کنایہ معرب ہیں جیسے فلان وفلانۃ کہ اعلام سے کنایہ ہے **اور حدیث مبہم** سے اجناس کنایہ کیجاتی ہیں اسم کنایہ اصطلاح میں وہ اسم ہے جو عدد مبہم پر دلالت کرے یا مبہم بات پر **قولہ وہی کم کذا الخ** یعنی کم وکذا عدد سے کنایہ کیواسطے آتے ہیں اور جاننا چاہیے کہ کم کی دو قسمیں ہیں استفہامیہ اور خبریہ کم استفہامیہ تو اسلئے مبنی ہے کہ وہ متضمن معنے حرف استفہام کو ہے اور کم خبریہ بنا میں اسپر محمول ہے اور کذا کاف تشبیہ اور ذا اسم اشارہ سے مرکب ہے اور وہ دونوں مبنی ہیں پس جو چیز کہ ان دونوں سے مرکب ہے وہ بھی مبنی ہوگی اور اگر کوئی کہے کہ زید بھی تین حرف سے مرکب ہے اور وہ تینوں مبنی اصل ہیں پس چاہیے کہ ان سے مرکب یعنی زید بھی مبنی ہو اور جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے کذا دو اسم مبنی سے مرکب ہے لہذا وہ مبنی ہوگا بخلاف زید کہ وہ تین حرف سے مرکب ہے پس ترکیب کے بعد اسکا حکم نہ ہوگا جو کہ ترکیب سے پہلے حرف ہجا کا ہے ؛

وهو كيتُ وذيتُ واعلم أنّ كم على قسمين استفهاميةٌ وما بعدها منصوبٌ مفردٌ على التمييز نحو كم رجلًا عندك وخبريّةٌ وما بعدها مجرورٌ مفردٌ نحو كم مالٍ انفقتَه أو مجموعٌ نحو كم رجالٍ لقيتَهم ومعناه التكثيرُ وتدخلُ من فيهما تقول كم من رجلٍ لقيتَه وكم من مالٍ انفقتَه وقد يُحذفُ التمييز لقيامِ قرينةٍ نحو كم مالُك اي كم درهمًا مالك وكم ضربتَ اي كم ضربةٍ ضربتَ واعلم انّ كم في الوجهين يقعُ منصوبًا اذا كان بعدَه فعلٌ غيرُ مشتغلٍ عنهُ بضميره نحو كم رجلًا ضربتَ وكم غلامٍ ملكتَ مفعولًا به ونحو كم ضربةً ضربتَ وكم ضربةٍ ضربتَ مصدرًا وكم يومًا صمتَ مفعولًا فيه

قولہ وہو کیت وذیت۔ یعنی کیت وذیت حدیث اور کلام سے کنایہ کے لئے آتے ہیں اور یہ دونوں مبنی ہیں۔ اور وجہ ان کے مبنی ہونے کی یہ ہے کہ یہ جملہ کی جگہ واقع ہوتے ہیں اور جملہ من جملہ انہا جملہ اگرچہ نہ معرب ہے اور نہ مبنی مگر بوقت تقسیم اس کو مبنی میں داخل کرتے ہیں نیز جملہ صاحب مفصل زمخشری کے نزدیک مبنی ہے **قولہ وما بعدہا منصوب الخ** یعنی کم استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے جیسے کم دینارًا عندک اور کم خبریہ کی تمیز کبھی مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے کم رجل عندی اور کبھی مجرور مجموع ہوتی ہے کم رجال عندی اسلئے کہ کم اعداد میں سے ہے اور اعداد کے لئے تین مرتبہ ہیں قلیل اور کثیر اور وسط پس مناسب یہ کہ کم تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کی طرح پر ہو پھر چونکہ کم استفہامیہ کی خبریہ سے ادنیٰ درجہ استفہام کے بعد ہے لہذا انسب یہ ہے کہ کم استفہامیہ میں عدد وسط کا لحاظ رکھیں اسلئے کہ غیر الاوسط اوسطہا یعنی اسکی تمیز تو منصوب مفرد کریں جیسا کہ عدد وسط کی تمیز کو منصوب مفرد کرتے ہیں اسکے بعد کم خبریہ باقی رہا اور عدد کے دو مرتبہ باقی ہیں پس ان دونوں مرتبوں کی تمیز کا لحاظ کم خبریہ کی تمیز میں ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ کم خبریہ کی تمیز کو کبھی مجرور مفرد کرتے ہیں اور کبھی مجرور مجموع تاکہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کو شامل ہو جائے۔ **قولہ وتدخل من الخ۔** یعنی من بیانیہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تمیز کے شروع میں آتا ہے اور اس وقت ان کی تمیز مجرور ہوتی ہے اور اسوقت قرینہ سے معلوم ہوگا کہ کم استفہامیہ ہے یا کم خبریہ جیسے کم من رجل لقیت اور کتنے آدمیوں سے تو نے ملاقات کی یہاں کم استفہامیہ کی تمیز پر من داخل ہے اور جیسے کم من مال انفقتہ بہت مال میں نے خرچ کیا یہاں کم خبریہ کی تمیز پر من داخل ہے۔ لیکن جب کم اور اسکی تمیز کے درمیان فعل متعدی ہو تو اسوقت دونوں کی تمیز پر من کا داخل ہونا واجب ہے تاکہ اسکی تمیز اس فعل متعدی کے مفعول سے ملتبس نہ ہو جائے جیسے ارشاد باری تعالیٰ کم اھلکنا من قریۃ (یعنے بہت سے شہروں کو ہم نے ہلاک کر دیا) **قولہ وقد یحذف۔** یعنی جس جگہ پر کم کی تمیز کے حذف پر قرینہ موجود ہو تو اس جگہ تمیز کو بھی حذف کر دیتے ہیں جیسے کم مالک وکم ضربت اول میں حذف تمیز کا قرینہ یہ ہے کہ معرفہ پر داخل نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ یہاں تمیز محذوف ہے اے کم درہما اور درہم مالک اور مثال ثانی میں حذف تمیز کا قرینہ یہ ہے کہ کم فعل پر داخل نہیں ہوتا پس اس میں بھی تمیز محذوف ہے اے کم مرۃ اور کم مرۃ ضربت **قولہ واعلم ان کم۔** جاننا چاہیے کہ کم استفہامیہ اور خبریہ دونوں لفظاً منصوب اور مجرور اور مرفوع ہوتے ہیں مصنف رحمہ اللہ نے اعلم سے ہر ایک کا موقع بتلاتے ہیں کہ کم دونوں صورتوں میں استفہامیہ ہو یا خبریہ منصوب ہوتا ہے جبکہ اسکے بعد ایک ایسا فعل یا شبہ فعل ہو جو اسکی (یعنی کم کی) ضمیر یا اسکے یعنی کم کے متعلق ضمیر کی سبب سے کم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو مطلب یہ ہے کہ دو فعل یا شبہ فعل کم کی ضمیر یا اسکے ضمیر کے متعلق میں عمل نہ کر رہا ہو تو اسوقت کم فعل مذکور کے عمل کے موافق محلاً منصوب ہوگا اور پھر فعل کا یہ عمل تمیز کے اعتبار سے ہوگا مثلاً اگر کم کی تمیز میں مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے تو کم فعل مذکور کا مفعول بہ ہوگا اور اگر اس میں مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہے تو کم فعل مذکور کا مفعول مطلق ہوگا علیٰ ہذا القیاس وہ مفعول فیہ بھی ہوگا جیسے کم رجلًا ضربت کتنے آدمی کو تو نے مارا کم استفہامیہ کے مفعول بہ ہونے کی مثال ہے۔ اسمیں کم بنا بر مفعول بہ ضربت کا معمول منصوب ہے اسلئے کہ اس کی تمیز رجلًا میں مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم غلام ملکت بہت سے غلام کا مالک ہوا میں کم خبریہ کے مفعول بہ ہونے کی مثال ہے **قولہ مفعولا بہ یکون۔** فعل محذوف کی خبر ہے اسیطرح مصدرًا اور مفعولا فیہ میں تقدیر عبارت اسطرح ہے کہ ویکون کم فی ہذین المثالین مفعولا بہ الخ اور کبھی ہو سکتا ہے کہ مفعول بہ کم رجلا اور کم غلام میں سے ہر ایک سے حال ہو یعنی جیسے کم رجلًا ضربت اور کم غلام ملکت درانحالیکہ کم دونوں مثالوں میں مفعول بہ ہے اسی طرح مصدرًا کم ضربۃ اور کم ضربۃ میں سے ہر ایک سے حال ہو سکتا ہے اسی طرح مفعولا فیہ کم یومًا اور کم یوم میں سے ہر ایک سے حال ہو سکتا ہے اور جیسے کم ضربۃً ضربت کم استفہامیہ کے مفعول مطلق ہونے کی مثال ہے اور کم ضربۃ ضربت کم خبریہ کے مفعول مطلق ہونے کی مثال ہے اور کم ضربۃ تمیز ممیز اپنی تمیز سے مل کر ضربت فعل کا مفعول مطلق ہے اسلئے کہ تمیز مرتبہ میں مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم ضربۃ ضربت کم خبریہ کے مفعول مطلق ہونے کی مثال ہے **قولہ مصدرًا** اس سے مفعول مطلق مراد ہے اسکی ترکیب گذر چکی ہے اور جیسے کم یوما سرت کم استفہامیہ کے مفعول فیہ ہونے کی مثال ہے اسمیں کم یوما مفعول فیہ سرت کا ہے اسلئے کہ کم کی تمیز یوما میں مفعول فیہ ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم یوما صمت کم خبریہ کے مفعول فیہ ہونے کی مثال ہے **قولہ مفعولا فیہ۔** اسکی ترکیب گذر چکی ہے۔

ومجرورًا اذا كان قبله حرف جرٍّ او مضاف نحو بكم رجلًا مررت وعلى كم رجلٍ حكمت و
غلام كم رجلًا ضربت ومال كم رجلٍ سلبت ومرفوعًا اذا لم يكن شيئًا من الامرين مبتدأ ان
لم يكن ظرفًا نحو كم رجلًا اخوك وكم رجلٍ ضربته وخبرا ان كان ظرفًا نحو كم يومًا سفرك وكم شهرٍ
صومي فصل الظروف المبنية على اقسامٍ منها ما قطع عن الاضافة بان حذف المضاف
اليه كقبل وبعد وفوق وتحت قال الله تعالى لله الامر من قبل ومن بعد اي من قبل كل
شيءٍ ومن بعد كل شيءٍ هذا اذا كان المحذوف منويًّا للتكلم والا لكانت معربة وعلى هذا
قرئ لله الامر من قبلٍ ومن بعدٍ وتسمى الغايات ومنها حيث بنيت لتشبيهها بالغايات
لملازمتها الاضافة الى الجملة في الاكثر قال الله تعالى سنستدرجهم من حيث لا يعلمون وقد
يضاف الى المفرد كقول الشاعر اما ترى حيث سهيل طالعا اي مكان سهيل فحيث هذا بمعنى مكان

قولہ مجرورًا اذا کان یعنی اگر کم استفہامی یا جری کے قبل حرف جر ہو یا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوتا ہے جیسے بکم رجلًا مررت اور اگر کوئی کہے کم کیلئے تو صدارت کلام ضروری ہے پس اس پر حرف جر کیوں کر داخل ہوگا یا مضاف اس پر کس طرح مقدم ہوگا جواب یہ ہے کہ چونکہ عمل جار کا ضعیف ہے لہذا اس کا مجرور سے موخر ہونا ممتنع ہے پس بنا علیہ کم پر جار کے مقدم ہونے کو نحاۃ نے جائز رکھا اور جار مجرور کو حکم میں کلمہ واحد کے کر کے کم مستحق صدارت ہی رکھنا تاکہ مجرور اپنے مرتبہ سے ساقط نہ ہو۔ **قولہ ومرفوعًا الخ** یعنی جب ان دونوں وجہوں میں سے جو اوپر مذکور ہوئیں کوئی وجہ نہ ہو۔ تو اس وقت کم بنا بر مبتدا ہونے کے مرفوع ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو جیسے کم رجلًا اخوک اور بنا بر خبر ہونے کے مرفوع ہوگا اگر وہ ظرف ہوگا جیسے کم یومًا سفرک **قولہ منہا ما قطع عن الاضافۃ** ظروف میں سے بعض وہ ظروف ہیں جو مبنی ہیں اور وہ وہ ہیں جو اضافت سے قطع کئے گئے جیسے قبل وبعد اور تفصیل یہ ہے کہ قبل اور بعد لازم الاضافت ہیں پس دیکھنا یہ ہے کہ انکا مضاف الیہ مذکور رہے یا محذوف اگر مذکور ہو تو اسوقت یہ معرب ہونگے اور مضاف ہو تو دو صورتیں ہیں مضاف الیہ فیا منیا کے درجہ میں ہوگا۔ یا محذوف منوی ہوگا اگر فیا منیا ہو تو دونوں معرب ہوں گے اور محذوف منوی ہو تو اس وقت مبنی ہونگے کیونکہ اس صورت میں مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں انکی مشابہت حرف کے ساتھ ہے **قولہ وتسمی الغایات** یعنی وہ ظرف جو اضافت سے قطع کئے گئے ہیں ان کو غایات کہا جاتا ہے غایات غایت کی جمع ہے غایت کے معنے منتہی سے شے کے ہیں انکو غایات اسوجہ سے کہتے ہیں کہ انکے بولنے کے بعد یہ توقع ہوتی ہے کہ ان کا تکلم انکے مضاف الیہ پر ختم ہوگا جب انکے مضاف الیہ کے بلا عوض حذف کر دیا تو خلاف توقع کے ان کا تکلم ان پر ختم ہوگیا تو گویا کہ یہ نطق میں غایت ہوگئے اس وجہ سے ان کا نام غایات رکھدیا بخلاف ان کے جن کے مضاف الیہ کو حذف کر کے عوض . . . . تنوین وغیرہ رکھے گئے ہیں جیسے کل بعض اذ وغیرہ تو انکو غایات نہیں کہا جائے گا چونکہ وہاں انپر غایات تکلم کی نہیں ہوئی ہے بلکہ مضاف الیہ پر ہوئی ہے مگر مضاف الیہ کا عوض وہاں پر موجود ہے جانا چاہیے کہ جو انکے مشابہ ہیں جیسے امام بفتح اول اور قدام بالضم والتشدید اول ہر و پیش اور وراء بالمد بمعنے پیچھے اور آگے اور خلف بمعنے پیچھے اور اسفل اور دون اور اول بمعنے قبل وغیرہ سب بھی مبنی علی الضم ہیں انکی بنا کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف کے معنے کو متضمن ہیں یعنی استفہام کے معنے کو شامل ہے نیز جاننا چاہیے کہ لفظ لیس اور لا غیر اور لیس غیر باوجود یکہ ظرف نہیں ہیں لیکن حذف مضاف الیہ اور مبنی پر ضم ہونے میں ظروف مقطوع الاضافت کے قائم مقام ہیں پھر ان کے دونوں کا ظرف مذکورہ کے قائم مقام ہونا ان کے زیادہ ابہام میں مشابہ ہونیکی وجہ سے ہے اور لفظ غیر کے ساتھ بکثرت استعمال اور عدم تعریف بالاضافت میں مشابہ ہونیکی وجہ سے قائم مقام ظروف مذکورہ کے کیا گیا ہے۔ **قولہ ومنہا حیث** یعنی ظروف مبنیہ میں سے حیث ہے۔ یہ جمہور نحاۃ کے نزدیک مکان کے لیے آتا ہے لیکن اخفش کے نزدیک کبھی زمان کے لیے بھی آجاتا ہے اور وہ اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور جملہ من حیث ہی جملہ اگرچہ مضاف اور مضاف الیہ نہیں ہوتا مگر بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ مضاف الیہ دراصل مصدر ہے جو کہ مذکور نہیں اور جب حیث کا مضاف الیہ مذکور نہ ہوا تو وہ مضاف الیہ کا محتاج ہوگا اور عدم ذکر مضاف الیہ میں اسکی مشابہت غایات یعنی ظروف مقطوعۃ عن الاضافۃ کے ساتھ ہوگی لہذا مبنی ہوگا جیسے مثلًا اجلس حیث زید جالس کے معنے اجلس مکان جلوس زید کے ہیں۔ **قولہ قد یضاف الی المفرد** اور حیث کبھی مفرد کیطرف بھی مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے اور اسوقت وہ معرب یا مبنی ہوگا اس میں اختلاف ہو رہا ہے بعض بنا کے قائل ہیں اور بعض معرب ہونے کے قائل چونکہ بنا کی علت اضافت الی الجملہ تھی اور وہ زائل ہوگئی۔ لیکن مشہور اسکا مبنی ہونا ہے چونکہ مفرد کیطرف اضافت بطور شذوذ کے ہے جو قابل اعتبار نہیں اسوجہ سے اضافت متغیر نہ ہوئی **قولہ اما ترى الخ** مصنف حیث کے مفرد کیطرف مضاف ہونے کی استشہاد میں شعر لایا ہے پورا شعر یہ ہے۔ اما ترى حيث سهيل طالعا ؛ نجما يضيء كالشهاب ساطعا۔ (باقی بر صفحہ ۱۱۹ پر)

وشرطه ان يضاف الى الجملة نحو اجلس حيث يجلس زيد ومنها اذا وهي للمستقبل واذا دخلت على الماضي صار مستقبلا نحو اذا جاء نصر الله وفيها معنى الشرط ويجوز ان تقع بعدها الجملة الاسمية نحو اتيك اذا الشمس طالعة والمختار الفعلية نحو اتيك اذا طلعت الشمس وقد تكون للمفاجاة فيختار بعدها المبتدأ نحو خرجت فاذا السبع واقف ومنها اذ وهي للماضي وتقع بعدها الجملتان الاسمية والفعلية نحو جئتك اذ طلعت الشمس واذ الشمس طالعة ومنها اين وانى للمكان بمعنى الاستفهام نحو اين تمشي وانى تقعد وبمعنى الشرط نحو اين تجلس اجلس وانى تقم اقم ومنها متى للزمان شرطا واستفهاما نحو متى تصم اصم ومتى تسافر

اس میں حیث سہیل معرفہ کی طرف مضاف ہے یہ سبب ہے جبکہ سہیل بروایت جر ہو۔ بعض روایتوں میں سہیل مرفوع آیا ہے۔ اسوقت سہیل مبتدا محذوف الخبر ہے چونکہ خبر حال دلالت کرتا ہے اسوجہ سے حذف کردیا گیا اسوقت حیث جملہ کیطرف مضاف ہوجاویگا استشہاد اس سے باطل ہوگا اور تقدیر عبارت ہوگی حیث سہیل موجود جانا چاہیے کہ حیث میں اختلاف ہے آیا کہ لازم الظرفیۃ ہے یا نہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ لازم الظرفیۃ نہیں اور جب یہ لازم الظرفیۃ نہیں تو لہذا مفعول بہ وغیرہ واقع ہوسکتا ہے چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شعر میں حیث ترى مفعول بہ ہے بمعنے مکان سہیل کے ہوں گے جیسا کہ آیۂ کریمہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اسکا اس شعر میں مفعول بہ ہونا اسوقت ہوگا کہ نجم جو کہ دوسرے مصرع میں ہے جرکے ساتھ سہیل سے بدل ہو دوسری جماعت کہتی ہے کہ سہیل لازم الظرفیۃ ہے اور اس شعر میں اپنی ظرفیۃ پر باقی ہے اور نجم ترى کا مفعول بہ ہے اور ترى رویت البصر سے ماخوذ ہے نہ رویت قلبی سے اور اس وقت طالعاً سہیل سے حال ہوگا اور ساطعاً نجماً سے اما حرف تنبیہ ہے ترى رؤیت سے ماخوذ ہے . . . . . بمعنے دیکھنا حیث بمعنے جگہ سہیل ایک ستارہ کا نام ہے طالعاً طلوع سے بمعنے نکلنا نجم ستارہ ساطعاً اضاءۃ بمعنے روشن کرنا سے الشہاب شعلہ ساطعاً اسم فاعل سطوع بمعنے چمکنا سے **قولہ وشرطہ الخ** حیث کی شرط یعنی حیث کے بنا کی شرط استعمال غالب میں یہ ہے کہ وہ جملہ کیطرف مضاف ہو خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اول کی مثال اجلس حیث یجلس زید ثانی کی مثال اجلس حیث زید جالس حیث کی شرط یہ اسوجہ سے ہوتی ہے کہ حیث اس مکان کیلئے موضوع ہے جسمیں نسبت واقع ہو لہذا حیث جملہ کی طرف مضاف ہے چونکہ جملہ بغیر اسکے معنے تام نہیں ہوتے جیسے اسم موصول کہ بلا صلہ کے معنے تام نہیں ہوتے ہیں اور حیث کے معنے کی تعیین بغیر جملہ اسوجہ سے نہیں ہوتی کہ حیث ایسے مکان کے واسطے موضوع ہے جس میں نسبت واقع ہوتی ہے **قولہ منہا اذا الخ** یعنے ظروف مبنیہ میں سے اذا ہے اور وہ زمانہ مستقبل کیلئے ہے اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ماضی اکثر مستقبل کے معنے میں ہوجاتی ہے جیسے اذا جاء نصر اللہ اور کبھی مستقبل کے معنے میں نہیں ہوتی ہے جیسے اذا بلغ مغرب الشمس اور اذا کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جملہ کیطرف مضاف ہوتا ہے **وفیہا معنے الشرط** یعنی اور اذا میں معنے شرط کے پائے جاتے ہیں۔ یعنی ایک جملہ کا مضمون دوسرے مضمون جملہ پر مرتب ہونا لہذا اس کے بعد جملہ فعلیہ کا لانا مختار ہے کیونکہ فعل کو شرط کیساتھ مناسبت ہے البتہ اس کے بعد جملہ اسمیہ کا واقع ہونا جائز ہے لہذا آئیتک اذا الشمس طالعۃ بولنا درست ہوگا کیونکہ یہ معنے شرط کیلئے موضوع نہیں ہے اور اسمیں شرط کے معنے بھی راجح نہیں ہے بلکہ کبھی شرط کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا **قولہ وقد یکون للمفاجاۃ** یعنی کبھی اذا صرف مفاجاۃ کے لئے آتا ہے مفاجاۃ فجاءۃ مہموز اللام سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنے کسی چیز کو اچانک لے لینا یا کسی چیز کو اچانک پالینا یعنی اذا کبھی کسی چیز کے اچانک ہونے یا ملنے پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے اور اسوقت اسمیں معنے شرط کے نہیں ہوتے لہذا اسکے بعد مبتدا کا ہونا مختار ہے تاکہ اذا مفاجاتیہ اور شرطیہ میں فرق ہوجائے لفظ مختار سے مصنف اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا کا لانا واجب نہیں ہے بلکہ اولی اور مختار ہے قول مصنف فیختار میں فا یا عطف کیلئے یا شرط محذوف کے جواب میں ہے اے اذا کان للمفاجاۃ **قولہ ومنہا اذ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے اور وہ ماضی کیلئے آتا ہے اگرچہ مستقبل پر داخل ہو پھر اذ کے مبنی ہونے کی وجہ یا تو وہی ہے جو حیث میں مذکور ہوئی یا اسکی وضع حرف کا مثل وضع حرف کے ہونا اسکے مبنی ہونیکا سبب ہے اور چونکہ اذ معنے شرط کو متضمن نہیں ہوتا لہذا اسکے بعد دونوں قسم کے جملہ یعنی اسمیہ اور فعلیہ کا واقع ہونا درست ہوتا ہے **قولہ منہا این الخ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے این اور انّی ہیں جو مکان کے لیے اور استفہام و شرط کیلئے آتے ہیں این اور انّی کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معنے حرف شرط اور استفہام کو متضمن ہوتے ہیں قول مصنف للمکان یہ این یا انی کی صفت ہے اے این وانی الکائنتان للمکان یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ہما کائنتان للمکان اور بمعنے الاستفہام اور بمعنے الشرط حال ہے جب یہ استفہام کے لیے ہوتا ہے تو اس کا ترجمہ کہاں اور شرط کے لئے جب ہو تو اسکے معنے جہاں ہے اور انی کیف کے معنے میں بھی آتا ہے جیسے آیت کریمہ فاتوا حرثکم انی شئتم یعنے کیف شئتم **قولہ منہا متی** اسمار ظروف مبنیہ میں سے ایک متی ہے جو زمان کے ساتھ مختص ہے۔ شرط اور استفہام کے لیے آتا ہے شرط کی مثال مبنی تصم اصم جس وقت تو روزہ رکھے گا میں رکھوں گا (باقی بر صفحہ ۱۲۰ پر)

ومنها كيف للاستفهام حالا نحو كيف انت اى فى اىّ حالٍ انت ومنها ايّان للزمان استفهاما نحو ايّان يوم الدّين ومنها مذ ومنذ بمعنى اول المدّة ان صلح جوابا لمتى نحو رأيته مذ ومنذ يوم الجمعة فى جواب من قال متى ما رأيت زيدا اى اول مدة انقطاع رؤيتى اياه يوم الجمعة وبمعنى جميع المدّة ان صلح جوابا لكم نحو رأيته مذ ومنذ يومان فى جواب من قال كم مدة ما رأيت زيدا اى جميع مدة ما رأيته يومان ومنها لدى ولدن بمعنى عند نحو المال لديك والفرق بينهما ان عند لا يشترط فيه الحضور ويشترط ذلك فى لدى ولدن وجاء فيه لغات اخر لدن ولدن ولد ولد ولد.

اور استفہام زمانی کی مثال ہے تسافر کم سفر کریگا اسکے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استفہام اور شرط کے معنے کو شامل ہے قول مصنفؒ شرطاً واستفهاماً یا بنا بر حال **قوله ومنها كيف** یعنی ظروف مبنیہ میں سے ایک کیف ہے جو حالت دریافت کرنے کیلئے آتا ہے جیسے کیف انت یعنی تو کیسا ہے اچھا یا بیمار وغیرہ حال سے مراد صفت ہے اور کیف ما کے ساتھ مل کر شرط کے معنے بھی آتا ہے۔ بصریین کے مذہب پر بطریق ضعف کے اور کوفیوں کے نزدیک کیف مطلقاً ظروف مکان ہے چونکہ جیسے اسماء ظروف عمل کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی عمل کرتا ہے جیسے کیف زید مناکا سیبویہ کہتا ہے۔ کہ اسم صریح ہے ظرف نہیں ہے۔ چونکہ اسکے جواب میں صحیح یا مستقیم یا انکا مثل واقع ہوتا ہے اگر یہ اسم ظرف ہوتا تو ان کا واقع ہونا جواب میں درست نہ ہوتا بلکہ کسی ظرف سے جواب دیا جاتا اور یہ مبنی اسوجہ سے ہے کہ یہ حرف استفہام کے معنے کو شامل ہے۔ **قوله ومنها ايّان** یعنی ایان استفہام کے لیے خاص ہے اسمیں شرط کے معنے نہیں آتے ہیں جیسے ایان یوم الدین جزا کا دن کب ہے ایان اور متی میں فرق یہ ہے کہ ایان مرن زمانہ مستقبل کیلئے اور امور عظام دریافت کرنیکے لئے آتا ہے جیسے ایان یوم الدین پس ایان یوم قیام زید اور ایان قدم الحاج نہیں بولا جاویگا بخلاف متی کے کہ وہ عام ہے زمانہ ماضی و مستقبل کیلئے آتا ہے۔ اور ایسے ہی امور عظام وغیرہ عظام سبب کے دریافت کیلئے آتا ہے۔ یہ چونکہ استفہام کے معنے کو شامل ہے اسوجہ سے مبنی ہے اس میں مشہور لغت ہمزہ اور نون دونوں کا فتحہ ہے۔ اور ہمزہ اور نون دونوں کا کسرہ بھی آیا ہے۔ **قوله مذ ومنذ** الخ جاننا چاہیے کہ کسی کلمہ کی تصغیر اسکی اصل پر دلیل ہوتی ہے مذ کی تصغیر مذیذ آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذ کی اصل مذذ ہے اور مذ اسکی فرع ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ یہاں ایک اعتراض پڑتا ہے کہ مذ فرع منذ کی ہے اور فرع کو اصل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اسوجہ سے چاہیے تھا کہ منذ کو پہلے ذکر کرتا اور مذ کو بعد میں لیکن مصنف نے مذ کو پہلے ذکر کیا ہے جواب چونکہ مذ منذ سے خفیف ہے مصنفؒ خفت کا لحاظ کر کے مذ کو منذ سے پہلے ذکر کر دیا مذ اور منذ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ایک بطور حرف جر اور ایک بطور اسم کے جسوقت یہ حرف جر ہوں تو انکا مبنی ہونا ظاہر ہے اور جسوقت یہ اسم ہوں تو یہ اس وجہ سے مبنی ہیں کہ یہ اس مذ اور منذ کے ساتھ مشابہ ہیں جو حروف جر ہیں دوسرے اسوجہ سے کہ مذ کی وضع حرف کی وضع کے مانند ہے اور منذ اس پر محمول ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ غایات کے ساتھ مشابہ ہیں کہ جسطرح غایات مقطوع عن الاضافۃ ہوتے ہیں اسی طرح یہ ہیں مگر چونکہ یہ مقطوع عن الاضافۃ المعنویۃ ہیں اسوجہ سے یہ ہمیشہ مبنی ہوتے ہیں بخلاف غایات کے **قوله بمعنى اول المدة** مذ اور منذ جب کہ یہ اسم ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کے دو معنے آتے ہیں ایک انکے اول مدۃ کے ہیں یعنی کسی فعل کی شروع مدۃ یعنی فعل کی امید ہونے کا زمانہ بتاتے ہیں اور دوسرے معنے جمیع مدۃ کے ہیں یعنی فعل کا وجود جتنے زمانہ میں ہوا ہو اسکو بتاتے ہیں رہا یہ امر کہ اول مدۃ کے معنے میں کب ہوتا ہے اور جمیع مدۃ کے معنے میں کب تو اس کا قرینہ تو مصنفؒ نے بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مذ اور منذ جس جگہ استعمال ہوا ہے آیا کہ وہ متی اور کم ان دونوں میں سے کسی کے جواب بننے کی قابلیت رکھتا ہے اگر وہ متی کا جواب ہو سکتا ہے تو وہاں اول مدۃ کے معنے میں مستعمل ہے اور اگر وہ کم کا جواب بن سکتا ہے تو وہ جمیع مدۃ کے معنے میں ہے جیسا کہ کتاب کی امثلہ سے ظاہر ہے دوسرا قرینہ یہ ہے کہ جب اول مدۃ کے معنی میں آتے ہیں تو اسوقت انکے بعد مفرد معرفہ بغیر فصل کے واقع ہوتا ہے اسلئے کہ اول مدۃ امر واحد معین ہے جیسے ما رأیتہ مذ یوم الجمعۃ اور جمیع مدۃ کے لیے آتے ہیں تو اسوقت انکے بعد عدد کا وہ مجموعہ متصل ہوتا ہے کہ جسکا قصد کیا گیا ہے خواہ مفرد ہو یا مثنیہ یا جمع جیسے ما رأیتہ مذ یومان اور منذ ثلاثۃ ایام یعنی اسکو میرے نہ دیکھنے کی تمام مدۃ یہ ہے جاننا چاہیے کہ مذ اور منذ میں سے ہر ایک ترکیب میں مبتدا ہوتا ہے اسلیے کہ دونوں بتاویل اضافت اور معنی میں۔ اول مدۃ یا جمیع مدۃ کے ہیں اور ما بعد اسکا خبر ہے بخلاف زجاج نحوی کے کہ انکے نزدیک مذ اور منذ خبر مقدم اور اسکا ما بعد مبتدا مؤخر ہیں زجاج کی دلیل یہ ہے کہ دونوں نکرہ ہیں لہذا مبتدا نہیں ہو سکتے ہیں جمہور کہتے ہیں کہ دونوں مؤول بمعرفہ ہیں۔ **قوله منها لدى** یعنی ظروف مبنیہ میں سے لدی اور لدن ہیں اور اسمیں چھ لغت ہیں جیسا کہ مصنفؒ آگے بیان کرتا ہے ان ظروف کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انمیں سے بعض تو قلت بنا میں مشابہ حروف کے ہیں اور باقی ان پر محمول ہیں مصنفؒ کہتا ہے کہ لدی اور لدن عند کے معنے میں ہیں لیکن جاننا چاہیے کہ ان دونوں میں دو فرق ہیں ایک فرق جسکو مصنف نے بیان کیا یہ ہے کہ عند میں حضور شرط نہیں یعنی شے کا مدخول عند کے پاس ہونا ضروری نہیں ہے المال عندک اسوقت بھی بول سکتے ہیں جبکہ مخاطب کے ساتھ مال نہ ہو بلکہ اس کے خزانہ میں ہو اور لدی نہیں بول سکتے بلکہ اسمیں حضور شرط ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ لدن اور اس کے لغات کو ابتداء کے معنے لازم ہیں اسوجہ سے انکے ساتھ لفظ من کا ہونا لازم ہوتا ہے لفظاً ہو یا ہو تقدیراً اور عند میں ابتداء کے معنے لازم نہیں اسوجہ سے وہاں من کا ہونا ضرور نہیں ہے

ومنها قطُّ للماضی المنفیّ نحو رایتُہٗ قطُّ و منها عوضُ للمستقبل المنفی نحو لا اضربُہٗ عوضُ
واعلم انّہٗ اذا اُضیفَ الظروفُ الی الجملۃ او الی اذ جاز بناؤُھا علی الفتح کقولہٖ تعالیٰ
ھٰذا یومُ ینفعُ الصّٰدِقینَ صِدقُھُم وکیومئذٍ وحینئذٍ وکذٰلک مثل وغیر مع
ما وانّ وانّ نقول ضربتُہٗ مثلَ ما ضربَ زیدٌ وغیرَ انّ ضربَ زیدٌ ومنها امسِ بالکسر
عند اھلِ الحجازِ والخاتمۃ فی سائرِ احکام الاسم ولواحقِہٖ غیر الاعراب والبناء وفیھا
فصول فصل اعلم انّ الاسم علیٰ قسمین معرفۃٌ ونکرۃٌ المعرفۃ اسمٌ وضع لشیءٍ
معینٍ وھی ستۃ اقسامٍ المضمراتُ والاعلامُ والمبھماتُ اعنی اسماء الاشاراتِ والموصولاتِ
والمعرفُ باللام والمضافُ الی احدھا اضافۃً معنویۃً والمعرفُ بالنداء

قولہ منہا قطُّ الخ یعنی ظروف مبنیہ میں سے قط ہے اور وہ ماضی منفی میں استغراق نفی کے لیے آتا ہے جیسے ما مررتہٗ قط یعنی میں نے اس کو کبھی نہیں مارا اور قط کبھی مخفف آتا ہے پس حرف کے ساتھ قلت بنا رہی مشابہ ہوگا لہذا مبنی ہوگا **قولہ منہا عوض** یعنی مستقبل منفی میں استغراق نفی کے لیے آتا ہے جیسے لا اکلہٗ عوض یعنی میں اسکو کبھی نہیں کھاؤنگا اور چونکہ مضاف الیہ عوض کا محذوف منوی ہوتا ہے۔ لہذا یہ بھی مبنی ہوگا **قولہ اذا اضیف الظروف** یعنی وہ ظروف جو جملہ یا کلمہ اذا کی طرف مضاف ہوتے ہیں تخفیف کی وجہ سے انکا مبنی فتحہ پر ہونا جائز ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم کہ یہاں یوم جملہ کیطرف مضاف ہے اور مبنی فتحہ پر ہے اسی طرح ومن خزی یومئذٍ کہ اس میں یوم اذا کی طرف مضاف ہے اور مبنی بر فتحہ ہے تنبیہ قولہ جاز سے معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح ان ظروف کا جو کہ جملہ یا اذا کیطرف مضاف ہیں مبنی بر فتحہ پڑھنا جائز ہے اسی طرح ان کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں پس اول میں یوم کو بنا بر خبر مبتدا کے مرفوع اور ثانی میں خزی کے مضاف الیہ ہونے کی بنا پر مجرور پڑھ سکتے ہیں **قولہ کذلک مثل الخ** یعنی اسی طرح لفظ مثل اور غیر جملہ ما اور ان مصدریہ اور ان مشددہ کے ساتھ واقع ہوں جو اعراب اور بنا میں ظروف مذکورہ کے مثل ہونگے اسلئے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہونے میں ظروف مذکورہ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہذا ان دونوں کا بھی بر فتحہ ہونا بھی جائز ہے اور معرب ہونا بھی جیسے قیامی مثل ما قام زید وشمل ان قام زید وقیامی غیر ما قام زید **قولہ امس الخ** امس کل گذشتہ کے معنے میں ہے بعض کے نزدیک کسرہ پر مبنی ہے اور معرفہ ہے اور بعض کے نزدیک معرب اور معرفہ ہے اور جب مضاف ہوتا ہے یا لام اس پر داخل ہوتا ہے یا منکرہ کیا جاتا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک معرب ہوتا ہے بولا جاتا ہے مضی امسٌ مضی الامس المبارک لن غدصار امسا **قولہ الخاتمۃ فی سائر الاحکام** ۔ سائر سور سے مشتق ہے (جھوٹا) جو چیز کھائی گئی اس کا بقیہ لہذا سائر بمعنے باقی ہے غیر الاعراب والبناء الاحکام کی صفت ہے۔ **قولہ اعلم ان الاسم الخ** چونکہ معرفہ مطلوب اصلی اور کثیر الاستعمال ہے لہذا مصنف نے معرفہ کو نکرہ پر مقدم کیا۔ **قولہ المعرفۃ اسم** ۔ یعنی معرفہ وہ اسم ہے جو وضع جزئی اور وضع کلی کے ساتھ کسی شئی معین کے لیے وضع کیا گیا ہو قولہ وضع شئی جنس ہے معرفہ اور نکرہ دونوں کو شامل ہے قولہ معین فصل ہے نکرہ کو خارج کرتی ہے اور وضع جزئی وہ ہے جس میں موضوع لہ جزئی بعینہ کا لحاظ کیا جائے جیسے زید اور بکر اور وضع کلی سے مراد یہ ہے کہ جس میں موضوع لہ کو عنوان اعم کے ساتھ لحاظ کیا جائے جیسے مضمرات پس انمیں مثلاً واضع نے اول مراد کلی یعنی متکلم واحد کے مفہوم کا لحاظ کیا اور اس کو افراد کے ملاحظہ کیلئے آلہ بنایا اور پھر اس مفہوم کلی کے افراد میں سے ہر ہر فرد کے لئے بخصوصہ انا کو وضع کیا۔ **قولہ وھی ستۃ اقسام الخ** یعنی معرفہ چھ قسم پر ہے اول مضمرات دوم اعلام یہ علم کا جمع ہے سوم مبہمات یعنی اسماء اشارات اور موصولات انکو مبہمات اس لئے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ بغیر اشارہ حسیہ کے مخاطب کے نزدیک مبہم ہوتا ہے متکلم جب تک مشار الیہ کیطرف اشارہ حسیہ نہ کرے اس وقت تک مخاطب نہیں سمجھ سکتا کہ متکلم کی اسم اشارہ سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ متکلم کے پاس چند اشیاء ہیں جن میں سے ہر ایک مشار الیہ کا احتمال رکھتی ہے اور موصول بغیر صلہ کے مبہم رہتا ہے چہارم معرف بلام خواہ وہ لام عہدی ہو جیسے ادخل السوق پس السوق پر لام عہد ذہنی ہے میں داخل ہونگا اس بازار میں جو میرے اور تیرے درمیان معہود ذہنی ہے) اور جیسے قولہ باری تعالیٰ کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول اس آیت میں الرسول پر لام عہد خارجی ہے خواہ لام جنسی ہو جیسے الرجل خیر من المراۃ (ماہیت مرد بہتر ہے ماہیت عورت سے) خواہ لام استغراقی ہو جیسے ان الانسان لفی خسر جمیع الانسان (تحقیق کہ تمام انسان ٹوٹے میں ہیں) پنجم وہ اسم جو امور مذکورہ میں سے کسی ایک کی طرف اضافت معنویہ کے ساتھ مضاف ہو جیسے غلامی اور غلام زید اور غلام الذی عندی ششم معروف بحرف ندا جیسے یا رجل ۔

والعَلَمُ ما وُضِعَ لشيءٍ مُعَيَّنٍ لا يتناوَلُ غيرَهُ بوضعٍ واحدٍ وأعرفُ المعارفِ المضمرُ المتكلّمُ نحو أنا ونحنُ ثم المخاطَبُ نحو أنتَ ثم الغائبُ نحو هُوَ ثم العَلَمُ ثم المبهماتُ ثم المعرّفُ باللام ثم المعرّفُ بالنداء والمُضافُ في قوةِ المضافِ اليه والنكرةُ وُضِعَ لشيءٍ غيرِ مُعَيَّنٍ كرجلٍ وفرسٍ **فصل** اسماءُ العددِ ما وُضِعَ ليدلَّ على كميةِ آحادِ الاشياءِ واصولُ العددِ اثنتا عشرةَ كلمةً واحدةٌ الى عشرةٍ ومائةٌ وألفٌ واستعمالُهُ من واحدٍ الى اثنتين على القياسِ اعني للمذكرِ بدونِ التاءِ وللمؤنثِ بالتاءِ تقولُ في رجلٍ واحدٌ وفي رجلين اثنان وفي امرأةٍ واحدةٌ وفي امرأتين اثنتان وثنتانِ ومن ثلثةٍ الى عشرةٍ على خلافِ القياسِ اعني للمذكرِ بالتاءِ تقولُ ثلثةُ رجالٍ الى عشرةِ رجالٍ وللمؤنثِ بدونِها تقولُ ثلثُ نسوةٍ الى عشرِ نسوةٍ۔

قولہ والعلم اسم وضع۔ علم وہ اسم ہے جو معین کے لیے وضع کیا گیا ہو اور ان حالیکہ وہ وضع واحد کیساتھ اس شے کے غیر کو نہ شامل ہو۔ خواہ مفرد ہو جیسے زید خواہ مرکب ہو جیسے عبداللہ خواہ کسی کا نام ہو۔ جیسے خالد خواہ لقب جیسے صدیق خواہ کنیت ہو جیسے ابوبکر خواہ وہ معنی کسی ذات کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے خالد خواہ وہ کسی معنی حدث کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے سبحان جو تسبیح مصدر کا علم ہے اور خواہ وہ منقول ہو جیسے افضل خواہ وہ مرتجل جیسے عمران اور خواہ اس سے مراد محض لفظ ہو جیسے سعید کہ نہ قولہ ما وضع لشیٔ معین جنس ہے تمام معارف کو شامل ہے قولہ لا یتناول غیرہ فصل ہے اس سے علم کے سوا تمام معارف خارج ہو گئے ہیں اس سے تعریف میں اعلام مشترکہ داخل ہو گئے ہیں جیسے زید جب دو شخصوں کا نام ہو تو اس وقت اگرچہ غیر کو شامل ہیں لیکن نہ ایک وضع سے بلکہ دو وضع سے بخلاف ناک اور ہذا اور الرجل کے کہ یہ ایک ہی وضع سے امور متعدد کو شامل ہیں۔ جیسا کہ نحو کی بڑی کتابوں سے تم کو معلوم ہو جائیگا **قولہ اعرف المعارف** یعنی اعرف المعارف ضمیر متکلم ہے۔ اس لئے کہ اسمیں التباس سب سے کم ہے اس کے بعد اور ضمیر مخاطب جیسا کہ ظاہر ہے پھر اختلاف ہو رہا ہے کہ ضمیر غائب اور علم میں اعرف کون ہے بعض ضمیر غائب کو علم سے اعرف کہتے ہیں اور بعض علم کو ضمیر غائب سے اعرف مانتے ہیں لیکن مصنف کے نزدیک اول مذہب حق ہے۔ اس وجہ سے کہتا ہے ثم الغائب ثم العلم **قولہ تعریف المضاف الخ** یعنی مضاف مراتب تعریف میں مضاف الیہ کی قوت میں ہے کیونکہ مضاف الیہ سے تعریف کو حاصل کرتا ہے لہذا اس کے مرتبہ میں ہوگا یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور مبرد کے نزدیک تعریف مضاف مضاف الیہ سے انقص ہوتی ہے۔ چونکہ وہ مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا ہے کاسب اور مکسوب ایک درجہ میں نہیں ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اسم جو مضمر کی طرف مضاف ہوتا ہے موصوف ہوتا ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوتی ہے جاننا چاہیے کہ معارف میں یہ ترتیب جو مصنف نے ذکر کی ہے۔ اکثر نحات کی رائے کے اعتبار سے ہے کوفیوں کا مذہب اسمیں یہ ہے کہ اعرف المعارف علم ہے پھر مضمر پھر مبہم اور سب کے بعد معرف باللام ابن کیسان کہتا ہے کہ اعرف مضمر ہے پھر علم پھر اسم اشارہ اسکے بعد ذولام سب کے بعد اسم موصول ابن سراج کے نزدیک اسم اشارہ اعرف ہے۔ پھر ضمیر پھر علم پھر ذولام اسکے بعد موصول اور ابن مالک کے نزدیک اعرف ضمیر متکلم پھر ضمیر مخاطب پھر علم پھر ضمیر غائب پھر اسم اشارہ و منادیٰ پھر اسم موصول اور ذولام اور مضاف الیہ کی حیثیت پر ہے۔ **قولہ النکرۃ الخ** یعنی نکرہ وہ اسم ہے کہ جسکو غیر معین شے کیلئے وضع کیا گیا ہے تعریف نکرہ سے غیر معین کی قید سے معرفہ خارج ہو گئے نکرہ کی علامات یہ ہیں کہ وہ لام تعریف کو قبول کرتا ہے اور رب اور کم خبریہ کا دخول اس پر صحیح ہوتا ہے اور اسکا حال و تمیز اور لا بعثے لیس کا اسم واقع ہونا درست ہوتا ہے **قولہ اسماء العدد الخ** یعنی اسماء عدد وہ الفاظ ہیں جنکو افراد اشیا کی مقدار بیان کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے مثلاً ثلثۃ رجال میں ثلاثۃ اسماء عدد ہے اور رجل کے تین فرد پر دلالت کرتا ہے۔ تعریف میں وضع کی قید سے رجل رجلان خارج ہو گئے کیونکہ ان سے حرف کی تعداد مراد نہیں بلکہ کمیت ہے مع ذات مقصود کے **قولہ اصول العدد** یعنی اصل اسماء عدد کے بارہ کلمے ہیں ایک (واحد) سے دس تک عشرۃ اور مائۃ اور الف۔ اب باقی رہے دیگر مراتب اعداد کے سو وہ ان بارہ کلموں سے ماخوذ ہیں **قولہ استعمالہ الخ** اب بیان سے مصنف ہر ایک کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ واحد مذکر کے لیے اور واحدۃ اثنان تثنیہ مذکر کے لیے اور واحدۃ اور اثنتان اور ثنتان مؤنث کے لیے ہیں اور یہ قیاس کے موافق مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث ہیں لیکن تین سے دس تک اعداد خلاف قیاس آئے ہیں مذکر کے لیے علامت تانیث لائی جاتی ہے جیسے ثلاثۃ رجال اور مؤنث کے لیے علامت تانیث نہیں لائی جاتی جیسے ثلاث نسوۃ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جمیع باعتبار جماعت کے مؤنث ہے پس عدد میں اس کی علامت تانیث کو لائیں گے تاکہ مجیز اور تمیز میں مناسبت باقی

رہے پھر جب (باقی بر صفحہ ۱۲۳ پر)

وبعد العشرة تقول احد عشر رجلًا واثنا عشر رجلًا وثلثة عشر رجلًا الى تسعة عشر رجلًا واحدى عشرة امرأة واثنتا عشرة امرأة وثلث عشرة امرأة الى تسع عشرة امرأة وبعد ذلك تقول عشرون رجلًا وعشرون امرأة بلا فرق بين المذكر والمؤنث الى تسعين رجلًا وامرأة واحد وعشرون رجلًا واحدى وعشرون امرأة واثنان وعشرون رجلًا واثنتان وعشرون امرأة وثلثة وعشرون رجلًا وثلث وعشرون امرأة الى تسعة وتسعين رجلًا وتسع وتسعين امرأة ثم تقول مائة رجل ومائة امرأة والف رجل والف امرأة ومائتا رجل ومائتا امرأة والفا رجل والفا امرأة بلا فرق بين المذكر والمؤنث

مذکر میں تین سے لے کر دس تک علامت تانیث کی نہ لائیں گے تاکہ مذکر اور مونث کے درمیان فرق ہو اب اگر کوئی کہے کہ برعکس کیوں نہیں کیا گیا جواب یہ ہے کہ بوجہ اصالت اور شرافت کے مذکر مقدم ہے پس مادلالت کے حال پر نظر کی گئی اور علامت تانیث اسکو دی گئی اسکے بعد مونث کا لحاظ کیا اور مذکر اور مونث میں فرق کرنے کیلئے اس میں علامت مونث کی نہیں لائے **قولہ بعد العشرة** یعنی دس کے بعد عدد میں ترکیب کیساتھ عطف دکیا جائے گا اور گیارہ اور بارہ میں مطابق قیاس کے مذکر کے لیے احد عشر اور اثنا عشر اور مونث کیلئے احدی عشرة اور اثنتا عشرة کہا جائیگا اور تیرہ سے لیکر انیس تک پہلا جزو خلاف قیاس ہوگا جیسا کہ ترکیب سے بیشتر تھا تاکہ فرع اور اصل میں موافقت رہے اور دوسرا جزو موافق قیاس کے ہوگا چنانچہ مذکر کیلئے ثلثة عشر تا تسعة عشر اور مونث کیلئے ثلث تسع عشرة کہا جائیگا۔ اور جاننا چاہیے کہ بنی تمیم ترکیب کیوقت ذہر کے شین کو کسر دیتے ہیں تاکہ تتابع ریاء فتحات کی ترکیب کیساتھ لازم نہ آئے لیکن اہل حجاز شین کو کبھی ساکن کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تا طیورہ کلمہ ہے پس تو والی چار فتحوں کی کلمہ واحد ہی نہیں آتی قولہ عشرون والخواتہا یعنی عشرون اور اسکے نظائر ثلاثون وغیرہ میں مذکر اور مونث دونوں مساوی ہیں جیسے عشرون رجلا وعشرون امراة **قولہ بعد ذلک** یعنی کے بعد جب کہ احد اور اثنان کیساتھ عشر متصل ہو کر ترکیب اور تانیث میں موافق قیاس کے ہوگا اور اسکے ماقبل میں بطلان قیاس اور ترکیب مذبور عطف ہوگا اور عقود یعنی دہائیوں کا عطف عدد زائد اصلی دہائیوں پر ہوگا اور یہ حکم ننانوے تک ہے پس اکیس سے لیکر ننانوے تک جتنے عدد اکائی دہائی سے مرکب ہیں ان سب میں دہائیوں کا عطف اکائیوں پر ہوگا جیسا کہ نقشہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوتا ہے ۔

عربی کی گنتی ایک سے سو تک

نمبر شمار	اعداد المذکر	تمیز المذکر	نمبر شمار	اعداد المؤنث	تمیز المؤنث	نمبر شمار	اعداد المذکر	تمیز المذکر	نمبر شمار	اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۱	أحد		۱	احدی		۱۲	اثنان عشر	رجلًا	۱۲	اثنتا عشرة	امراة
۲	اثنان		۲	اثنتان		۱۳	ثلثة عشر	رجلًا	۱۳	ثلث عشرة	امراة
۳	ثلثة	رجال	۳	ثلث	نساء	۱۴	اربعة عشر	رجلًا	۱۴	اربع عشرة	امراة
۴	اربعة	رجال	۴	اربع	نساء	۱۵	خمسة عشر	رجلًا	۱۵	خمس عشرة	امراة
۵	خمسة	رجال	۵	خمس	نساء	۱۶	ستة عشر	رجلًا	۱۶	ست عشرة	امراة
۶	ستة	رجال	۶	ست	نساء	۱۷	سبعة عشر	رجلًا	۱۷	سبع عشرة	امراة
۷	سبعة	رجال	۷	سبع	نساء	۱۸	ثمانية عشر	رجلًا	۱۸	ثمان عشرة	امراة
۸	ثمانية	رجال	۸	ثمان	نساء	۱۹	تسعة عشر	رجلًا	۱۹	تسع عشرة	امراة
۹	تسعة	رجال	۹	تسع	نساء	۲۰	عشرون	رجلًا	۲۰	عشرون	امراة
۱۰	عشر	رجال	۱۰	عشرة	نساء	۲۱	احد وعشرون	رجلًا	۲۱	احدى وعشرون	امراة
۱۱	احد عشر	رجلًا	۱۱	احدى عشرة	امراة	۲۲	اثنان وعشرون	رجلًا	۲۲	اثنتان وعشرون	امراة

عدد	اعداد المذکر	تمیز المذکر	عدد	اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۲۳	ثلثۃ وعشرون	رجلاً	۲۳	ثلث وعشرون	امراۃ
۲۴	اربعۃ وعشرون	رجلاً	۲۴	اربع وعشرون	امراۃ
۲۵	خمسۃ وعشرون	رجلاً	۲۵	خمس وعشرون	امراۃ
۲۶	ستۃ وعشرون	رجلاً	۲۶	ست وعشرون	امراۃ
۲۷	سبعۃ وعشرون	رجلاً	۲۷	سبع وعشرون	امراۃ
۲۸	ثمانیۃ وعشرون	رجلاً	۲۸	ثمان وعشرون	امراۃ
۲۹	تسعۃ وعشرون	رجلاً	۲۹	تسع وعشرون	امراۃ
۳۰	**ثلثون**	رجلاً	۳۰	**ثلثون**	امراۃ
۳۱	احد وثلثون	رجلاً	۳۱	احدی وثلثون	امراۃ
۳۲	اثنان وثلثون	رجلاً	۳۲	اثنتان وثلثون	امراۃ
۳۳	ثلثۃ وثلثون	رجلاً	۳۳	ثلث وثلثون	امراۃ
۳۴	اربعۃ وثلثون	رجلاً	۳۴	اربع وثلثون	امراۃ
۳۵	خمسۃ وثلثون	رجلاً	۳۵	خمس وثلثون	امراۃ
۳۶	ستۃ وثلثون	رجلاً	۳۶	ست وثلثون	امراۃ
۳۷	سبعۃ وثلثون	رجلاً	۳۷	سبع وثلثون	امراۃ
۳۸	ثمانیۃ وثلثون	رجلاً	۳۸	ثمان وثلثون	امراۃ
۳۹	تسعۃ وثلثون	رجلاً	۳۹	تسع وثلثون	امراۃ
۴۰	**اربعون**	رجلاً	۴۰	**اربعون**	امراۃ
۴۱	احد واربعون	رجلاً	۴۱	احدی واربعون	امراۃ
۴۲	اثنان واربعون	رجلاً	۴۲	اثنتان واربعون	امراۃ
۴۳	ثلثۃ واربعون	رجلاً	۴۳	ثلث واربعون	امراۃ
۴۴	اربعۃ واربعون	رجلاً	۴۴	اربع واربعون	امراۃ
۴۵	خمسۃ واربعون	رجلاً	۴۵	خمس واربعون	امراۃ
۴۶	ستۃ واربعون	رجلاً	۴۶	ست واربعون	امراۃ
۴۷	سبعۃ واربعون	رجلاً	۴۷	سبع واربعون	امراۃ
۴۸	ثمانیۃ واربعون	رجلاً	۴۸	ثمان واربعون	امراۃ
۴۹	تسعۃ واربعون	رجلاً	۴۹	تسع واربعون	امراۃ
۵۰	**خمسون**	رجلاً	۵۰	**خمسون**	امراۃ
۵۱	احد وخمسون	رجلاً	۵۱	احدی وخمسون	امراۃ
۵۲	اثنان وخمسون	رجلاً	۵۲	اثنتان وخمسون	امراۃ
۵۳	ثلثۃ وخمسون	رجلاً	۵۳	ثلث وخمسون	امراۃ
۵۴	اربعۃ وخمسون	رجلاً	۵۴	اربع وخمسون	امراۃ
۵۵	خمسۃ وخمسون	رجلاً	۵۵	خمس وخمسون	امراۃ
۵۶	ستۃ وخمسون	رجلاً	۵۶	ست وخمسون	امراۃ
۵۷	سبعۃ وخمسون	رجلاً	۵۷	سبع وخمسون	امراۃ
۵۸	ثمانیۃ وخمسون	رجلاً	۵۸	ثمان وخمسون	امراۃ
۵۹	تسعۃ وخمسون	رجلاً	۵۹	تسع وخمسون	امراۃ
۶۰	**ستون**	رجلاً	۶۰	**ستون**	امراۃ
۶۱	احد وستون	رجلاً	۶۱	احدی وستون	امراۃ
۶۲	اثنان وستون	رجلاً	۶۲	اثنتان وستون	امراۃ
۶۳	ثلثۃ وستون	رجلاً	۶۳	ثلث وستون	امراۃ
۶۴	اربعۃ وستون	رجلاً	۶۴	اربع وستون	امراۃ
۶۵	خمسۃ وستون	رجلاً	۶۵	خمس وستون	امراۃ
۶۶	ستۃ وستون	رجلاً	۶۶	ست وستون	امراۃ
۶۷	سبعۃ وستون	رجلاً	۶۷	سبع وستون	امراۃ
۶۸	ثمانیۃ وستون	رجلاً	۶۸	ثمان وستون	امراۃ
۶۹	تسعۃ وستون	رجلاً	۶۹	تسع وستون	امراۃ
۷۰	**سبعون**	رجلاً	۷۰	**سبعون**	امراۃ
۷۱	احد وسبعون	رجلاً	۷۱	احدی وسبعون	امراۃ
۷۲	اثنان وسبعون	رجلاً	۷۲	اثنتان وسبعون	امراۃ
۷۳	ثلثۃ وسبعون	رجلاً	۷۳	ثلث وسبعون	امراۃ
۷۴	اربعۃ وسبعون	رجلاً	۷۴	اربع وسبعون	امراۃ
۷۵	خمسۃ وسبعون	رجلاً	۷۵	خمس وسبعون	امراۃ
۷۶	ستۃ وسبعون	رجلاً	۷۶	ست وسبعون	امراۃ
۷۷	سبعۃ وسبعون	رجلاً	۷۷	سبع وسبعون	امراۃ
۷۸	ثمانیۃ وسبعون	رجلاً	۷۸	ثمان وسبعون	امراۃ
۷۹	تسعۃ وسبعون	رجلاً	۷۹	تسع وسبعون	امراۃ
۸۰	**ثمانون**	رجلاً	۸۰	**ثمانون**	امراۃ
۸۱	احد وثمانون	رجلاً	۸۱	احدی وثمانون	امراۃ
۸۲	اثنان وثمانون	رجلاً	۸۲	اثنتان وثمانون	امراۃ
۸۳	ثلثۃ وثمانون	رجلاً	۸۳	ثلث وثمانون	امراۃ
۸۴	اربعۃ وثمانون	رجلاً	۸۴	اربع وثمانون	امراۃ
۸۵	خمسۃ وثمانون	رجلاً	۸۵	خمس وثمانون	امراۃ
۸۶	ستۃ وثمانون	رجلاً	۸۶	ست وثمانون	امراۃ
۸۷	سبعۃ وثمانون	رجلاً	۸۷	سبع وثمانون	امراۃ
۸۸	ثمانیۃ وثمانون	رجلاً	۸۸	ثمان وثمانون	امراۃ

	اعداد المذکر	تمیز المذکر		اعداد المؤنث	تمیز المؤنث		اعداد المذکر	تمیز المذکر		اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۸۹	تسعۃ وثمانون	رجلاً	۸۹	تسع وثمانون	امراۃ	۹۵	خمسۃ وتسعون	رجلاً	۹۵	خمس وتسعون	امراۃ
۹۰	تسعون	رجلاً	۹۰	تسعون	امراۃ	۹۶	ستۃ وتسعون	رجلاً	۹۶	ست وتسعون	امراۃ
۹۱	احد وتسعون	رجلاً	۹۱	احدی وتسعون	امراۃ	۹۷	سبعۃ وتسعون	رجلاً	۹۷	سبع وتسعون	امراۃ
۹۲	اثنان وتسعون	رجلاً	۹۲	اثنتان وتسعون	امراۃ	۹۸	ثمانیۃ وتسعون	رجلاً	۹۸	ثمان وتسعون	امراۃ
۹۳	ثلثۃ وتسعون	رجلاً	۹۳	ثلث وتسعون	امراۃ	۹۹	تسعۃ وتسعون	رجلاً	۹۹	تسع وتسعون	امراۃ
۹۴	اربعۃ وتسعون	رجلاً	۹۴	اربع وتسعون	امراۃ	۱۰۰	مائۃ	رجل ورجال	۱۰۰	مائۃ	امراۃ ونساء

فاذا زاد علی المائۃ والالف یستعمل علی قیاس ما عرفت ویقدم الالف علی المائۃ و المائۃ علی الاحاد والاحاد علی العشرات تقول عندی الف ومائۃ واحد وعشرون رجلاً و الفان ومائتان واثنان وعشرون رجلاً واربعۃ آلاف وتسعمائۃ وخمس واربعون امرأۃ وعلیک بالقیاس واعلم ان الواحد والاثنین لا مییز لھما لان لفظ الممیز یغنی عن ذکر العدد فیھما تقول عندی رجل ورجلان واما سائر الاعداد فلا بد لھا من ممیز فتقول ممیز الثلثۃ الی العشرۃ مخفوض مجموع تقول ثلثۃ رجال وثلث نسوۃ الا اذا کان الممیز لفظ المائۃ فحینئذ یکون مخفوضا مفردا تقول ثلث مائۃ وتسع مائۃ والقیاس ثلث مات او مئین وممیز احد عشر الی تسعۃ وتسعین منصوب مفرد تقول احد عشر رجلا واحدی عشرۃ امرأۃ وتسعۃ وتسعون رجلا وتسع وتسعون امرأۃ

قولہ ثم تقول الخ یعنی مائۃ اور الف اور مائتان اور الفان مذکر اور مؤنث میں برابر ہیں **قولہ فاذا زاد علی الخ** یعنی پھر جب مائۃ پر کوئی اعداد زائد ہوگا تو اس پر زائد بعطف اسی صورت سے ہوگا یعنی واحد اور اثنان میں ہوں۔ مائۃ واحد ومائۃ واثنان اور ثلاثہ سے لیکر تسعہ تک خلاف قیاس مائۃ وثلاثۃ رجال ومائۃ ثلاث نسوۃ کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس بقاعدہ مذکورہ بالا مائۃ احد عشر ومائۃ احدی عشرۃ کہتے ہیں اور یہی حال مائۃ اور الف کے تثنیہ اور جمع کا ہے اور ان سب صورتوں میں عدد زائد کا عطف مائۃ پر ہوتا ہے لیکن اسکا برعکس بھی جائز ہے مثلاً واحد ومائۃ رجل بھی کہہ سکتے ہیں **قولہ ویقدم الخ** یعنی پہلے الف لاویں گے۔ اور اس کے بعد مائۃ پھر احاد پھر عشرات اور ان سب کے عطف میں عکس درست ہے مثلاً یوں کہنا درست ہے واحد و اثنان مائۃ وغیرہ واللہ اعلم **قولہ واعلم ان الواحد الخ** یعنی واحد اور اثنین ایسے ہی واحدۃ اور اثنتین انکے بعد انکی تمیز نہیں ذکر کی جاتی ہے کیونکہ اسما تمیز ذکر عدد سے بے نیاز کرتا ہے چنانچہ عندی رجل واحد رجل اور اثنان الرجلین بولا جاتا ہے اور عندی واحد رجل اور اثنان الرجلین بولنا غلط ہے کیونکہ عدد جس تمیز کا فائدہ دیتا ہے وہ تمیز اس پر تصریح کرتی ہے یعنی تمیز خود مقدار کو بیان کر دیتی ہے عرب کا قول رجل واحد اور رجلان اثنان تاکید پر محمول ہے اور باقی اعداد کی تمیز آتی ہے کیونکہ تمیز مفید عدد سے منفی نہیں ہے کیونکہ تمیز سے مقصود یہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل حاصل ہو اور واحد و اثنین کے لئے اس اجمال کے بعد تفصیل حاصل نہیں ہوتا ہے **قولہ الی العشرۃ** یعنی تمیز ثلاثہ سے عشرۃ تک مجرور ہوتی اور مجرور ہونا لفظ اور معنی دونوں میں ہے جیسے ثلاثۃ رجال یا صرف معنی میں جیسے ثلاثۃ رجال پھر اس تمیز کا مجرور ہونا اسلئے ہے کہ مجموع ہوتا ہے اور ثلاثۃ سے لیکر عشرۃ تک بکثرت پس مناسب ہے کہ تمیز کو بھی جمع لایا جائے خالد عدد اور معدود میں مطابقت رہے اور یہ صیغہ پر دلالت کرے کہ تسعہ تک لفظ مائۃ ہو تو اوقات تمیز مفرد مخفوض ہوتی ہے تمیز کا مجرور ہونا تو اسلئے ہے کہ وہ عدد کا مضاف الیہ ہے اور واحد مجرور کی تمیز نہیں اور مفرد ہونا اسلئے کہ مائۃ کی جمع بھی ایک صورت جمع مذکر سالم ہے مؤنث سالم ہے دونوں ثلاثہ کے اخوات کی تمیز نہیں ہو سکتی تھی تو اسلئے نہیں ہو سکتی کہ عدد کی اضافت جمع مذکر بالمذکر کی طرف جائز نہیں اور مات اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی تمیز بننے میں چند تاء کا اجتماع لازم آتا ہے ایک تاء مائۃ کا مجرور کہ تانیث کی ہے دوسری تاء جمع کا تیسری تاء تعدد ہو کہ موافقت مائۃ سے ثلاثہ میں ہوتی ہے اور یہ یعنی اجتماع چند تاء کا ناجائز ہے پس تمیز اس جگہ مفرد ہوئی **قولہ منصوب مفرد ممیز احد عشر الخ** یعنی احد عشر سے تسعۃ وتسعین تک کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے منصوب تو اسلئے کہ اسکو اسکے مجرور ہونیکی کوئی سبیل نہیں اسلئے کہ مجرد اضافت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر یہاں اضافت کریں گے تو لازم آئیگا کہ تمیز کے مثل عدد واحدہ کے ہو لا اور وہ انکے نزدیک قبیح ہے اور مفرد اسلئے کہ عدد اس جگہ کثرت پر دلالت کرتا ہے پس کثرت تمیز کی کوئی حاجت نہیں۔

ومميزُ مائةٍ والفٍ تثنيتهما وجمعِ الالف مخفوضٌ مفردٌ تقول مائةُ رجلٍ ومائةُ امرأةٍ والف رجلٍ والفُ امرأةٍ ومائتا رجلٍ مائتا امرأةٍ والفا رجلٍ والفا امرأةٍ وثلثةُ آلافِ رجلٍ وثلثُ آلافِ امرأةٍ وقِسْ على هذا فصل الاسم اما مذكر واما مؤنث فالمؤنث ما فيه علامةُ التانيث لفظًا او تقديرًا والمذكر ما بخلافه وعلامةُ التانيث ثلثةٌ التاءِ كطلحةَ والالف المقصورةِ كحبلى والالف الممدودةِ كحمراء والمقدرةُ انما هو التاء فقط كارضٍ ودارٍ بدليل اُرَيْضَةٍ ودُوَيْرَةٍ ثم المؤنثُ على قسمين حقيقيٌّ وهو ما بازائه ذكرٌ من الحيوان كامرأةٍ وناقةٍ ولفظيٌّ وهو ما بخلافه كظلمةٍ وعينٍ وقد عرفتَ احكامَ الفعلِ اذا اُسْنِدَ الى المؤنث فلا نُعيدُها فصل المثنّى اسمُ الحق بآخرِه الفُ

قولہ مميز مائة یعنی مائۃ اور الف کی تمیز مجرور ہوتی ہے اور مفرد مجرور اضافت کیوجہ سے اور مفرد اسلئے کہ مائۃ اور الف خود کثرت پر دلالت کرتے ہیں اور اسیطرح مائۃ اور الف کے تثنیہ اور صرف الف کی جمع کا حال ہے نہ کہ مائۃ کی جمع کا اسواسطے کہ مائۃ کی جمع کا استعمال مع اسکی تمیز کے متروک ہے لہذا ثلث مائۃ رجل نہیں کہا جائیگا **قولہ الاسم اما مذکر الخ** یعنی اسم یا مذکر ہے یا مؤنث مباحث عدد کا اجرا چونکہ ذکر تانیث اور تذکیر کیساتھ وابستہ تھا لہذا ذکر عدد کے بعد تانیث کا ذکر مناسب معلوم ہوا اسوجہ سے مصنفؒ نے کہا الاسم اما مذکر الخ مصنفؒ نے تقسیم میں مذکر کو مؤنث پر مقدم کیا۔ کیونکہ مذکر خلقۃً و رتبۃً مؤنث پر مقدم ہے اور اسکی تعریف مذکر پر مؤنث کو مقدم ہو جاوے یا اسی وجہ سے کہ تعریف مؤنث وجودی ہے اور تعریف مذکر عدمی **قولہ المؤنث الخ** یعنی مؤنث وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث کی پائی جاے لفظاً جیسے طلحۃ کہ اسمیں تاء علامت تانیث لفظوں میں ہے یا تقدیراً جیسے ارض کہ در اصل ارضۃ تھا بدلیل اُرَیْضَۃٍ اسلئے کہ تصغیر اسماء کو ان کی اصل کیطرف لیجاتی ہے پس ثابت ہوا کہ ارض میں تاء تانیث مقدر ہے پھر علامت لفظی عام ہے کہ وہ حقیقۃً ہو جیسے امرأۃ ناقۃ یا حکماً جیسے عقرب میں اس میں اسکا چرتھا حرف تاء تانیث کے قائمقام ہے اس وجہ سے کہ اسکی تصغیر عقیرب آتی ہے اور جیسے حائض کہ یہ ایسی صفت ہے جو مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ **قولہ والمذکر الخ** یعنی مذکر وہ اسم ہے جو مؤنث کے خلاف ہو یعنی اس میں علامت تانیث نہ پائی جاے نہ لفظاً اور نہ تقدیراً **قولہ علامت التانیث الخ** اور علامت تانیث کی تین ہیں اول تاء جو حالت وقف میں ہا ہو جاتی ہے جیسے طلحۃ میں (مرد کا نام ہے) دوم الف مقصورہ جو تین حرف کے بعد ہو اور الحاق کیلئے نہ ہو اور نہ محض زیادت کیلئے ہو پس ان تین قیود کی وجہ سے فتحہ (کہ اس میں الف مقصورہ دو حرف کے بعد ہے) اور ارطی جو جعفر کے ساتھ ملحق ہے (اسمیں الف مقصورہ الحاق کا ہے اور قبعثری (کہ اس میں الف محض زیادت کیلئے ہے) جیسے کلمات سے اعتراض وارد نہ ہوگا جیسے حبلی اس میں الف مقصورہ علامت تانیث ہے سوم الف ممدودہ یعنی وہ الف زائدہ جسکے بعد ہمزہ زائدہ ہو جیسے حمراء (سرخ رنگ کی عورت) مصنفؒ کے ذکر تاء میں نحات کو فہم پر رد ہے اسلیے کہ وہ ہا اور تاء دونوں کو عدا گانہ علامت تانیث قرار دیتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بعض نحات کے نزدیک وصلی اور بندی میں علامت تانیث کی ہے لیکن مصنفؒ نے اسکو علامات تانیث میں شمار نہیں کیا اسلئے کہ ممکن ہے کہ ان کلمات کی تانیث وضعی ہو اور علامتی نہ ہو جیسے کلمات بی اور انت کی تانیث وضعی ہے **قولہ والمقدرۃ انما ہو التاء فقط** مصنفؒ نے پہلے علامات تانیث کے حصر فرمایا ہے کہ وہ لفظاً ہوتی ہے یا تقدیراً لیکن علامت تانیث میں سے صرف تاء ہے جو مقدر ہوتی ہے باقی ملفوظ ہوتی ہے لہذا یہاں سے مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ علامت تانیث میں جو مقدر ہوتی ہے وہ صرف تاء ہوتی ہے اور پھر یہ بھی سرخی کلمات میں مقدر ہوتی ہے جیسے ارض اور دار کہ ان میں تاء تانیث مقدر ہے اسلئے کہ انکی تصغیر اُرَیْضَۃٌ اور دُوَیْرَۃٌ آتی ہے کیونکہ تصغیر میں اسماء کے تمام حروف ظاہر ہو جاتے ہیں اور اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں ۱۲ **قولہ ثم المؤنث علی قسمین** یعنی مؤنث دو قسم پر ہے حقیقی اور لفظی حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلہ میں جنس حیوان سے مذکر موجود ہو عام ازیں کہ اسمیں الف ممدودہ ہو جیسے حمراء یا الف مقصورہ جیسے حبلی یا تاء لفظاً ہو جیسے امرأۃ کہ اسکے مقابلہ میں رجل ہے اور جیسے ناقۃ کہ اسکے مقابلہ میں جمل ہے یا تقدیراً جیسے ہند اور لفظی وہ ہے جو حقیقی کے خلاف ہو یعنی اسکے مقابلہ میں جنس حیوان سے مذکر نہ ہو جیسے ظلمۃ و عین پہلی مثال تانیث لفظی حقیقی کی ہے اور دوسری مثال تانیث لفظی تقدیری کی ہے اس لیے کہ تاء تانیث لفظ عین میں مقدر ہے بدلیل عُیَیْنَۃٌ کے اسلیے کہ تصغیر اسموں کو اپنی اصل پر لیجاتی ہے مصنفؒ نے ذکر من الحیوان فرمایا تاکہ نمل کی مؤنث سے احتراز ہو جاوے اس لئے کہ اسکے مقابلہ میں اگرچہ اس کی جنس سے مذکر ہے لیکن اس کی تانیث حقیقی نہیں ہے کیونکہ وہ حیوان سے نہیں ہے ۱۲ **قولہ المثنی ما الحق** ۔ اولاً جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے مرفوع مثنی اور مجموع کو جو مفرد کی فروع ہیں ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ اسکے ماسوا مفرد ہے اور بیان میں اختصار حاصل ہو جاوے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثنی وہ ہے (باقی بر صفحہ ۱۲۷ پر)

او یاءٌ مفتوحٌ ماقبلها و نونٌ مکسورۃ لیدل علی انّ معہٗ اٰخر مثلہ نحو رجلان و رجلین ھٰذا
فی الصحیح اما المقصور فان کانت الفہٗ منقلبۃً عن واوٍ و کان ثلاثیًا رُدّ الی اصلہ کعصوان
فی عصا وان کانت عن یاءٍ او واوٍ وھو اکثر من الثلاثی او لیست منقلبۃً عن شیءٍ تقلب یاءً
کرحیان فی رحیٰ و ملھیان فی ملھیٰ و حباریان فی حباریٰ و حبلیان فی حبلیٰ واما الممدود فان
کانت ھمزتہٗ اصلیۃً تثبت کقرّاءٍ وان کانت للتانیث تقلب واوًا کحمراوان فی
حمراءٍ وان کانت بدلًا من اصلٍ واوًا او یاءً جاز فیہ الوجھان ککساوان کسائان ویجب
حذف نونہٖ عند الاضافۃ تقول جاءنی غلاما زیدٍ و مسلمًا مصرٍ وکذلک تحذف تاءُ
التانیث فی تثنیۃ الخصیۃ والالیۃ خاصۃً تقول خصیان والیان لانھما متلازمان
فکانھما شیءٌ واحدٌ

(بقیہ صفحہ ۲۶) جس کے آخر میں الف یا یا ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ لاحق ہو اور یہ اس لیے کہ اس لحوق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مفرد جیسا اس کے ساتھ اس کی جنس سے ایک اور بھی ہے جیسے رجلان تثنیہ ہے اور وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رجل کی ساتھ ایک اور رجل ہے باآخرہ کی قید سے اثنین اور کلیھما خارج ہو گیا چونکہ انکا مفرد نہیں ہے لہذا باآخرہ سے مراد باآخر مفردہ ہے، اور لیدل الخ کے متعلق ہے اور با الحاق کیطرف راجع ہے جو الحق سے مفہوم ہے بالحاق کیطرف مفتوح یاء کی صفت ہے اور مشدد سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسم مشترک کا تثنیہ دو معنی مختلف کے اعتبار سے نہیں کر سکتے پس قرآن سے مراد طہر اور حیض نہیں ہو سکتے بلکہ دو طہر یا دو حیض مراد ہونگے رہا یہ اعتراض کہ قرآن سے جو قمر کا تثنیہ ہے چاند اور سورج مراد ہوتا ہے حالانکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور عمران سے جو عمر کا تثنیہ ہے ابوبکر صدیق اور حضرت عمر مراد ہوتے ہیں حالانکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور ابوان جو اب کا تثنیہ ہے ماں باپ مراد ہیں جو دو مختلف چیزیں ہیں وارد نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ دو لفظوں جیسے ایک لفظ کے دوسرے پر تغلیباً اطلاق کرنیکے قبیل سے ہے **قولہ** ہذا فی الصحیح الخ اے الحاق الالف والیاء المفتوح ماقبلہا والنون المکسورۃ باٰخر المفرد من غیر تغیر ثابت فی الاسم الصحیح یعنی الف اور یا جسکا ماقبل مفتوح ہو اور نون مکسور کا مفرد کے آخر میں الحاق بغیر کسی تغیر کے تغیر پیدا کرنے کے اسم صحیح میں ہوتا ہے لیکن اسم منقوص اور اسم ممدود وغیرہ میں الحاق مذکور کے وقت کچھ نہ کچھ تغیر ہوتا ہے جسکو مصنف آگے بیان فرما رہے ہیں لیکن یاد رہے کہ الحاق مذکور بغیر کسی تغیر کے اسم صحیح میں ہوتا ہے اسیطرح جاری مجرٰی صحیح اور منقوص یائی میں ہوتا ہے نہ معلوم مصنف نے اسی حکم کو صحیح کے ساتھ کیوں خاص کیا ۱۲ **قولہ اما المقصور** یعنی ہر وہ اسم مقصور کہ اسکا الف واو سے بدلا ہوا ہو اور ثلاثی ہو تثنیہ بناتے وقت اسکے الف کو واو سے بدلیں گے اسلئے کہ الف میں واو کی تاثیر ثلاثی خفیف ہے پس خفت کی وجہ سے واو کے آنے میں ثقالت پیدا نہ ہوگی جیسے عصا اور عصوان ۱۲ **قولہ وان کانت الخ** حاصل یہ کہ اگر لفظ ثلاثی نہ ہو تو اسکا الف یا سے بدلا ہوا ہو جیسے استی اعشیان یا واو سے بدلا ہوا ہو جیسے ملھیان یا کسی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے حباریان یا ثلاثی ہو مگر اسکا الف یا سے بدلا ہوا ہو جیسے رحیان یا کسی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے فتیان تو ان سب صورتوں میں اس الف کو یا سے بدل دینگے کما اظہر فی الاشرح ۱۲ **قولہ واما الممدود** یعنی اگر اسم کے آخر میں الف ممدودہ ہو تو تثنیہ بناتے وقت ہمزہ ثابت رہیگا بشرطیکہ اصلی ہو اسلئے کہ اصلی بنا کے مقتضی ہے جیسے قراء قرآن اور اگر ہمزہ تانیث کیلئے ہو تو تثنیہ بناتے وقت واو سے بدل جائیگا اسلئے کہ ثقالت میں واو ہمزہ کے قریب ہے جیسے حمراوان حمراوان ۱۲ **قولہ جاز فیہ الوجھان** یعنی ہمزہ اصلیہ ہو یا تانیث کیلئے ہو تو اسوقت یہاں دو وجہ جائز ہیں ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے اور واو سے بدل لینا بھی جیسے کساءان اور کساوان **قولہ ویحذف نونہ** یعنی اضافت کیوقت نون کو گرا دیا جاتا ہے اسلئے کہ نون تمامی کلمہ پر دلالت کرتا ہے اور اسم تام بغیر تغیر کے معنان نہیں ہوتا **قولہ وکذلک تحذف الخ** یعنی مثنی کے نون کیطرح صرف خصیۃ اور الیۃ کی تاء تانیث تثنیہ میں حذف کر دی جاتی ہے اور ان کی اس تاء کا حذف خلاف قیاس ہے پس خصیان اور الیان کہیں گے اسلئے کہ قیاس تقاضا کرتا ہے کہ تاء حذف نہ کی جاتی جیسے شجرتان میں تاکہ مؤنث کا تثنیہ مذکر کے تثنیہ سے ملتبس نہ ہو لیکن قیاساً بالاتفاق ان کی تاء تانیث کا باقی رکھنا بھی جائز ہے پس خصیتان اور الیتان بھی کہہ سکتے ہیں اور ان میں تاء کے حذف کا سبب یہ ہے کہ خصیان اگرچہ دو چیزیں ہیں اسیطرح الیان اگرچہ دو چیزیں ہیں لیکن دونوں خصیوں میں سے ہر ایک دوسرے کو لازم ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسیطرح دونوں الیوں میں سے ایک دوسرے کو لازم ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے پس دونوں خصیہ اور دونوں الیہ شدت اتصال کیوجہ سے شیء واحد ہیں لہذا اس شدت اتصال کی وجہ سے الحاق تثنیہ بمنزلہ کلمہ مفردہ کے کر لیا گیا پس اگر تاء تانیث کو ثابت رکھا جائیگا تو اسکا وسط میں مفرد کے واقع ہونا لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ علامت تانیث کی کلمہ مفردہ کے وسط میں نہیں آتی تو خاصۃ یعنی خاص خصیہ اور الیہ کے تثنیہ میں تاء حذف ہوتا ہے ان دونوں کے علاوہ دوسرے کلمات کے تثنیہ میں تاء تانیث حذف نہیں ہوتی جیسے شجرتان اور فاطمتان وغیرہ ملیں ۱۲

واعلم انه اذا اُرِيدَ اضافةُ مُثنًّى الى المثنّى يُعبَّرُ عن الاول بلفظ الجمع كقوله تعالىٰ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَفَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا وذٰلك لكراهة اجتماع تثنيتين فيما تاكّد الاتّصالُ بينهما لفظاً ومعنىً فصل الجموعُ اسمٌ دلّ على آحادٍ مقصودةٍ بحروفٍ مفردةٍ بتغيّرٍ ما اِمّا لفظيٌّ كرجالٍ فى رجلٍ او تقديريٌّ كفُلْكٍ على وزن اُسدٍ فانّ مفردهٗ ايضاً فُلْكٌ لكنه على وزن قُفْلٍ فقوْمٌ ورهْطٌ ونحوهٗ وان دلّ على آحادٍ لكنه ليس بجمعٍ اذ لا مفردَ له ثم الجمعُ على قسمين مصحّحٌ وهو ما لم يتغيّر بناءُ واحدهٖ ومكسّرٌ وهو ما يتغيّر فيه بناءُ واحدهٖ والمصحّحُ على قسمين مذكّرٌ وهو ما اُلحِقَ باٰخرهٖ واوٌ مضمومٌ ما قبلها ونونٌ مفتوحةٌ كمسلمونَ او ياءٌ مكسورٌ ما قبلها ونونٌ كذٰلك ليدلّ على انّ معه اكثرَ منه نحو مسلمين وهٰذا فى الصحيح

قولہ اعلم اذا ازید اضافتہ مصنف کہتا ہے کہ جب ایک مثنیٰ خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث مرفوع ہو یا منصوب یا مجرور جب اس کی اضافت مثنیٰ یعنی غیر مثنیٰ کی طرف کی جائے مع اتصال تام کے درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے تو مثنیٰ یعنی مضاف کو لفظ مفرد یا جمع سے تعبیر کریں گے باعتبار جواز اور اولویت کے نہ باعتبار وجوب کے جیسے وصفت قلوبکما اس میں قلوب مضاف ہے اور کما مضاف الیہ اصل قلبان اور کما یہاں پر مضاف کو جمع سے تعبیر کیا ہے ایسے ہی ایدیہما مضاف مثنیٰ کو اس صورت میں جمع یا مفرد سے تعبیر کرنا اس وجہ سے اولیٰ ہے کہ مضاف الیہ کے درمیان لفظاً اور معنےً اتصال موکد ہے اور ایسی دو چیزوں میں لفظاً اور معنےً اتصال موکد ہے دو مثنیٰ کا جو ہمانتین ہیں جمع ہونا مکروہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اگر ہم مضاف کو مثنیٰ ہی سے تعبیر کریں تو اس صورت میں کہ جہاں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال لفظاً اور معنےً مضبوط ہے اور بہت زیادہ ہے اس میں دو مثنیوں کا جو کہ مماثل ہیں جمع ہونا لازم آئیگا اور یہ اجتماع عرب کے نزدیک مکروہ ہے مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان اتصال کا بہت زیادہ ہونا لفظاً تو اضافت کے سبب سے ہے اور معنےً اس وجہ سے کہ مضاف مضاف الیہ کا جزء نیز جانتا چاہیے کہ لفظ مفرد سے لفظ جمع لانا اولیٰ ہے اس لیے کہ جمع کو تثنیہ سے مناسبت ہے کیونکہ جمع میں اسکے مثل اور ہیں بلکہ بعض امریوں نے مثنیٰ کو جمع ہی کہا ہے اور جب مضاف الیہ مثنیٰ کے مثل ہو تو اسوقت مضاف کو مفرد لانا اولیٰ ہے جیسے قول باری تعالیٰ لِلْنِسَاءِ وَاَوْدَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ لیکن ابو مالک نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں مضاف کو مفرد لانا واجب ہے **قولہ المجموع** یعنی مجموع وہ اسم ہے جو حروف مفردہ میں تھوڑے سے تغیر کے بعد افراد مقصودہ پر دلالت کرے خواہ وہ تغیر لفظاً ہو یا تقدیراً تعریف مذکور میں احاد مقصودہ کی قید سے اسماء اجناس خارج ہو گئے اسلئے کہ وہ احاد پر بھی دلالت کرتے ہیں اور حروف مفردہ کا قید سے اسماء عدد اور قوم رہط وغیرہ خارج ہو گئے اس لئے کہ یہ اگرچہ احاد مقصودہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مفرد نہیں اور بتغیر کا قید سے مثل رکب خارج ہو گیا اسلئے کہ اسمیں کوئی تغیر نہیں ہوا لیکن تغیر سے مراد عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اول کی مثال رجال رجل کی جمع ہے اور ثانی کی مثال فلک ہے کہ اسکا مفرد بھی فلک ہے مگر تقدیری مفرد ہے اسلئے کہ مفرد کی حالت میں اس کا وزن قفل اور جمع کی صورت میں اسکا وزن اسد ہے جاننا چاہیے کہ بحروف مفردہ یا تو دل کے متعلق ہے یا مقصودہ کے اور تغیر یا یا طرف مستقر حال ہے اور احاد یہ احد کی جمع ہے بمعنی فرد آتا ہے **قولہ قوم ورہط الخ** یہاں سے مصنف حروف مفردہ کی قید کا فائدہ بیان کرتا ہے کہتا ہے کہ قوم اور رہط اور اسکے مانند اسماء اجناس بقر ابل غنم نخل وغیرہ اگرچہ یہ اسماء احاد پر دلالت کرتے ہیں مگر یہ جمع نہیں ہیں کیونکہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہے کہ اسکے حروف کے ساتھ احاد کا قصد کیا جاوے حروف مفردہ سے مراد اعم ہے چاہے محقق ہوں جیسے رجال کہ اسکا مفرد رجل ہے خواہ جمع کے مفرد کے حروف مقدر ہوں یعنی مفرد فرض کر لیا گیا ہو جیسے نسار کو اسکا مفرد نسوۃ فرض کر لیا ہے **قولہ ثم الجمع** یعنی جمع دو قسم پر ہے ایک مصحح اور ایک مکسر اول کو جمع صحیح اور سلامت اور سالم بھی کہتے ہیں اور ثانی کو غیر سالم اور غیر صحیح بھی کہتے ہیں جمع صحیح وہ ہے کہ بناء واحد کی اس میں سلامت رہے اور مکسر وہ ہے کہ بناء واحد کی اس میں سلامت نہ رہے لفظ مصحح باب تفعیل سے اسم مفعول ہے مصدر تصحیح ہے چونکہ اس جمع میں مفرد کا وزن صحیح و سلامت رہتا ہے لہذا اس کا نام مصحح رکھدیا گیا اور لفظ مکسر بھی اسم مفعول ہے باب تفعیل سے مصدر تکسیر ہے بمعنے توڑنا چونکہ اس جمع میں واحد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اس وجہ سے اس کا نام مکسر رکھدیا گیا ہے **قولہ المصحح علی قسمین** یعنی جمع صحیح دو نوع ہیں جمع صحیح مذکر اور جمع صحیح مؤنث جمع صحیح مذکر وہ اسم ہے کہ اس کے مفرد کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوحہ لاحق ہو تاکہ یہ لحوق اس امر پر دلالت کرے کہ مفرد کے ساتھ مفرد سے اکثر ہیں جیسے مسلمون کہ وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک مسلم کے ساتھ ایک مسلم سے زیادہ یعنے دو یا چند ہیں اس قدر تصرف مفرد میں جب کرنا پڑتا ہے جبکہ اسم صحیح ہو ۱۲ ۔

امّا المنقوص فتحذف یاؤہ مثل قاضون و داعون والمقصور یحذف الفہ ویبقی ما قبلہا مفتوحًا لیدل علی الف المحذوفۃ مثل مصطفون ویختص باولی العلم واما قولہم سنون وارضون وثبون وقلون فشاذ ویجب ان لا یکون افعل مؤنثہ فعلاء کاحمر وحمراء ولا فعلان مؤنثہ فعلی کسکران وسکری ولا فعیلا بمعنی مفعول کجریح بمعنی مجروح ولا فعولا بمعنی فاعل کصبور بمعنی صابر

قولہ اما المنقوص الخ یعنی اگر جمع صحیح کے مفرد کے آخر میں یا ماقبل مکسور ہو تو جمع بناتے وقت وہ یا گر جائیگی جیسے قاضون کہ اصل میں قاضیون تھا پس اس کی تعلیل تو کتب صرف میں مفصل تحریر ہے قاضون کر دیا گیا ۱۲ **قولہ المقصور الخ** یعنی اگر جمع صحیح کے مفرد کے آخر میں الف مقصورہ ہو تو وہ الف جمع میں التقائے ساکنین کی وجہ سے گر جائیگا جیسے مصطفون کہ اصل میں مصطفیون تھا پس یا بوجہ ماقبل مفتوح ہونے کے الف ہو گئی اور الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ۱۲ **قولہ ویختص باولی العلم** یعنی جمع مذکر علم والوں کے ساتھ خاص ہے جاننا چاہیے کہ جس مفرد کی یہ جمع بنانے کا ارادہ ہو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اسم محض ہے کہ اس میں وصفیت کے معنی نہیں ہیں یا وہ اسم صفت ہے اس طرح پر کہ علم نہیں ہو اب جیسے اسم فاعل اور اسم مفعول تو اگر وہ اسم محض ہے تو اس کی یہ جمع بنانے کی تین شرطیں ہیں ایک علمیت دوسرے عقل تیسرے مذکر ہونا یعنی وہ اسم واحد مذکر ایسا ہو کہ اسکا اطلاق مذکر عالم عاقل پر بطور علم کے ہوتا ہو اور مراد مذکر سے یہ ہے کہ تاء مذکر اور تاء مقدر سے خالی ہو تاکہ مثل طلحۃ اور عین اس کلمہ سے خارج ہو جاویں اسلئے کہ انکی جمع سالم نہیں آسکتی اور یہ شرط اسوجہ سے ہے کہ یہ جمع تمام مجموع میں اشرف ہے اور مذکر عاقل بھی اشرف ہے پس اشرف کو دیا تاکہ باقی سے قید علمیت سے رہل خارج ہو گیا اگر یہ اس کا اطلاق مذکر عاقل پر ہوتا ہے لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اسکی جمع مذکر سالم نہ بنائی جاویگی اور عاقل کی قید سے اعوج نکل گیا اس کی بھی جمع مذکر سالم نہ بنائی جاویگی اگرچہ یہ علم مذکر کا ہے لیکن وہ مذکر جس پر اسکا اطلاق ہوتا ہے یعنی گھوڑا عاقل نہیں ہے اور عاقل ہونا اس جمع بنانے کیواسطے شرط ہے اب اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ سنۃ بالفتح بمعنی برس ارضۃ بالفتح بمعنی زمین ثبۃ بالتخفیف بمعنی جماعت وگروہ اور قلۃ بالکسر والضم بمعنی خوک چوب یعنی گلی ڈنڈا یہ سب اسم مفرد مؤنث ہیں ان کا ذی عقل پر اطلاق ہوتا ہے باوجودیکہ ان کی جمع واؤنون یعنی سنون اور ارضون شبون قلون آتی ہے لہذا تمہارا قاعدہ درست نہیں ہے مصنف اپنے قول سنون سے جواب دیتا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ان کی جمع واؤ نون کے ساتھ لانا شاذ ہے یعنی قاعدہ کے خلاف ہے ۱۲ **قولہ ویجب ان لا یکون** جاننا چاہیے کہ اگر وہ اسم جسکی جمع بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے اگر وہ اسم صفت ہے تو اسکی جمع بنانے کیواسطے پانچ شرطیں ہیں ایک وہی جو پہلے گذریں یعنی وہ اسم اسم مذکر ایسا ہو جس کا اطلاق اہل عقل وعلم پر ہوتا ہو اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسکی جمع واؤ نون کیساتھ نہ بنادیں گے۔ یہ شرط وجودی ہے اور پانچ شرط عدمی ہیں ان کو یجب ان لا یکون سے بیان کرتا ہے لہذا کہتا ہے کہ وہ اسم صفت اس فعل کے وزن پر نہ ہو جسکا مؤنث فعلاء کے وزن پر آتا ہے جیسے احمر وحمراء اسلئے کہ اس افعل کی جمع بھی اس وزن پر آتی ہے کہ جسکا مؤنث فعلاء رہتا ہے پس اگر افعل فعل کی جمع بھی اس وزن پر آئیگی تو دونوں افعل کے درمیان التباس پیدا ہو جائیگا اور اگر کوئی کہے کہ اسکا عکس کیوں نہیں کیا اسی طرح پر کہ افعل فعلاء کی جمع تو جمع سالم آتی ہے اور افعل اسم تفضیل کی یہ جمع نہ آتی جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل میں معنی صفت کے زائد ہیں اور لقوی اور اشرف ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکی جمع بھی اشرف الجموع ہو اور وہ جمع سالم ہے ۱۲ **قولہ ولا فعلان مؤنثہ فعلی الخ** یعنی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم صفت فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ جس کا مؤنث فعلی کے وزن پر آتا ہے جیسے سکران کہ اس کا مؤنث سکری آتا ہے اسلیے کہ اگر اس فعلان کی جمع واؤ نون کے ساتھ آئیگی تو اسمیں اور فعلان فعلانۃ میں التباس پیدا ہو جائیگا پس التباس سے بچنے کے لیے فعلان کی جمع واؤنون کے ساتھ نہ آئیگی اور اگر کوئی کہے کہ اس کا عکس کیوں نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ اصل فرق میں درمیان مذکر اور مؤنث کے تا رہے اور یہ فعلان فعلانۃ میں موجود ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس کی جمع اشرف المجموع ہو نیز عدم عکس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر اس فعلان کی جمع واؤ نون کیساتھ لائی جائے کہ جسکا مؤنث فعلی ہے تو لازم آئیگا کہ اس کے مؤنث کی جمع الف تا رکی کے ساتھ لائی جائے اس لئے کہ یہ جمع صحیح ہے حالانکہ اس کے مؤنث کی جمع الف تا رکے ساتھ آنا لازم نہیں ۱۲ **قولہ ولا فعیلا الخ** یعنی وہ اسم جس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ بنائی جائے کہ وہ اس فعیل کے وزن پر ہو جو مفعول کے معنی پر آتا ہے اور نہ اس فعول کے وزن پر جو مفعول کے معنی میں آتا ہے یہ چوتھی اور پانچویں شرط ہے یہ حقیقت ایک شرط ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ وہ اسم صفت ایسا نہ ہو کہ جس میں مذکر مؤنث برابر ہوں جیسے جریح صبور اس لیے کہ اگر ایسے اسم صفت کی جمع واؤ نون کے ساتھ لایا جائیگا تو اس کا اختصاص مذکر کے ساتھ لازم ہوگا حالانکہ وہ مذکر کے ساتھ لازم نہیں نیز جاننا چاہیے کہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اسم صفت تا تانیث کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔ اس لیے کہ ذوالتاء کی جمع اگر واؤ نون کے ساتھ لائی جائیگی تو دو صورتیں ہیں واؤ نون تاء سے پیشتر لائیں گے یا تاء کے بعد اول صورت ممتنع ہے اس لیے کہ اس صورت میں علامات تانیث کا دوسرے کلمہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے۔ اور دوسری صورت بھی ممتنع ہے اس لیے کہ اس وقت علامات تانیث کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے ۱۲

ويجب حذف نونه بالاضافة نحو مسلمو مصر ومؤنث وهو ما الحق بآخره الف و تاء نحو مسلمات وشرطه ان كان صفة وله مذكر ان يكون مذكره قد جمع بالواو والنون نحو مسلمون وان لم يكن له مذكر فشرطه ان لا يكون مؤنثا مجردا عن التاء كالحائض والحامل وان كان اسما غير صفة جمع بالالف والتاء بلا شرط كهندات والمكسر صيغته في الثلاثي كثيرة تعرف بالسماع كرجال وافراس وفلوس وفي غير الثلاثي على وزن فعالل وفعاليل قياسا كما عرفت في التصريف ثم الجمع ايضا على قسمين جمع قلة وهو ما يطلق على العشرة فما دونها وابنيته افعل وافعال وافعلة وفعلة وجمعا الصحيح بدون اللام كزيدون ومسلمات وجمع كثرة وهو ما يطلق على ما فوق العشرة وابنيته ما عدا هذه الابنية فصل المصدر اسم يدل على الحدث فقط ويشتق منه الافعال كالضرب والنصر مثلا ....

قولہ ویجب حذف نونہ الخ ای نون الجمع یعنی اضافت کے وقت نون جمع کو گرا دیتے ہیں جیسے مسلمو قوم اور علت اس کی وہ ہے جو کہ تثنیہ میں گزری ۱۲ **قولہ ومؤنث الخ** یعنی دوسری قسم جمع سالم کی جمع مونث ہے اور جمع مونث سالم وہ ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہو جمع مؤنث سالم کی شرط جبکہ اس کا مفرد اسم صفت ہو اور اسم مفرد کا مذکر بھی ہو یہ ہے کہ اسکے مذکر کی جمع واو اور نون کے ساتھ لائی جاتی ہے تاکہ مزیت فرع کی اصل پر لازم نہ آئے اور جب اس کے مفرد مذکر نہ ہو تو اس کے جمع مونث سالم بنانیکی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ تاء تانیث سے خالی نہ ہو جیسے حائض کہ اسکی جمع حائضات نہیں آتی بلکہ ذوات الحائض یعنی حائضۃ کی جمع حائضات آتی ہے پس اگر حائض کی جمع بھی حائضات آئے تو التباس پیدا ہو جائیگا اور یہ معلوم نہ ہوگا کہ حائضات حائضۃ کی جمع ہے یا حائض کی۔ پھر حائض اور حائضۃ کے درمیان لفظاً تفریق اسلئے ضروری ہے کہ ان دونوں میں معنی تفریق ہے اسلئے کہ حائض زنان بالغہ کو کہتے ہیں کہ اسکو کہ جسمیں حیض کی صلاحیت ہے اور حائضۃ اس عورت کو کہتے ہیں جو فی الحال حیض میں مبتلاء ہے ۱۲ **قولہ وان کان اسما الخ** یعنی اگر وہ اسم صفت نہ ہو بلکہ اسم محض ہو تو اس وقت بلا اعتبار شرط کے الف اور تاء کے ساتھ جمع لائی جائیگی ۱۲ **قولہ والمکسر الخ** یعنی وہ جمع کہ جسمیں بناء واحد کی سلامت نہ رہے جیسے رجال کہ رجل کی جمع ہے اور اسمیں صورت رجل کی باقی نہیں رہتی ہے ثلاثی میں اسکے صیغے بہت ہیں جن کا علم سماع سے ہوتا ہے جیسے رجال افرس فلوس کہ رجل فرس فلس کی جمع ہے اور غیر ثلاثی میں قیاساً دو وزن پر آتی ہے ایک وزن فعالل ہے اور دوسرا فعالیل جیسا کہ علم صرف میں معلوم ہوا ۱۲ **قولہ ثم الجمع ایضا علی قسمین الخ** حاصل یہ کہ جمع معنی یعنی مصداق کے اعتبار سے دو قسم ہے جمع قلت جمع کثرت انکی تعریف میں مابین مصنفین کے اختلاف ہو رہا ہے مصنف تعریف کرتا ہے کہ جمع قلت وہ ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اور جمع کثرت وہ ہے کہ جس کا اطلاق دس سے اوپر ہو لیکن مصنف کے نزدیک جمع قلہ کا اطلاق دس پر ہوتا ہے لیکن دوسرے تعریف کرتے ہیں کہ جمع قلت وہ ہے جس کا اطلاق تین سے لیکر دس تک کیا جائے اور جمع کثرت وہ ہے جس کا اطلاق دس سے لیکر لا مالا نہایہ کیا جائے اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع قلت کا اطلاق تو پر تو ہوتا ہے دس پر نہیں ہوتا دس پر اطلاق جمع کثرت کا ہوتا ہے جمع قلت کے اوزان یہ ہیں (۱) فعل جیسے الکعب (۲) افعال جیسے اقوال (۳) افعلۃ جیسے اشربۃ (۴) فعلۃ جیسے غلمۃ (۵) جمع مذکر سالم (۶) جمع مونث سالم۔ پس مصنف نے اپنے قول الصحیح سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جمع صحیح کے یہ دو وزن بھی جمع قلت کے اوزان سے ہیں اور ان اوزان مذکورہ کے ماسوا جتنے اوزان ہیں وہ سب جمع کثرت کے ہیں۔ **قولہ المصدر اسم الخ** مصدر وہ اسم ہے جو فقط حدث پر دلالت کرتا ہے اور حدث وہ معنی ہے جو بالذات قائم نہ ہو بلکہ غیر کے ساتھ ہو خواہ اس پر غیر سے صادر ہوں جیسے ضرب اور مشی کہ ضرب اور مشی ایک معنی ہے جو بالذات قائم نہیں بلکہ زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہے عکس سے یہ صادر ہوتے ہیں یا غیر سے صادر نہیں جیسے موت جہالت کہ یہ ایک معنی ہیں جو زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہیں لیکن ان سے صادر نہیں ہوتے ہیں فقط کی قید سے مصنف نے تمام مشتقات کو مصدر کی تعریف سے خارج کر دیا ہے اگرچہ تمام مشتقات ایک ایک معنی ہوتے ہیں جو غیر کیساتھ قائم ہو کر فقط قیام نہیں ہے بلکہ اس اسم مزید پر اسی کی دلالت ہوتی ہے **قولہ یشتق منہ الخ** اور سے فعل مشتق ہوتے ہیں حاصل یہ کہ مصدر اسم ہے جو بمعنے قائم بالغیر فقط دلالت کرے اور اسی سے افعال مشتق ہوتے ہیں اشتقاق کے معنے لغۃً کسی چیز کو دوسری چیز سے بنانیکے ہیں اور اصطلاح میں فقط کے درمیان لفظاً اور معنے میں مناسبت ہونے کے ہیں اب مناسبت یا تو ہر دو لفظوں کے حروف کی ترتیب میں ہوگی جیسے ضرب ضرب سے یا صرف حروف میں ہوتی ہے جیسے نقع نہق سے مشتق ہے پس یا فقط اخراج میں مناسبت ہے نہ ترتیب حروف میں جیسے نقع نہق سے مشتق ہے۔ اول کو اشتقاق اصغر دوسرا کو اشتقاق کبیر اور ثالث کو اشتقاق اکبر کہا جاتا ہے لیکن اسجگہ اشتقاق سے مراد اشتقاق صغیر ہے ۱۲

ع لیکن ترتیب میں نہیں ہوتا جیسے ضرب اور ضرب

وابنیتہ من الثلاثی المجرد غیر مضبوطۃ تعرف بالسماع ومن غیرہ قیاسیۃ کالافعال و الانفعال والاستفعال والفعللۃ والتفعلل مثلاً فالمصدر ان لم یکن مفعولاً مطلقاً یعمل عمل فعلہ اعنی یرفع الفاعل ان کان لازماً نحو اعجبنی قیام زید وینصب مفعولاً ایضاً ان کان متعدیاً نحو اعجبنی ضرب زید عمرواً ولا یجوز تقدیم معمول المصدر علیہ فلا یقال اعجبنی زید ضرب عمرواً ولا عمرواً ضرب زید ویجوز اضافتہ الی الفاعل نحو کرھت ضرب زید عمرواً او الی المفعول بہ نحو کرھت ضرب عمرو زیداً اما ان کان مفعولاً مطلقاً فالعمل للفعل الذی قبلہ نحو ضربت ضرباً عمرواً فعمرو منصوب بضربت فصل اسم الفاعل اسم مشتق من فعل لیدل علی من قام بہ۔

قولہ وابنیۃ الخ غیر مصدر کی طرف راجع ہے یعنی مصدر کے اوزان ثلاثی مجرد سے غیر مضبوط ہیں اہل عرب سے سننے سے معلوم ہوتے ہیں قیاسی نہیں سیبویہ نے اپنے تتبع اور تلاش کے مطابق تیئیس ۲۳ تک قول کیا ہے اور بعض نے بتیس اور پچاس کا قول بھی کیا ہے۔ قولہ ومن غیرہ الخ ای من غیر ثلاثی مجرد اور غیر ثلاثی مجرد یعنی ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد و مزید فیہ سے مصدر کے اوزان سماع عن العرب کے محتاج نہیں بلکہ قیاسی ہیں ان کیلئے اپنے اپنے اوزان مخصوصہ مقررہ ہیں مثلاً جسکی ماضی افعل کے وزن پر ہو اس کا مصدر افعال کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی انفعل کے وزن پر آتا ہے اور جس کی ماضی استفعل کے وزن پر ہو اس کا مصدر استفعال کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی فعلل کے وزن پر ہو اس کا مصدر فعللۃ کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی تفعلل کے وزن پر ہو اسکا مصدر تفعلل کے وزن پر آتا ہے۔ قولہ فالمصدر الخ میں اگر مصدر مفعول مطلق نہ ہو تو اپنے فعل جیسا عمل کریگا یعنی فعل لازم کی صورت میں اپنے فاعل کو رفع دیگا جیسے اعجبنی قیام زید میں قیام پر تنوین پڑھنا بلا اضافت طرف زید کے جائز ہے اور زید پر بھی رفع پڑھ کر اعجبنی قیامٌ زیدٌ صحیح ہے اور فعل متعدی ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیگا جیسا کہ اعجبنی ضرب زید عمرواً میں ضرب بلا اضافت مع تنوین کے پڑھ کر زیدٌ کو بھی مرفوع پڑھنا اور عمرواً کو منصوب پڑھنا جائز ہے تو اس صورت میں گویا مثل اپنے فعل کے اپنے فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کر دیا اور مصدر کا یہ عمل ہر حالت میں ہے خواہ وہ مصدر بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال خواہ بمعنی استقبال جیسے اعجبنی ضرب زید عمرواً امس اور اعجبنی اکرام زید عمرواً غداً اور اگر مصدر مفعول مطلق ہے تو اسوقت عمل فعل کے لیے ہوگا نہ مصدر کیلئے جیسا کہ آگے متن میں آرہا ہے ۱۲ قولہ ولا یجوز تقدیم معمول المصدر علیہ الخ یعنی مصدر کے معمول کی تقدیم (خواہ فاعل ہو خواہ مفعول بہ) مصدر پر ناجائز ہے اس لیے کہ مصدر عمل کرنے میں ضعیف ہے اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کر سکتا یہ بنا بر مذہب جمہور نحاۃ کے ہے البتہ شارح رضی ظروف میں بوجہ توسع کے جائز سمجھتا ہے واللہ اعلم ۱۲ قولہ ویجوز اضافتہ الخ یعنی مصدر کی اضافت فاعل کی طرف جائز ہے اور اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنیً مرفوع اس لیے کہ وہ اس کا فاعل ہے اور اگر مفعول بہ مذکور ہوگا تو وہ منصوب ہوگا جیسے کرہت ضرب زید عمرواً و بجر زید و [illegible] اسمیں ضرب مصدر زید فاعل کی طرف مضاف ہے لیکن مصدر کا منون ہو کر عمل کرنا اور مضاف نہ ہونا اولیٰ ہے اور مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف جائز ہے اور اس وقت اگر فاعل مذکور ہو تو وہ مرفوع ہوگا جیسے کرہت ضرب عمرو زید اسمیں ضرب مصدر عمرو مفعول بہ کیطرف مضاف ہے اور اس مصدر کی مثال جو فاعل کیطرف مضاف ہو اور مفعول بہ مذکور نہ ہو جیسے کرہت تعجبی زید (میں نے زید کے آنیکو مکروہ جانا) اس مصدر کی مثال جس کا مفعول بہ تو مذکور ہو لیکن فاعل مذکور نہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ لا یسئم الانسان من دعاء الخیر (انسان خیر کے مانگنے سے نہیں تھکتا) مخفی نہ رہے کہ مصدر کا عمل دو طرح پر ہے ایک تو منون ہو کر عمل کرنا اور اس وقت فاعل لفظاً مرفوع ہوگا اور مفعول بہ اگر مذکور ہو تو لفظاً منصوب ہوگا دوسرا یہ کہ وہ فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنیً مرفوع اور مفعول بہ اگر مذکور ہو تو وہ منصوب ہوگا یا مفعول بہ کیطرف مضاف ہو اور اس وقت مفعول بہ لفظاً مجرور ہوگا اور معنیً منصوب اور اگر فاعل مذکور ہوگا لیکن اضافت مصدر فاعل کیطرف بہ نسبت اضافت مفعول بہ کیطرف زیادہ ہے کیونکہ احتیاج فعل یا شبہ فعل ہر دو کی فاعل کی طرف زیادہ ہے ۱۲ قولہ واما ان کان مفعولاً مطلقاً الخ یعنی اگر مصدر مفعول مطلق واقع ہو تو اسوقت عمل اس فعل کا ہوگا جو اس سے پیشتر مذکور ہے جیسے ضربت ضرباً عمرواً (میں نے مار المرو کو مارنا) اسمیں ضرباً مصدر مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے پس اسوقت عمل مصدر کیلئے نہیں ہوگا بلکہ ضربت فعل کیلئے ہوگا اور عمرواً کا عامل ناصب ضربت فعل ہے اور اسوقت فعل کا عمل اسلئے ہے کہ فعل یعنی عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ناقص یعنی مصدر کو عمل دینا جائز نہیں جیسے قوی العمل موجود ہو تو ضعیف کا وہاں کیا کام ہے واللہ اعلم بالصواب قولہ اسم الفاعل اسم مشتق الخ اسم الفاعل اسم ہے جو فعل یعنی مصدر مشتق سے مشتق ہو تاکہ وہ کسی ذات پر دلالت کرے جس کیساتھ یہ فعل حدوث و تجدد قائم ہے ۱۲ قولہ اسم مشتق من فعل الخ لفظ اسم ایک مشتق کی قید لگا کر وہ اسماء مراد ہوئے جو مصدر سے مشتق ہوتے ہیں اور اسمائے جوامد سب خارج ہو گئے ۱۲

الفِعلُ بمعنَى الحُدُوثِ وصيغتُهُ من الثلاثي المجرد على وزن فاعِلٍ كضارِبٍ وناصرٍ ومن غيرِهِ على صِيغةِ المضارعِ من ذٰلِكَ الفعل بميمٍ مضمومةٍ مكانَ حرفِ المضارعةِ وكسرِ ما قبلَ الآخرِ كمُدخِلٍ ومستخرِجٍ وهو يعملُ عملَ فعلِهِ المعروفِ ان كان بمعنى الحالِ والاستقبالِ ومعتمدًا على المبتدأ نحو زيدٌ قائمٌ ابوهُ او ذي الحال نحو جاءَني زيدٌ ضاربًا ابوهُ عمرًوا او موصولٍ نحو مررتُ بالضاربِ ابوهُ عمرًوا او موصوفٍ نحو عندي رجلٌ ضاربٌ ابوهُ عمرًوا او همزةِ الاستفهامِ نحو قائمٌ زيدٌ او حرفِ النفي نحو ما قائمٌ زيدٌ

قولہ من فعل یہاں فعل سے مراد معنی لغوی ہیں اس لیے کہ اسم فاعل کا اشتقاق فعل لغوی سے ہے نہ فعل اصطلاحی سے جیسا کہ نحات کوفہ کا مسلک ہے کہ اشتقاق میں اصل فعل ہے نہ مصدر لیکن نحات کوفہ کا یہ مسلک صحیح نہیں ہے مصنفؒ نے من فعل بجائے من مصدر کے کہا تاکہ اس سے اس طرف اشارہ ہو جائے کہ صفات کا اشتقاق مصدر سے بواسطہ فعل ہے قولہ لیدل یہ مشتق کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر فاعل اسم کیطرف لوٹ رہی ہے قولہ علی من قام بالفعل اس قید سے اسم مفعول اور اسم تفضیل خارج ہو گئے اس لیے کہ اسم مفعول من وقع علیہ الفعل کے لیے موضوع ہے اور اسم تفضیل لمن قام بہ الفعل مع الزیادت کے لیے۔ قولہ بمعنی الحدوث یہ قام کے متعلق ہے اس سے صفت مشبہ خارج ہو گیا اس لیے کہ صفت مشبہ صفت دائمہ پر دلالت کرتی ہے بخلاف اسم فاعل کے کہ وہ صفت حادثہ پر دلالت کرتا ہے۔ **قولہ وصیغتہ من الثلاثی الخ** یعنی ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کا صیغہ کثرت سے فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ضارب اور ناصر اور فارح اور عالم وغیرہ شرح میں کثرت کی قید لگا کر اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد دوسرے اوزان یعنی فعل اور فعول وغیرہ پر بھی آتا ہے ۱۲ **قولہ من غیرہ الخ**۔ ای من غیر الثلاثی مجرد یعنی ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد اور رباعی مزید فیہ سے ہر باب کے فعل مضارع معروف کے وزن پر تھوڑے تغیر کے ساتھ آتا ہے بایں طور کہ حرف مضارع کی جگہ میم مضموم رکھا جائے خواہ حرف مضارع مضموم ہو خواہ نہ ہو اور ماقبل آخر کو کسرہ دیا جائے خواہ وہ مضارع میں مکسور ہو خواہ نہ ہو جیسے مدخل باب افعال سے اسم فاعل ہے اور جیسے مستغفر باب استفعال سے اسم فاعل ہے مصنفؒ کا دو مثالیں لائے اس لیے کہ پہلی مثال یعنی مدخل بعینہ صیغہ مضارع معروف کے وزن پر ہے صرف حرف مضارع کی جگہ میم لکھا گیا ہے اور دوسری مثال یعنی مستغفر صیغہ مضارع معروف سے دو چیزوں میں مخالف ہے ایک کہ حرف مضارع کی جگہ میم رکھا گیا ہے اور دوسرے میم کو مضموم دیا گیا۔ مصنفؒ کو تیسری مثال اور دینی چاہیے تھی وہ یہ کہ اسم فاعل صیغہ مضارع معروف کیساتھ ماقبل آخر کی حرکت میں بھی مخالف ہو جیسے متفاضل ۱۲ **قولہ وہو یعمل عمل فعلہ الخ** اور اسم فاعل اپنے فعل معروف کا عامل کرتا ہے پس اگر اسکا فعل لازم ہے تو لازم جیسا عمل کریگا اور اگر وہ متعدی ہے تو یہ بھی فعل متعدی کا عمل کریگا لیکن اسکے عمل کیلئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو اور یہ شرط اسم فاعل کا فعل مضارع کیساتھ صورۃً اور معنیً مشابہ ہونیکی وجہ سے عمل کرتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ معنی میں حال یا استقبال کے ہو تاکہ مضارع کے ساتھ مناسبت معنوی بھی متحقق ہو جائے۔ دوم یہ کہ وہ مبتدا یا ذوالحال یا موصول یا موصوف یا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کئے ہوئے ہو اور اعتماد کے لغوی معنی تکیہ کرنے کے ہیں اور مرادی معنی یہ ہے کہ اسم فاعل اپنے سے پیشتر کے ساتھ کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ اسم فاعل سے پیشتر چیزیں ہوں جن پر اسم فاعل تکیہ کئے ہوئے ہو یعنی وہ اسم فاعل ان سے کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو پس وہ لفظ جو اس سے پیشتر ہے اگر مبتدا ہے تو یہ اس کی خبر ہو۔ اور اگر اس سے پیشتر ذوالحال ہے تو یہ اس سے حال ہو اور اگر اس سے پیشتر موصول ہو تو یہ اس کا صلہ ہو علی ہذا القیاس اور اسم فاعل کے عمل کیلئے اعتماد کی یہ شرط اس کی مشابہت فعل کیساتھ قوی کرنے کیلئے بڑھا دی گئی ہے کیونکہ وہ مثل فعل کے اپنے صاحب کیطرف مسند ہو گا اسی طرح ہمزہ استفہام اور ما نافیہ پر اعتماد سے اسکی فعل کیساتھ مشابہت قوی ہو جاتی ہے اس واسطے کہ یہ دونوں اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں **قولہ قائم ابوہ** اس مثال میں زید مبتدا ہے اور قائم اسم فاعل اسکی خبر ہے اور ابوہ اسکا فاعل ہے قائم اپنے فاعل ابوہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا کی خبر ہے **قولہ او ذی الحال** اسکا عطف المبتدا پر ہے ای او معتمدًا علی ذی الحال **قولہ جاءنی زید ضاربًا ابوہ عمرًوا** (میرے پاس زید آیا در آں حالیکہ اسکا باپ عمرو کو مارنیوالا ہے) اسمیں زید ذوالحال ہے اور ضاربًا حال ہے اور ابوہ اس کا فاعل ہے اور عمرًوا اسکا مفعول بہ **قولہ او موصول** اسکا عطف ذی الحال پر ہے ای او معتمدًا علی موصول **قولہ مررت بالضارب ابوہ عمرًوا** (گزرا میں اس شخص کے پاس سے کہ اسکا باپ عمرو کو مارنیوالا ہے) اسمیں الف ولام الضارب کا موصول کا ہے اور ضارب اپنے فاعل ابوہ اور اپنے مفعول بہ عمرًوا سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا باء سے مجرور سے مل کر مررت فعل کے متعلق ہوا **قولہ او موصوف** اسکا عطف موصول پر ہے ای او معتمدًا علی موصوف **قولہ عندی رجل ضارب ابوہ عمرًوا** (میرے پاس مرد ہے جسکا باپ عمرو کو مارنے والا ہے) اسمیں رجل موصوف ہے اور ضارب صفت اور ابوہ اسکا فاعل ہے اور عمرًوا اسکا مفعول بہ **قولہ او ہمزۃ الاستفہام** اسکا عطف موصوف پر ہے ای او معتمدًا علی ہمزۃ الاستفہام **قولہ اقائم زید** (کیا زید کھڑا ہونیوالا ہے) اسمیں ہمزہ استفہام کا ہے اور قائم اسم فاعل ہے اور زید اسکا فاعل **قولہ او حرف النفی** اسکا عطف ہمزۃ الاستفہام پر ہے ای او معتمدًا علی حرف النفی **قولہ ما قائم زید** (زید کھڑا ہونیوالا نہیں ہے) اسمیں ما حرف نفی ہے اور قائم اسم فاعل ہے اور زید اس کا فاعل ہے ۱۲

فان كان بمعنى الماضي وجبت الاضافة معنىً نحو زيدٌ ضاربُ عمرٍو امس هذا اذا كان منكّراً امّا اذا كان معرّفاً باللام يستوي فيه جميعُ الازمنةِ نحو زيدٌ نِ الضاربُ ابوه عمرواً نِ الآنَ او غداً او امسِ فصل اسم المفعول اسم مشتقٌّ من فعلٍ متعدٍّ ليدلّ على من وقع عليه الفعلُ وصيغتهٗ من مجرّد الثلاثي على وزن مفعول لفظاً كمضروبٍ وتقديراً كمقولٍ ومرميٍّ ومن غيره كاسم الفاعل بفتح ما قبل الآخر كمُدخَلٍ ومُستخرَجٍ ويعمل عمل فعله المجهولِ بالشرائط المذكورة

قولہ فان کان بمعنی الماضی الخ۔ اسمیں فا تعقیبیہ ہے ای فان کان اسم الفاعل بمعنی الماضی الخ یعنی اگر اسم فاعل بمعنی ماضی ہے اور پھر اسکے مفعول بہ کا ذکر کیا گیا ہو تو وہ اسوقت بمعنی ماضی ہونیکی وجہ سے مفعول بہ میں عمل نہیں کریگا بلکہ اسوقت اسکی اضافت مفعول بہ کی طرف اضافت معنویہ ہوگی کیونکہ اضافت لفظیہ اضافت عامل بسوئے معمول سے عبارت ہے اور اسم فاعل جب بمعنی ماضی ہو عمل کی شرط جو اسکا بمعنی حال یا استقبال ہونا ہے متحقق ہونیکی وجہ سے عامل نہیں ہوتا اور اس کا بعد معمول اسکا نہیں ہوتا جیسے زید ضارب عمرواً امس (زید نے عمرو کو گذشتہ مارا) اس میں ضارب چونکہ بمعنی ماضی ہے لہذا اسکی اضافت عمرو مفعول بہ کیطرف واجب ہے اور یہ اضافت اضافت معنویہ ہے جاننا چاہیے کہ شرح میں اسم فاعل کو متعدی کے ساتھ مقید کیا اور ساتھ یہ جملہ اور پھر اسکے مفعول بہ کا ذکر کیا گیا ہو لگا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اسم فاعل کیلئے زمانہ حال یا استقبال کے ہونیکی شرط محض مفعول بہ میں عمل کرنے کیلئے ہے فاعل میں عمل کرنے کیلئے یہ شرط نہیں اور اس مقام پر شرح جامی کا اریدذکر مفعولہ لفظا بھی اس وجہ سے ہے **قولہ ہذا اذا کان منکراً اما اذا کان الخ** یعنی اسم فاعل کا عمل جو بشرط معنی حال یا استقبال ہے اسوقت ہے جبکہ وہ نکرہ ہو لیکن جب وہ لام موصولہ کیساتھ معرف ہو یا اضافت کے ساتھ اس لئے کہ اس پر جب لام تعریف داخل ہوتا ہے تو اس وقت وہ شرائط عمل سے متحقق نہیں ہوتا لہذا فی الرضی تو اس وقت اسمیں تمام زمانے برابر ہیں یعنی وہ اسوقت مفعول بہ میں عمل کریگا خواہ وہ بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال خواہ بمعنے استقبال اور نیز اسوقت کسی چیز پر اعتماد کی بھی شرط نہیں ہے اس لیے کہ لام موصول داخل ہونیکے وقت اسم فاعل بحسب معنے فعل ہے اگرچہ بحسب صورت اسم ہے اور فعل کے عمل کرنیکے لیے اسمیں تمام زمانے برابر ہیں پس الضارب بمعنی الذی ضرب ہے جیسے زید الضارب ابوہ عمرواً الآن او غداً او امس (زید کا باپ عمرو کو اسوقت مار نیوالا ہے یا عمرو کو مار یگا یا زید کے باپ نے عمرو کو گذشتہ مارا (تنبیہ) مصنفؒ کا قول اما اذا کان معرفاً باللام یستوی فیہ جمیع الازمنۃ باعتبار معنی یعمل عمل فعل المعروف ان کان بمعنی الحال او الاستقبال ومعتمداً علی المبتدا او ذی الحال او موصول او موصوف او ہمزۃ الاستفہام او حرف النفی سے اشتغار ہے ۱۲ **قولہ اسم المفعول اسم مشتق الخ** اسم مفعول وہ اسم ہے جو فعل المتعدی سے مشتق ہو تاکہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جس پر فعل واقع ہوا ہے ۱۲ **قولہ اسم مشتق** اس اسم سے احتراز ہے جو مشتق نہ ہو اسلیے کہ اسکو اسم مفعول نہیں کہتے قولہ من فعل متعد مصنفؒ نے من فعل کہا من مصدر نہیں کہا حالانکہ تمام صفات مصدر سے مشتق ہوتی ہیں اس کی وجہ وہ ہی ہے جو اسم فاعل کے بیان میں گذر چکی مصنفؒ نے فعل کو متعدی کے ساتھ مقید کیا اسلیے کہ اسم مفعول فعل لازم سے مشتق نہیں ہوتا **قولہ لیدل** یہ مشتق کے متعلق ہے اور اسکی ضمیر فاعل اسم کی طرف لوٹ رہی ہے **قولہ علی من وقع علیہ الفعل۔** اس سے اسم فاعل اور صفت مشبہ اور اسم تفضیل جو تفضیل فاعل کیلئے آتا ہے خارج ہوگئے اور نیز اس سے وہ اسم تفضیل جو تفضیل مفعول کیلئے آتا ہے خارج ہوگیا جیسے اشہر (زیادہ مشہور) ہے اعرف (زیادہ معروف) اس لیے کہ یہ لمن وقع علیہ الفعل مع الزیادۃ کیلئے موضوع ہیں اور اسم مفعول صرف لمن وقع علیہ الفعل کیلئے موضوع ہے ۱۲ **قولہ وصیغتہ من مجرد الثلاثی المجرد الخ۔** اور اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے اکثر مفعول کے وزن پر آتا ہے اور اکثر کی قید اس لیے ہے کہ کبھی وہ فعیل کے وزن پر بھی آتا ہے جیسے جریح بمعنے زخمی ہوا اور قتیل بمعنے قتل کیا ہوا قولہ لفظاً یعنی اسم مفعول کا صیغہ مفعول کے وزن پر یا تو لفظاً ہوگا جیسے مضروب بروزن مفعول ہے یا تقدیراً ہوگا جیسے مقول کہ اصل میں مقوول بروزن مفعول تھا اور مرمی کہ اصل میں مرموی بروزن مفعول تھا ان دونوں میں تعلیل کرلی گئی ہے ۱۲ **قولہ ومن غیرہ الخ ۵** اور اسم مفعول کا صیغہ غیر ثلاثی مجرد سے یعنی ثلاثی مزید اور رباعی مجرد اور رباعی مزید سے اسم فاعل کے صیغہ کے مانند ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ اس میں اس کے آخر کے پیشتر کا حرف مفتوح ہوتا ہے اور اسم فاعل میں وہ مکسور ہوتا ہے اور یہ اس لئے کیا تاکہ اسم فاعل اور اسم مفعول میں فرق ہو جائے اور نیز اپنے مضارع مجہول کے ساتھ جسکے موافق وہ عمل کرتا ہے مطابق ہو جائے اور وہ وزن مذکور یہ یا تو لفظاً ہوگا جیسے مدخل بفتح خاء معجمہ اور مستخرج بفتح راء مہملہ یا تقدیراً جیسے مختار کہ اصل میں مختیر تھا بفتح یاء تحتانیہ ۱۲ **قولہ ویعمل عمل فعلہ المجہول الخ ۶** اور اسم مفعول ان شرائط کے ساتھ جو بحث اسم فاعل میں گذر چکیں اپنے فعل مجہول کا عامل کرتا ہے پس اسم مفعول کے مفعول بہ میں عمل نصب کے لیے ہوگا بشرطیکہ وہ منکر ہو شرط ہے کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو اور امور مذکورہ میں سے کسی ایک پر اعتماد کئے ہوئے ہو اور ا (بقیہ بر صفحہ ۱۳۴ پر)

فی اسمِ الفاعِلِ نحو زیدٌ مضروبٌ غلامہ الآن او غدًا او امس **فصل** الصفۃ المشبھۃ اسم مشتقٌ من فعل لازمٍ لیدلَّ علی من قامَ بہِ الفعلُ بمعنی الثبوتِ وصیغتھا علی خلاف صیغۃِ اسم الفاعِلِ و المفعول انما تعرف بالسماعِ کحَسَنٍ و صَعْبٍ وظریف وھی تعمل عمل فعلھا مطلقًا بشرط الاعتماد المذکور و مسائلھا ثمانیۃ عشر لانّ الصفۃ اِمّا باللام او مجردۃ عنھا و معمول کلٍّ واحدٍ منھا اما مضافٌ او باللام او مجردٌ عنھما فھٰذہٖ ستۃٌ و معمولُ کلٍّ منھا اِمّا مرفوعٌ او منصوبٌ او مجرورٌ وذٰلک ثمانیۃ عشر و تفصیلھا نحو جاءنی زیدٌ الحسن وجھُہٗ ثلثۃ اوجہٍ وکذٰلک الحسن الوجہِ والحسن وجہٌ

(بقیہ صـ۱۳۳) مفعول نائب فاعل کو رفع دیگا اور اگر دوسرا مفعول ہو تو اس کو نصب دیگا جیسے زیدٌ معطی غلامہ درہمًا غدًا (زید کے غلام کو ایک درہم کل دیا جائیگا شرح میں مفعول بہ میں عمل نصب کی قید اس لیے بڑھائی ہے کہ اسم مفعول کے عمل کیلئے زمانہ حال یا استقبال کی شرط مفعول بہ میں عمل نصب کے لیئے ہے اور یہ شرط نائب فاعل کو رفع دینے کے لیئے نہیں ہے اور وہ اس کو زمانہ حال یا استقبال کی شرط کے بغیر رفع دیتا ہے اور جب وہ بمعنی ماضی ہو تو اسکی اضافت مفعول بہ کی طرف اضافت معنویہ کے ساتھ واجب ہے جیسے زیدٌ معطی درہم امس (بکسر میم و درہم) اور جب معرف بلام موصولہ ہو تو اس میں تمام زمانہ برابر ہیں اور اسوقت وہ بمعنی ماضی ہو کر بھی عمل کریگا جیسے زیدٌ المعطی غلامہ درہمًا الآن او غدًا او امس مثال ہائے غلامہ (برفع میم) المعطی کا نائب فاعل ہے اور درہمًا اس کا دوسرا مفعول ہے اور اسم مفعول چار قسم ہے کیونکہ فعل متعدی چار قسم ہے اول متعدی بیک مفعول جیسے ضرب دوم متعدی بدو مفعول جس کے ایک مفعول پر اقتصار جائز ہے جیسے اعطی سوم متعدی بدو مفعول جسکے ایک مفعول پر اقتصار جائز نہیں ہے جیسے اعلم چہارم متعدی بسہ مفعول جیسے انبر جب مفعول چار قسم کے ہوئے اور اعتماد چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہوتا ہے تو چار کو چھ میں ضرب دینے سے چوبیس مثالیں حاصل ہونگی ۱۲ **فصل قولہ الصفۃ المشبھۃ الخ** صفت مشبہ کو صفت مشبہ بوجہ مشابہ ہونے اسم فاعل کے کہا جاتا ہے جیسا کہ اسم فاعل تثنیہ جمع اور مذکر و مونث ہوتا ہے اس طرح پر صفت مشبہ بھی ہوتا ہے یہ فعل لازم سے مشتق ہوتا ہے اور دلالت کرنیوالا ہوتا ہے اس ذات پر جس کے ساتھ فعل کا قیام بطور ثبوت کے ہوتا ہے جیسے حسن میں صفت حسن بطور دوام و پائداری کے قائم ہے فرق ان دونوں میں یعنی صفت مشبہ اور اسم فاعل میں صرف یہی ہوتا ہے کہ اسم فاعل میں صفت عارضی اور صفت مزید کی لازمی اور دائمی ہوا کرتی ہے پس ضارب جس شخص کیلئے کہا جائیگا تو مراد یہ ہوگا کہ صفت ضرب پہلے نہ تھی اب ہو گئی اور تھوڑی دیر میں صدور ضرب کے اختتام کے بعد یہ صفت ضرب بھی ختم ہو جائے گی لیکن حسنٌ (صفت مشبہ) جس شخص کیلئے کہا جائیگا اسمیں صفت حسن ہر وقت پائی جائیگی اسی طرح کریم بھی جب ہی صفت مشبہ ہوگا کہ صفت کرم اس موصوف یعنی صاحب کرم میں دائمی اور پائدار ہو ۱۲۔ **قولہ اسم مشتق الخ** مشتق کی قید لگا کر جامد سے احتراز کر دیا من فعل لازم کی قید سے اس اسم فاعل اور اسم مفعول اور بفعل التفضیل سے احتراز ہے جو کہ فعل متعدی سے مشتق ہوتے ہیں ۱۲ **قولہ لیدل الخ** مشتق کے ساتھ متعلق ہے یعنی فاعل کا مرجع اسم ہے **قولہ علی من قام بہ الفعل الخ** اس قام بہ الفعل کی قید سے اسم زمان اور اسم مکان اور اسم آلہ خارج ہو گئے ۱۲ **قولہ بمعنی الثبوت** قام کے متعلق ہو کر اس اسم فاعل اور اسم تفضیل کو خارج کر دیا جو فعل لازم سے مشتق ہوتے تھے جیسے فاضلٌ اور افضل ۱۲ **قولہ وصیغتھا علی خلاف الخ** صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغہ کے مخالف ہونیکا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ انکے صیغوں کے وزن پر نہیں آتا یہ جمہور نحات کے نزدیک ہے لیکن ابن مالک اور صاحب الفیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اسم فاعل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ آتا ہے لیکن بہ سبیل قلت جیسے شاھد بمعنی شحیط ای بعید ۱۲ **قولہ انما تعرف الخ** یہ وصیغتھا کی دوسری خبر ہے پہلی خبر علی خلاف الخ ہے اور یہ دوسری خبر پہلی خبر کی دلیل کو متضمن ہے یعنی صفت مشبہ کے صیغے اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کے مخالف ہیں اس لیے کہ صفت مشبہ کے صیغے سماعی ہیں اور اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے قیاسی جیسے حسن (خوبرو نیک صاحب جمال) اور صعب بمعنی (دشوار اور کار سخت) اور ظریف (عقلمند اور خوش طبع) ۱۲ **قولہ وھی تعمل الخ** اور صفت مشبہ مطلقًا زمانہ حال اور استقبال کی شرط کے اپنے فعل لازم کا عامل کرتا ہے اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث اور نہ زمانہ حال یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے لیکن اس کے عمل کیلئے موصول کے سوا باقی امور مذکورہ پر اعتماد شرط ہے موصول پر عدم اعتماد اس لیے ہے کہ درحقیقت وہ لام داخلہ جیسے موصول سے تعبیر کیا جاتا ہے بالاتفاق موصولہ نہیں ہے اور واضح رہے کہ صفت مشبہ کا عمل اپنے فعل سے اسی لئے زائد ہوتا ہے کہ صفت مشبہ اپنے معمول کو نصب بوجہ مشابہت ساتھ مفعول اسم فاعل کے دیتا ہے بخلاف اسکے فعل کے کہ وہ معمول کو نصب نہیں دیتا ۱۲ **قولہ و مسائلھا الخ** یعنی صفت مشبہ کے مسائل اور اسکی قسمیں اٹھارہ ہیں صفت مشبہ کی ہر قسم کو مسئلہ اس لیے کہا گیا کہ اس کے حکم سے سوال کیا جاتا ہے اور اس سے بحث کی جاتی ہے

وحَسُنَ وجهُهُ وحَسُنَ الوجهُ وحسن وجهٍ وهي على خمسةِ اقسامٍ منها ممتنعُ الحسن وجهٍ والحسن وجهه ومختلف فيه حسن وجهِهِ والبواقي احسنُ ان كان فيه ضميرٌ واحدٌ وحسنٌ ان كان فيه ضميران وقبيحٌ ان لم يكن فيه ضميرٌ

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) **قولہ لان الصفۃ** یعنی صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں اس لئے ہیں کہ صفت مشبہ یا تو معرف بلام تعریف ہوگا جیسے الحسن یا معرف باللام نہ ہوگا جیسے حسن اور پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مضاف ہوگا جیسے وجہہ یا معرف باللام ہوگا جیسے الوجہ یا ان دونوں چیزوں سے خالی ہوگا جیسے وجہٍ پس چھ قسمیں ہوئیں اور صفت مشبہ کے معمول کی حالتیں باعتبار اعراب تین ہیں یا تو فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہوگا یا وہ بنا بر مشابہ ہونے کے مفعول بہ منصوب ہوگا۔ اگر وہ معرفہ ہے یا اگر وہ نکرہ ہے تو تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا یا اس بنا پر کہ صفت مشبہ اسکی طرف مضاف ہے مجرور ہوگا۔ پس چھ کو تین میں ضرب دینے سے اٹھارہ صورتیں ہوئیں جو ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہیں

قولہ وہی علی خمسۃ اقسام الخ یعنی صفت مشبہ کے مسائل باعتبار اسنیت اور حسن اور قبح اور اختلاف اور امتناع کے پانچ قسم ہیں ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں اول الحسن وجہٍ یعنی صیغہ صفت معرف باللام ہو اور پھر وہ معمول مجرور عن اللام کی طرف مضاف ہو اس کے امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس ترکیب میں معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہے جو اضافت معنویہ میں ممتنع ہے لہذا ممتنع کے ساتھ مشابہ ہونیکی وجہ سے نحات نے اسکو ممتنع قرار دیا۔ دوم الحسن وجہہ یعنی صیغہ صفت معرف باللام ہو اور معمول کی طرف مضاف ہو اور پھر معمول موصوف کی ضمیر کی طرف مضاف ہو اس کے امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اضافت سے کچھ تخفیف نہیں ہوئی اس لیے کہ صفت مشبہ میں تخفیف یا تو حذف تنوین سے ہوتی ہے جیسے حسن وجہٍ میں یا حذف نون تثنیہ اور نون جمع سے یا ضمیر موصوف کے فاعل صفت سے حذف ہونے سے جیسے الحسن الوجہ کہ اصل میں الحسن وجہہ تھا اضافت کے وقت وجہہ کی ضمیر حذف کر کے الحسن میں مستتر کر دی گئی اور ترکیب مذکور میں اضافت نے وجہہ مذکورہ میں سے کسی وجہ کا فائدہ نہیں دیا اس لیے کہ تنوین لام کی وجہ سے حذف ہوگئی اور وجہہ کی ضمیر اپنے حال پر باقی ہے اور ایک صورت مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ صیغہ صفت معرف باللام نہ ہو اور وہ اس معمول کی طرف مضاف ہو جو ضمیر موصوف کی طرف مضاف ہے جیسے حسن وجہہٍ سیبویہ اور نحات بصرہ قباحت کے ساتھ ضرورت شعر میں جائز رکھتے ہیں اور قباحت کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اضافت لفظیہ تخفیف کیلئے ہے پس اس لیے اس سے اعلیٰ درجہ کی تخفیف ہونی چاہیے اور وہ تخفیف اعلیٰ درجہ کی تب ہوگی کہ مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ ضمیر حذف ہو جائے لیکن یہاں حذف مضاف سے تنوین کو حذف کر لیا اور اعلیٰ درجہ کی تخفیف باوجود ممکن ہونے کے نہیں کیا یعنی ضمیر مضاف الیہ سے حذف نہ کی لہذا اعلیٰ درجہ کے تخفیف پر قدرت ہونے کے باوجود ادنیٰ پر اکتفار کرنا قبیح ہے اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک جواز کیلئے فی الجملہ تخفیف جو کہ حذف تنوین سے ہے کافی ہے اس لیے قباحت لازم نہیں آتی پس چاہیے تھا کہ اعلیٰ درجہ کی تخفیف ہوتی یعنی مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوتی لیکن چونکہ یہاں ادنیٰ درجہ کی تخفیف ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف مضاف سے تنوین حذف ہوتی ہے اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف نہیں ہوتی حالانکہ اعلیٰ درجہ کی ممکن تھی لہذا اعلیٰ درجہ کی تخفیف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ درجہ کی تخفیف پر اکتفار کرنا قبیح ہے اور نحاۃ کوفہ بلا قباحت کے جائز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جواز کے لئے فی الجملہ تخفیف کافی ہے اور وہ صرف تنوین ہے جو یہاں پائی جاتی ہے **قولہ والبواقی احسن الخ** یعنی اٹھارہ قسموں میں سے جو باقی رہ گئیں اور وہ پندرہ ہیں ان میں سے ہر وہ قسم جس میں صرف ایک ضمیر ہے خواہ صفت میں ہو خواہ معمول میں احسن ہے اور وہ نو قسمیں ہیں اور یہ احسن اسلئے ہیں کہ موصوف کے ساتھ ربط کیلئے بقدر حاجت بغیر زیادتی و نقصان ایک ضمیر کا ہونا کافی ہے اور ہر وہ قسم جسمیں دو ضمیریں ہیں ایک صفت میں اور دوسری معمول میں وہ حسن ہیں اور وہ دو قسمیں ہیں انکے حسن کی وجہ یہ ہے کہ وہ ضمیر محتاج الیہ پر مشتمل ہے اور وہ ضمیر صفت ہے جس کا ہونا ماقبل کے ربط کیلئے ضروری ہے اور غیر احسن اس وجہ سے ہے کہ وہ ضمیر زائد علی الحاجۃ پر مشتمل ہے اور وہ ضمیر معمول میں ہے اور ربط پہلی ضمیر سے حاصل ہو چکا ہے لہذا یہ زائد علی الحاجۃ ہوئی۔ اور ہر وہ قسم جس میں کوئی ضمیر نہیں ہے قبیح ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں اور یہ قبیح اس لیے ہیں کہ ضمیر محتاج الیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے موصوف کے ساتھ ربط نہیں رہا۔ نقشہ مذکورہ میں احسن کے لیے الف اور حسن کے لیے ح اور قبیح کے لیے ق اور مختلف فیہ کے لیے مخ اور ممتنع کے لیے م لکھا گیا ہے ۱۲

	قسم معمول	حالت رفعی	حالت نصبی	حالت جری
صفت مشبہ معرف باللام ہو	جب کہ معمول مضاف ہو	زیدٌ الحسنُ وجهُهُ م	زیدًا الحسنَ وجهَهُ م	زیدٍ الحسنِ وجهِهِ م
	جبکہ معمول معرف باللام ہو	والحسنُ الوجهُ ق	زیدًا الحسنَ الوجهَ ا	زیدٍ الحسنِ الوجهِ ا
	جبکہ معمول ان دونوں سے خالی ہو	زیدٌ الحسنُ الوجهِ ق	زیدًا الحسنَ وجهًا	زیدٍ الحسنِ وجهٍ م
صفت مشبہ غیر معرف باللام ہو	جبکہ معمول مضاف ہو	زیدٌ حسنٌ وجهُهُ ا	زیدًا حسنًا وجهَهُ ح	زیدٍ حسنٍ وجهِهِ مخ
	جبکہ معمول معرف بلام ہو	زیدٌ حسنٌ الوجهُ ق	زیدًا حسنًا الوجهَ ا	زیدٍ حسنٍ الوجهِ ا
	جبکہ معمول ان دونوں سے خالی ہو	زیدٌ حسنٌ وجهٌ ق	زیدًا حسنًا وجهًا	زیدٍ حسنٍ وجهٍ ا

والضابطة انك متى رفعت بها معمولها فلا ضمير في الصفة ونصبت او جررت ففيها ضمير الموصوف نحو زيد حسن وجهه **فصل** اسم التفضيل اسم مشتق من فعل ليدل على الموصوف بزيادة على غيره وصيغته افعل فلا يبنى الا من الثلاثي المجرد الذي ليس بلون ولا عيب نحو زيد افضل الناس فان كان زائدا على الثلاثي او كان لونا او عيبا يجب ان يبنى افعل من ثلاثي مجرد ليدل على مبالغة وشدة وكثرة ثم يذكر بعده مصدر ذلك الفعل منصوبا على التمييز كما تقول هو اشد استخراجا واقوى حمرة واقبح عرجا

قولہ والضابطۃ انک الخ یہاں سے مصنف ضمیر کے پہچاننے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ جب تم صفت مشبہ کے معمول کو رفع دو تو اس وقت صفت مشبہ میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی کیونکہ اسوقت اسکا معمول خود اس کا فاعل ہے اور جب تم صفت کے معمول کو نصب یا جر دو تو اس وقت صفت مشبہ میں ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور وہی ضمیر صفت مشبہ کا فاعل ہوگی اور اس وقت صفت کی تذکیر و تانیث اور اسکا تثنیہ و جمع موصوف کے لحاظ سے ہوگا کیونکہ ضمیر کا اپنے مرجع کے ساتھ مطابق ہونا ضروری ہے جیسے زید حسن وجہہ اور ہند حسنۃ وجہہا اور ہندان حسنتان وجہہما اور الزیدون حسنون وجوہہم اور الزیدون حسنو وجہہ ۱۲ **قولہ اسم التفضیل اسم مشتق الخ** یعنی اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل یعنی مصدر سے مشتق ہو تاکہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جو اپنے غیر سے معنی مصدری کے ساتھ زیادہ متصف ہے مصنف نے لیدل علی الموصوف کہا علی من قام بہ یا علی من وقع علیہ نہیں کہا تاکہ وہ اسم تفضیل کے دونوں قسموں کو جو فاعل کی تفضیل اور مفعول کی تفضیل کیلئے شامل ہو جاوے جیسے اضرب (زیادہ مارنیوالا) فاعل کی تفضیل کیلئے ہے اور جیسے اشہر (زیادہ مشہور) یہ مفعول کی تفضیل کیلئے ہے ۱۲ **قولہ بزیادت الخ** یہ یا تو الموصوف کے متعلق ہے ای لیدل علی الذی وصف بزیادۃ علی غیرہ یا بمعنی مع ہے اور اسوقت الموصوف کا صلہ محذوف ہوگا ای علی امر موصوف فعل ہے اس سے اسمار زمان و مکان و آلہ خارج ہو گئے ۱۲ **قولہ بزیادت علی غیرہ الخ** اس سے اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ خارج ہو گئے اور اسی طرح اس قید سے اسم فاعل جو مبالغہ کیلئے وضع کیا گیا ہے خارج ہو گیا جیسے ضراب اور ضرب (بہت مارنیوالا) کیونکہ یہ اگرچہ زیادت پر دلالت کرتے ہیں لیکن انمیں زیادت علی الغیر کا لحاظ نہیں ہوتا اسی طرح اس قید سے لقطہ زائد اور کامل خارج ہو گئے کیونکہ بزیادت علی غیرہ کے یہ معنی ہیں کہ موصوف کی زیادت اس کے غیر پر اسی فعل میں ہو جس سے یہ مشتق ہے اور زائد اور کامل سے غیر پر زیادت کا ارادہ اس فعل میں جس سے یہ دونوں مشتق ہیں نہیں ہوتا پس زیادت اور کمال پر کمال کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان سے دوسری چیز کی زیادتی اور کمال کا ارادہ ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وصیغتہ افعل الخ** اور اسم تفضیل کا صیغہ افعل مذکر کے لیے ہے اور فعلی مؤنث کیلئے اور اس میں خیر و شر داخل ہیں اسلیے کہ یہ اصل میں اخیر اور اشر تھے نیز یہ صیغہ صرف ثلاثی مجرد سے آتا ہے ثلاثی مزید اور رباعی مجرد و مزید سے نہیں آتا اسلئے کہ ثلاثی مزید اور رباعی سے اسم تفضیل کا اس وزن پر آنا محال ہے کیونکہ اگر حروف کم کیے جائیں تو لفظاً اور معنیً فعل لازم آتا ہے اور اگر حروف کم نہ کریں تو وزن افعل سے بڑھ جائیگا اور پھر ثلاثی مجرد سے بھی اس سے آتا ہے جسمیں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں اس واسطے کہ اس سے جسمیں لون و عیب کے معنی ہوں غیر تفضیل کیلئے افعل صفت کا صیغہ آتا ہے پس اگر افعل تفضیل کو بھی اس سے بنایا جائے تو افعل تفضیل کا افعل صفت کے ساتھ التباس ہوگا جیسے اسود (سیاہ رنگ والا) اعور (کانا) انکی مؤنث سوداء اور اعوراء آتی ہے مثلاً اگر اسود کہیں تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس سے مراد سیاہ رنگ والا ہے یا زیادہ سیاہ رنگ والا اور عیب سے مراد عیب ظاہری ہے نہ باطنی لہذا اجہل (زیادہ جہالت والا) اور ابلد (زیادہ بلادت والا) سے جو جہل اور بلادت سے مشتق ہیں اور عیوب باطنہ سے ہیں اعراض وارد نہیں ہوگا ۱۲ **قولہ زید افضل الناس الخ** زید سب لوگوں سے زیادہ فضیلت والا ہے) اسمیں افضل اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو افعل کے وزن پر ہے اور فضل سے جو ثلاثی مجرد ہے اور معنی لون و عیب ظاہر سے خالی ہے مشتق ہے ۱۲ **قولہ فان کان زائدا علی الثلاثی** یعنی اگر فعل ثلاثی مجرد سے زائد ہو یعنی ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد یا رباعی مزید یا ثلاثی مجرد سے ہو جسمیں لون و عیب کے معنی ہیں تو اس وقت واجب ہے کہ افعل کے وزن پر ثلاثی مجرد سے لفظ شدت یا کثرت یا قوت یا ضعف یا قباحت یا حسن وغیرہ سے جو مقصود کے موافق ہو صیغہ بنائیں تاکہ وہ مبالغہ اور شدت اور کثرت پر دلالت کرے اسکے بعد اس فعل کے مصدر کو جس سے اسم تفضیل بنانا ممتنع ہے بنا بر تمیز منصوب کریں جیسے ہو اشد منہ استخراجا (وہ اس سے از روئے نکالنے کے زیادہ سخت ہے) یہ ثلاثی مزید فیہ سے اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے اور جیسے ہو اقوی منہ حمرۃ (وہ اس سے از روئے سرخ ہونیکے زیادہ قوی ہے) یہ ثلاثی مجرد سے جس میں لون کے معنی ہوں اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے اور جیسے ہو اقبح منہ عرجا (وہ اس سے از روئے لنگڑا ہونیکے زیادہ قبیح ہے) یہ ثلاثی مجرد سے جس میں عیب کے معنی ہوں اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے ۱۲

وقیاسہ ان یکون للفاعل کما مرّ وقد جاء للمفعول قلیلاً نحو اعذر واشغل واشہر و استعمالہ علی ثلثۃ اوجہ اما مضاف کزید افضل القوم او معرّف باللام نحو زید الافضل او بمن نحو زید افضل من عمرو ویجوز فی الاول الافراد ومطابقۃ اسم التفضیل للموصوف نحو زید افضل القوم والزیدان افضل القوم وافضلا القوم والزیدون افضل القوم وافضلوا القوم وفی الثانی یجب المطابقۃ نحو زید الافضل والزیدان الافضلان والزیدون الافضلون وفی الثالث یجب کونہ مفردا مذکرا ابدا نحو زید وھند والزیدان والھندان والزیدون والھندات افضل من عمرو وعلی الاوجہ الثلثۃ یضمر فیہ الفاعل وھو یعمل فی ذلک الضمر والعمل

قولہ وقیاسہ ان یکون للفاعل الخ یعنی اسم تفضیل کا قیاسی استعمال یہ ہے کہ وہ فاعل کیلئے ہو جیسے اسکی مثالیں گذر چکیں اور مفعول کیلئے نہ ہو اس لیے کہ اگر اسم تفضیل دونوں کیلئے قیاسی طور پر کثرت سے آئے تو التباس واقع ہوگا اور یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ فاعل کیلئے ہے یا مفعول کیلئے لہذا فاعل پر جو اشرف ہے اکتفاء کیا جیسے افضل (زیادہ فضیلت والا) اور کبھی وہ خلاف قیاس مفعول کی تفضیل کیلئے بھی آتا ہے جیسے اعذر (زیادہ معذور) اور جیسے اشغل (زیادہ کام میں لگا ہوا) اور جیسے اشہر (زیادہ مشہور) ۱۲ **قولہ واستعمالہ علی ثلثۃ اوجہ الخ** اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ ہے یا تو وہ مضاف ہوکر مستعمل ہوگا جیسے زید افضل الناس یا معرف بلام عہد خارجی ہوکر جیسے زید الافضل زید الذی عہد کونہ افضل من عمرو مثلاً یا لفظ من کے ساتھ ہوکر جیسے زید افضل من عمرو اور پھر ان تینوں استعمالوں میں سے اصل من کا استعمال ہے پھر اضافت کا اور پھر لام کا اور اسم تفضیل کا ان تینوں استعمالوں سے خالی ہونا ناجائز ہے پس زید افضل بغیر کسی استعمال کے ناجائز ہے ہاں اگر مفضل علیہ قرائن سے معلوم ہوسکتا ہو تو وہاں اسکا مقدر ہونا جائز ہے اور اسوقت اسکا وجوہ ثلاثہ میں سے بغیر کسی وجہ کے استعمال کرنا جائز ہے جیسے اللہ اکبر ای اکبر من کل شئ اور جیسے زید کریم وخالد اکرم ای اکرم من زید اور اسم تفضیل میں دو استعمال کا جمع ہونا ناجائز ہے پس زید الافضل من عمرو ناجائز ہے ۱۲ **قولہ ویجوز فی الاول الافراد الخ** یعنی پہلے اول میں اسم تفضیل کا مفرد لانا بھی جائز ہے اور یہ کہ اسکو مطابق موصوف کے لائیں یہ بھی جائز مفرد لانا تو اسلئے جائز ہے کہ یہ اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مفضل علیہ کے مذکور ہونے میں مشابہ ہے اور مستعمل بمن میں ہمیشہ افراد واجب ہے لہذا مشابہت مذکورہ کی وجہ سے مشابہ میں بھی یہ جائز رکھا ہے کہ وہ بھی مفرد ہو لیکن چونکہ اسکی دوسری چیز کیساتھ بھی مشابہت ہے لہذا اسمیں افراد واجب نہیں باقی اسم تفضیل کی موصوف کیساتھ مطابقت سو وہ اسلئے جائز ہے کہ اسم تفضیل اور من ہو اسم تفضیل حقیقت میں صفت و موصوف ہیں اور صفت و موصوف میں مطابقت ہوتی ہے اور نیز چونکہ یہ وجہ اضافت کے کا قائم مقام ہے لہذا اسمیں اسم تفضیل کو موصوف کیساتھ بھی مطابقت جائز رکھی گئی جیسے زید افضل الناس والزیدان افضلا الناس والزیدون افضلو الناس اور ہند فضلی النساء اور الہندان فضلیا النساء اور الہندات فضلیات النساء اور یہ جو اس وقت ہے جبکہ اسم تفضیل سے صرف مضاف الیہ پر زیادتی مقصود ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا لیکن اگر اسم تفضیل سے مطلق زیادتی مقصود ہو نہ صرف مضاف الیہ پر زیادتی مقصود نہ ہو تو اس وقت اسمیں دونوں وجہیں جائز نہیں ہوتی بلکہ اسوقت اسکا حکم معرف باللام کا ہوگا جو آگے آرہا ہے جیسے رسولنا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم افضل قریش ای افضل الناس من بین قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو قریش میں ہیں لیکن یہاں آپ کی زیادت فضیلت صرف قریش پر مقصود نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں پر آپکی زیادتی فضیلت مقصود ہے اور اس صورت میں اسم تفضیل کی اضافت محض توضیح کیلئے ہوتی ہے مضاف الیہ پر تفضیل کیلئے نہیں ہوتی ۱۲ **قولہ وفی الثانی الخ** یعنی اسم تفضیل معرف باللام کی من ہو کیساتھ موافقت ضروری ہے اسلئے کہ اسم تفضیل اور من ہو لہ موصوف صفت ہیں اور تطابق کیلئے کوئی مانع نہیں ہے اسوجہ سے موافقت ضروری ہے ۱۲ **قولہ وفی الثالث الخ** یعنی وہ اسم تفضیل کہ مستعمل بمن ہو ہمیشہ مفرد مذکر ہوتا ہے اس لیے کہ علامت تانیث یا علامت جمع کی مثل جب اس پر داخل ہو تو دو صورتیں ہیں یا قبل از من داخل ہوگی یا بعد از من قبل از من داخل ہونا جائز نہیں اسلئے کہ من حدت اتصال کی وجہ سے مثل جزو کلمہ کے ہے پس اسوقت علامت تانیث یا جمع کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آئیگا اور وہ محال ہے اور اگر علامت تانیث و جمع بعد از من داخل ہوں تو یہ بھی جائز نہیں اسلئے کہ من حقیقت میں دوسرا کلمہ ہے پس اسوقت ایک کلمہ کی علامت کا دخال دوسرے کلمہ پر لازم آتا ہے اور قباحت اسکی اظہر من الشمس ہے ۱۲ **قولہ وعلی الاوجہ الثلثۃ الخ** یعنی اسم تفضیل کا استعمال طرق ثلثہ میں کسی طریقہ پر ہو مگر ہر صورت میں اسکے اندر ایک ضمیر ہوتی ہے اور وہ ضمیر اس کا فاعل ہوتی ہے اور اور اسی ضمیر میں اسکا عمل ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وھو یعمل فی المظہر اصلاً الخ** یعنی اسم تفضیل جو ضمیر مستتر میں جو اسکا فاعل ہوتی ہے عمل کرتا ہے اور وہ اسم مظہر یعنی اسم ملفوظ میں کبھی عمل نہیں کرتا خواہ اسم ملفوظ فاعل مظہر ہو خواہ ضمیر بارز خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مفعول بہ مستتر البتہ وہ اس صورت میں جس کو مثال رایت جملاً الخ کے مثل ہے عمل کرتا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اس لیے کہ اسم تفضیل کا عمل دو قسم پر ہے۔ ایک عمل نصب دوسرا عمل رفع پھر اس کا عمل نصب دو قسم پر ہے (باقی بر صفحہ ۱۳۸ پر)

فی المظہر اصلًا الا فی مثل قولہم مارأیت رجلًا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید فان الکحل فاعل لاحسن وھٰھنا بحث القسم الثانی فی الفعل وقد سبق تعریفہ واقسامہ ثلثۃ ماض ومضارع وامر الاول الماضی

(بقیہ صفحہ ۱۳۷) ایک بنا بر مفعولیت دوسرا بنا بر حال یا بنا بر ظرف یا بنا بر تمیز پس اسم تفضیل مفعول بہ میں بالکل عمل نہیں کرتا ہے خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مضمر کیونکہ اسم تفضیل کا مفعول مفضول علیہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا اور مفضول علیہ جب مذکور ہوتا ہے تو وہ مجرور ہوتا ہے پس وہ اسمیں بواسطہ حرف جر عمل کرتا ہے اور وہ حال اور تمیز اور ظرف میں بغیر کسی شرط کے عمل کرتا ہے جیسے زیدٌ احسن منک الیوم راکبًا ظرف اور حال میں عمل کرنیکی مثال ہے اسمیں الیوم ظرف ہے اور راکبًا حال اور قول باری تعالیٰ انا اکثر منک مالًا واعز نفرًا میں تجھ سے ازروئے مال کے زیادہ ہوں اور ازروئے نفر کے زیادہ غلبہ والا ہوں یہ تمیز میں عمل کرنے کی مثال ہے اسمیں مالًا اکثر کی تمیز ہے اور نفرًا اعز کی ہے حال اور ظرف میں بغیر کسی شرط کے عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معمول ضعیف ہیں لہذا ان میں عمل کرنیکے لیے عامل کے فعل کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت کافی ہے اور اسم تفضیل فعل کیساتھ اس حیثیت سے کہ وہ معنے حدثی پر دلالت کرتا ہے مشابہ ہے اور تمیز بھی معمول ضعیف ہے جب اس میں وہ چیز جو معنی فعل سے خالی ہے تو اس میں وہ چیز جو فعل کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے بدرجۂ اولیٰ عمل کریگی اور عمل رفع میں جو بنا بر فاعلیت ہوتا ہے تین قسم پر ہے ایک ضمیر مستتر میں عمل کرنا دوسرے ضمیر بارز میں عمل کرنا تیسرے اسم ظاہر میں عمل کرنا ضمیر مستتر میں وہ بغیر کسی شرط کے عمل کرتا ہے کیونکہ ضمیر مستتر معمول ضعیف ہے اور معمول ضعیف عمل کرنیکے لیے کسی قوی عامل کی ضرورت نہیں اور ضمیر بارز اور اسم ظاہر میں وہ بغیر کسی شرط کے عمل نہیں کرتا اسلئے کہ یہ دونوں معمول قوی ہیں اور اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اپنے ضعف کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کرسکتا لہذا ان دونوں میں اسکے عمل کرنے کی چند شرطیں ہیں جن کو مصنفؒ نے مثال مارایت رجلًا الخ میں بیان کی ہیں ۱۲ **قولہ الا فی مثل قولہم مارأیت الخ** یہ لا یعمل فی المظہر اصلًا سے استثناء ہے یعنی اسم تفضیل اسم مظہر میں عمل نہیں کرسکتا لیکن وہ مارایت رجلًا الخ جیسے ترکیب میں فاعل مظہر میں عمل کرتا ہے مصنفؒ نے اس ترکیب سے اسم تفضیل کے فاعل مظہر میں عمل کرنے کیلئے تین شرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس ترکیب میں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں گی وہاں اسم تفضیل فاعل مظہر میں عمل کریگا۔ اور وہ تین شرطیں یہ ہیں اول یہ کہ اسم تفضیل باعتبار لفظ ایک شئی کی صفت ہو اور وہ باعتبار معنی اس شئے کے متعلق کی صفت ہو دراں حالیکہ وہ متعلق اس شے اور دوسری شے میں مشترک ہو دوم یہ کہ وہ متعلق شے ایسا ہو جو اس شے کے اعتبار سے مفضل ہو اور دوسرے شے کے اعتبار سے مفضل علیہ بھی لیکن دو اعتبار سے ہو سوم یہ کہ وہ اسم تفضیل منفی ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ متعلق شے کا اس شے کے اعتبار سے مفضل ہونا اور دوسری شے کے اعتبار سے مفضل علیہ ہونا نفی کے داخل ہونے سے پیشتر ہے لیکن نفی کے داخل ہونے کے بعد معنی برعکس ہیں کما لا یخفی علی المتامل جیسے مارایت رجلًا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید اس مثال میں پہلے اثبات کے معنے کو لحاظ کرنا چاہیے تاکہ کلام کے معنے ظاہر ہوجاویں اور پھر اس کے بعد نفی کے معنی کو مثال مذکور میں احسن اسم التفضیل ہے جو باعتبار لفظ ایک شئی یعنی رجلًا کی صفت ہے اور باعتبار معنی یعنی متعلق رجل یعنی کحل کی صفت ہے اور یہ کحل رجل اور زید کی آنکھ میں مشترک ہے اور یہ کحل باعتبار عین رجل مفضل ہے اور باعتبار عین زید مفضل علیہ ہے اور اس وقت معنی یہ ہیں کہ میں نے ایک مرد کو دیکھا جسکی آنکھ میں سرمہ زید کے آنکھ کے سرمہ سے زیادہ اچھا ہے اس میں نفی کے سوا باقی سب شرطیں ظاہر ہوگئیں لیکن جب اس پر نفی داخل ہوئی تو اسم تفضیل مثبت سے منفی ہو جائیگا اور تینوں شرطیں پائی جائیں گی اور نفی کے بعد کحل باعتبار عین رجل مفضل علیہ ہے اور باعتبار عین زید مفضل ہے اور نفی کے بعد مقصود زید کی آنکھ کے سرمہ کی تعریف ہے اس مثال میں ما نافیہ ہے اور رجلًا مفعول بہ رایت کا ہے اور احسن اسم تفضیل ہے جو الکحل میں عمل کر رہا ہے اور الکحل اسم ظاہر ہے جو احسن کا فاعل ہے جیسا کہ مصنفؒ خود فرما رہے ہیں فان الکحل فاعل لاحسن اور احسن جو اسم ظاہر الکحل میں عمل کر رہا ہے بمعنی فعل حسن ہو کر عمل کر رہا ہے کیونکہ صفت تفضیل کی نفی اسکو اصل فعل کے معنی میں کر دیتی ہے اسلئے کہ تفضیل بمعنی زیادت بمنزلہ قید ہے اور نفی جب مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی طرف لوٹتی ہے اور اصل معنی فعل رہ جاتا ہے۔ پس منفی کی صورت میں اسکے عمل کرنے کی وجہ یہی ہے ۱۲ **قولہ ھٰھنا بحث الخ** ۲ یعنی مسئلہ مذکور میں بحث ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ اس عبارت میں اختصار کیلئے احسن فی عینہ الکحل من عین زید کہنا بھی جائز ہے پس من عین زید کو قائم مقام منہ فی عین زید کے کر سکتے ہیں اور نیز اختصار کیلئے ذکر عین کو مقدم کرکے مارایت لعین زید احسن فیہ الکحل بھی کہہ سکتے ہیں اور اسوقت معنی میں کوئی فرق نہیں ہوگا بلکہ معنی وہ ہی رہیں گے کہ میں نے زید کی آنکھ کے مانند کوئی سرمگیں خوبصورت آنکھ نہیں دیکھی ۱۲ **قولہ واقسامہ الخ** ۳ یعنی فعل کی تین قسمیں ہیں ماضی مضارع امر کیونکہ فعل دو حال سے خالی نہیں یا تو اختیاری ہے یا انشائی ثانی امر ہے اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکے اول میں حروف اتین سے کوئی حرف ہے یا نہیں اول مضارع ہے اور ثانی ماضی ۱۲ **قولہ الاول الخ** ۴ یعنی اقسام ثلثہ میں سے پہلی قسم ماضی۔ ماضی کو مضارع پر اس وجہ مقدم کر دیا۔ کہ ماضی اصل ہے یا اس وجہ سے مقدم کیا کہ ماضی کا زمانہ مضارع کے زمانہ سے قبل ہوتا ہے ۱۲۔

وهو فعل دلّ علىٰ زمانٍ قبل زمانك وهو مبنيٌّ على الفتح ان لم يكن معهٗ ضميرٌ مرفوعٌ متحركٌ ولا واوٌ كضَرَبَ ومع الضمير المرفوع المتحرك على السكون كضَرَبْتُ وعلى الضمّ مع الواو كضَرَبُوا والثاني المضارع وهو فعلٌ يشبهُ الاسمَ باحدٰى حروف آتَيْنَ في اوله لفظًا في اتفاق الحركاتِ والسكناتِ نحو يضرب ويَسْتَخْرِجُ كضارِبٍ ومستخرِجٍ وفي دخولِ لام التأكيد في اوّلهما تقول ان زيدًا ليقومُ كما تقول انّ زيدًا لقائمٌ وفي تساويهما في عددِ الحروف ومعنًى في انّه مشتركٌ بين الحال والاستقبال كاسم الفاعل ولذالك سمّوه مضارعًا والسينُ وسوف تخصّصه بالاستقبال نحو سيضرب وسوف يضرب واللام المفتوحةُ بالحال ۔

قولہ فعل الخ یاد رکھو کہ تعریف مذکور میں قولہ فعل جنس ہے ہر فعل کو شامل ہے اور دل علی زمان الخ بمنزلہ فصل کے ہے اسلیئے کہ اس سے ماضی کے سوا سب فعل خارج ہو گئے ہیں۔ الغرض وہ فعل ہے جو اس زمانہ پر دلالت کرے جو تیرے زمانے سے پیشتر ہے یعنی اے مخاطب تو جس زمانہ میں موجود ہے اس زمانہ سے سابق زمانہ پر جس فعل کی دلالت ہو وہ ماضی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تعریف ٹھیک نہیں اس لیے کہ اس میں زمانہ کے لیے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آتا ہے اور تسلسل باطل ہے اور مستلزم باطل خود باطل ہے لہذا تعریف مذکور باطل ہوئی تفصیل مقام یہ ہے کہ قولہ فعل دل علی زمانٍ قبل زمانک میں قبلیت زمانہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں نہ پائے جائیں بلکہ مقدم کے لیے اور زمانہ اور مؤخر کیلئے اور زمانہ ہو پس جبکہ قول ما دل علی زمان قبل زمانک میں قبلیت زمانیہ ہو تو لازم آتا ہے کہ علی زمان میں جو زمانہ ہے اس کے لیے کوئی اور زمانہ ہو اور قبل زمانک میں جو زمانہ ہے اس کے لیے اور زمانہ ہو تاکہ دونوں علیحدہ زمانوں میں پائے جائیں پھر چونکہ وہ زمانہ جو کہ زمان مقدم اور مؤخر کیلئے مانے گئے ہیں وہ یہ ہی زمانے ہیں اس لیے کہ ان میں بھی قبلیت زمانیہ ہوگی اور ان کیلئے علیحدہ علیحدہ دو زمانہ ماننے پڑیں گے پھر وہ بھی دو زمانہ ہیں ان کیلئے بھی علیحدہ علیحدہ دو زمانہ ماننے پڑیں گے ہم جو اس زمانہ کیلئے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آتا ہے اور وہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ہے لہذا تعریف باطل ہوگی جواب یہ ہے کہ قولہ علی زمان قبل زمانک میں جو دو زمانہ سمجھے جاتے ہیں (یعنی گذشتہ اور حال) یہ اجزائے زمان ہیں اور اجزائے زمان میں قبلیت ذاتیہ ہوتی ہے تاکہ زمانی اس لیے کہ قبلیت زمانیہ زمانیات میں پائی جاتی ہے نہ کہ اجزائے زمان میں اور قبلیت ذاتیہ وہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں پائے جائیں اور مقدم اور مؤخر کے علت تامہ ہو جیسے حرکت ید اور حرکت قلم کہ دونوں ایک زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور حرکت ید اور حرکت قلم کے لیے علت تامہ ہے پس محضور مذکور لازم نہ آئے گا فتامل نیز جاننا چاہیے کہ فعل ماضی کے گذشتہ زمانہ پر دلالت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسکی دلالت بحسب الوضع ہو بحسب الاستعمال لہذا لم یضرب سے اسکی مانعیت پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی زمانہ گذشتہ پر دلالت بحسب الوضع نہیں ہے بلکہ حرف لم کے شروع میں آنے کی وجہ سے ہے اسی طرح ان ضربت ضربت سے اسکی جامعیت پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکی دلالت زمانہ استقبال پر بحسب وضع نہیں ہے بلکہ ان حرف شرط کی وجہ سے ہے مصنف کا قول قبل زمانک یہ ظرف مستقر ہے اور زمان کی صفت ہے اے دل علی زمان حاصل فی زمان سبق زمانک الذی انت فیہ **قولہ وہو مبنی علی الفتح الخ** مطلب یہ ہے کہ ماضی مبنی بر فتحہ ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ نہ ہو فعل ماضی کے مبنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسمیں معانی مختلفہ مثل فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت کے عارض نہیں ہوتے پس ماضی میں بنا اصل ہے اور فتحہ پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے باقی رہا یہ امر کہ ماضی کے مبنی بر فتحہ ہونے میں شرط کہ وہ ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ سے خالی کیوں ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ ماضی مرفوع متحرک کے ساتھ ملتبس ہونے کے وقت مبنی بر سکون ہوتی ہے اسلیے کہ ضمیر فاعل بمنزلہ جزو فعل اگر آخر فعل کو ساکن نہ کیا جائے تو اسمیں جو کہ کلمہ واحد کے درجہ میں ہے تو الی اربع حرکات لازم آئیگی اور وہ ناجائز ہے اسی طرح فعل کیساتھ جب واؤ ہو تو مناسبت واؤ کی وجہ سے وہ مبنی علی الضم ہوگا جیسے ضربوا وغیرہ ۱۲ **قولہ المضارع الخ** چونکہ مضارع امر کا مانند ہے اس وجہ سے مضارع کو فعل امر سے مقدم کر دیا کہ مضارع اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی مشابہت رکھنے والے کے مضارع کو مضارع اسلیے کہتے ہیں کہ وہ اسم کے ساتھ حال و استقبال میں مشترک ہونے اور سین اور سوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھتا ہے گویا دونوں مشبہوں نے ایک زرع یعنی پستان سے دودھ پیا ہے مصنف نے مضارع کی تعریف میں لغوی معنی کی رعایت رکھی ہے چنانچہ فرمایا کہ مضارع وہ فعل ہے جو اسم سے مشابہت رکھتا ہو حروف اتین میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتبس ہو کر اب سوال ہوتا ہے کہ یہ مشابہت فعل مضارع کو اسم کے ساتھ کس طرح پر ہے (باقی بر صفحہ ۱۴۰ پر)

نحو لیضرب وحروف المضارعۃ مضمومۃ فی الرباعی نحو یدحرج ویخرج لان اصلہ یاخرج ومفتوحۃ فی ماعداہ کیضرب ویستخرج وانما اعربوہ مع ان اصل الفعل البناء لمضارعتہ ای لمشابھتہ الاسم فی ماعرفت واصل الاسم الاعراب وذلک اذا لم یتصل بہ نون تاکید ولا نون جمع المؤنث واعرابہ ثلثۃ انواع رفع ونصب وجزم نحو ھو یضرب ولن یضرب ولم یضرب فصل فی اصناف اعراب الفعل وھی اربعۃ الاول ان یکون الرفع بالضمۃ والنصب بالفتحۃ والجزم بالسکون یختص بالمفرد الصحیح غیر المخاطبۃ تقول ھو یضرب ولن یضرب ولم یضرب والثانی ان یکون الرفع بثبوت النون والنصب والجزم بحذفھا ویختص بالتثنیۃ وجمع المذکر والمفردۃ المخاطبۃ صحیحا کان او غیرہ تقول ھما یفعلان وھم یفعلون وانت تفعلین

(بقیہ صفحہ ۱۳۹) تو مصنف کہتا ہے کہ لفظاً بھی مشابہت ہے اور معنیً بھی مشابہت ہے لفظاً مشابہت تین طرح پر ہے ایک یہ کہ مثلاً مضارع اور اسم فاعل دونوں حرکت وسکون میں برابر ہیں یعنی جتنے حروف فعل مضارع میں ساکن یا متحرک ہیں اتنے ہی حروف اسم فاعل میں ساکن اور متحرک ہیں جیسے یضرب ضارب یستخرج مستخرج دوسرے لام تاکید کے داخل ہونے میں جس طرح اسم فاعل پر لام آتا ہے اسی طرح لام فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تیسری مشابہت لفظی عدد حروف میں ہے جتنے اسم فاعل میں حروف ہیں اتنے ہی فعل مضارع میں ہوتے ہیں اور معنی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل حال اور استقبال میں مشترک ہے اسی طرح فعل مضارع بھی حال اور استقبال میں مشترک ہے اور جسطرح اسم فاعل کی تخصیص قرینہ سے ہوتی ہے اسی طرح فعل مضارع کی سین اور سوف وغیرہ سے تخصیص ہوتی ہے چنانچہ جب سین وسوف فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو فعل مضارع استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور جب لام داخل ہوتا ہے تو حال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ فعل مضارع آیا ان دو معنی میں مشترک ہے یا نہیں اور بعض کہتے ہیں ان دونوں معنے میں مشترک حقیقی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حال کے معنی حقیقی ہیں اور استقبال کے معنی مجازی اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں ۱۲

قولہ حروف المضارعۃ الخ یعنی حروف مضارع رباعی میں مضموم ہونگے اور مراد رباعی سے وہ فعل مضارع ہے کہ جس کی ماضی میں چار حروف ہوں عام ازیں کہ وہ چاروں اصلیہ ہوں یا زائد ہوں جیسے یکرم یضرب اور جب مضارع رباعی نہ ہو تو علامت مضارع مفتوح ہوگی اور یہاں پر مضارع کے رباعی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی ماضی چار حرفی نہ ہو بلکہ اسمیں یا تو چار حرفوں سے زائد ہوں یا کم جیسے ینفر بستنفر ۱۲ **قولہ وانما اعربوہ الخ ۲** یعنی باوجودیکہ فعل میں اصل بنا رہے چونکہ فعل میں معنی فاعلیت ومفعولیت واضافت نہیں پائے جاتے ہیں اور یہی معنے اعراب کے مقتضی ہیں اس وجہ سے فعل میں یہ بات اصل ہو گئی کہ وہ مبنی ہو مگر چونکہ فعل مضارع اسم کے ساتھ بہت سی چیزوں میں جیسا کہ تم نے پہچانا پوری مشابہت رکھتا ہے اسی وجہ سے نحوی اسکو معرب قرار دیتے ہیں چونکہ جب مشابہ معرب ہے تو یہ بھی معرب ہونا چاہیئے تاکہ مشبہ اور مشبہ بہ کا ایک حکم ہو جاوے اور یہ فعل مضارع بھی اسوقت معرب ہوتا ہے جبکہ اس کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ اور نون جمع مؤنث متصل نہ ہوں اس لیے کہ نونہائے مذکور کے اتصال کے وقت مضارع کے معرب اور مبنی ہونے میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک مبنی ہوتا ہی اسلیئے کہ نون تاکید بوجہ شدت اتصال کے بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے پس اگر نون تاکید قبل اعراب جاری کریں گے تو اعراب کا دخول وسط کلمہ پر لازم آئیگا اور نون تاکید پر اعراب جاری کریں تو وہ چونکہ دوسرا کلمہ ہے لہذا دوسرے کلمہ پر اعراب کا دخول ہونا لازم آئیگا یہ بھی ناجائز ہے پس ثابت ہو گیا کہ بوقت اتصال نون تاکید مضارع پر اعراب جاری نہ ہوگا اور یہی حال نون جمع مؤنث کا ہے اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ فعل مضارع بعد اتصال نون تاکید اور نون جمع مؤنث کے معرب باقی رہیگا جیسا کہ اسم تنوین کے متصل ہونے کے بعد مبنی نہیں ہوتا اس میں اعراب باقی رہتا ہے پس معلوم ہوا کہ معرب کے ساتھ اتصال حرف سے وہ معرب ہی رہتا ہے ملبنی نہیں ہوتا ۱۲ **قولہ واعرابہ الخ ۳** یعنی فعل مضارع کے اعراب تین ہیں رفع نصب جزم اول الذکر اعراب اسم میں بھی ہوتے ہیں اور فعل میں بھی لیکن جزم فعل مضارع کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ جر اسم کیساتھ مختص ہے ۱۲ **قولہ للمفرد الصحیح الخ ۴** یعنی فعل مضارع جب صحیح ہو اور غیر بارز مرفوع سے جو کہ تثنیہ مذکر اور تثنیہ مؤنث اور جمع مذکر اور جمع مؤنث اور واحد مؤنث مخاطبہ کیلیئے ہوتی ہے خالی ہو تو اسمیں مضارع کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کیساتھ جیسے ہو یضرب اور حالت نصب میں فتحہ کیساتھ جیسے لن یضرب اور حالت جزم میں سکون کیساتھ ہوگا جیسے لم یضرب اور صحیح سے مراد ہے کہ ایسے الفاظ جن میں حرف علت نہ ہو پھر وہ جیسے مضارع کے جو غیر بارز مرفوع سے خالی ہوتے ہیں اور جن میں یہ اعراب مذکور لازم آتا ہے کل پانچ ہیں واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب اور واحد مذکر حاضر اور واحد متکلم اور معظم مع الغیر ۱۲ **قولہ یختص بالتثنیۃ الخ ۵** حاصل یہ کہ وہ فعل مضارع کہ جو غیر بارز مرفوع کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفع میں نون کے ساتھ جیسے ھما ینصران اور حالت نصب اور جزم میں حذف نون کے ساتھ ہوتا ہے جیسے لن ینصرا اور لم ینصرا ۱۲

ولن يفعلا ولن يفعلوا ولن تفعلي ولم تفعلا ولم تفعلوا ولم تفعلي والثالث يكون الرفع بتقدير الضمة والنصب بالفتحة لفظاً والجزم بحذف اللام ويختص بالناقص الياءي والواوي غير تثنية وجمع ومخاطبة تقول هو يرمي ويغزو ولن يرمي ويغزو ولم يرم ويغز والرابع ان يكون الرفع بتقدير الضمة والنصب بتقدير الفتحة والجزم بحذف اللام ويختص بالناقص الالفي غير تثنية وجمع ومخاطبة نحو هو يسعى ولن يسعى ولم يسع فصل المرفوع عامله معنوي وهو تجرده عن الناصب والجازم نحو هو يضرب ويغزو ويرمي ويسعى فصل المنصوب عامله خمسة احرف ان ولن وكي واذن

قولہ ویختص بالناقص الخ یعنی وہ مضارع جو کہ معتل لام ہے خواہ واوی ہو یا یائی اس کا اعراب حالت رفع میں ضمہ ظاہری کیساتھ ہوگا جیسے یدعوا اور یرمی اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی کے ساتھ ہوگا جیسے لن یدعوا اور لن یرمی اور حالت جزم میں حذف واو یا ر کے ساتھ ہوگا جیسے لم یدع اور لم یرم **قولہ یختص بالناقص الالفی الخ** یعنی اعراب اس مضارع کا جو کہ معتل الفی ہے یہ ہے کہ حالت رفع میں ضمہ تقدیری کے ساتھ اور نصب میں فتحہ تقدیری کے ساتھ ہوتا ہے اور حالت جزم میں حذف الف کیساتھ ہوتا ہے جیسے ہو یرمی اور لن یرمی و لم یرمی ۱۲ **قولہ وہو تجردہ الخ** جاننا چاہیے کہ عامل کے رفع میں اختلاف ہے نحات کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب اور جازم سے خالی ہونا اس کے رفع کا عامل ہے اور یہی مصنف کا مذہب معلوم ہوتا ہے چنانچہ کہا کہ جب مضارع عامل ناصب اور جازم سے خالی ہوگا تو وہ مرفوع ہوگا جیسے یقوم زید اور نحات بصرہ کہتے ہیں کہ مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کا عامل رفع کا ہے پس زید یضرب چونکہ زید مضارب کی جگہ میں ہے لہذا اس کو وہ اعراب دیا گیا جو کہ اسبق اور اقوی ہے ۱۲ **قولہ المنصوب عاملہ الخ** یعنی فعل مضارع کو نصب ان پانچ حروف مذکورہ فی الکتاب کی وجہ سے آتا ہے جن کی اعتلہ کتاب سے ظاہر ہیں لیکن ان اس باب میں اصل ہے کیونکہ یہ اس ان کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہ ہے جو مثقلہ سے مخفف ہے لفظاً تو ظاہر ہے اور معناً اسوجہ سے کہ دونوں مصدریہ ہیں اور باقی حروف ناصبہ عمل میں اس پر محمول ہیں کیونکہ وہ استقبال کیلئے آتے ہیں اور جب ان سے پہلے لم اور لن نہ ہو تو فعل مضارع کو جزماً نصب دیتا ہے ۱۲ **قولہ لن الخ** یہ بھی مطلقاً نصب کرتا ہے اور اس کے معنے نفی مستقبل کے ہیں اور یہ لا سے نفی مستقبل میں بڑھا ہوا ہے سیبویہ کہتا ہے یہ مستقل کلمہ ہے اور کسی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور فراء کہتا ہے کہ اس کی اصل لا ہے الف کو نون سے بدل دیا اور خلیل کہتا ہے کہ اسکی اصل لا آن ہے الف اور ہمزہ کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا جیسے ای شی کو مخفف کر کے ایش کرتے ہیں اور تیسرے احرف کے ہے اسکے معنی بسببیت کے ہیں یعنی اس کا ماقبل اس کے مابعد کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ مثال اسلمت کے ادخل الجنۃ میں اسلام لانا دخول جنت کا سبب ہے اور یہ مذہب کوفیوں کا ہے کہ وہ کے کو جمیع استعمالات میں ناصب للفعل بناتے ہیں جارہ نہیں کہتے ہیں بخلاف بصریوں کے کہ وہ کے کو حرف جر کہتے ہیں اور نصب کو بتقدیر ان مانتے ہیں مصنف نے اس مقام میں کوفیوں کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور اس کو بنفسہا ناصبہ بنایا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اگر کے جارہ ہوتا تو اس پر لام جارہ داخل نہ ہوتا حالانکہ اس پر لام جارہ داخل ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ لکیلا یکون ۱۲ **قولہ واذن الخ** سیبویہ کہتا ہے کہ یہ حرف مستقل ہے اسکے لیے کوئی اصل نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اسکی اصل اذا ظرفیہ ہے مضاف کو حذف کر کے اس کے آخر میں تنوین لگا دی ہے جاننا چاہیے کہ اذن فعل مضارع کو دو شرطوں کیساتھ نصب دیتا ہے ایک یہ کہ اذن کا مابعد اذن کے ماقبل پر اعتماد نہ رکھتا ہو یعنی اس کا مابعد ماقبل کا معمول نہ ہو دوسرے یہ کہ فعل میں معنے مستقبل کے ہوں نہ کہ حال کے جیسے اذن تدخل الجنۃ اس شخص کے جواب میں کہیں کہ جس نے اسلمت کہا پس مثال مذکور میں چونکہ اذن کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا نیز فعل مضارع میں معنی مستقبل کے پائے جاتے ہیں لہذا ان دو شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے اذن اپنے مابعد میں عمل کرے گا اور فعل مضارع کو نصب دیگا لیکن جب اذن کا مابعد اس کے ماقبل کا معمول ہو اور شرط اول منتفی ہو تو اس وقت وہ فعل مضارع کو نصب نہ دیگا بلکہ اسوقت اس کا مابعد مرفوع ہوگا جیسے کوئی انا اذن اکرمک اس شخص کے جواب میں کہے کہ جس نے انا آتیک کہا پس اس جگہ فعل مضارع میں اگرچہ معنے مستقبل کے پائے جاتے ہیں مگر چونکہ اذن کے عمل کرنے کی شرط اول مفقود ہے لہذا وہ اپنے مابعد کو نصب نہ دیگا اس لئے کہ اس کا مابعد ماقبل کا معمول ہے پس اگر وہ اپنے مابعد میں عمل کریگا تو اور دو عاملوں کا ایک معمول پر اجتماع لازم آئیگا دوسرے اذن کا مابعد اپنے ماقبل کا معمول ہونے کی حیثیت سے اذن پر جگہ مقدم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے کہ معمول کا عامل کے ساتھ اتصال ضروری ہے (باقی بر صفحہ ۱۴۲ پر)

وَاِنَّ الْمُقَدَّرَةُ نَحْوُ اُرِيْدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَيَّ وَاَنَا لَنْ اَضْرِبَكَ وَاَسْلَمْتُ كَيْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَاِذَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكَ وَتُقَدَّرُ اَنْ فِيْ سَبْعَةِ مَوَاضِعَ بَعْدَ حَتّٰى نَحْوُ اَسْلَمْتُ حَتّٰى اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَلَامِ كَيْ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ وَلَامِ الْجَحْدِ نَحْوُ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِيْ جَوَابِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْاِسْتِفْهَامِ وَالنَّفْيِ وَالتَّمَنِّيْ وَالْعَرْضِ نَحْوُ اَسْلِمْ فَتَسْلَمَ وَلَا تَعْصِ فَتُعَذَّبَ وَهَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ وَمَا تَزُوْرُنَا فَتُكْرِمَكَ وَلَيْتَ لِيْ مَالًا فَاُنْفِقَهُ وَاَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيْبَ خَيْرًا

(بقیہ صفحہ ۱۴۱) اور جب مابعد اذن کا اذن پر حکماً مقدم ہوگا تو اب اذن اپنے مابعد فعل میں اس کے حکماً مقدم ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کریگا اس لیے کہ اذن ان مصدریہ کی فرع ہے اور وہ ضعیف العمل ہے پس ضعیف العمل اپنے مقدم میں اگرچہ تقدم حکمی ہی کیوں نہ ہو عمل نہیں کرتا پھر جاننا چاہیے کہ اگر اذن کے عمل کرنے کی دوسری شرط یعنی فعل مضارع کا معنی میں مستقبل کے ہونا منتفی ہو جائے تو وہ نصب نہیں دیگا جیسے کوئی شخص انا اظنک کاذبٌ کہے اس لیے کہ اذن ناصبہ جواب اور جزاء کیلئے ہوتا ہے اور جواب اور جزاء زمانہ استقبال میں ہوتی ہے نہ کہ زمانہ حال میں ۱۲

قولہ وان المقدرۃ الخ یعنی جس طرح ان ملفوظہ کے بعد فعل منصوب ہوتا ہے اسی طرح ان مقدرہ کے مابعد بھی فعل مضارع پر نصب آتا ہے ان مقدرہ کی صورتیں یہ ہیں (۱) حتی کے بعد مقدر ہوتا ہے جیسے سرت حتی ادخل البلد (۲) لام کے بعد مقدر ہوتا ہے جیسے سرت لادخل البلد (۳) لام جحود کے بعد مقدر ہوتا ہے لام جحود وہ لام ہے جو کہ کان منفی کی خبر پر داخل ہو کر تاکید نفی کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ما کان اللہ لیعذبہم اور چونکہ یہ سب حروف جارہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ حرف جار فعل پر داخل نہیں ہوتا لہذا ان حروف کے بعد ان مضمرہ مقدر ہوگا تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہو کر داخل جر ہو سکے (۴) فا کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے زرنی فازورک (۵) واؤ کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے لاتکل السمک وتشرب اللبن (۶) او کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے لالزمنک او تعطینی حتی اور واؤ عطف کے بعد فا اور واؤ کے بعد تو تقدیر ان کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرف عاطفہ ہیں اور ماقبل ان حروف کا جملہ انشائیہ اور مابعد جملہ خبریہ ہوتا ہے پس ان دونوں حرفوں کے بعد ان مقدر کردیں گے۔ تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہو کر مصدر پر عطف ہو جاوے پس زرنی فازورک کے معنی ولیکن منک زیارۃ فازورک کے ہیں اور لاتکل السمک وتشرب اللبن کے معنی لایکن منک اکل السمک وشرب اللبن کے ہیں اور دونوں جگہ عطف مفرد کا مفرد پر ہے نہ کہ عطف جملہ کا جملہ پر ہے یہی وجہ واؤ عطف کے بعد ان مقدر ہونیکی ہے باقی رہا او کے بعد تقدیر ان ہونے کی وجہ سو آئندہ آویگی انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲ **قولہ بعد الخ** ۲ حتی یعنی حتی کے بعد ان مقدر ہوتا ہے لیکن اس وقت جبکہ حتی کا دخول اس کے ماقبل کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہو تو حتی معنی میں کے ہوگا پھر ماقبل حتی کے لحاظ سے دخول حتی زمانہ مستقبل میں ہو بایں معنی ہے کہ وقت حصول ماقبل کے اسکا بعد مترتب الحصول ہو عام ازیں کہ بوقت زمانہ تکلم اسکا مابعد ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں جیسے اسی مثال میں اسلمت حتی ادخل الجنۃ اور جب مابعد حتی سے حال کا ارادہ کریں تحقیقاً یا حکایۃً تو اس وقت حتی ابتدائیہ اور استینافیہ ہوگا نہ کہ جارہ اور عاطفہ اور مابعد حتی کا کلام متفق مرفوع ہوگا اور چونکہ اس صورت میں مابعد حتی کا ماقبل سے ارتباط لفظی فوت ہو چکا ہے لہذا ضروری ہے کہ ماقبل حتی کا مابعد کیلئے سبب ہو تاکہ ارتباط معنوی فوت نہ ہو جیسے اس مثال میں لا یجوز الا یہ حتی ابتدائیہ کی مثال ہے اسلئے کہ اسجگہ مابعد حتی سے حال بتحقیقہ مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ زمانہ حال بصیغہ زمانہ تکلم کا ہے اسلئے کہ زمانہ حال بعینہ زمانہ تکلم میں پائی جاتی ہے پس مثال مذکور میں حتی کا مابعد مرفوع اور اسکا ماقبل حتی مابعد حتی الجوز (زائد ہی) کا سبب ہے ۱۲ **قولہ بعد لام الجحود الخ** ۳ حتی پر منصوب ہے یعنی جحد کے لام کے بعد اور یہ لام لام تاکید ہے اور کان نفی کے بعد تاکید نفی کیلئے آتا ہے اس لام کے بعد فعل مضارع بتقدیر ان منصوب ہوتا ہے لام جحود کی مثال قولہ تعالیٰ ما کان لیغفر لہم اسجگہ کان کے اسم سے مضاف محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے کہ ما کان صفۃ اللہ تغفیرہم پس جبکہ اسم کان سے مضاف مقدر ہوا تو کان کے اسم و خبر کے درمیان حمل صحیح ہوگا اور یہ معنی ہونگے کہ نہیں ہے صفت اللہ کی ان کو عذاب دینا ۱۲ **قولہ الفاء الواقعۃ الخ** ۴ حتی پر عطف ہے جاننا چاہیے کہ وہ فا کہ جس کے بعد ان مقدر ہوتا ہے دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک یہ کہ فا کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو دوسرے یہ کہ فا کے قبل اشیاء ستہ میں سے ایک شے ہو اشیاء ستہ میں امر نہی استفہام نفی تمنی و عرض وغیرہ۔ غرض فا کے بعد ان کے مقدر ہونیکی یہ دو شرطیں ہیں شرط اول کی دلیل یہ ہے کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہوگا جیسے ظاہر ہے کہ تغیر لفظ تغیر معنے میں دلالت کرتا ہے پس اگر سببیت مقصود نہ ہو تو رفع سے نصب کی طرف عدول کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور دلیل دوسری شرط کی یہ ہے کہ جب فا سے پیشتر اشیاء ستہ مذکورہ میں سے ایک شے ہوگی تو سامع کو یہ توہم ہوگا کہ فا کا مابعد جملہ سابقہ پر معطوف ہے اس لیے کہ یہ اشیاء از قبیل انشاء ہے اور خبر کا عطف انشاء پر درست نہیں امر کی مثال جیسے زرنی فازورک اے ولیکن منک زیارۃ فازورک مستی نہی کی مثال لاتشتمنی فاکرمک ای ولایکن منک شتم فاکرام منی استفہام کی مثال جیسے ہل عندک ماء فاشربہ ای ولیکن منک ماء فاشرب منی نفی کی مثال ما تاتینا فتحدثنا ای لیس منک اتیان فتحدیث منی تمنی کی مثال لیت لی مالا فانفقہ ای لیت لی مالا فانفاق منی عرض کی مثال جیسے الا تنزل بنا فتصیب خیرا ای الا یکون منک نزول فاصابۃ خیر منی الغرض ان مواضع مذکورہ میں فا کے بعد مضارع بتقدیر ان منصوب ہے اسلئے کہ معنی سببیت اس جگہ مقصود ہیں اور فا اس پر دلالت کرتی ہے نیز فا کے قبل اشیاء ستہ میں سے ایک شی ہے پس فا کا مابعد بتاویل مصدر ہو کر اس مصدر پر معطوف ہوگا جو ماقبل فا سے سمجھا جاتا ہے فتامل ۱۲

وبعدَ الواوِ الواقعةِ فی جوابِ هٰذِهِ المواضعِ کذٰلِكَ نحو اَسلِمْ وتَسلَمَ الیٰ اٰخرِهٖ وبعدَ او بمعنی الیٰ اَنْ او الّا اَن نحو لَاَجلِسَنَّكَ او تُعطِیَنِی حَقِّی وواوِ العطفِ اذا کانَ المعطوفُ علیهِ اسمًا صریحًا نحو اَعجَبَنِی قیامُكَ وتخرجَ ویجوزُ اظهارُ اَنْ مَعَ لامِ کَی نحو اَسلَمتُ لِاَنْ اَدخُلَ الجنّةَ ومَعَ واوِ العطفِ نحو عجبَنِی قیامُكَ واَنْ تخرجَ ویجبُ اظهارُ اَنْ فی لامِ کَی اذا اتصلَتْ بلا النافیةِ نحو لِئَلّا یعلَمَ

قولہ بعد الواو الخ ۱ اس کا عطف ہو رہا ہے حتی پر اس واو کو واو جمع اور واو صرف کہتے ہیں جاننا چاہیئے کہ اس واو کے بعد ان کی تقدیر دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک جمعیت کہ جس کے معنے یہ ہیں کہ واو کا ماقبل اسکے مابعد کا مصاحب ہو یعنی دونوں کے حصول کا ایک زمانہ ہو اور جمعیت کے معنی مصاحبت کے اسلئے کئے گئے ہیں کہ اگر یہ معنی مراد نہ ہوں تو جمعیت کو واو کیلئے شرط قرار دینے کے معنی کچھ نہ کچھ ہونگے۔ اس لئے کہ واو ہمیشہ جمعیت کیلئے آتا ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ واو سے بیشتر فا کی طرح اشیاء سرتہ میں سے کوئی نہ کوئی مسببہ ہو باقی رہی واو کی مثالیں سو وہ بینہ فا کی مثالیں ہیں صرف واو فا کی جگہ رکھنا پڑتا ہے اور کسی تصرف کی ضرورت نہیں جیسا کہ مثال امر میں زرنی واکرمک کہیں اسے لیکن منک زیارۃ واکرام منی ۱۲ **قولہ بعد او الخ ۲** بعد حتی پر معطوف ہے یعنی واو کے بعد مضارع بتقدیر ان اس وقت منصوب ہوتا ہے جبکہ وہ معنی میں الّا ان یا الی ان کے ہوتا ہے اور اصل او کے معنی الی یا الّا کے ہیں ان او کے مفہوم سے خارج ہے ورنہ اگر اس کو بھی مفہوم او میں داخل کیا جائیگا تو تکرار ان لازم آئیگا اور وہ باطل ہے او کی مثال باعتبار دونوں معنی کے للزمنک او تعطینی حقی ہے پس مثال مذکور میں سیبویہ او کو بمعنی الّا کہتا ہے اور اس کے نزدیک مضاف مقدر ہے تاکہ استثناء صحیح ہو پس تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی للزمنک فی کل وقت الا وقت ان تعطینی حقی یعنی میں تیرا کسی وقت پیچھا نہیں چھوڑوں گا مگر اس وقت کہ تو مجھے میرا حق دیدے اور دیگر نحاۃ او کو مثال مذکور میں بمعنی الی لیتے ہیں اُن کے نزدیک مابعد او کا مجرور ہونا بدل مصدر ہے پس ان لوگوں کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی للزمنک الی اعطائک حقی اور اگر کوئی کہے کہ او بمعنی الی یا الّا کے بعد تقدیر ان کی وجہ کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ بمعنی الی یا الّا کی صورت میں فعل کا مجرور ہونا اور مستثنیٰ ہونا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے اسلئے کہ مجرور اور مستثنیٰ ہمیشہ اسم ہی ہوتا ہے پس لامحالہ بعد او کے ان مقدر کریں گے تاکہ فعل بتاویل مصدر ہو کر اسم تاویلی بن جائے اور اس کا مجرور اور مستثنیٰ ہونا صحیح ہو ۱۲ **قولہ وواو العطف الخ ۳** یعنی واو عطف کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جبکہ واو عطف سے پہلے اسم صریح ہو جیسے اعجبنی قیامک وتخرج یہ اصل میں مقامک ان تخرج یہ انکی تقدیر اسلئے ہوئی تاکہ اسم کی تاویل میں ہو جاوے کیونکہ اگر ان کی تقدیر نہ کی جاوے تو اسم کی تاویل میں نہ ہوگا اور پھر عطف اسم صریح پر درست نہ ہوگا کیونکہ فعل کا عطف اسم پر درست نہیں ہے بعض نے اسم کو صریح کے ساتھ مقید نہیں کیا اس وقت اعجبنی ان یضرب و یشتم اس حکم کے تحت میں داخل ہوگا کیونکہ یشتم کے پہلے اسم تاویلی ہے لہٰذا یشتم سے پہلے ان کی تقدیر ہوگی اور اسم کو صریح کے ساتھ مقید کرنے پر اعجبنی ان یضرب و یشتم اس حکم سے خارج ہو جاویگا کیونکہ اس صورت میں تقدیر ان کیواسطے ضروری ہوگا کہ فعل مضارع سے پہلے اسم صریح ہو اور یہاں پر ان یشتم سے پہلے اسم صریح نہیں ہے اس وجہ سے ان کی تقدیر نہیں ہوگی بلکہ یشتم پر نصب اس وجہ سے آیا ہے کہ بلا شبہ ان پر معطوف ہے لیکن اس وقت اعجبنی انک انسان و یشتم سے اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر یشتم اسم تاویلی پر معطوف ہونے کی بنا پر تقدیر ان کے ساتھ منصوب ہے لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ اسم کو صریح کے ساتھ مقید کیا جاوے ورنہ مثل مثال مذکور اس حکم سے خارج ہو جائیگا اور اعجبنی ان یضرب و یشتم میں معطوف علیہ فعل ہے اور اسم نہیں ہے کیونکہ تاویلی اسم کے ساتھ عطف کے بعد ہے پھر جاننا چاہیئے کہ مضارع جس طرح تقدیر ان کے ساتھ واو عطف کے بعد منصوب ہوتا ہے معطوف علیہ اسم صریح ہو اسی طرح اور باقی حروف عطف کے بعد منصوب ہوتا ہے جبکہ معطوف علیہ اسم صریح ہو لہٰذا اگر مصنفؒ بعد حروف العطف کہتا تو بہتر تھا ۱۲ **قولہ ویجوز اظہار ان مع لام کی الخ ۴** مصنفؒ یہاں سے ان مواضع کو بیان کرتا ہے کہ جن میں ان مصدریہ کا اظہار جائز یا واجب ہے تاکہ بعد علم تبیین الاشیاء کے طور وہ صورتیں ذہن نشین ہو جائیں کہ جن میں اظہار ان جائز نہیں (الحاصل) مصنفؒ کہتے ہیں کہ ان مصدریہ کا اظہار لام کے اور ان حرف عاطفہ کے ساتھ جائز ہے جو کہ مضارع کو اسم صریح پر عطف کرتے ہیں۔ لام کی مثال جیسے جئتک لان تکرمنی اور یاد رکھو کہ لام کے ساتھ لام زائدہ کو لاحق کیا گیا ہے جیسے اردت لان یقوم لام کے کہنے سے لام مجرد سے احتراز مقصود ہے اسلئے کہ لام مجرد کے ساتھ اظہار ان جائز نہیں حرف عاطف کی مثال جیسے اعجبنی قیامک ان تذہب ہے اور وہ لام کے اور لام زائدہ اور حرف عاطفہ کے ساتھ اظہار ان کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ یہ تینوں اسم صریح پر داخل ہوتے ہیں جیسے جئتک لاکرام اور اعجبنی ضرب زید و غضبہ اور اردت بضربک پس جائز ہے کہ ان کے ساتھ اس چیز کو ظاہر کریں کہ جو فعل کو اسم کی طرف منقلب کر دیتی ہے بخلاف لام مجرد کے کہ وہ اسم صریح پر داخل نہیں ہوتا لہٰذا اسم کی طرف فعل کو منقلب کرنے کے لیے اظہار ان نہ ہوگا ۱۲ **قولہ ویجب الخ ۵** یعنی ان ناصبہ کا اظہار اس صورت میں واجب ہے جبکہ لام کے ساتھ لائے نافیہ بھی ہو جیسے قولہ تعالیٰ لئلا یعلم تاکہ اجتماع دو لام لازم نہ آئے ۱۲

واعلم اَنَّ اَنِ الواقعۃ بعدَ العلمِ لیستْ ھی الناصبۃ للفعلِ المضارعِ وانما ھِیَ المخففۃُ مِن
الثقلۃِ نحو عَلِمَ اَن سَیَقُوْمُ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاَنِ الوَاقِعَۃَ
بعدَ الظَّنِّ جازفیہ الوَجْھَانِ النصب بھا وان تجعلھا کالواقعۃ بعدَ العِلمِ نحو ظننتُ اَنْ
سیقوم فصل المجزومُ عاملُہٗ لَمْ ولَمَّا ولامُ الامرِ ولا فی النھی وکلمُ المجازات و
ھی اِنْ ومھما واذما وحیثما واَین ومتی ومَا ومَن واَیٌّ واَنّٰی وان المقدرۃ نحو لم یضرب ولما یضرب
ولیضرب ولا تضرب وان تضرب اضرب اٰہ واعلم ان لم تقلب المضارع ماضیًا منفیًّا و
لما کذلک الا انّ فیھا توقعًا بعدہ ودوامًا قبلہ نحو قام الامیرُ لمّا یرکب وایضًا یجوز حذف
الفعل بعد لمّا خاصّۃً تقولُ ندِمَ زیدٌ ولمّا ای ولمّا ینفعہ النّدمُ ولا تقول ندِمَ زیدٌ
ولَمْ واما کلمُ المجازاتِ حرفًا کانت او اسمًا فھی تدخُلُ علی الجملتین
لِتَدُلَّ علی اَنَّ الاُولٰی سببٌ للثانیۃ وتسمی

قولہ اعلم ان ان الواقعۃ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ ان ملفوظ کے بعد فعل مضارع کا منصوب ہونا قاعدہ کلیہ نہیں ورنہ مثل علمت ان سیقوم وان لا یقوم میں بھی فعل مضارع مرفوع ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ فعل مضارع ان مصدریہ کے بعد منصوب ہوتا ہے نہ کہ ان مخففہ من المثقلہ کے بعد اور یہ ان جو اس علم کے بعد واقع ہے کہ جس معنی ظن کے نہیں مخففہ من المثقلہ ہے کہ ان مصدریہ اس لیے کہ ان تحقیق کیلئے ہوتا ہے اور ان ناصبہ امید و طمع کے لیے پس علم کے موافق ان مخففہ ہے نہ کہ ان مصدریہ اور یہی وجہ ہے کہ علمت ان سیقوم میں نحوی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں انہ سیقوم تھا اور ان لا یقوم اصل میں انہ لا یقوم تھا پس اب قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا کلیہ ہی رہا اس کلیہ پر کچھ اثر نہیں پڑا اور علم مکرر دو فعل ہے جو مفید یقین ہو خواہ لفظ علم یا اس کے علاوہ لفظ رویت اور وجدان اور یقین تحقیق اور انکشاف اور شہادت اور ظہور وغیرہ ہوں جو مفید یقین ہوتے ہیں جاننا چاہیے کہ جب علم کے بعد فعل مضارع پر ان مخففہ آئے تو اس ان کے بعد فعل مضارع پر چار چیزوں سین یا سوف یا قد یا حرف نفی میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے تاکہ شروع ہی سے ان مصدریہ اور مخففہ میں فرق ظاہر ہو جاوے ورنہ آخر میں فرق ظاہر ہوگا کیونکہ ان مصدریہ اور اس فعل کے درمیان جس پر داخل ہوا ہے حروف مذکورہ میں سے کوئی حرف فاصل نہیں آتا **قولہ وان الواقعۃ بعد الظن الخ** یعنی جو ان کہ بعد ظن کے واقع ہوتا ہے اس میں دو وجہ جائز ہیں ان کو مخففہ من المثقلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور ان مصدریہ بھی اسلئے کہ ظن جانب راجح کا نام ہے پس اگر اس کی جانب راجح پر نظر کیجائے تو اسکے مناسب ان مخففہ ہے جو کہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور اگر مرجوح پر نظر کیجائے تو اسکے مناسب ان مصدریہ ہوتا ہے ایسے ہی ظن کے علاوہ رجا اور طمع اور خشیت اور خوف و شک اور وہم و اعجاب وغیرہ کے بعد ان مصدریہ ہوتا ہے جیسے رجوت ان تقوم **قولہ المجزوم الخ** حاصل یہ کہ فعل مضارع م اور لما اور لام امر اور لا نہی اور کلم مجازات سے مجزوم ہوتا ہے مجازات یہ ہے ان اور مہما اور اذما اور حیثما اور این اور متی اور ما اور من اور ای اور انی اور ان مقدرہ ان کو کلم مجازات اسلئے کہتے ہیں کہ یہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں اور ایک کا دوسرے کیلئے جزا ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور چونکہ ان میں سے بعض اسم اور بعض حروف ہیں لہذا مصنف علامہ نے اس مقام پر لفظ کلم اختیار کیا تاکہ دونوں کو شامل ہو جاوے یہ جاننا چاہیے کہ لا نفی اور لا زائدہ (جیسے لا اقسم) سے احترازی ہے کیونکہ جوازم مضارع کی تفصیل [illegible] کرتے ہیں کہ علم مضارع کو ماضی منفی کی طرف منقلب کر دیتا ہے اور یہی حال لما کا ہے کہ وہ مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے مگر دونوں میں فرق کی طرف یہ کیا جاتا ہے کہ لما میں توقع استغراق کے معنی ہوتے ہیں یعنی نفی وقت انتفا کے کہ وقت تکلم تک تمام زمانہ ماضی کو شامل ہوتی ہے بخلاف لم کے کہ وہ صرف زمانہ ماضی کا فائدہ دیتا ہے اسمیں معنی استغراق کے نہیں ہوتے دوسرے لما کا استعمال اکثر اس فعل میں ہوتا ہے جس کے وقوع کی توقع ہوتی ہے اور یہی دوسرے کہ لما کے فعل ماضی منفی کا اسپر کوئی قرینہ موجود ہو جائز ہے جیسے کوئی شخص اس مقام میں کہے کہ یہاں امیر کے سوا ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے ولما جاءہم ای ما یرکب اور لما کا استعمال فعل غیر متوقع میں بھی ہوتا ہے جیسے عدم فلان و لما ینفق الندم کہے یعنی فلاں شخص نادم ہوا اور اب تک قدامت نے اسکو فائدہ نہیں دیا تیسرا فرق ما اور لم میں یہ ہے کہ یہ ادوات شرط داخل نہیں ہوتے پس ان لا یضرب و ان لم یضرب کہتے ہیں **قولہ اما کلمات المجازات الخ** یعنی کلمات مجازات کا خواہ اسم ہوں یا حرف یعنی کلمات شرط و جزا سے دونوں فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اور پہلے فعل کے سبب ہونے پر دلالت کرتے ہیں پہلا فعل شرط اور ثانی جزا ہوتا ہے جیسے ان تکرم اکرم یعنی اگر تو میرا اکرام کریگا تو میں تیرا اکرام کروں گا۔ یہاں پہلا فعل اول تکرم شرط اور ثانی فعل یعنی اکرم جزا ہے ۱۲

الاولی شرطاً والثانیۃ جزاءً ثم ان کان الشرط والجزاء مضارعین یجب الجزم فیھما
لفظا نحو ان تکرمنی اکرمك وان کانا ماضیین لم تعمل فیھما لفظا نحو ان
ضربت ضربت وان کان الجزاء وحدہ ماضیا یجب الجزم فی الشرط نحو ان تضربنی
ضربتك وان کان الشرط وحدہ ماضیا جاز فی الجزاء الوجھان نحو ان جئتنی
اکرمك واعلم انہ اذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد لم یجز الفاء فیہ
نحو ان اکرمتنی اکرمتك قال اللہ تعالیٰ ومن دخلہ کان اٰمنا وان کان مضارعا
مثبتا او منفیا بلا جاز فیہ الوجھان نحو ان تضربنی اضربك او فاضربك وان
تشتمنی لا اضربك او فلا اضربك وان لم یکن الجزاء احد القسمین المذکورین
فیجب الفاء فیہ وذلك فی اربع صور الاولی ان یکون الجزاء ماضیا مع قد
کقولہ تعالیٰ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل والثانیۃ ان یکون مضارعا
منفیا بغیر لا کقولہ تعالیٰ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ والثالثۃ
ان یکون جملۃ اسمیۃ کقولہ تعالیٰ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا
والرابعۃ ان یکون جملۃ انشائیۃ اما امرا کقولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ

قولہ ثم ان کان الخ یعنی اگر شرط و جزاء دونوں فعل مضارع ہوں تو شرط و جزاء دونوں میں لفظاً جزم ضروری ہوتا ہے کیونکہ فعل مضارع معرب ہے جو کلم المجازات کے سبب سے قابل جزم ہے اور یہاں جازم پایا جاتا ہے اور سیبویہ کہتا ہے جزاء مجزوم ہے جازم اور شرط دونوں کے واسطہ اور شرط دونوں کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر شرط و جزاء دونوں ماضی ہوں تو کلمات مجازات شرط و جزاء کے اندر تلفظ میں عمل نہیں کرتے ہیں کیونکہ ماضی ہیں جیسا کہ گذرا لہٰذا اس میں عامل کا اثر ظاہر نہ ہوگا اور اگر فقط جزاء فعل ماضی ہو یعنی کہ شرط مضارع ہو تو شرط میں تلفظاً جزم واجب ہوتا ہے اور جزائیں علت مذکورہ کی وجہ سے تلفظ میں جزم نہیں ہوگا اور بعض سے منقول ہے کہ شرط میں رفع واجب ہوتا جس وقت میں کہ فقط جزاء ماضی ہو اور یہ مذہب بہت ضعیف ہے اور اگر جزاء فعل مضارع اور شرط فعل ماضی ہو تو اس وقت فعل مضارع میں دو وجہ جائز ہیں جزم اور رفع جزم اس لیے کہ جازم داخل ہے اور محل جزم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور رفع اسلئے کہ ماضی کے وسط میں آنے کی وجہ سے جازم سے اسکا تعلق ضعیف ہوگیا بخلاف صورتیں اولیٰ کہ جازم کے فعل کا تعلق نہیں تو وہ ہے لہٰذا جزم واجب ہوگا **قولہ اذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد** یعنی جب جزاء ماضی بغیر قد ہو عام ازیں کہ ماضی لفظاً ہو جیسے ان ضربت ضربت یا معنیً ہو جیسے ان ضربت ما ضرب تو اس صورت میں جزاء پر فاء نہ لائیں گے اسلئے کہ فاء کے ذریعہ جزاء کو شرط کے ساتھ ربط دینا ہوتا ہے اور اسکی ضرورت اسجگہ ہوتی ہے کہ جہاں حرف شرط کی تاثیر متوقف نہ ہو اور یہاں چونکہ حرف شرط نے ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیا لہٰذا حرف شرط کی تاثیر متحقق ہوگی پس واسطہ کی ضرورت نہیں ہوئی بخلاف ماضی کے کہ اسمیں ماضی اپنے معنی پر باقی رہتی ہے لہٰذا حرف شرط کی تاثیر بالفعل متحقق نہیں ہوئی پس اسوقت ربط کیلئے اس پر فاء کا لانا واجب ہوگا جیسے ان دعوتنی اکرمتك قد دعوتك اس کا **قولہ وان کان مضارعا مثبتا الخ** جب جزاء مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو اسوقت فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں وجہ جائز ہیں فاء کا لانا اسلئے کہ حرف شرط کی تاثیر جیسے ماضی میں تھی ویسے مضارع مثبت اور منفی بلا میں متحقق نہیں ہوتی اسلئے کہ ادوات شرط کی وجہ سے یہ خود کہ مضارع خالص استقبال کیلئے ہوگیا مگر مضارع میں معنی استقبال کے پہلے سے تھا لہٰذا ربط کیلئے فاء کو لانا یا جائیگا اور جب نہ دیکھیں کہ فاء کو لانا بھی متحقق ہے تو فاء کا لانا بھی جائز ہوگا **قولہ وان لم یکن الخ** یعنی اگر جزاء ماضی بغیر قد ہو یا مضارع مثبت خود منفی بلا نہ ہو تو اسوقت فاء کا لانا واجب ہوتا ہے جیسا کہ گذرا یعنی قد جزاء ماضی بعد ہو تو وہ وقت بھی فاء کا لانا واجب ہوتا ہے غرض یہ کہ فاء کا چار صورت میں لانا واجب ہوتا ہے (۱) جزاء ماضی بعد قد (۲) مضارع منفی بغیر لا یعنی مضارع مثبت کیساتھ منفی ہو (۳) اس صورت میں جملہ اسمیہ ہو (۴) جملہ انشائیہ ہو

فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَمَّا نَهْیًا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ وَقَدْ
یَقَعُ اِذَا مَعَ الْجُمْلَةِ الْاِسْمِیَّةِ مَوْضِعَ الْفَاءِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ
اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ وَاِنَّمَا تُقَدَّرُ اَنْ بَعْدَ الْاَفْعَالِ الْخَمْسَةِ الَّتِیْ هِیَ الْاَمْرُ نَحْوُ تَعَلَّمْ تَنْجَحْ وَالنَّهْیُ نَحْوُ لَا
تَكْذِبْ یَكُنْ خَیْرًا لَكَ وَالْاِسْتِفْهَامُ نَحْوُ هَلْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ وَالتَّمَنِّیْ نَحْوُ لَیْتَكَ عِنْدِیْ اُحْدِثْكَ
وَالْعَرْضُ نَحْوُ اَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خَیْرًا وَبَعْدَ النَّفْیِ فِیْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ نَحْوُ لَا تَفْعَلْ شَرًّا یَكُنْ خَیْرًا
لَكَ وَذٰلِكَ اِذَا قُصِدَ اَنَّ الْاَوَّلَ سَبَبٌ لِلثَّانِیْ كَمَا رَاَیْتَ فِی الْاَمْثِلَةِ فَاِنَّ مَعْنٰی قَوْلِنَا تَعَلَّمْ تَنْجَحْ
هُوَ اِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجَحْ وَكَذٰلِكَ الْبَوَاقِیْ فَلَذٰلِكَ امْتَنَعَ قَوْلُكَ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ لِامْتِنَاعِ السَّبَبِیَّةِ
اِذْ لَا یَصِحُّ اَنْ یُّقَالَ اِنْ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ وَالثَّالِثُ الْاَمْرُ وَهُوَ صِیْغَةٌ یُطْلَبُ بِهَا الْفِعْلُ
مِنَ الْفَاعِلِ الْمُخَاطَبِ بِاَنْ تُحْذَفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفُ الْمُضَارَعَةِ ثُمَّ تَنْظُرَ

قولہ قد یقع اذا الخ یعنی کبھی فاء کے بجائے جزاء پر اذا مفاجاۃ داخل ہو جاتا ہے بشرطیکہ جملہ اسمیہ ہو جیسے وان تصبھم سیئۃ بما قدمت ایدیھم اذا ھم یقنطون ای فھم یقنطون اور وجہ یہ ہے کہ اذا کے معنی معنی فاء کے قریب ہیں اسلئے کہ اذا مفاجاۃ ایک امر کے بعد دوسرے امر کے حدوث پر دلالت کرتا ہے پس اس میں فاء تعقیبیہ کے معنی پائے جاتے ہیں ۱۲ قولہ وانما تقدر ان بعد الافعال الخ یہاں سے مصنف ان شرطیہ کے مقدر ہونے کی صورتیں بیان فرماتے ہیں کہ وہ امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے اور فعل مضارع کو اس کے سبب سے جزم آتا ہے امر کی مثال زرنی فاکرمک ای ان تزرنی فاکرمک اور نہی کی مثال لا تفعل الشر یکن خیرا لک ای ان لم تفعلہ یکن خیرا لک اور استفہام کی مثال ھل عندکم ماء فاشربہ اسلئے کہ معنی ان لم یکن عندکم ماء اشربہ کے ہیں اور تمنی کی مثال لیت لی مالا انفقہ اس لئے کہ معنی ان لم یکن لی مال فانفقہ کے ہیں اور عرض کی مثال جیسے الا تنزل بنا تصب خیرا ای ان تنزل تصب خیرا ۱۲ قولہ وذلک اذا قصد ان الاول الخ یعنی اشیاء خمسہ مذکورہ (امر وغیرہ) کے بعد ان شرطیہ کا مقدر ہونا اور فعل مضارع کو اس سے جزم آنا اسوقت ہے جبکہ مضمون مضارع کیلئے اشیاء خمسہ مذکورہ کی سببیت کا قصد کیا جاتا ہے پس اس وقت ان شرطیہ مع مضارع کے جو ماقبل میں یعنی امر وغیرہ سے ماخوذ ہے مقدر ہوگا اور وہ مضارع اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے بعد واقع ہے ان مفہومہ کی وجہ سے مجزوم ہوگا جیسا کہ امثلہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور اگر کوئی کہے کہ صرف اشیاء خمسہ مذکورہ کے بعد ان شرطیہ کے مقدر ہونے کی وجہ کیا ہے جواب یہ ہے کہ یہ اشیاء طلب پر دلالت کرتی ہیں اور طلب غالباً ایسے مطلوب کی ہوتی ہے کہ جس پر کوئی فائدہ اسطرح پر مرتب ہوتا ہو کہ مطلوب اس فائدہ کا سبب ہو اور وہ فائدہ مسبب ہو الغرض جب فعل مضارع اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک شے کے بعد واقع ہو اور مضمون مضارع کیلئے اشیاء مذکورہ کی سببیت کا قصد کیا جاوے تو اس وقت معنی شرط کے متحقق ہو جائیں گے اور ان شرطیہ مع فعل شرط کے جو کہ اشیاء مذکورہ سے ماخوذ ہے مقدر ہوگا اور وہ فعل مضارع جو ان اشیاء کے بعد مذکور ہے ان شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوگا اسلئے کہ وہ ایک فائدہ ہے جو کہ طلب فعل پر اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ فائدہ مسبب اور مطلوب اسکا سبب ہے پس مضارع مذکور شرط مقدر کی جزاء ہے اور جزاء مجزوم ہوتی ہے لہذا وہ مجزوم ہوگا جیسے اسلم تدخل الجنۃ یہاں اسلم صیغہ امر ہے اور مطلوب اسلام ہے اور جو فائدہ کہ اس پر مرتب ہوتا ہے وہ دخول جنت ہے نیز اسلام لانا سبب اور دخول جنت مسبب ہے پس یہاں پر اسلم صیغہ امر کے بعد ان شرطیہ مع فعل شرط کے مقدر ہوگا اور تدخل مضارع مذکور جزاء ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی اسلم ان تسلم تدخل الجنۃ اسلام لا الم اسلام سے آیا تو جنت میں داخل ہوگا ۱۲ قولہ فلذالک امتنع قولک الخ یعنی یہ ترکیب ممتنع ہے اسلئے کہ لا تکفر صیغہ نہی فعل منفی کی تقدیر کا قرینہ ہے کہ مثبت کا پس تقدیر عبارت ان لا تکفر تدخل النار ہوگی اور یہ معنی ہوئے کہ کفر مت کر تو نے کفر کیا تو دوزخ میں داخل ہوگا اور فساد اس معنی کا ظاہر ہے اس لیے کہ عدم کفر سبب دخول جنت کا ہے نہ کہ دخول نار کا پھر ترکیب مذکور کا امتناع مذکور سبب جمہور کی بنا پر ہے اور کسائی نحوی اس میں جمہور کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لا تکفر مدخل ان مدخل نہیں اسلئے کہ عرف میں تقدیر عبارت اسطرح پر ہوگی لا تکفر ان تکفر تدخل النار کفر مت کر اگر کفر کرو گے تو جہنم میں داخل ہوگا پس جب عرف فعل مثبت کی تقدیر جائز ہے اور عرف تمام قرائن میں اقوی ہے لہذا عرف کا اعتبار ہوگا اور بوقت قیام قرائن فعل منفی کے بعد مثبت کی تقدیر جائز ہوگی ۱۲ . . . . . قولہ وھو صیغۃ یطلب الخ اصطلاح نحویین پر چند صیغہ امر کا اطلاق امر غائب اور جملہ معروف اور مجہول صیغہ پر ہوتا ہے لیکن امر حاضر معروف کو الامر بالصیغۃ اور لفیہ کو امر بالمعروف یعنی الامر بالام کہتے ہیں پس مصنف نے الامر صیغۃ کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں امر حاضر مراد ہے اسلئے کہ متبادر اطلاق امر سے امر حاضر ہوتا ہے نہ کہ امر غائب پھر تعریف مذکور میں قولہ صیغۃ یطلب بہا بمنزلہ جنس کے ہے کیونکہ امر غائب اور حاضر اور متکلم سب کو شامل ہے علم ازین کہ معروف ہو یا مجہول لعدم قولہ الفعل لہ ہے اسلئے کہ لفظ الفعل سے خارج ہو جاتی ہے جو بیانہ ظاہر ہے کہ بنائی میں نہ فعل مطلوب ہوتا اور لفظ من الفاعل سے امر مجہول کے سب بہت خارج ہو جاتے ہیں اسلئے کہ ان میں طلب مفعول سے ہوتا ہے نہ کہ فاعل سے اور لفظ

فان كان ما بعد حرف المضارعة ساكنا زدت همزة الوصل مضمومة ان انضم ثالثه نحو
انصر ومكسورة ان انفتح او انكسر كاعلم واضرب واستخرج وان كان متحركا فلا حاجة الى الهمزة
نحو عد وحاسب والامر من باب الافعال من القسم الثاني وهو مبني على علامة الجزم كاضرب
واغزو وارم واسع واضربا واضربوا واضربي فصل فعل ما لم يسم فاعله هو فعل حذف
فاعله واقيم المفعول مقامه ويختص بالمتعدي وعلامته في الماضي ان يكون اوله مضموما
فقط وما قبل آخره مكسورا في الابواب التي ليست في اوائلها همزة وصل ولا تاء زائدة
نحو ضرب ودحرج واكرم وان يكون اوله وثانيه مضمومين وما قبل آخره كذلك فيما في اوله
تاء زائدة نحو تفضل وتضورب وان يكون اوله وثالثه مضمومين وما قبل آخره كذلك

قولہ فان کان ما بعد حرف المضارعۃ الخ یعنی بعد حرف حرف مضارع کے دیکھو اگر مابعد اس کا ساکن ہو تو ہمزہ وصل مضمومہ زیادہ کرو جب ساکن کے بعد ضمہ ہو تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے یا ہمزہ وصل مکسور لاؤ اگر ساکن کے بعد فتحہ یا کسرہ ہے جیسے اقتل اور اضرب اور اسع وغیرہ اور اگر متحرک ہو تو ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ قولہ والامر من باب الافعال الخ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ کیا جاتا ہے کہ تم نے بیان کیا ہے کہ جس وقت مابعد حرف المضارعۃ ساکن ہو اور عین کلمہ مضارع کا مضموم ہو تو ہمزہ وصل مکسور لایا جائیگا مثل اکرم اکرام کا امر ہے جو کہ تکرم سے ماخوذ ہے اس صورت میں مابعد حرف المضارعۃ ساکن ہے اور عین مضارع غیر مضموم ہے تو ہمزہ وصل مکسور لانا چاہیے تھا حالانکہ یہاں ہمزہ مفتوحہ لایا گیا ہے جواب مکسور اسوقت لایا جاتا ہے جبکہ مابعد حرف مضارع ساکن ہو اور عین کلمہ مکسور ہو اور یہاں پر ایسا نہیں کیونکہ مابعد حرف مضارع ساکن نہیں ہے بلکہ مفتوحہ ہے جو کہ یہاں پر محذوف ہے کیونکہ تکرم کی اصل تاکرم تھی تا فعل کے وزن پر جبکہ اکرم میں سے ہمزہ کو کراہیت اجتماع ہمزتین کی وجہ سے حذف کیا تو مضارع کے باقی صیغوں میں سے بھی حذف کر دیا ہے موافقت باب کیوجہ سے اور جب اسکا امر بنایا تو ہمزہ محذوف کا اعادہ کر لیا کیونکہ اب خرابی مذکور لازم نہیں آتی ہے لہذا امر اکرم ہو گیا لہذا سوال وارد نہیں ہوتا ہے اور تکرہ اسمیں ہمزہ قطعی ہے اور وصلی نہیں ہے ۱۲ قولہ وہو مبنی علی علامۃ الخ یعنی امر حاضر معروف اسی علامت پر مبنی ہوتا ہے جس پر کہ مضارع مجزوم ہوتا ہے یعنی جیسا کہ بوقت جزم کبھی حرکت گر جاتی ہے اور کبھی نون اعرابی اور کبھی حرف علت گر جاتا ہے اسی طرح امر حاضر معروف سے بھی کبھی حرکت گر جاتی ہے جیسے اقتل اور کبھی نون اعرابی جیسے اقتلوا اور کبھی حرف علت محذوف ہو جاتا ہے جیسے اغزوا اور ارم اور اخش ۱۲ قولہ فعل ما لم یسم الخ یہ فعل مضاف ہے اور ما موصولہ ہے مراد مفعول ہے اے فعل مفعول الذی لم یسم فاعلہ اور لم یسم سے مراد مجاز اً لم یذکر ہے یعنی اس مفعول کا فعل جس کا فاعل ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اس مقام کی مزید تحقیق بحث مرفوعات میں گذری ہے ۱۲ قولہ ہو فعل حذف فاعلہ الخ یعنی فعل ما لم یسم فاعلہ وہ فعل ہے جسکے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو اسکی جگہ رکھدیا ہو سیبویہ کے نزدیک یہ تعریف مطرد ہے اور کسائی کے مذہب پر مطرد نہیں ہے کیونکہ ضربنی و ضربت زیداً میں جو زید ہے اسمیں دونوں فعلوں کا تنازع ہو رہا ہے فعل اول کی فاعل کے حذف کی تقدیر پر یہ تعریف اس پر صادق آتی ہے کیونکہ یہاں پر ایک اسم (زید) فعل اول کا فاعل ہے جس کو حذف کر کے مفعول کو اسکی جگہ قائم کیا گیا ہے جواب یہ مفعول قائم مقام فاعل کیا گیا ہے آسی فعل کا فاعل نہیں ہے جس کا یہ کہا گیا ہے بلکہ دوسرے فعل کا ہے اور فعل مفعول ما لم یسم کہ اسی فعل کے مفعول کو قائم مقام فاعل کے لیا گیا ہو لہذا یہ تعریف ضربنی و ضربت زیداً میں جو زید ہے آس پر صادق نہیں آتی ہے ۱۲ قولہ اقیم المفعول الخ مفعول ما لم یسم معنی کے اعتبار سے مفعول ہے یہ بجائے فاعل کے اگر رفع عمل نہیں کر سکتا ہے جواب فعل کے واسطے دو طرفیں ہیں ایک طرف صدور اور وہ فاعل ہے اور ایک طرف وقوع اور وہ مفعول ہے لہذا فاعل اور مفعول دونوں ایک دوسرے کے طرف میں مشابہ ہیں لہذا مفعول فاعل کی جگہ میں آکر رفع قبول کر سکتا ہے کیونکہ یہاں پر فاعل کی فاعلیت اس سبب سے ہے کہ فعل کی اسکی طرف اسناد کر رکھی ہے اور اسوجہ سے نہیں ہے کہ اس نے فعل کا احداث کیا ہے چنانچہ مات زید میں زید فاعل ہے باوجودیکہ اس نے موت کا احداث نہیں کیا ہے بلکہ مفعول ہے کیونکہ [illegible] موت [illegible] کی نعالی کرتا ہے بلکہ اسوجہ سے ہے کہ زید کی طرف موت کی اسناد کر رکھی ہے قولہ ویختص بالمتعدی الخ فعل ما لم یسم فاعلہ کی بنا فعل متعدی سے ہوتی ہے کیونکہ اگر متعدی کی بنا نہ دیا جاوے اور فاعل کے ذکر کرنے سے نسیاً منسیاً کیا جاوے تو پھر کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہتی ہے جسکی طرف فعل کی اسناد کی جاوے سالانکہ یہ بات درست نہیں ہے ۱۲ قولہ وعلامتہ الخ حاصل مصنف رح کے کلام کا یہ ہے کہ اگر وہ فعل کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے اسکی جگہ مفعول کو رکھنا چاہیں تو اگر فعل ماضی ہو تو اس اول کو ضمہ اور ماقبل آخر کو کسرہ دیں جیسے فعل ضرب اور دحرج ہے کہ اگر فعل ما لم یسم فاعلہ بنانا وقت اس قسم کا تصرف نہ کریں گے تو فعل معروف اور مجہول میں امتیاز نہ ہوگا نیز معلوم ہوگا کہ مرفوع بعد فاعل کے فاعل یا نائب ہے یہ امر کہ یہ تغیر مجہول میں ہی کیوں کی جاتی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مجہول معروف کی فرع ہے لہذا تغیر فرع کے مناسب ہے نہ کہ اصل کے اسوجہ سے مجہول ہی میں فقط یہ تغیر واقع ہوتی ہے اور چونکہ فعل کی اسناد مفعول کیطرف غیر معہود ہے اسوجہ سے اسکیلئے لفظ فعل ہی غیر معہود مناسب ہے تاکہ معنا اور لفظا بر دو غیر معہودیت میں مناسب ہو جائیں اور یہ حکم یعنی اول کو مضموم بنانا اور آخر سے پہلے حرف کو کسرہ فقط اسوقت تک ہوگا جبتک کہ ماضی کے اول میں ہمزہ وصل اور تاء نہ ہو اور ہر اول میں تاء ہو تو اول اور دوسرا حرف مضموم ہوگا اور آخر سے پہلا حرف مکسور جیسے تقبل تاکہ باب تفعل کے (باقی بر صفحہ ۱۴۸ پر)

فیما فی اوله همزة وصل نحو استخرج واقتدر والهمزة تتبع المضموم ان لم تدارج وفی المضارع
ان یکون حرف المضارعة مضموما وما قبل اٰخره مفتوحا نحو یُضرب ویُستخرج الا فی باب
المفاعلة والافعال والتفعیل والفعللة وملحقاتها الثمانیة فان العلامة فیها فتح ما قبل
الاخر نحو یُحاسب ویُدحرج وفی الاجوف ماضیة قیل بیع بالاشمام قیل بیع بالواو قول وبوع وکذلک باب
اُختیر واُنقید دون استخیر واقیم لفقد فعل فیهما وفی مضارعه تقلب العین الفا نحو یقال و
یباع کما عرفت فی التصریف مستقصیً فصل الفعل اما متعدٍ وهو ما یتوقف فهم معناه
علی متعلق غیر الفاعل کضرب واما لازم وهو ما بخلافه کقعد وقام والمتعدی قد یکون
الی مفعول واحد کضرب زیدًا عمرًا والی مفعولین کاعطی زیدٌ عمرًا درهمًا ویجوز فیه الاقتصار
علی احد مفعولیه کاعطیت زیدًا واعطیت درهمًا بخلاف باب علمت والی ثلثة مفاعیل
نحو اعلم الله زیدًا عمرًا فاضلا ومنه اری وانباء ونبّاء واخبر وخبّر وحدّث

(بقیہ حاشیہ صـ۱۴۷) صیغہ مضارع کیساتھ ملتبس نہ ہو اور اگر ہمزہ وصل شروع میں ہے تو اول اور ثالث کو ضم دیں گے اور ماقبل آخر کو اسی طرح جیسے استخرج واقتدر تاکہ اس باب کے امر کے ساتھ اسکا التباس نہ ہو حاصل یہ کہ ہمزہ مضموم کے تابع ہوتا ہے اگر درج میں اگر ساقط نہ ہو اور حرف مکسور کے تابع نہیں ہوتا ہے اگرچہ ساکن میں کسرہ اصل ہے اس لئے اگر کسرہ دیں تو خروج کسرہ ضمہ کی طرف لازم آئیگا جو عند العرب مستنکر ہے اور ساکن کا تابع اور متبوع کے درمیان آجانا کچھ اعتبار نہیں رکھتا ہے ۱۲ **قولہ فی المضارع الخ** فی الماضی پر عطف ہے یعنی مضارع میں مجہول کی علامت یہ ہے کہ علامت مضارع مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے بشرطیکہ ابواب مذکورہ فی الکتاب سے کوئی نہ ہو اور اگر ان میں سے ہو تو علامت مجہول کی ماقبل آخر کا مفتوح ہوتا ہے کیونکہ علامت مضارع تو ان میں معروف میں بھی مضموم ہوتی ہے ۱۲ **قولہ فی الاجوف ماضیہ الخ** یعنی معتل العین واوی ہو یا یائی ثلاثی مجرد سے افصح لغت کی بنا پر قیل اور بیع ہے اور اس میں اشمام بھی جائز ہے اور اشمام سے مراد یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اور عین کلمہ کو کہ یا رہے تھوڑا سا واو کی طرف مائل کرکے پڑھیں گے تاکہ اشمام سے معلوم ہو کہ اصل فاء کلمہ میں ضمہ ہے اور اسمیں قول و بوع بھی آیا ہے کہ بجائے یا کے واو پڑھیں ۱۲ **قولہ وکذالک الخ** یعنی جس طرح ثلاثی مجرد کی ماضی میں وجوہ ثلثہ مذکورہ بالا جاری ہوتی ہیں اسی طرح باب انفعال افعال کی ماضی مجہول میں جبکہ معتل العین ہو وجوہ ثلثہ مذکورہ جاری ہونگی جیسے اختیر اور انقید کہ ان کو تین طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ ان میں قید و خیر مددوں کسی فرق کے قیل اور بیع کے مانند ہیں ۱۲ **قولہ دون استخیر الخ** یعنی باب استفعال اور افعال کی ماضی جبکہ وہ معتل العین ہو وجوہ ثلاثہ مذکورہ جاری نہ ہونگی اسلئے کہ باعتبار اصل کے ماقبل حرف علت کا ان میں ساکن ہے پس جیسے قیل اور بیع کی طرح پڑھ نہ سکے ۱۲ **قولہ فی المضارع تقلب العین الخ** یعنی اگر مضارع معتل العین ہو تو اس کا عین کلمہ بقاعدہ صرف الف سے بدل جائیگا جیسے یقال اور یباع وغیرہ ۱۲ **قولہ الفعل اما متعد الخ** یہاں سے فعل کی دو قسمیں متعدی اور غیر متعدی کا بیان کرتے ہیں کہ متعدی وہ فعل ہے کہ اس کا سمجھنا متعلق معنے غیر فاعل کے سمجھنے پر موقوف ہے مراد مفعول بہ ہے فعل متعدی کی مثال جیسے ضرب اسلئے کہ اس کا سمجھنا جیسا کہ فاعل ممکن ضارب پر موقوف ہے اسی طرح اس کا سمجھنا غیر فاعل یعنی مضروب پر بھی موقوف ہے ۱۲ **قولہ اما لازم الخ** جاننا چاہیے کہ غیر متعدی کو لازم بھی کہتے ہیں اور لازم متعدی کے خلاف ہے اسلئے کہ اسکا تعقل غیر فاعل کے تعقل پر موقوف نہیں ہے جیسے قد قام زید ۱۲ **قولہ والمتعدی قد یکون الخ** یعنی فعل متعدی کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ عمرًا اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعطیت زیدًا درہمًا اور علمت زیدًا فاضلًا لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی مثال میں تو مفعول ثانی مصداق مفعول اول کے مغائر ہوتا ہے اور دوسری مثال میں عین مفعول اول ہے اور کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اللہ زیدًا عمرًا فاضلًا علی ہذا القیاس انبار اور نبار اور اخبر اور خبر اور حدث اعلم کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مفعول ثالث کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ ۱۲

وهذه السبعة مفعولها الاول مع الاخيرين كمفعولى اعطيت فى جواز الاقتصار على احدهما تقول اعلم الله زيدًا والثانى مع الثالث كمفعولى علمت فى عدم جواز الاقتصار على احدهما فلا تقول اعلمت زيدًا خير الناس بل تقول اعلمت زيدًا عمرًا خير الناس فصل افعال القلوب علمت وظننت وحسبت وخلت ورايت ووجدت وزعمت وهى افعال تدخل على المبتداء والخبر فتنصبهما على المفعولية نحو علمت زيدًا عالمًا واعلم ان لهذه الافعال خواص منها ان لا تقتصر على احد مفعوليها بخلاف باب اعطيت فلا تقول علمت زيدًا

قولہ ہذہ السبعۃ الخ یعنی یہ افعال سات فعل جو کہ تین مفعولوں کی طرف متعدی ہیں انکا پہلا مفعول اعطیت کے مفعول کی مانند ہے پس جس طرح پر کہ اعطیت کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار جائز ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان افعال میں صرف مفعول اوّل کو ذکر کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ اوّل کو حذف کر کے دوسرے اور تیسرے مفعول کو ذکر کریں بخلاف ثانی اور ثالث کے کہ وہ دونوں فعل دو مفعولوں باب علمت کے ہیں پس ان میں اختصار جائز نہیں کہ ایک ذکر کریں اور دوسرے کو حذف کریں پس یا تو دونوں کو ذکر کریں گے یا دونوں کو حذف کریں گے ۱۲ **قولہ افعال القلوب الخ** جاننا چاہیے کہ افعال قلوب حصر استقرائی کے اعتبار سے نہ عقل کے اعتبار سے سات ہیں کیونکہ عرف اعتقدت اردت بھی افعال قلوب سے ہیں اور دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کر مستعمل ہوتے ہیں لیکن افعال قلوب کے احکام ان میں جاری نہیں ہوتے ہیں ان افعال کا افعال قلوب اسوجہ سے نام رکھا ہے کہ یہ اپنے صدور میں اعضاء ظاہری کی طرف محتاج نہیں ہیں بلکہ قوائے باطنی کافی ہوتے ہیں کیونکہ بعض تو ان میں سے شک کیلئے آتے ہیں اور بعض یقین کے واسطے اور شک اور یقین دونوں دل سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وجہ سے چونکہ یہ افعال شک اور یقین کے واسطے آتے ہیں ان کا نام افعال الشک والیقین بھی ہے نیز جاننا چاہیے کہ شک کے معنی لغت میں یقین نہ ہونا ہے یعنی شک یقین کے خلاف کو کہتے ہیں بعض جو کہتے ہیں کہ ..... یہ نام رکھنے میں شک سے مراد ظن ہے کیونکہ کوئی سا فعل شک کیواسطے نہیں اس لیے کہ شک کے معنے ہے تساوی طرفین کے فی الحقیقت اس شخص کو لغوی اور اہل میزان کے اصطلاحی معنی سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے اس وجہ سے اس نے بیان مذکور دیا ہے ۱۲ **قولہ علمت الخ** ان افعال کو ماضی سے تعبیر کرنے سے غرض لفظ ماضی خاص نہیں ہے بلکہ مطلق فعل سے خبر دینا ہے خواہ مضارع ہو خواہ امر اور ان افعال کو صیغہ متکلم سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر شخص اپنے قلب کے افعال سے خوب عارف ہے بہ نسبت دوسروں کے قلوب کے افعال سے جاننا چاہیے کہ ان افعال میں سے تین ظننت حسبت خلت شک کے واسطے ہیں اور تین علمت رایت وجدت یقین کے واسطے ہیں اور ایک زعمت دونوں میں مشترک ہے **قولہ وہی افعال الخ** ان افعال کا دخول مبتدا و خبر یعنی جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے اور غرض ان کے دخول سے جملہ اسمیہ پر یہ ہوتی ہے کہ ان کے دخول سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جملہ از قبیل علم ہے یا ظن جیسے علمت زیدًا صالحًا اور ظننت زیدًا قائمًا پس زیدٌ قائمٌ ایک جملہ ہے اور اس میں علمت اور ظننت کے دخول ہونے سے پیشتر احتمال ہے کہ ثبوت قیام کا زید کیلئے از قبیل علم یا ظن ہو پھر جب علمت زیدًا قائمًا کہا تو معلوم ہوا کہ حکم مذکور از قبیل علم ہے اور جب ظننت زیدًا قائمًا کہا تو معلوم ہوا کہ حکم مذکور از قبیل ظن ہے الغرض افعال قلوب اس چیز کے بیان کرنیکیلئے آتے ہیں کہ جس سے یہ ماخوذ ہیں اور جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کی دونوں جزؤں کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں ۱۲ **قولہ خواص الخ** خواص خاصیہ کی جمع ہے خاصہ وہ شئے ہے جو ایک چیز کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسری چیز میں وہ نہ پائی جاوے اور بعض نسخوں میں خواص کے بجائے خصائص ہے اور خصیصہ کی جمع ہے بمعنی خاصہ ۱۲ **قولہ منہا ان لا الخ** مصنف نے یہاں سے افعال قلوب کے خصائص کو بیان کیا ہے چنانچہ کہا کہ افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کے دو مفعولوں میں سے جب ایک مذکور ہو گا تو دوسرے کا ذکر کرنا بھی واجب ہو گا کسی ایک پر اختصار جائز نہ ہو گا اس لیے کہ دونوں بمنزلہ ایک مفعول بہ کے ہیں پس اگر ایک کو ذکر کریں اور دوسرے کو حذف کریں تو بعض اجزاء کلمہ کا حذف لازم آئے گا بخلاف باب اعطیت کے کہ وہاں دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار جائز ہے ۱۲

ومنها جواز الالغاء اذا توسطت نحو زيدٌ ظننت قائم او تاخرت نحو زيدٌ قائم ظننت ومنها انها تعلق اذا وقعت قبل الاستفهام نحو علمت ازيدا عندك ام عمرو وقبل النفي نحو علمت مازيدٌ في الدار وقبل لام الابتداء نحو علمت لزيد منطلق ومنها انها يجوز ان يكون فاعلها ومفعولها ضميرين لشئ واحد نحو علمتني منطلقا وظننتك فاضلا واعلم انه قد يكون ظننت بمعنى اتهمتُ وعلمت بمعنى عرفتُ ورايتُ بمعنى ابصرت ووجدت بمعنى اصبت الضالة فتنصب مفعولا واحدا فقط فلا تكون حينئذ من افعال القلوب

قولہ منہا جواز الالغاء الخ یعنی افعال قلوب کے بعض خواص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جب یہ افعال دونوں مفعولوں کے وسط میں ہوں یا ان سے متوخر تو ان کا الغاء جائز ہے الغاء ابطال العمل لفظاً اور معنیً کو کہتے ہیں اور وجہ اس وقت جواز الغاء کی یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بوجہ اسکے کہ ان میں مبتدا اور خبر بننے کی صلاحیت ہے کلام مستقل ہیں اور افعال قلوب عمل میں ضعیف ہیں پس جب دونوں مفعولوں کے درمیان یا ان سے مؤخر ہوں گے تو بوجہ اپنے عمل ضعیف کے عمل نہ کرنا ان کا جائز ہوگا کیونکہ ان کی ذات میں قوت عمل موجود ہے گو عارض کی وجہ سے ان کی قوت عمل میں ضعف آگیا پس انہیں دونوں صورتیں جائز ہیں البتہ فرق اسقدر ہے کہ وسط میں ہونیکی صورت میں عمل دینا اولی ہے اور متوخر ہونے کی صورت میں الغاء عمل اولی ہے اور بعض نے دونوں صورتوں کو برابر قرار دیا ہے اور جواز الغاء کے وقت میں یہ افعال مصدری معنے میں ہوتے ہیں اور ظرف ہوتے ہیں جیسے مثلاً زید ظننت قائم پس اس کے معنے ہے زید قائم فی ظنی ۱۲

قولہ منہا انہا تعلق الخ یعنی افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جب وہ استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہوتے ہیں تو معلق ہو جاتے ہیں یعنی لفظاً بطریق وجوب ان کا عمل باطل ہو جاتا ہے معنیً باطل نہیں ہوتا جیسے علمت زید عندک ام عمرو باقی امثلہ کتاب سے واضح ہے اور ان تینوں صورتوں میں معلق اس وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ یہ تینوں کلام کی صدارت کو مقتضی ہیں اور عمل کے وقت میں ان افعال کی صدارت ان کی صدارت کو باطل کرتی ہے لہذا یہ افعال از روئے لفظ کے معطل ہو جائیں گے اور از روئے معنی کے عامل ہونگے ۱۲ **قولہ قبل الاستفہام الخ** استفہام سے مراد عام ہے خواہ حرف استفہام سے ہو جیسا کہ مثال مذکور میں جو کہ متن میں سے اور خواہ استفہام اسم سے ہو جو ہمزہ استفہام کے معنے کو شامل ہو جیسے متی ای الحزبین احصیٰ اور علمت این زید جالس اور علمت متی عمرو خارج مگر جس وقت یہ ہل سے پہلے آتے ہیں تو بعض کے نزدیک یہ معلق نہیں ہوتے اور یہ مشہور نہیں ہے ۱۲ **قولہ ومنہا انہا یجوز ان یکون الخ** یعنی افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جائز ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ضمیر متصل ایک شئے کیلئے ہوں یعنی صرف متکلم کیلئے یا صرف مخاطب صرف غائب کیلئے جیسے علمتنی منطلقاً پس ظاہر ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں متکلم کی طرف لوٹتی ہے اور یہ ایک شئے یعنی متکلم کی طرف لوٹتی ہے اور یہ اجتماع دوسرے افعال میں جائز نہیں ہے پس ضربتنی ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں فصل کر کے ضربت نفسی کہیں گے افعال قلوب میں یہ اجتماع اسوجہ سے جائز ہے کہ ان کا مفعول حقیقت میں دوسرا مفعول ہے پہلا مفعول محض دوسرے مفعول کیلئے توطیہ اور تمہید ہوتا ہے پس ان افعال کے فاعل اور مفعول اول کے درمیان ایک شئے کیلئے ضمیر ہونے کی صورت میں اتحاد لازم نہیں آتا ہے بخلاف دوسرے افعال کے کہ ان میں فاعل اور مفعول کے درمیان میں اتحاد لازم آتا ہے لہذا ان میں لفظ نفسی سے فصل لایا جاتا ہے جیسے ضربت نفسی ضربت نفسک ۱۲ **قولہ اعلم الخ** حاصل کلام یہ ہے کہ ان افعال مذکور کے واسطے اور دوسرے معنی بھی ہیں کہ جن کے سبب وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں مثلاً ظننت کہ یہ ظننت معنی اتہمت سے مشتق ہو کر معنے میں اتہمت کے ہوتا ہے اور ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اسی سے قولہ تعالیٰ وما ھو علی الغیب بظنین ہے اور جیسے علمت کہ معنی میں عرفت کے ہو کر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اسی سے قولہ تعالیٰ ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت علی ہذا القیاس رایت معنی میں ابصرت کے ہے جیسے قولہ تعالیٰ ماذا تری میں اور وجدت معنی میں اصبت کے ہو کر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے غرض یہ کہ یہ افعال جب ان معانی میں ہوتے ہیں تو ایک اسم کو بنا بر تقاضا اسمیت کے نصب دیتے ہیں جاننا چاہیے کہ ان افعال کیلئے اور بھی معانی ہیں جن کو مصنفؒ نے بیان نہیں کیا ہے جیسے مثلاً حسبت کے معنی ہے صرت ذا حسب اور خلت کے معنی ہے صرت ذا خال اور زعمت کے معنی ہے کہ کفات مصنفؒ نے ان معانی کو اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ یہ معانی ظن اور یقین کے قریب نہیں ہیں بخلاف ان معانی کے جو کہ مصنفؒ نے ان کے دوسرے معانی بیان کئے ہیں وہ ظن اور یقین کے قریب ہیں ان معانی کے اعتبار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو مفعول کو مقتضی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے ۱۲

فصل الافعال الناقصة هي افعال وضعت لتقرير الفاعل على صفة غير صفة مصدرها وهي كان وصار وظل وبات الى اخرها تدخل على الجملة الاسمية لافادة نسبتها حكم معناها فترفع الاول وتنصب الثاني فتقول كان زيد قائما وكان على ثلثة اقسام ناقصة وهي تدل على ثبوت خبرها لفاعلها في الماضي اما دائما نحو كان الله عليما حكيما او منقطعا نحو كان زيد شابا وتامة بمعنى ثبت وحصل نحو كان القتال اي حصل القتال وزائدة لا يتغير باسقاطها معنى الجملة كقول الشاعر شعر

جيادا بني ابي بكر تسامى على كان المسومة العراب

قولہ الافعال الناقصہ الخ یہاں سے افعال ناقصہ کا بیان ہے افعال ناقصہ کو افعال ناقصہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اور افعال کی طرح صرف فاعل پر کلام تام نہیں ہوتے بلکہ خبر کے ملانے کی ضرورت ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وہی افعال وضعت لتقریر الفاعل الخ** یعنی افعال ناقصہ وہ افعال ہیں کہ جو فاعل کو ان افعال کے مصادر کے صفات متغائرہ کے ساتھ ربط کیلئے موضوع ہیں جیسے مثلاً کان زید قائماً یہاں پر کان قیام کو زید کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے موضوع ہے اور صفت کون کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے موضوع نہیں ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے صفت کو غیر صفت مصدر جا کے ساتھ موصوف کر دیا کیونکہ صفت مصدر کے ساتھ ہر فعل مربوط کرنے کیلئے موضوع ہے جیسے ضرب زید میں ضرب اپنی صفت ضرب کو زید کیلئے ثابت کرنے کیلئے وضع کیا گیا لہذا تمام افعال تقریر الفاعل علی صفت مصدرہا کیلئے موضوع ہیں بخلاف افعال ناقصہ کے کہ یہ اپنی صفتوں کے ثابت کرنے کیلئے موضوع نہیں ہیں بلکہ ان کے مصدر کے علاوہ جو صفت ہوتی ہے اس پر فاعل کو ثابت کرتے ہیں ۱۲ **قولہ تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ الخ** یعنی افعال ناقصہ اپنی معنی کا حکم اور اثر خبر کو عطا کرنے کے لیے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جیسے کان زیدٌ قائماً میں کان فعل ناقص ہے اور زیدٌ قائمٌ جملہ اسمیہ پر داخل ہے اس لیے کہ وہ اپنے معنی یعنی ثبوت کا حکم و اثر اپنی خبر یعنی قیام کو عطا کرے ۱۲ **قولہ فترفع الاول الخ** یعنی افعال ناقصہ جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر جزء اول کو رفع دیتے ہیں اور جزء ثانی کو نصب جیسے کان زید قائماً میں کان عامل ہے اور اس کی وجہ سے زید مرفوع اور قائماً منصوب ہے ۱۲ **قولہ وکان علی ثلثۃ اقسام الخ** یہ لفظ کان کی تفصیل ہے کہ وہ تین قسم پر ہوتا ہے ناقصہ و تامہ اور زائدہ پھر کان ناقصہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اپنی خبر کو اپنے اسم کیلئے زمانہ ماضی میں ثابت کرتا ہے عام ازیں کہ وہ ثبوت تمام ماضی و غیر ماضی میں دائم ہو جیسے کان اللہ عزیزاً حکیماً یا منقطع ہو جیسے کان زید قائماً اور ناقصہ ہونے کے وقت بمعنی صار جیسے کان زید غنیاً اسی صار زید غنیاً ۱۲ **قولہ وتامۃ بمعنی ثبت وحصل الخ** یعنی کان کبھی تامہ ہوتا ہے جو ثبت اور حصل کے معنے میں آتا ہے اور اپنے اسم یعنی فاعل پر تام ہو جاتا ہے خبر کا محتاج نہیں ہوتا ہے جیسے کان القتال میں کان حصل کے معنے میں ہے ۱۲ **قولہ وزائدۃ الخ** یہ کان کی تیسری قسم ہے کہ کان کبھی زائدہ ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جب اس کو عبارت سے ساقط کر دیا جاوے تو معنی مقصود میں کوئی خلل نہ آئے غرض یہ کہ کان کبھی لفظ اور معنی دونوں میں زائدہ ہوتا ہے جیسا کہ مثال متشابدہ میں ہے اور کبھی فقط لفظ میں زائدہ ہوتا ہے جیسے زید کان قائم کان اس مثال میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ قیام زید زمانہ ماضی میں ہوا ہے اور تامہ اور زائدہ اگرچہ ناقصہ نہیں ہیں اس کے باوجود مصنفؒ نے ان کو کان کے تمام استعمالات کے استیفاء کی غرض سے بیان کر دیا ہے اور زیادت لفظ کان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے مشتقات زائد نہیں ہوتے ہیں بخلاف اول کی ہر دو قسم عام ہے یہ خود کان اور اس کے مشتقات سب میں جاری ہوتی ہیں ۱۲ **قولہ جیاداً الخ** جید کی جمع ہے عمدہ تیز رو گھوڑا تسامی اصل میں تتسامی تھا ایک تا تخفیفاً حذف کر دی گئی ماخوذ مسوم سے بمعنی بلند ہونا مسومۃ تسویم سے بمعنی علامت لگانا عراب بالکسر تازی (عربی) گھوڑے جیاد مبتدا ابنی کی جانب مضاف ہے اور ابی بکر ابنی سے بدل ہے اور تسامی خبر علی کان المسومۃ تسامی کے متعلق ہے اور العراب المسومۃ کی صفت ہے ترجمہ میرے بیٹے ابی بکر کے تیز رفتار گھوڑے ان عربی گھوڑوں جن پر عمدہ ہونے کے نشان لگائے گئے ہیں پر فوقیت رکھتے ہیں ۱۲

ای علی المسومۃ وصار للانتقال نحو صار زید غنیا واصبح واصبح واصبح

علی دنوّ الخبر لفاعلها وهی ثلثة اقسام۔ الاوّل للرجاء وهو عسٰی وهو فعل جامد لا یستعمل منه غیر الماضی وهو فی العمل مثل کاد الّا انّ خبره فعل مضارع مع ان نحو عسٰی زیدٌ ان یقوم ویجوز تقدیم الخبر علی اسمه نحو عسٰی ان یقوم زیدٌ وقد یحذف ان نحو عسٰی زیدٌ یقوم والثانی للحصول وهو کاد وخبره مضارع دون ان نحو کاد زیدٌ یقوم وقد تدخل ان نحو کاد زید ان یقوم والثالث للاخذ والشروع فی الفعل وهو طفق وجعل وکرب واخذ واستعمالها مثل کاد نحو طفق زیدٌ یکتب اوشك واستعمالها مثل عسٰی وکاد فصل فعلا التعجب ما وضع لانشاء التعجب وله صیغتان ما افعله نحو ما احسن زیدًا ای ای شیٔ احسن زیدًا او فی احسن ضمیرٌ وهو فاعله وافعل به نحو احسن بزید

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۲) نزدیک کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں علامہ ازہری کے نزدیک کرنا خبر کا باعتبار رجاء اور امید کے ہو یا باعتبار حصول کے یا باعتبار اخذ یعنی شروع فی الخبر کے ۱۲ **قولہ الاول للرجاء** افعال مقاربہ کی پہلی قسم کے افعال وہ ہیں جو رجاء کے واسطے آتے ہیں یعنی باعتبار امید کے خبر کو فاعل کے نزدیک کرنے کیلئے اور اس کام کیواسطے عسٰی آتا ہے جیسے عسٰی زید ان یخرج یعنی امید ہے کہ زید نکلے پس عسٰی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم فاعل کیلئے حصول خبر کی امید رکھتا ہے کہ عنقریب حاصل ہو اور یاد رکھو کہ کلمہ عسٰی غیر متصرف ہے کہ اس سے ماضی کے سوا اور کوئی صیغہ نہیں آتا نیز عسٰی کا استعمال دو طرح پر ہے ایک عسٰی زید ان یخرج امید ہے کہ زید عنقریب نکلے اس صورت میں فاعل عسٰی اسم صریح ہوتا ہے اور اس کی خبر فعل مضارع بان ہوتا ہے دوسرے عسٰی ان یخرج زید اس صورت میں عسٰی تامہ ہے اور فعل مضارع بان محل رفع میں عسٰی کا فاعل اور زید یخرج کا فاعل ہے الفرق عسٰی کے یہ دو استعمال ہیں لیکن استعمال اول میں کبھی ان مصدریہ کو فعل مضارع سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے عسٰی زید یخرج اور وجہ یہ ہے کہ عسٰی کو کاد کے ساتھ مقاربت میں مشابہت ہے پس جس طرح کاد بدون ان کے کاد زید یخرج کہنا جائز ہے اسی طرح عسٰی زید یخرج کہنا بھی جائز ہے ۱۲ **قولہ والثانی للحصول الخ** افعال مقاربہ کی دوسری قسم حصول کیلئے ہے یعنی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کیلئے یقینی ہونے والا ہے اور اس معنے کیواسطے کاد آتا ہے جیسے کاد زید یخرج یعنی زید کیلئے حصول خروج یقیناً ہونے والا ہے پس مثال مذکور میں زید کاد کا فاعل اور یخرج فعل مضارع اس کی خبر ہے جو کہ محل نصب میں ہے اور کاد کی خبر پر ان مصدریہ داخل ہوتا ہے اس لیے کہ کاد کی عسٰی کے ساتھ مشابہت ہے پس کاد کی خبر میں بھی عسٰی کی خبر کی طرح ان مصدریہ لائیں گے **قولہ والثالث للاخذ والشروع فی الفعل الخ** یعنی ایک قسم افعال مقاربہ کی وہ ہے جو وہ فاعل کیلئے خبر کے نزدیک ہونے کو باعتبار اخذ و شروع کے بتلاتے ہیں اور اس معنے کیواسطے طفق اور کرب اور اخذ ہیں۔ اور یہ استعمال میں کاد کے مثل ہیں جیسے طفق وکرب وجعل واخذ زید یخرج اور ایک اس معنے کے واسطے . . . . . اوشک آتا ہے اور استعمال میں عسٰی اور کاد دونوں کی طرح ہے پس اس کا استعمال کبھی تو عسٰی کے دونوں استعمال کی طرح ہوگا جیسے اوشک زید ان یخرج واوشک ان یخرج زید اور کبھی اسکا استعمال کاد کی طرح بغیر ان کے ہوتا ہے جیسے اوشک زید یخرج ۱۲ **قولہ فعلا التعجب الخ** یعنی تعجب کے دو فعل اس مقام پر ہدایت النحو کے بعض نسخوں میں افعال التعجب اور بعض میں فعل التعجب بصیغہ واحد ہے اور آخر اختلاف اسوجہ سے ہے کہ اگر کہا جاوے کہ تعریف جنس کیلئے ہوتی ہے تو فعل التعجب کہنا مناسب ہے اور اگر کہیں کہ افراد کثرت سے ہیں تو صیغہ جمع کا لانا زیادہ مناسب ہے اور تثنیہ اسوجہ سے کہ فعل التعجب کے دو صیغے ہیں ما افعلہ اور افعل بہ اور یہ دونوں ایسے صیغے ہیں کہ ان میں تصریف جاری نہیں ہوتی یہاں تک کہ ان سے نہ تو مضارع آتا ہے اور نہ مجہول تعجب کہتے ہیں کہ نفس کا متاثر ہونا اس چیز کے جاننے کے وقت جس کا سبب خفی ہو مصنف کہتا ہے کہ فعل التعجب وہ فعل ہے جس کی وضع انشاء تعجب یعنے اظہار تعجب کے واسطے ہوتی ہے اور ترکیب ما احسن زید مثلاً کی سیبویہ کے نزدیک ما مبتدا نکرہ بمعنے شے ہے اور اس کا مابعد خبر ہے اور اخفش کے نزدیک ما موصولہ ہے اور اس کا مابعد اس کا صلہ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہے اور خبر شے عظیم محذوف ہے پس سیبویہ کے نزدیک ما احسن زیداً کے معنی شے حسن زیداً کے ہیں اور اخفش کے نزدیک الذی احسن زید شے عظیم کے ہیں اور جاننا چاہیے کہ اس مقام پر ایک مذہب فراء کا ہے اس کو مصنف نے ذکر نہیں کیا ہے وہ یہ کہ ما بمعنی ای شیٔ مبتدا اور مابعد اس کا خبر پس فراء کے نزدیک ما احسن زیداً کے معنی ای شیٔ احسن زیداً کے ہیں اور احسن زید کا ترکیب یہ ہے کہ اس میں بزید سیبویہ کے نزدیک فاعل ہے پس اس وقت احسن زید میں احسن اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنے میں حسی ماضی کے ہے اور بالفظ بزید میں جار زائدہ ہے اور اس کا فاعل ہے اور ہمزہ صیرورت کا ہے ۱۲

ولا یبنیان الا مما یبنی منہ افعل التفضیل ویتوصل فی الممتنع بمثل ما اشد استخراجا فی الاول واشد باستخراجہ فی الثانی کما عرفت فی اسم التفضیل ولا یجوز التصرف فیہما بتقدیم ولا تاخیر ولا فصل والمازنی اجاز الفصل بالظرف نحو ما احسن الیوم زیدا فصل افعال المدح والذم ما وضع لانشاء مدح او ذم اما المدح فلہ فعلان نعم وفاعلہ اسم معرف باللام نحو نعم الرجل زید او مضاف الی المعرف باللام نحو نعم غلام الرجل زید وقد یکون فاعلہ مضمرا ویجب تمییزہ بنکرۃ منصوبۃ نحو نعم رجلا زید او بما نحو قولہ تعالیٰ فنعما ھی ای نعم شیئا ھی

قولہ ولا یبنیان الا یعنی یہ دونوں صیغہ فعل تعجب کے اس چیز سے بنائے جاتے ہیں کہ جس سے افعل التفضیل بنایا جاتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد ہے کہ جو لون اور عیب سے خالی ہو اور وجہ یہ ہے کہ فعل تعجب اور افعل التفضیل کو باہمی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ ہر ایک مبالغہ کیلئے ہوتا ہے نیز جانتا چاہیئے کہ فعل تعجب اس سے نہیں آتا ہے جو زیادۃ اور نقصان کو قبول نہ کرتا ہو لہذا ما مات زید درست نہیں ہے چونکہ موت زیادۃ اور نقصان کو قبول نہیں کرتی ہے اس لیے کہ کسی کی موت کسی اور کی موت سے زائد اور کم نہیں ہوتی ہے نیز فعل تعجب کا صیغہ فاعل کے لیے آتا ہے نہ کہ مفعول کے لیے جیسے افعل التفضیل کا صیغہ فاعل کے لیے آتا ہے پس ما اشتھی الطعام وغیرہ جو مفعول کیلئے آتے ہیں شاذ ہیں اور یہ مفعول کے لئے . . . . . اس لیے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ طعام کس قدر مرغوب ہے اور مرغوب اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ طعام کس قدر مرغوب ہے اور اگر کوئی کہے کہ جس چیز سے فعل تعجب کا بنانا ممتنع ہے اس سے فعل تعجب بنانے کی کیا صورت ہوگی مصنفؒ اس کا جواب اپنے قول یتوصل سے دیتا ہے کہ وہاں شدت یا اس کے مثل ضعف یا حسن یا قبح سے یہ دونوں صیغے اس طرح بنائیں گے کہ وہ مصدر کہ جسکے فعل سے صیغہ تعجب بنانا ممتنع ہے اس کو ان کے بعد ذکر کریں گے مثلاً جب استخراج غیر ثلاثی مجرد سے یہ دو صیغے تعجب کے بنانا چاہیں تو ما اشد استخراجہ اور اشد باستخراجہ کہیں گے ۱۲ **قولہ ولا یجوز التصرف فیہما الخ** یاد رکھو کہ فعل تعجب کے دونوں صیغوں میں تقدیم اور تاخیر کا تصرف نہ ہوگا یہاں تک کہ جار اور مجرور اور مفعول بہ کو ان پر مقدم نہیں کیا جائیگا پس ما زید احسن اور بزید احسن کہنا درست نہ ہوگا علی ہذا القیاس فعل تعجب اور اسکے معمول کے درمیان فصل لانا بھی جائز نہ ہوگا اس لیے کہ ہر دو صیغے تعجب کے انشاء تعجب کی طرف منقول ہونے کے سبب قائم مقام امثال کے ہو گئے پس امثال کی طرح ان میں بھی تصرف جائز نہ ہوگا اور مازنی کہتا ہے کہ فعل تعجب اور اس کے معمول کے درمیان ظرف کے ساتھ جائز ہے اس لیے کہ ظرف میں وہ توسع ہے جو غیر ظرف میں نہیں پس ما احسن فی الدار زیدا اور حسن الیوم بزید کہنا جمہور کے نزدیک ناجائز اور مازنی کے نزدیک جائز ہے ۱۲ **قولہ افعال المدح والذم** مصنفؒ یہاں سے مدح اور ذم کو بیان کرتا ہے کہ افعال مدح و ذم وہ فعل ہیں جو انشاء یعنی اظہار مدح و ذم کے لیے وضع کئے گئے ہیں پس مدحت زیدا میں نے زید کی مدح کی اور مذمت زیدا میں نے زید کی مذمت کی اور کرم زید و شرف زید اور قبح زید و عور زید وغیرہ اخبار مدح اور ذم ہیں نہ انشاء مدح اور ذم کے لیے اسی وجہ سے یہ افعال تعریف افعال مدح اور ذم سے خارج ہیں ۱۲ **قولہ اما المدح فلہ فعلان** افعال مدح میں سے ایک نعم اور دوسرا حبذا نعم بکسر نون سکون عین یہ فعل ماضی ہے اصل میں نعم بفتح فا و کسرہ عین کیساتھ تھا فا کلمہ کو ساکن کر کے عین کلمہ کی حرکت فا کو دے دی۔

اس کے فاعل کی شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل یا تو معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے نعم صاحب الرجل زیدا یا ایسی ضمیر مستتر کہ جس کی تمیز یا تو نکرہ منصوبہ ہو جیسے نعم رجلا زید اور یا تمیز کلمہ ما ہو جیسے قولہ تعالیٰ فنعما ہی ای نعم شیئا اور یہ ما نکرہ معنی میں شیئ کے ہوتا ہے اور بنا بر تمیز کے محلاً منصوب ہے اور یہ نہ موصولہ ہے اور نہ موصوفہ۔ ۱۲

وزيد يسمى المخصوص بالمدح وحبذا نحو حبذا زيد حب فعل المدح وفاعله ذا المخصوص بالمدح زيد ويجوز ان يقع قبل مخصوص او بعده تمييز نحو حبذا رجلا زيد وحبذا زيد رجلا او حال نحو حبذا راكبا زيد وحبذا زيد راكبا واما الذم فله فعلان ايضا بئس نحو بئس الرجل عمرو وبئس غلام الرجل عمرو وبئس رجلا عمرو وساء نحو ساء الرجل زيد وساء غلام الرجل زيد وساء رجلا زيد وساء مثل بئس في سائر الاقسام

القسم الثالث في الحروف

وقد مضى تعريفه واقسامه سبعة عشر حروف الجر والحروف المشبهة بالفعل وحروف العطف وحروف التنبيه وحروف النداء وحروف الايجاب وحروف الزيادة وحرفا التفسير وحروف المصدر وحروف التحضيض وحرف التوقع وحرفا الاستفهام وحروف الشرط وحرف الردع وتاء التانيث الساكنة والتنوين ونونا التاكيد فصل حروف الجر حروف

قولہ زید یسمی المخصوص بالمدح الخ یعنی فعل مدح کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زید میں الرجل نعم کا فاعل ہے اور اس کے بعد زید مخصوص بالمدح ہے ترکیب کے اعتبار سے مخصوص بالمدح کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ مبتدا اور اس کا ماقبل جملہ ہو کر اسکی خبر اور الرجل کی کہ مبتدا کی خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد ہونا چاہیے حالانکہ اسمیہ کوئی ضمیر نہیں جو مبتدا کی طرف عائد ہو جواب یہ ہے کہ عائد کیلئے فقط ضمیر کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نعم الرجل زید میں الف اور لام عہدی بھی عائد ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مخصوص مذکور ہو مبتدا محذوف کی خبر اور نعم الرجل علیہ جملہ فعلیہ ہو اور اسوقت نعم الرجل زید دو جملے ہونگے ایک فعلیہ نعم الرجل اور دوسرا اسمیہ یعنی ہو زید پس اس جملہ کا خبر اول یعنی ہو محذوف ہے اور جاننا چاہیے کہ مخصوص کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ مخصوص بالمدح اس میں فاعل کے ساتھ تذکیر و تانیث اور تثنیہ اور جمع میں مطابق ہو جیسے نعم الرجل زید اور نعمت المراۃ زینب اور نعم رجلان الزیدان اور نعم الرجال الزیدون ۱۲ **قولہ وحبذا الخ** یہ دوسرا فعل مدح ہے اور یہ لفظ حب اور ذا سے مرکب ہے ترکیب میں حب فعل اور ذا اس کا فاعل ہے اور یہ فعل مدح ایسا ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے تثنیہ اور جمع اور تانیث میں اپنے مخصوص کے مطابق نہیں ہوتا جیسے حبذا الزیدان اور حبذا الہند پھر حبذا میں ذا کے بعد جو اسم مذکور ہوگا وہ مخصوص بالمدح ہوگا اور اس مخصوص بالمدح کا اعراب بھی نعم کے مخصوص بالمدح کی طرح پر ہے حتی کہ جو دو وجہ کہ نعم کے مخصوص بالمدح . . . . . میں مذکور ہوئیں وہی حبذا کے بعد مخصوص بالمدح میں جاری ہونگی ۱۲ **قولہ ویجوز ان یقع قبل مخصوص او بعدہ تمیز الخ** یعنی مخصوص حبذا سے پہلے یا اسکے بعد تمیز یا حال کا تذکیر و تانیث اور افراد تثنیہ اور جمع میں مخصوص کے مطابق ہو کر واقع ہونا جائز ہے جیسے حبذا زید رجلا و حبذا رجلا زید و حبذا زید راکبا و حبذا راکبا زید ۱۲ **قولہ واما الذم** یعنی افعال ذم اور ذم کے لیے بھی دو فعل آتے ہیں ایک بئس اور دوسرا ساء ان دونوں کا استعمال نعم کی طرح ہے جیسا کہ امثلہ کتاب سے واضح ہے ۱۲ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم بعون اللہ تعالیٰ **قولہ حروف الجر الخ** یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے وہ یہ کہ حروف مشبہ بالفعل کو چاہیے تھا کہ حروف جر سے پہلے بیان کرتے چونکہ یہ عامل رفع اور نصب ہیں اور حروف جر عامل جر اور مرفوع اور منصوب مجرور پر مقدم ہیں لہذا رافع اور ناصب بھی جار پر مقدم ہوں حروف مشبہ بالفعل رافع اور ناصب ہیں اور حروف جر عامل جار ہیں اسلئے یہ امر تقاضا کرتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کو حروف جار سے مقدم بیان کیا جاوے جواب مصنف نے حروف جار کو حروف مشبہ سے پہلے اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ حروف جار اپنے عمل میں اصل ہیں اور حروف مشبہ بالفعل اپنے عمل میں فرع ہیں چونکہ فرع کا اصل سے عمل کرنے میں یہ امر مقتضی ہے کہ حروف جار کو حروف مشبہ سے مقدم کیا جاوے اگرچہ یہ عامل رفع اور نصب ہیں اتنا چاہیے کہ ان حروف کو حروف جر اور جار اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جر کے معنے کھینچنا ہے اور یہ حروف فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اپنے مدخول کی طرف کھینچتے ہیں نیز ان کا نام حروف اضافت بھی رکھا جاتا ہے چونکہ اضافت کے معنی ہے ملانا اور یہ حروف فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اپنے معمول سے ملا دیتے ہیں لہذا مناسب ہوا کہ ان کا نام حروف اضافت رکھدیا جاوے ۱۲

وضعت[1] لافضاء الفعل وشبهه او معنى الفعل الى ما تليه[2] نحو مررت بزيد وانا مارٌّ بزيد وهذا فى الدار ابوك اى اشير اليه فيها وهى تسعة عشر حرفًا من[3] وهى لابتداء[4] الغاية وعلامته[5] ان يصح فى مقابلته للانتهاء كما تقول سرت[6] من البصرة الى الكوفة وللتبيين وعلامة ان يصح وضع لفظ الذى مكانه كقوله تعالى

قولہ وضعت لافضاء الخ جاننا چاہیئے کہ افضاء لازم ہے اس کے معنی وصول (پہونچنا) کے ہیں باسے متعدی کرکے ایصال (پہنچانے) کے معنے لئے جاتے ہیں یہاں سے وصول کے معنی مناسب نہیں اسوجہ سے مصنفؒ کو لما افضاء بالفعل کہنا چاہیے تھا حاصل تعریف یہ ہے کہ حروف جر وہ حروف ہیں جو فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اس چیز تک پہنچانے کیلئے وضع کئے گئے ہوں جس سے یہ حروف متصل ہوتے ہیں فعل سے مراد یہاں پر اصطلاحی فعل ہے اور شبہ فعل سے مراد جو یہاں پر ہے مصنفؒ نے بیان کر دیا کہ شبہ فعل وہ شے ہے جو اپنے فعل کا عمل کرتی ہو اور وہ اس کی ترکیب یعنی مادہ سے ہو جیسے اسم فاعل اسم مفعول مصدر صفت مشبہ افعل التفضیل اور معنے فعل سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جس سے فعل کے معنی مستنبط ہوں اور فعل کی ترکیب یعنی مادہ سے نہ ہو جیسے ظرف جار مجرور حروف ندا حروف فعلیہ اسماء اشارات اسماء افعال حروف تمنی و ترجی و تشبیہ وغیرہ کہ پہنا نچہ یہ فعل کے معنے پر دلالت کرتے ہیں ۱۲ **قولہ ما تليه الخ** کلمہ ما سے مراد اسم ہو اور ضمیر مرفوع کی فعل مضارع ازدلی یعنی نزدیک ہونا حرف کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر منصوب ما کی طرف یعنی اسم فاعل تلی الحروف ذلک الاسم تلی قرب سے آتا ہے مثال وادی ہے اسکے معنے متصل ہونا کے ہیں ترجمہ ہوا ایسے اسم کی طرف کہ متصل ہوتے ہیں حروف اس اسم سے یعنی جس پر یہ حروف داخل ہوتے ہیں ان کی طرف فعل اور معنے فعل کو پہنچاتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ما سے مراد اسم ہو اور تلی کی ضمیر لفظ کے اعتبار سے اس کی طرف راجع ہو اور ضمیر منصوب حروف وضعت سے جو مفرد سمجھا جاتا ہے یعنی حرف اس کی طرف راجع ہو . . . . . اور اسوقت عبارت ہوگی الی اسم تلی ذلک الاسم الحروف یعنی ایسے اسم کی طرف جو کہ حروف سے متصل ہے واللہ تعالیٰ اعلم یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں پر اسم سے مراد عام ہے خواہ صریح ہو جیسے مررت بزید یا تاویل ہو جیسے ضافت علیہم الارض بما رحبت ای برحبها ۱۲ **قولہ من الخ** مصنفؒ نے بیان من کو عام حروف پر مقدم رکھا اسکی وجہ یہ ہے کہ من ابتدا کے واسطے آتا ہے لہذا اس سے ہی بیان کی ابتدا اولیٰ ہے ۱۲ **قولہ لابتداء الغاية الخ** غایت کے معنی ہے ہر چیز کی انتہا و نہایت خواہ وہ شئے زمانہ ہو یا مکان ہو دوسرے معنے مسافت اور دوری کے ہیں یعنی من نہایت شئے کی ابتدا کیلئے آتا ہے یعنی اس چیز کی ابتدا بیان کرنے کیلئے آتا ہے جس چیز کی نہایت ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو امور ابدی ہیں یعنی وہ امور جن کی نہایت نہیں ان کی ابتدا بیان کرنے کیواسطے نہیں آتا ہے بعض نے غایت کی تفسیر مسافت اور دوری سے کی ہے یعنی من مسافت کی ابتدا بیان کرنے کیلئے آتا ہے اس پر اعتراض کرتے ہیں غایت کی تفسیر مسافت سے کرنا درست نہیں کیونکہ مسافت سے تفسیر کرنے سے لازم آتا ہے کہ اسکا استعمال زمانہ میں مجازاً ہو اور یہ کوفیوں اور اخفش مبرد اور ابن درستویہ کی تصریح کے مخالف ہے انہوں نے کہا ہے کہ اسکا زمانہ میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض وہم ہے چونکہ مسافت کا استعمال جیسے مکان میں ہوتا ہے اسی طرح زمانہ میں ہوتا ہے جانا چاہیے کہ من کا استعمال ابتدا غایت کے واسطے بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ ایک قوم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے سب معانی ابتدا کی طرف راجع ہیں ۱۲ **قولہ علامتہ ان یصح الخ** یعنی اس من کی علامت جو ابتدا غایت کیلئے آتی ہے یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں انتہا درست ہو یعنی اس حرف کا لانا درست ہو جو انتہا پر دلالت کرتا ہو بعض نحویوں میں عبارت اسی طرح ہے فی مقابلتہ الی للانتہاء اور یہ اول کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے اور اس فن کی کتابوں کی عبارتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں الی جو انتہا کے واسطے آتا ہے اس کا لانا درست ہو حاصل یہ کہ من ابتدا کی نشانی ہے یہ کہ اسکے مقابلہ میں الی جو انتہا کے واسطے آتا ہے یعنی جو چیز کہ الی کے معنے کا فائدہ دے اس کا لانا درست ہو اول کی مثال جیسے سرت من البصرة الی الکوفة اور ثانی کی مثال جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اس میں باء الی کے معنی کو مفید ہے کیونکہ اعوذ کے معنی التجاء الیہ کے ہیں صراح میں لی بمعنی پناہ گرفتن بر لا ساتا ہے لجاءت والتجاءت الیہ اعوذ کے صلہ میں باء بمعنے الی ہے اس مثال میں باء بمعنے الی کو من پر اسوجہ سے مقدم کیا ہے کہ شیطان دشمن سے حافظ حقیقی کی طرف انسان کو جلدی پناہ کیلئے جانا چاہیئے ۱۲ **قولہ سرت من البصرة الخ** یہ مثال ابتدا مکانی کی ہے اور ابتدا زمانی کی مثال صمت من یوم الجمعة الی یوم الخمیس ہے ۱۲ **قولہ للتبیین الخ** یعنی من اس شئے کے ظاہر کرنے کیواسطے بھی آتا ہے جو امر مبہم سے مقصود ہوتا ہے یعنی پہلے ایک امر مبہم ذکر کرتے ہیں اس کے بعد من کو ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس امر مبہم سے یہ شئے مراد ہے۔

من بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ میں الذی کا رکھدینا درست ہوتا ہے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان کہ اس میں من بیانیہ رجس کے واسطے ہے اس من کی جگہ میں الذی کا رکھ دینا درست ہوتا ہے یہاں پر الذی سے مراد خالص الذی نہیں ہے۔ بلکہ اسم موصول ہے مع اس کے لوازم کے لہذا فقد کان من مطر سے اعتراض نہ پڑیگا کہ اس میں من بیان کے لئے ہے باوجودیکہ اسم موصول کو اس کی جگہ میں قائم نہیں کر سکتے ہیں۔

کیونکہ اگر کہیں تو نکرہ کا معرفہ کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئیگا جو درست نہیں لوازم کے اضافہ سے اعتراض مذکور دور نہیں ہوگا ۱۲۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وللتبعيض[1] وعلامته ان يصح وضع لفظ بعض مكانه نحو اخذت من الدراهم وزائدة[2] وعلامته[3] ان لا يختل المعنى باسقاطها نحو ماجاءنى من احدٍ ولا تزاد[4] من فى الكلام الموجب خلافًا للكوفيين واما قولهم قد كان من مطرٍ وشبهه فمتاول والى وهى لانتهاء الغاية كما مر وبمعنى مع قليلًا كقوله تعالى فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وحتى وهى[6] مثل الى نحو نمت البارحة حتى الصباح

قولہ للتبعیض یعنی من تبعیض کے لیے بھی آتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ میں لفظ بعض کا قائم کرنا درست ہو جیسے اس مثال میں اخذت من الدراہم یعنی بعض الدراہم ۱۲ **قولہ وزائدۃ الخ** اس کا عطف الابتدا پر ہو کر خبریت کی بنا پر مرفوع ہے یعنی من کلام میں زائدہ بھی آتا ہے من کے معنے کچھ نہیں ہوتے بلکہ محض خوبصورتی کلام کے واسطے اس کو بڑھا دیتے ہیں ۱۲ **قولہ علامتہ الخ** یعنی من زائدہ کی علامت یہ ہے کہ اس کو کلام میں سے گرا دینے سے معنی میں کچھ خرابی پیدا نہ ہو لا یختل اختلال سے ماخوذ ہے اور اس کا مادہ جس کے معنے خرابی کے ہیں اختلال خراب خلل ہونا اسقاطہا گرا دینا متعدی مجرد میں لازم آتا ہے گرنا المسقوط مصدر ہے باب نصر سے جیسے من زائدہ کی مثال ما جاءنی من احد اس میں من کو گرا دینے سے معنی خراب نہیں ہوتے ہیں **قولہ ولا تزاد الخ** یعنی من کلام موجب میں زیادہ نہیں کیا جاتا ہے کلام موجب وہ کلام ہے جو نفی اور نہی اور استفہام اور عرض وغیرہ کو شامل نہ ہو جاننا چاہیے کہ من کے زاید ہونے میں نحاۃ کا اختلاف ہے بصری یہ کہتے ہیں کہ من کی زیادتی صرف کلام غیر موجب میں ہوتی ہے اور اخفش و نحات کوفہ یہ کہتے ہیں کہ من کی زیادتی کیلئے کلام غیر موجب کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ کلام موجب میں بھی اس کی زیادتی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اس دعوے پر قول عرب قد کان من مطر سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں من زائدہ ہے اور قد کان مطر تھا۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ متاول ہے بایں طور کہ من کو تبعیضیہ کہا جائے

یا قد کان شے من مطر جاننا چاہیے کہ من اور بھی چند معنے کے لیے آتا ہے بعضے نحی جیسے

قولہ تعالے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ اے فی یوم الجمعۃ اور بعضی بار جیسے قولہ تعالے ینظرون من طرف خفی اے بہ اور بعضی بدل جیسے قولہ تعالی ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ اے بدل الآخرۃ اور کبھی استغراق کے معنے میں ہوتا ہے جیسے ما رجانی من رجل یہاں پر من استغراق کے لیے ہے کیونکہ من کے اس مقام پر ساقط کرنے سے معنے نحی ہو جاتے ہیں کیونکہ من کے ساقط کرنے کی صورت میں معنے ہے ایک مرد نہیں آیا تو ہو سکتا ہے دو یا زیادہ مرد آئے حالانکہ یہ مقصود نہیں بلکہ یہ مقصود ہے کہ کوئی مرد نہیں آیا اور فہم کے لیے بھی آتی ہے جیسے من ابی لا فعلن کذا جب ثانی متضاد پر داخل ہے تو فصل کے لیے آتی ہے جیسے واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲ **قولہ وہی للانتہاء الخ** یعنی الی غایت یعنی مسافت کی انتہا بتانے کیواسطے آتا ہے اس میں نحاۃ کا اختلاف ہے کہ الی کا مابعد الی کے ماقبل میں داخل ہوتا ہے یا نہیں بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ الی کی وضع اس لئے ہوتی ہے کہ مسافت کی انتہا کو بتا دے اس وجہ سے مابعد ماقبل میں حقیقۃ داخل نہ ہوگا بلکہ الی کا استعمال اس وقت میں کہ الی کا مابعد ماقبل میں داخل ہو مجازاً ہوگا بعض اس کے عکس کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں۔

کہ الی دونوں معنی میں مشترک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ الی کا مابعد الی کے ماقبل کی جنس سے تو الی کا مابعد الی کے ماقبل میں داخل ہوگا ورنہ نہیں مسافت میں تعمیم ہے خواہ زمان یا مکان اگر مسافت مکان ہے تو مکان کی انتہا کو الی بتا دے گا اور اگر زمان ہے تو اس وقت زمانہ کی انتہا کو بتا دے گا جیسے ثم اتموا الصیام الی اللیل قولہ یجیء بمعنے مع بعضی الی مع کے معنے میں آتا ہے لیکن کم قلیلاً مصنف کی عبارت میں یا تو حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی کونہ قلیلاً یا مصدر محذوف کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے اے مجیئاً قلیلاً یا زماناً محذوف کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے اے زماناً قلیلاً جیسے قولہ تعالی فاغسلوا الآیۃ اس آیت میں الی بمعنی مع ہے الی المرافق کے معنے مع المرافق کے ہیں یعنی اپنے چہروں کو دھو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو **قولہ حتی وہی الخ** یعنی انتہا غایت کے ہونے میں الی کے مانند ہے جیسے الی انتہا غایت کے واسطے آتا ہے ایسے ہی حتی بھی جیسے نمت البارحۃ حتی الصباح یعنی گذشتہ رات میں صبح تک سویا ۱۲

وبمعنی[1] مع کثیرا نحو قدم الحاج حتی المشاۃ ولا تدخل[2] الا علی الظاہر فلا یقال حتاہ خلافا للمبرد وقول الشاعر شعر فلا واللہ[3] لا یبقی اناس ۞ فتیً حتاک یا ابن ابی زیاد۔ شاذ وفی وھی للظرفیۃ[4] نحو زید فی الدار والماء فی الکوز وبمعنی علی[5] قلیلا نحو قولہ تعالیٰ ولاصلبنکم فی جذوع النخل والباء[6] وھی للالصاق نحو مررت بزید ای التصق مروری بموضع یقرب منہ زید

قولہ بمعنی مع کثیرا الخ کثیراً میں تینوں احتمال ہیں اول پر تقدیر عبارت ہے بمعنی مع حال کونہ کثیراً یعنی حتی مع کے معنے میں ہے وقت ہونے اس کے زیادہ یعنی مع کے معنی میں حتی زیادہ آتا ہے دوسری صورت پر تقدیر ہوگی مجیئا کثیراً یعنی بمعنے مع بہت آتا ہے تیسری صورت میں زمانا کثیراً تقدیر ہے یعنی مع کے معنی میں کثیراً زمانہ میں آتا ہے یعنی حتی مع کے معنی میں بہت آتا ہے جیسے قدم الحاج حتی المشاۃ ای مع المشاۃ المشاۃ ..... ماشی کی جمع ہے بمعنی پیادہ مصنف کے قول کثیراً سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ حتی بمعنی مع زیادہ آتا ہے نیز اس سے حتی اور الی کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہوگیا اس لیے کہ الی بمعنی مع کم آتا ہے ۱۲ **قولہ لا تدخل حتی الخ** یعنی حتی کا دخول اسم ظاہر کے مختص ہے اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے حتاہ بولنا غلط ہوگا بخلاف الی کے کہ وہ اسم ظاہر و ضمیر دونوں پر علی السویۃ داخل ہوتا ہے مثلاً الی عمر اور الیہ بولنا دونوں درست ہے اسم ضمیر پر حتی کے نہ داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حتی الی کی فرع ہے اگر دونوں پر داخل ہو تو فرع کی مثبت اصل پر لازم آئیگی جو درست نہیں اور یہ حتی اور الی کے درمیان دوسرا فرق ہے لیکن مبرد کہتا ہے کہ حتی کا دخول اسم ضمیر پر درست ہے استشہاد میں شاعر کا قول لاتا ہے اور جمہور نحات اس کو شاذ اور نادر قرار دیتے ہیں مصنف کا مختار اس میں جمہور کا قول ہے اس وجہ سے کہتا ہے کہ شاعر کے قول فلا واللہ شاذ ہے یعنی اس قول میں حتی کا ضمیر پر داخل ہونا خلاف قیاس ہے اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے ۱۲ **قولہ فلا الخ۔** الفاء ماقبل کی تفریع کیلئے ہے اور لا زائد ہے جیسے لا اقسم میں لا اصل ہے اس میں سے کبھی الف کو خلاف قیاس حذف کرکے ناس کر لیتے ہیں جمع اس کی اناس آتی ہے فتیً اناس پر معطوف ہے اور حرف عاطف محذوف ہے یا اناس سے بدل ہے لیکن اول اولیٰ ہے اور اس کا ذکر جداگانہ مبالغہ کیلئے ہے چونکہ اناس فتیً کو شامل ہے ابن ابی زیاد کا نام عبداللہ ہے ترجمہ اللہ کی قسم کھاتا ہوں میں کہ کوئی آدمی زندہ نہ رہیگا اور نہ کوئی جوان یہاں تک تو اے ابی زیاد کے بیٹے عبداللہ دنیا کی زندگی پر مغرور مت ہو کیونکہ دنیا فانی ہے اس شعر میں عبداللہ ابن ابی زیاد کا ذکر مبالغہ کیلئے ہے وہ اپنی جوانی پر مغرور اور نازاں تھا ۱۲ **قولہ للظرفیۃ الخ** یعنی فی ظرفیت کے واسطے آتی ہے یعنی مدخول کو ماقبل کا ظرف بناتی ہے خواہ حقیقۃً جیسے الماء فی الکوز میں الکوز ماء کا ظرف ہے خواہ حکماً جیسے نظرت فی الکتاب کہ الکتاب نظر کا حکماً ظرف ہے ۱۲ **قولہ بمعنی علی** یعنی فی علی کے معنے میں آتی ہے لیکن کم جیسے قولہ تعالیٰ لاصلبنکم فی جذوع النخل میں فی بمعنی علی ہے لاصلبن واحد متکلم لام تاکید با نون تاکید صلب بمعنی سولی دینا سے ماخوذ ہے جذوع جذع کی جمع ہے بمعنی تنہ النخل درخت کھجور یعنے البتہ میں ضرور بالضرور سولی دونگا تم کو کھجوروں کے درخت کے تنہوں پر صاحب مفصل کہتا ہے کہ اس آیت میں فی اپنے اصل معنی پر ہے کیونکہ مصلوب کا جذع میں متمکن ہونا ویسا ہی ہے جیسا شے کا دار میں یعنی گھر میں متمکن ہونا شیخ ابن حاجب کہتا ہے کہ ہر وہ شے جس میں استقرار اور منزلت کے معنے ہوں وہ فی کا موضع ہے اور ہر وہ شے جس میں استعلاء کے معنے ہوں وہ علی کا موضع ہے اور استقرار کے معنی ہوں وہ علی کی جگہ ہے اور ہر وہ شے جس میں معنے استقرار اور استعلاء دونوں پائے جاتے ہوں وہ دونوں حرف کا مقام جیسے جلست فی الارض اور علی الارض اس آیت میں جذوع ایسی شے ہے کہ اس میں استعلاء کے معنی ہے اس وجہ سے کہ اس میں فی بمعنی علی کے ہے اور اپنے حقیقی معنے پر نہیں ہے اور فی مع کے معنی میں بھی آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ ادخلوا فی امم اے مع امم اور تعلیل کے واسطے بھی آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ لمسکم فیما اخذتم فیہ عذاب عظیم اے لما اخذتم اور جیسے قول صلی اللہ علیہ وسلم عذبت امرأۃ فی ہرۃ اے علی ہرۃ اور فی مقابلہ کے واسطے بھی آتی ہے۔

جیسے قولہ تعالیٰ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ۱۲ **قولہ والباء** بار حروف جارہ میں سے پانچواں حرف ہے بار چند معنوں کے واسطے آتی ہے جس میں سے ایک الصاق ہے الصاق کے معنی ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ متصل ہونا یعنی اپنے مدخول کے ساتھ کسی شے کے چمٹنے کا فائدہ دیتی ہے؛

چسپیدہ یہ اتصال ✱ چمٹنا حقیقت ہو خواہ مجازاً حقیقۃً کی مثال جیسے [illegible] اور مجازاً کی مثال جیسے مررت بزید ۱۲

وللاستعانۃ نحو کتبت بالقلم وقد یکون للتعلیل کقولہ تعالیٰ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ وللمصاحبۃ کخرج زید بعشیرتہ وللمقابلۃ کبعت ھٰذا بذاک وللتعدیۃ کذھبت بزید وللظرفیۃ کجلستُ بالمسجد وزائدۃ قیاسا فی خبر النفی نحو ما زیدٌ بقائم وفی الاستفہام نحو ھل زیدٌ بقائمٍ وسماعًا فی المرفوع نحو بحسبک زیدٌ ای حسبک زید وکفیٰ باللہ شہیدًا ای کفی اللہ و فی المنصوب نحو القیٰ بیدہ ای القیٰ یدہ واللام وھی للاختصاص نحو الجلّ

للاستعانۃ الخ استعانت کے معنی ہے مدد چاہنا یعنی بار استعانت کیلئے آتی ہے یعنی اس پر دال ہوتی ہے کہ اس کا مدخول فعل کا آلہ ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام بار آلہ رکھتے ہیں اور اس کا نام بائے اداۃ وصلہ فعل اور تکملہ فعل بھی رکھتے ہیں کبھی بار استعانت بار سببیت میں داخل کرتے ہیں اور آلہ کو بمنزلہ سبب قرار دیتے ہیں جیسے کتبت بالقلم اے کتبت مستعینا بالقلم ۱۲ **قولہ قد یکون للتعلیل الخ** یعنی بار کبھی تعلیل یعنی اس امر کے بتانے کے واسطے آتی ہے کہ مدخول بار علت اور سبب ہے جیسے اتخاذ عجل ظلم کا سبب ہے مثال مذکور میں ۱۲ **قولہ للمصاحبۃ الخ** یعنی بار مصاحبت کیلئے آتی ہے یعنی مع کے معنی میں آتی ہے اس امر کا فائدہ دینے کیلئے کہ اس کا مجرور دوسرے کے ساتھ تعلق فعل میں شریک ہے اس کی علامت دو ہیں ایک یہ کہ بار کے بجائے لفظ مع کو قائم کر سکیں دوسرے یہ کہ مدخول کو منصوب سے حال بنا سکیں جیسے مثلاً قد جاء کم رسول بالحق من ربکم اے مع الحق یا معناً مصاحبت اور الصاق میں فرق یہ ہے کہ فعل جس وقت فاعل کیساتھ میں قائم ہو تو اس وقت مصحوب بار کو صاحب کے ساتھ چسپیدگی لازم نہیں ہے مثلاً خرج زید بعشیرتہ میں یہ ضروری ہے خروج عشیرہ اور زید دونوں کا ہو لیکن خروج کے وقت قبیلہ زید کے ساتھ لگا ہوا ہونا ضروری نہیں اور جب بار الصاق کیلئے ہو تو یہ ضروری ہے لہذا مصاحبت اعم ہے اور الصاق خاص ہے ۱۲ **قولہ للمقابلۃ الخ** یعنی بار مقابلہ کیلئے بھی آتی ہے یعنی اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ مدخول بار ایک شئے کا مقابل ہے جیسے ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون یعنے دخول جنت عمل کا بدلہ ہے ابن مالک کہتا ہے کہ جو بار مقابلہ امثال اور اعواض پر داخل ہوتی ہے اس بار کو بائے بدل اور بائے عوض کہتے ہیں چونکہ وہ عوض اور بدل پر داخل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ للتعدیۃ الخ** تعدیہ کے معنی تجاوز کرنا ہے اصطلاح میں لازم کو متعدی بنانا ہوتا ہے غرضیکہ بار فعل لازم کو فعل متعدی کرتی ہے اسوجہ سے کہ فعل میں تضمین کر لی جاتی ہے چونکہ بار اس فعل لازم کے فاعل پر داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ ذھب زید اس کے معنے ہیں کہ ذھاب زید سے صادر ہوا اور جب کہا ذھبت بزید تو معنے ہوئے کہ میں نے زید کو ذاہب کر دیا اس معنی کر کے تعدیہ بار کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور تعدیہ اس معنے کر کے کہ فعل کے معنی کا پہنچانا معمول کی طرف بواسطہ حرف جر کے صب صف جر میں یکساں ہے ۱۲ **قولہ زائدۃ** مرفوع ہے اور للالصاق پر اس کا عطف ہو رہا ہے اور فی خبر زائدۃ کے متعلق ہے اور فی الاستفہام الکائن کے متعلق ہو کر الخبر کی صفت ہے اور قولہ قیاسا مفعول مطلق ہے اے قیاسا قیاسا یا یکون محذوف کی خبر ہے اے تلک الزیادۃ یکون قیاسا یا منصوب بنزع خافض ہے اے عرفنا زیادۃ الباء بالقیاس پس فعل اور فاعل اور مفعول اور جار کو حذف کر دیا اور ایسے ہی قولہ سماعا خلاصہ کلام یہ ہے کہ بار دو مقام میں قیاسا زائدہ ہوتی ہے ایک اس نفی کی خبر پر زائدہ ہوتی ہے جو لیس یا ما کی ہو جیسے لیس زید بقائم و ما زید بقائم اور دوسرے اس خبر میں زائدہ ہوتی ہے جو استفہام میں ہو استفہام سے مراد یہاں خاص وہ استفہام ہے جو ہل کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ہل زید بقائم اس لئے کہ دیگر استفہام میں بار زائدہ نہیں ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وسماعا الخ** قیاسا پر معطوف یعنی اور خبر مذکور کے غیر میں بار کا زائدہ ہونا سماعی ہے عام ازیں کہ وہ زیادتی مرفوع میں ہو خواہ مرفوع مبتدا ہو جیسے بحسبک زید بحسبک مبتدا ہے اور زید خبر ہے اور بار مبتدا پر زائدہ ہے یعنی اصل میں تحسبک زید اور خواہ وہ مرفوع خبر ہو لیکن نفی مذکور اور استفہام مذکور میں نہ ہو جیسے بحسبک بزید خواہ وہ مرفوع فاعل ہو جیسے وکفیٰ باللہ شہیدًا اے کفی اللہ شہیدًا یا وہ زیادتی منصوب میں ہو جیسے القیٰ بیدہ اے یدہ بار منصوب میں زائدہ ہے اور مفعول ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ اے لا تلقوا ایدیکم انفسکم الی الھلاک بترک الجہاد جاننا چاہیے کہ با عن کے معنے میں بھی آتی ہے سال سائل بعذاب اے عن عذاب اور بمعنی من آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ یوم تشقق السماء بالغمام ای من الغمام اور بمعنی علی جیسے قولہ ومنہم من ان تامنہ بقنطار یودہ ایک اور کبھی تجرید کیلئے آتی ہے جیسے رایت بدر اے رایت بدرا ۱۲ **اللام وھی للاختصاص الخ** چھٹا حرف جر لام ہے اور یہ اختصاص کیلئے آتا ہے اختصاص باب افتعال کا مصدر ہے خص سے ماخوذ ہے لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے یعنی خاص کرنا اور خاص ہونا اختصاص کیلئے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ لام کا مدخول ایک شئے کیلئے ثابت اور دوسری شئے سے منفی ہے اور یہ اختصاص دو قسم کا ہوتا ہے ایک اختصاص استحقاق ہے اور ایک اختصاص ملک اول کی مثال الجل للفرس اور ثانی کی مثال المال لزید اور ایک اختصاص نسبت جیسے زید ابن لعمرو ۱۲

لمس والمآل لزید وللتعلیل[1] کضربتہ للتادیب وزائدۃ[2] کقولہ تعالیٰ ردف لکم ای ردفکم وبمعنی[3] عن اذا استعمل مع القول کقولہ تعالیٰ قال الذین کفروا للذین آمنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیہ وفیہ نظر وبمعنی الواو[4] فی القسم للتعجب کقول الہذلی شعر

قولہ للتعلیل اور لام شے کی علت کے بیان کے واسطے آتا ہے خواہ وہ علت غایت ہو جیسے ضربتہ للتادیب اس مثال میں تادیب فعل ضرب کی علت غائیہ ہے کہ اس کی وجہ سے ضرب کا قصد کیا جارہا ہے خواہ علت داعیہ ہو اور غائیہ نہ ہو جیسے ضربتہ لمافتک اسمیں مخافت خروج پر علت داعیہ ہے اور غائیہ نہیں ہے خروج کا قصد اس بنا پر ہے کہ خروج سے پہلے تافت موجود ہے ۱۲ **قولہ زائدۃ الخ** یہ رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف للاختصاص پر ہے یعنی لام زائدہ ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ردف لکم میں لام زائدہ ہے اس کے معنے ردفکم کے ہیں کیونکہ ردف متعدی ہے ۱۲ **قولہ وبمعنی عن** یعنی لام عن کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن عن کے معنی میں آنے کے واسطے شرط یہ ہے کہ قول یا اس کے مشتقات کے ساتھ متصل ہو یعنی جب لام قول یا اس کے مشتقات کے بعد آتا ہے کہ تو عن کے معنے میں ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ قال الذین کفروا للذین آمنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیہ اس میں للذین آمنوا پر جو لام داخل ہے یہ عن کے معنی میں ہے یعنی عن الذین آمنوا اور یہ لام اس اسم پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ اسم حقیقی ہو یا حکمی جو مقولہ کے قائل سے غائب ہو جیسے مثال مذکور میں کہ لام الذین پر داخل ہوا ہے اور یہ لو کان خیراً ہم قول کے قائل سے غائب ہے اور یہ لام قال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ابن مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ لام تعلیلیہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تبلیغ کا لام ہے اور تبلیغ کا لام وہ ہے جو قول یا اس کے ہم معنے کے سامع کے اسم پر داخل ہوا کرتا ہے ۱۲ **قولہ وفیہ نظر الخ** اور اسمیں یعنے اس آیت کے اندر لام کے معنی عن کے معنی میں ہونے میں نظر ہے یہ عبارت اکثر نسخوں میں پائی نہیں جاتی ہے صاحب درایہ نے بھی اس عبارت کو نہیں لیا ہے حاصل نظر یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے استدلال اور استشہاد کرنا کہ لام عن کے معنی میں آتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ لام اگر عن کے معنی میں ہو تو سبقونا کی جگہ میں سبقتمونا ہونا ضروری ہے کیونکہ جب قول کا صلہ عن کے ساتھ ہوتا ہے تو مخاطب کے معنے میں ہوتا ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ کفار نے اس قول کے تکلم کے وقت بعض مومنین سے خطاب کیا تھا جیسے ابراہیم اور ان کے ساتھی اور ما سبقونا سے دوسرے مومنین ان کے علاوہ مراد ہیں جن سے خطاب نہیں کیا تھا جیسے ابن سلام اور ان کے ہمراہی لہذا اعتراض وارد نہیں ہوتا یعنی کافروں نے بعض مومنین سے خطاب کرکے کہا کہ اگر دین محمدی برحق ہوتا اور ہمارے دین سے اچھا ہوتا تو عبد اللہ وغیرہ مومنین ہمارے سے پہلے اسی کی طرف سبقت نہ کرتے بلکہ ہم ایمان لاتے اور بعض شراح کہتے ہیں کہ اس امر کی دلیل کہ یہاں لام بمعنے عن ہے یہ ہے کہ اگر لام بمعنی عن نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ سبقونا کی جگہ سبقتمونا ہو کیونکہ قول کا صلہ جب لام آتا ہے تو وہ بمعنے خطاب ہوتا ہے مثلاً جب قال لہ کہا تو معنے خاطبہ ہونگے لا اس سے خطاب کیا یعنی اس سے مخاطب ہو کر کہا) اور جب قول کا صلہ لام بمعنی عن ہوتا ہے تو اس وقت قول بمعنی روایت ہوتا ہے جیسے قلت لزید انہ لم یفعل الشر کے رویت عن زید اس نے زید کی طرف سے یہ کہا کہ اس نے شر نہیں کیا ۱۲ **قولہ بمعنی الواو الخ** جاننا چاہیے کہ قسم سے مراد بیان مقسم بہ ہے اور فی القسم ظرف مستقر ہے اور الواو سے حال ہے اور للتعجب متعلق القسم کے ہے کلام کے معنی یہ ہونگے کہ ان اللام یکون بمعنی الواو حال کونی اقسم بالذی یکون جوابہ من الامور العظام التی یتعجب منہا یعنی اور لام جارہ بمعنی الواو قسم ہوتا ہے جس وقت کہ مقسم بہ ایسا امر ہو کہ اس کا جواب قسم امور عظام میں سے ہوتا ہے جن سے تعجب کیا جاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ للہ لا یوخر اجل یعنی خدا کی قسم اجل موخر نہ ہوگی اور جیسے شاعر کے قول للہ یبقی الخ اس میں لام قسم کے واسطے ہے اور یبقی بتقدیر حرف نفی بھی لا یبقی ہے اور علی الایام بالجر اصل میں علی مرور الایام علی حذف المضاف ہے اور صعید بالفتح گرہ شاخ گوزن بز کوہی یعنی بارہ سنگھ کا سینگ پہاڑی بکرے کا سینگ مشمخر بشین معجمہ وخائے معجمہ درائے مہملہ مطمئن کے وزن پر ماخوذ از شمخار ہے بہت اونچا ہونا مشمخر یہ اونچے پہاڑ کو کہتے ہیں اور ظیان بالفتح ظائے معجمہ بتشدید تحتانیہ بمعنی جنگلی بیل یعنی یا سیں دشتی اور آس درخت مورہ مشمخر کی بار اور ربہ کی باء دونوں فی کے معنی میں ہیں اور رجلہ بہ الظیان الخ مشمخر کی صفت ہے یعنی خدا کی قسم کھاتا ہوں میں کہ زمانہ کے گذرنے پر سینگ والا پہاڑی بکرا ایسے اونچے پہاڑ میں باقی نہیں رہیگا جس میں ظیان اور آس ہیں یعنی جبکہ ایسے محفوظ جگہ میں یہ باقی نہیں رہیگا تو عالم میں کوئی کسی جگہ باقی نہیں رہیگا جاننا چاہیے کہ لام کبھی صیرورۃ کے واسطے مستعمل ہوتا ہے جیسے لیکون لہم عدوا وحزنا اور اس لام کا نام لام العاقبۃ بھی رکھا جاتا ہے اور کبھی لام بمعنی فی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ اور عند کے معنے میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ سابقہ اور الی کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ کل یجری لاجل مسمی والحمد للہ الذی ہدانا لہذا اے الی ہذا اور بعد کے معنے میں آتا ہے جیسے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس ای بعد زوال الشمس کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ فلما اسلما وتلہ للجبین اے مع الجبین اور من کے معنی میں آتا ہے جیسے جریر کا قول تحسن لکم یوم القیامۃ افضل اے منکم اور بمعنے فی جیسے قولہ تعالیٰ اذا مامت لسوف اخرج حیا اے فی سوف اخرج اور ان کے معنے میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ اے ان لیعبدوا اللہ ۱۲

لِلّٰہِ یبقیٰ علی الایام ذوحیدٍ بمشمخرٍ بہ الظیّانُ والاٰسُ

وربّ وھی للتقلیل کما ان کم الخبریۃ للتکثیر وتستحق صدر الکلام ولا تدخل الا علی نکرۃ موصوفۃ نحو رب رجل کریم لقیتہ او مضمر مبہم مفرد مذکر ابدا ممیز بنکرۃ منصوبۃ نحو ربّہ رجلا وربّہ رجلین وربّہ رجالا وربہ امرأۃ کذلک و عند الکوفیین یجب المطابقۃ نحو ربھما رجلین وربھم رجالا وربھا امرأۃ و قد تلحقھا ما الکافۃ فتدخل علی الجملتین نحو ربما قام زیدٌ وربما زید قائم ولا بدّ لھا من فعل ماض لانّ رب للتقلیل المحقّق وھو لا یتحقق الا بہ ویحذف ذلک الفعل غالبًا کقولک رب رجل اکرمنی فی جواب من قال ھل لقیت من اکرمک ای رب رجل اکرمنی

قولہ ورب للتقلیل الخ ساتویں حرف جر رب ہے اور یہ تقلیل یعنی اصل میں اظہار قلت افراد مدخول بہ کیلئے آتا ہے جیسا کہ کم خبریہ مدخول بہا کے افراد کی کثرت ظاہر کرنے کیلئے واسطے آتا ہے مگر رب کا استعمال مجازاً اکثر اظہار کثرت کیلئے ہوتا ہے لہٰذا اگر کم خبریہ کا استعمال اظہار قلت کیلئے نہیں ہوتا ہے اور نظیر رب کی قد ہے چنانچہ قد مضارع میں تقلیل کیواسطے اور پھر تکثیر کیلئے مضارع میں مقام مدح میں استعمال ہوتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ قد یعلم اللہ الذین الخ میں تکثیر کے واسطے ہے اور اخفش کہتا ہے کہ رب اسم ہے اور صاحب المفتاح کا بھی مختار یہی ہے **قولہ وتستحق صدر الکلام الخ** اور رب صدر کلام کو چاہتا ہے یعنی کلام کے شروع میں آتا ہے کیونکہ اس میں انشاء کے معنے ہے ۱۲ **قولہ ولا تدخل الا علی الخ** اور بنا برامع مذہب کے نکرہ موصوفہ کے ساتھ خاص ہے یعنی ہمیشہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ غیر موصوفہ پر داخل ہو جاتا ہے مگر یہ مذہب اصح نہیں ہے یہ رب نکرہ موصوفہ پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ رب تقلیل کیلئے آتا ہے اور یہ نکرہ سے حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا معرفہ کی ضرورت نہیں تقلیل جو رب کا مدخول ہے متحقق ہونے کی وجہ سے موصوفہ کی قید لگائی کیونکہ شے موصوف غیر موصوف سے اقل ہوتی ہے اور اقل اقل ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم لقیتہ (میں نے چند بزرگ آدمیوں سے ملاقات کی) **قولہ او مضمر الخ** اور رب کبھی ضمیر مبہم پر بھی داخل ہو جاتا ہے کہ جس کا تمیز نکرہ منصوبہ ہوتا ہے اور یہ ضمیر ہمیشہ مفرد مذکر ہوتی ہے خواہ اسکی تمیز مثنیٰ ہو یا مجموع مذکر ہو یا مؤنث جیسے ربہ رجلین اور رجالا اور امرأۃ اور کوفی کہتے ہیں کہ ضمیر مذکور تمیز کے ساتھ مطابق ہوگی پس ان کے نزدیک ربہما رجلین اور ربہم رجالا کہیں گے ۱۲ **قولہ وقد تلحقھا الخ** یعنی رب پر ما کافہ بھی داخل ہو جاتا ہے جو رب کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے اور اس صورت میں رب کبھی کبھی داخل ہو جاتا ہے خواہ فعلیہ ہو خواہ اسمیہ جیسے قولہ تعالیٰ ربما یود الذین کفروا کریماں پر بھی ما کافہ لاحق ہے اور وہ جملہ فعلیہ پر داخل ہے **قولہ ولا بد لھا من فعل** یعنی رب خواہ ما کافہ کیساتھ ہو یا نہ ہو کسی فعل کے متعلق ہوتا ہے اس لا فعل ماضی ہونا ضروری ہے کیونکہ رب تقلیل واقعی کیواسطے آتا ہے اور اظہار قلت واقعی فعل ماضی کے ساتھ ثابت ہو سکتی ہے اس وجہ سے اسکا متعلق فعل ماضی ہونا ضروری ہے لہٰذا مثلاً رب رجل لقیت کے معنی ہیں کہ تم اس امر کی خبر دے رہے ہو کہ جن آدمیوں سے تم نے ملاقات کی وہ قلیل ہیں اور تم اس امر کو نہیں جانتے کہ آئندہ جن آدمیوں سے تم ملاقات کرو گے وہ قلیل ہیں یا کثیر اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور قول باری تعالیٰ ربما یود الذین کفروا میں جو رب فعل مضارع پر داخل ہے متاول ہے اور یود بمعنی ماضی ودّ ہے اس لئے کہ وعدہ جو کہ سچا اور ہونے والا ہے یعنی وہ بمنزلہ متحقق شدہ کے ہے گویا وہ ہو ہی گیا ہے ۱۲ **قولہ ویحذف ذلک الفعل الخ** اور یہ فعل جس سے رب متعلق ہوتا ہے اکثر استعمالات میں قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے پائے جانے کی وجہ سے محذوف ہو جاتا ہے جیسے تم نے ہل لقیت من اکرمک کہا تم نے اس شخص سے ملاقات کی جس نے کہ تمہارا اکرام کیا کہ جواب میں رب رجل اکرمنی کہو اے رب رجل اکرمنی لقیتہ اس میں رجل موصوف ہے اور اکرمنی جملہ صفت ہے اس لئے گویہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ رب کے مجرور کیلئے صفت کا ہونا ضروری ہے اور لقیت رب کا فعل ہے جو کہ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ سوال ہے اس لیے کہ یہ اکثر سوال مذکور یا سوال مقدر کے جواب میں واقع ہوتا ہے مصنفؒ نے لفظ غالبًا فرمایا اس لیے کہ اسی کا فعل کبھی مذکور بھی ہوتا ہے جیسے رب رجل اکرمنی لقیتہ جاننا چاہیے کہ رب میں مذکور لغت پندرہ ہیں اول ضم راء وتشدید باء جیسے رب۔ ضم راء وتخفیف باء جیسے رب فتح راء وتشدید باء جیسے رب فتح راء وتخفیف باء جیسے رب ضم راء وتشدید باء مع تاء تانیث جیسے رُبّتَ ضم راء وتخفیف باء مع تاء تانیث جیسے رُبتَ فتح راء وتشدید باء مع تاء مذکور جیسے رَبّتَ فتح راء وتخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رَبتَ ضم راء وتشدید باء مع تاء تانیث متحرکہ جیسے رُبّتِ ضم راء وتخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رُبتِ فتح راء وتشدید باء

(باقی بر صفحہ ۱۶۲ پر)

لقیته فاکرمنی صفة الرجل ولقیته فعلها وهو محذوف وواو رب وهی الواو التی تبتدأ بها فی اول الکلام کقول الشاعر شعر

وبلدةٍ لیس بها انیس ۔۔۔ الا الیعافیر والا العیس

وواو القسم وهی تختص بالظاهر نحو والله والرحمٰن لاضربن فلا یقال وَكَ و تاء القسم وهی تختص بالله وحده فلا یقال تالرحمٰن وقولهم تربّ الکعبة شاذ وباء القسم وهی تدخل علی الظاهر والمضمر نحو بالله وبالرحمٰن وبك ولا بد للقسم من الجواب وهو جملة تسمّی المقسم علیها فان کانت موجبة یجب دخول

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) مع تا مذکور جیسے رب تخ (۱۲) تخفیف با مع تا مذکور جیسے رَبَتْ ثم رَا مع سکون با جیسے رب ثم را (۱۳) مع ثم با مشددہ جیسے رُبَّ ثم رَا مع ضم با مخففہ جیسے رُبْ ۱۲ **قولہ واو رب** الخ اس واو حرف جر واو رب ہے اس واو میں اختلاف ہو رہا ہے ایک جماعت کہتی ہے اسی واو کے بعد رب اکثر مقدر ہوتا ہے اور یہ واو فرق کی وجہ سے رب سے غیر پر داخل نہیں ہوتی ہے اور عمل فی الحقیقت رب مقدر کے واسطے ہوتا ہے اور واو عامل نہیں ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ واو مذکور عطف کیواسطے ہوتا ہے اور کوفیوں اور مبرد کے نزدیک جر خود واو کی وجہ سے آتا ہے نہ رب مقدر کی وجہ سے اسوقت یہ واو عطف کے واسطے نہ ہو گا دلیل میں لکھتے ہیں کہ قصائد کی ابتداء اور افتتاح اسی واو سے کی جاتی ہے اگر عطف کیلئے ہو تو ابتدا میں کیسے واقع ہو سکتا ہے بصری جواب میں کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ متکلم اس واو کو قصیدہ کے اول میں اس بنا پر لایا ہو کہ اس سے اس شے پر عطف کرنا چاہتا ہو جو اس کے ذیل میں ہے اور واو عاطفہ کا اس واو پر نہ آنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ واو عطف کی ہے کیونکہ واو عطف نہ ہو تو جس طرح اور حروف جر کے اول میں حرف عطف آتے ہیں اس کے اول میں بھی آنا درست ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ واو کلام کے شروع میں آتا ہے اور یہ واو رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اسلئے کہ وہ معنے میں رب کے ہونے کی وجہ سے رب کے حکم میں ہے پس رب کی طرح سے نکرہ موصوفہ پر داخل ہو گا اور اس کا متعلق فعل ماضی ہو گا جو اکثر محذوف ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ واو رب غیر مبہم پر کبھی داخل نہیں ہوتا جیسے قول الشاعر وبلدة لیس بہا انیس یعنی ایسے بہت سے شہر ہیں کہ ان میں کوئی انیس نہیں پس ظاہر ہے کہ اسجگہ بلدة میں واو بمعنے رُبَّ ہے ۱۲ **قولہ وبلدة** الخ واو بمعنی رب ہے اور ربعطیت کے متعلق ہے جو بیت سابق میں مذکور ہے اور یعافیر یعفور کی جمع ہے مٹیالہ رنگ کا ہرن یا ہرن کا بچہ جو اول میں ہوا ہو یا ہو چکا ہو اور عیس گائے کا بچہ آگے چلنے والا ہرن عیس بکسر عین جمع اعیس سفید مرغ بال والا اونٹ لعین کتابوں میں ہے کہ عیس بمعنے عیاس ہے اور عیاس اعیس کا مؤنث ہے بمعنے سفید بال والا اونٹ یہ شعر عامر بن حارث کا ہے اپنی دلیری کی اس شعر سے تعریف کرتا ہے ترجمہ میں نے بہت سے شہروں کو طے کیا کہ اس میں سوائے مٹیالہ رنگ کے ہرن اور سفید بال والے اونٹوں کے کوئی انیس نہیں ہے ۱۲ **قولہ واو القسم** الخ یہ واو حرف جر ہے بہاں اللہ والرحمٰن بول سکتے ہیں اور والا بھی نہیں بول سکتے ہیں تاکہ فرع کا درجہ اصل سے جر بار ضمیر ہے اور اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتی ہے کم رہے ۱۲ **قولہ وتاء القسم** دسواں حرف جر تا قسم ہے اس میں بھی فعل قسم محذوف ہوتا ہے جس طرح واو قسم میں اور سوال کے ساتھ نہیں لائی جاتی اور جمہور نحاۃ کے نزدیک اسم ظاہر میں سے صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتا ہے اور کسی اسم ظاہر پر داخل نہیں ہوتی لہذا تالرحمٰن بولنا درست نہیں ہے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ عرب تربالکعبة بولتے ہیں دیکھو اسمیں تا رب پر داخل ہوئی ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ یہ شاذ ہے اسپر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے اور اخفش کا مذہب یہ ہے کہ لفظ اللہ کے سوا اور اسم پر بھی داخل ہوتی ہے استدلال میں عرب کا قول پیش کرتا ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے ۱۲ **قولہ وباء القسم** الخ یہ ہر دو قسم اور تا و قسم دونوں سے اہم ہے اسمیں فعل قسم مذکور بھی ہوتا ہے اور محذوف بھی اور سوال کے ساتھ بھی مذکور ہوتی ہے اور بدون سوال کے اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتی ہے اور اسم ضمیر پر بھی داخل ہوتی ہے اور اسم ظاہر پر داخل ہوتی ہے خواہ لفظ اللہ ہو یا اس کا غیر جیسا کہ امثلہ کتاب سے واضح ہے اور یہ اس لیے ہے کہ باب قسم میں باء اصل ہے لہذا اسکا عام ہونا ضروری ہوا ۱۲ **قولہ لا بد للقسم من الجواب** الخ اور قسم کیلئے جواب قسم کا ہونا ضروری ہے اور جواب قسم وہ ہے کہ جس پر قسم کھائی جائے مثلاً واللہ لاضربن زیداً (اللہ کی قسم میں زید کو مارونگا) اس میں واللہ قسم ہے اور لاضربن زیداً جواب قسم ہے **قولہ وہو جملة تسمی** الخ جملہ موصوف ہوتا ہے اور تسمی المقسم علیہا جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اور جواب قسم ایک جملہ ہوتا ہے جس کا نام مقسم علیہا ہے (قسم کھائی گئی اس پر) **قولہ فان کانت موجبة** الخ اور اگر یہ جملہ جو جواب قسم واقع ہو گا مثبتہ ہے تو جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی صورت میں اس پر لام تاکید کا داخل ہونا ضروری ہے واللہ لزیدٌ قائمٌ .... اس میں واللہ قسم ہے اور زید قائم جملہ اسمیہ مثبتہ ہے اور جواب قسم ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے (اللہ کی قسم البتہ زید کھڑا ہونے والا ہے اور جیسے واللہ لافعلن کذا (اللہ کی قسم میں البتہ اب ضرور کرونگا) اس میں لافعلن کذا جواب قسم ہے جو جملہ مثبتہ ہے اور اس پر لام آیا ہے ۱۲

اللام فی الاسمیۃ والفعلیۃ نحو واللہ لزیدٌ قائمٌ وواللہ لافعلن کذا وان فی الاسمیۃ نحو واللہ ان زیداً القائم وان کانت منفیۃً وجب دخول ما ولا نحو واللہ ما زید بقائم وواللہ لا یقوم زیدٌ واعلم انہ قد یحذف حرف النفی لزوال اللبس کقولہ تعالیٰ تاللہ تفتؤا تذکر یوسف ای لا تفتؤ ویحذف جواب القسم ان تقدم ما یدل علیہ نحو زید قائم واللہ او توسط القسم نحو زید واللہ قائم وعن للمجاوزۃ نحو رمیت السہم عن القوس الی الصید وعلی للاستعلاء نحو زیدٌ علی السطح وقد یکون عن وعلی اسمین اذا دخل علیہما مِن کما تقول جلست من عن یمینہ ونزلت من علی الفرس والکاف للتشبیہ

قولہ وان فی الاسمیۃ الخ اس کا عطف اللام فی الاسمیۃ پر ہے اسے یجب دخول ان المکسورۃ فی الجملۃ الاسمیۃ المثبتۃ یعنی اور ان مکسورہ کا جملہ اسمیہ مثبتہ پر جو جواب قسم ہو داخل ہونا ضروری ہے نہ جملہ فعلیہ مثبتہ پر چنانچہ یہ ہوا کہ لام تاکید جملہ اسمیہ اور فعلیہ مثبتہ دونوں پر آتا ہے اور ان مکسورہ صرف جملہ اسمیہ مثبتہ پر آتا ہے جیسے واللہ ان زیداً لقائم (اللہ کی قسم تحقیق زید البتہ کھڑا ہونے والا ہے) **قولہ وان کانت منفیۃً الخ** اور اگر یہ جملہ جو جواب قسم واقع ہو جملہ منفیہ ہے خواہ اسمیہ ہو خواہ فعلیہ تو اس وقت جواب قسم پر لفظ ما یا لا کا داخل ہونا ضروری ہے جیسے واللہ ما زید بقائم (اللہ کی قسم زید کھڑا ہونے والا نہیں ہے) یہ جملہ اسمیہ کی جس پر ما نافیہ داخل ہے مثال ہے اور واللہ لا یقوم زید (اللہ کی قسم زید نہیں کھڑا ہوگا) یہ جملہ فعلیہ کی جس پر لا نافیہ داخل ہے مثال ہے . . . . . .

. . . . . جملہ مقسم علیہا پر جس کو جواب قسم کہتے ہیں ان چاروں چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ دونوں جملوں قسم اور مقسم علیہا میں ربط پیدا ہو جائے اسلئے کہ یہ دونوں مستقل جملے ہیں ایک دوسرے سے مستغنی ہیں کلام کا حاصل یہ ہے کہ جواب قسم پر لام تاکید اور ان مکسورہ اور حرف نفی ما اور لا کو داخل کیا جا سکتا ہے جیسے لزیدٌ قائمٌ اور واللہ ان زیداً قائماً اور واللہ ما زید بقائم اور واللہ لا یقوم زیدٌ اور اس میں تفصیل ہے کہ کون کس جملہ پر داخل ہو جیسا کہ مصنف کی عبارت سے واضح ہے یاد رکھو کہ جواب قسم پر اشیاء مذکورہ بالا میں سے کسی شے کا داخل ہونا اسوقت ہے جبکہ جواب قسم غیر سوال میں ہو اور سوال میں اس چیز کو داخل کیا جائے کہ جس میں معنے طلب کے ہوتے ہیں جیسے باللہ ما قائم زیدٌ **قولہ وقد یحذف الخ** یعنی جس وقت التباس نہیں ہوتا اسوقت حرف نفی کو حذف کر دیتے ہیں جیسے تاللہ تفتؤ تذکر یوسف اصل میں لا تفتؤ تھا دلیل حرف نفی محذوف ہونے پر یہاں یہ ہے کہ اگر مضارع مثبت اس کو قرار دیا جائے تو مضارع مثبت جب جواب قسم ہوتا ہے تو اس پر لام کا داخل ہونا ضروری ہے اور یہاں لام داخل نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مضارع منفی ہے اور حرف نفی محذوف ہے **قولہ ویحذف جواب القسم** یعنی جبکہ قسم اسی جملہ کے درمیان یا اس جملہ کے بعد واقع ہو تو جواب قسم پر دلالت کرتا ہے تو اسوقت جواب قسم محذوف ہو جائیگا جیسے زیدٌ واللہ قائم اور زید قائم واللہ **قولہ عن للمجاوزۃ الخ** بارہواں حرف جر عن ہے اور یہ مجاوزۃ کیلئے آتا ہے مجاوزت تین طریقہ پر ہوتی ہے ایک یہ کہ مفعول مدخول عن سے زائل ہو کر کسی دوسری شے کی طرف چلا جائے جیسے رمیت السہم عن القوس (یعنی تیر کو کمان سے شکار کیلئے پھینکا) دوسرے یہ کہ وہ مفعول عن سے بغیر زائل ہوئے دوسری شے کی طرف پہنچ جائے جیسے اخذت عنہ العلم (یعنی میں نے اسی سے علم لیا) تیسرے وہ مدخول عن سے بغیر زائل ہوئے کسی دوسری شے کیلئے پہنچ جائے جیسے ادیت الدین عن ابی زید (یعنی میں نے اسکی طرف سے دین زید کو ادا کر دیا) اس مثال مذکورہ میں دین بغیر مدخول عن کے طرف پہنچے اس سے زائل ہو کر دائن کی طرف پہنچ گیا فاعل نیز جانا چاہیے کہ عن جب مجاوزۃ ہوتا ہے تو نو معنے کے واسطے آتا ہے ایک مجاوزت کے لیے اسکی مثال متن میں مذکور ہے دوسرے بدل کے واسطے جیسے واتقوا یوماً لا تجزی نفس عن نفس شیئاً اسے بدل نفس تیسرے استعلاء کے معنے میں جیسے فانما یبخل عن نفسہ چوتھے تعلیل کے واسطے جیسے وما نحن بتارکی آلہتنا عن قولک اسے پانچویں استدانت جیسے رمیت السہم عن القوس اسے چھٹے بعد کے معنی میں جیسے لترکبن طبقاً عن طبق اسے حالتہ بعد حالۃ ساتویں بمعنی من جیسے وہو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ اسے من عبادہ آٹھویں زائد جیسے التی بمقر بیں بیشک مدفع ای التی نویں بمعنے بعد جیسے لا یکون عن ذلک الامر والیا اسے ہی ذلک الامر دسویں **قولہ وعلی الاستعلاء** ترتیب ہوا حرف جر علی ہے اور یہ استعلاء کے واسطے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقی ہو جیسے زیدٌ علی السطح یعنی زید چھت پر ہے یا مجازی جیسے وعلیہ دینٌ اس پر قرض ہے اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں اور اسوقت ان پر من داخل ہو جاتا ہے جیسے جلست من عن یمینی یعنی میری داہنی طرف سے اور من عن علیہ یعنی اس کے اوپر سے نیز علی مصاحبت کے واسطے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ الحمد للہ الذی وہب لی علی الکبر اور تعلیل کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم اور ظرفیت کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ علی ملک سلیمان اور جیسے قولہ تعالیٰ الا علی ازواجہم اور بمعنے باء آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق اور زائد آتا ہے جیسے قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف لہن قنا ۔ غیر ہا خیر منہا علی یمینہ **قولہ وقد یکون عن وعلی اسمین الخ** اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں جبکہ ان پر من جاء آئے گویا من کا داخل ہونا انکے اسم ہونیکی علامت ہے اور اس وقت عن بمعنی جانب ہوگا اور علی بمعنے فوق جیسے جلست من عن یمینہ ای من جانب یمینی اس کے داہنی جانب سے بیٹھا اور نزلت من علی الفرس (میں فوق از فرس یعنی گھوڑے کے اوپر سے اترا) **قولہ الکاف للتشبیہ الخ** چودہواں حرف جر کاف ہے جو تشبیہ کے واسطے آتا ہے جیسے زید کالاسد اور کاف زائد بھی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیء ای لیس مثلہ شیء

نحو زیدٌ کعمرو وزائدۃ کقولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیءٌ وقد تکون اسماً کقول الشاعر یضحکن عن کالبرد المنہمر ومذ ومنذ للزمان اما للابتداء فی الماضی کما تقول فی شعبان ما رأیتہ مذ رجب او للظرفیۃ فی الحاضر نحو ما رأیتہ مذ شہرنا ومنذ یومنا ای فی شہرنا وفی یومنا وخلا وعدا وحاشا للاستثناء نحو جاء فی القوم خلا زید وحاشا عمرو وعدا بکر فصل الحروف المشبہۃ بالفعل ستۃ اِنَّ وَاَنَّ وکاَنَّ ولکنَّ ولیتَ ولعلَّ ہذہ الحروف تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ تنصب الاسم وترفع الخبر کما عرفت نحو اِنَّ زیداً قائمٌ وقد یلحقہا ما الکافۃ فتکفہا عن العمل حینئذٍ تدخل علی الافعال تقول اِنَّمَا قام زید واعلم اَنَّ اِنَّ المکسورۃ الہمزۃ لا تغیر معنی الجملۃ بل تؤکدہا واَنَّ المفتوحۃ الہمزۃ مع ما بعدہا من الاسم والخبر فی حکم المفرد ولذلک یجب الکسر اذا کان فی ابتداء الکلام نحو اِنَّ زیداً قائمٌ وبعد القول کقولہ تعالیٰ یقول اِنَّہَا بَقَرَۃٌ

قولہ لیس کمثلہ شیء الخ اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کان زائدہ ہو دوسرے یہ کہ مثل زائد ہو کہ کاف کیونکہ کان پہلے ہے اور مثل بعد میں ہے جبکہ کان نے ضرورت پوری کر دی لہذا دوسرا لفظ زائد ہونا چاہیے نہ کہ پہلا اسوجہ سے لفظ مثل زائد ہے نہ کان تیسری صورت یہ ہے کہ نہ کان زائد اور نہ مثل کیونکہ نفی مثل کے مثل کی کیا رہی ہے اس سے بطور کنایہ کے مثل کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ مماثلت دونوں طرف سے ہوتی ہے جبکہ اللہ کے مثل کیلئے مثل نہیں لہذا اللہ کیلئے مثل نہیں ہے اور کنایہ تعریض سے ابلغ ہوتا ہے لہذا اسصورت کو ترجیح حاصل ہوگی **قولہ یضحکن الخ** پورا شعر اس طرح ہے اذ یبتسمن تلثت کنعاج جسم یبتسمن عن کالبرد المنہم بیضاء یعنی بیضاء ہے اور النساء محذوف کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اے دمعن اور کنعاج نعجۃ کی جمع ہے بمعنے بے سینگ بکری منہمر بمعنی ہنسنا دانت سفید کرنا اور کان بمعنے مثل اور اسی کا موصوف محذوف ہے اے ہن انسان مثل البرد اور منہم انہمام سے بمعنی گلنا **قولہ مذ ومنذ الخ** پندرہواں حرف مذ ہے اور سولہواں منذ اور یہ دونوں حرف زمان کیلئے آتے ہیں اور وہ اس وقت یا تو زمانہ ماضی میں زمانہ ماضی کی ابتدا کیلئے ہوتے ہیں جیسے ما رایتہ مذ الشہر الماضی یعنی میں نے اس کو گذشتہ ماہ سے نہیں دیکھا اور یا زمانہ حاضر میں ظرفیت محضہ کیلئے ہوتے ہیں جیسے ما رایتہ مذ یومنا یعنی اس کو میں نے آج کا دن ہے **قولہ خلا الخ** سترہواں حرف جر خلا ہے اور اٹھارہواں عدا اور انیسواں حاشا اور یہ تینوں حرف استثناء کیلئے ہیں جیسے جاء نی القوم خلا او عدا زید یعنی زید کے سوا میرے پاس عام قوم آئی پس حروف مذکورہ استثناء کیلئے ہونا ظاہر ہے یاد رکھنا چاہیے کہ ان تینوں لفظوں سے جب تم ان کے مدخول کو جر دوگے تو حروف جارہ ہونگے اور جب تم ان کے مدخول کو نصب دوگے تو یہ فعل ہونگے لہذا یہ تینوں کبھی حرف کبھی فعل **قولہ الحروف المشبہۃ بالفعل الخ** حروف جر کے بعد حروف مشبہ بالفعل کو بیان کرتے ہیں حروف مشبہ بالفعل ان اور انَّ اور کان اور لکنَّ اور لیت اور لعل ہیں ان حروف کو مشابہ بالفعل اسوجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو فعل کے ساتھ مشابہت لفظی اور معنوی ہے لفظی مشابہت تو یہ ہے کہ فعل ماضی ہیں کہ فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف مبنی بر فتحہ ہوتے ہیں اور جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی اور خماسی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ہیں اور مشابہت معنوی یہ ہے کہ اِنَّ اور اَنَّ معنے میں حقیقت کے اور کان معنے میں مشابہت کے اور لکن معنے میں استدراک کے اور لیت معنے میں تمنیت کے اور لعل معنی میں ترجی کے ہے اور دوسری مشابہت معنوی یہ ہے کہ جس طرح فعل فاعل اور مفعول کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح یہ بھی دو اسم کو مقتضی ہیں **قولہ وقد یلحقہا الخ** یعنی حروف مشبہ بالفعل کے بعد کافہ آجاتا ہے اور وہ ان کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے کافہ اسم فاعل لرکف بمعنے روک دینا چونکہ یہ عامل سے روک دیتا ہے اسی وجہ سے اسکا یہ نام رکھدیا ہے جیسے لعلما لبشر اور اسوقت لاحق ہوئے ما کافہ کے ان حروف مذکورہ کو فعل پر بھی داخل کر سکتے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ انما حرم علیکم المیتۃ یعنی جز این نیست کہ خدا نے تم پر میتہ کو حرام کیا ہے **قولہ اعلم ان اِنَّ المکسورۃ الخ** اب اس جگہ سے مصنف نے حروف مشبہ بالفعل کے احوال کی تفصیل کو بیان فرماتا ہے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنے میں تغیر پیدا نہیں کرتا بلکہ اس میں معنے تاکید اور تحقیق کے پیدا کرتا ہے اور ان مفتوحہ جملہ کے معنی میں تغیر کر دیتا ہے اور اسکو تاویل مفرد کر دیتا ہے چونکہ یہ اسناد تام نہیں ہوتا اور جملہ کو مفرد کے حکم میں کرنے کا یہ طور ہے کہ جر کے مصدر کو اسم کیطرف مضاف کیا جائے جیسے بلغنی ان زیداً قائم یعنی بلغنی من قیام زید یا جزء جر کے مصدر کو اسم کیطرف مضاف کیا جائے جیسے بلغنی ان زیداً قائم یعنی بلغنی من قیام زید اعلم ان اللہ علیم وخبیر کو تحقیق زید کو اگر تم تعلیم دوگے وہ تیرا اکرام کریگا یعنی اکرام زید بعد تعلیمک ایاہ اور یہ ہی وجہ ہے کہ جملہ کے موقع پر ان مکسورہ اور مفرد کے موقع پر ان مفتوحہ لاتے ہیں **قولہ یجب الکسرۃ الخ** یعنی اسوجہ سے کہ ان جملہ کے معنی کو تغیر نہیں کرتا شروع کلام میں ان مکسورہ کو لاتے ہیں اس لیئے کہ وہ جملہ کو مقتضی ہے جیسے ان ربک لیعلم نیز قول اور اس کے مشتقات کے بعد ان مکسورہ لاتے ہیں جیسے علت اور قائم اسلئے کہ مفعول قول کا ہمیشہ جملہ ہوتا ہے علی ہذا القیاس موصول کے بعد بھی ان مکسورہ لاتے ہیں اس لیئے کہ موصول کے بعد اس کا صلہ ہوتا ہے ایسے ہی جب خبر پر لام داخل ہو تو ان مکسورہ ہوگا کیونکہ لام جملہ کے معنے کی تاکید کرتا ہے نیز جانتا چاہیئے کہ چار موضع کا ذکر مصنف کی غرض سے نہیں ہے بلکہ ندا اور دعا اور قسم اور کل اور امر اور نہی کے بعد بھی ان مکسورہ آتا ہے ایسے ہی جو جملہ جواب قسم میں ہو یا متحل ابتدائیہ کے بعد آوے یا الا اور اما تنبیہ کے بعد اور ایسے کلام سابق سے محل قطع میں بعد اذا الفجائیہ کے بعد ان مقامات میں ان مکسورہ آتا ہے

وبعد الموصول نحو ما رأیت الذی انّک فی المساجد و اذا کان فی خبرها اللام نحو انّ زیداً لقائم ویجب الفتح حیث یقع فاعلا نحو بلغنی انّ زیداً قائم وحیث یقع مفعولا نحو کرهت انّک قائم وحیث یقع مبتداءً نحو عندی انّک قائم وحیث یقع مضافاً الیه نحو عجبت من طول انّ بکراً قائم وحیث یقع مجروراً نحو عجبت من انّ بکراً قائم وبعد لو نحو لو انّک عندنا لاکرمتک وبعد لولا نحو لولا انّه حاضر لغاب زید ویجوز العطف علی اسم انّ المکسورة بالرفع والنصب باعتبار المحل واللفظ مثل ان زیداً قائم وعمرو وعمراً واعلم انّ انّ المکسورة یجوز

قولہ ویجب الفتح ۔ اور جب وہ اپنے جملہ سے مل کر فاعل ہو جیسے بلغنی انک منطلق یا مفعول ہو جیسے سمعت انک ذاہب یا مبتدا ہو جیسے انک تاد یا مضاف الیہ ہو جیسے اعجبنی انک قائل تو ان سب صورتوں میں ان مفتوحہ پڑھا جائے گا اسلئے کہ یہ سب مواضع مفرد کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا اور مضاف الیہ کا مفرد ہونا ضروری ہے یا مجرور جبکہ حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے اور لو کے بعد بھی ان مفتوحہ پڑھا جائیگا اسلئے کہ لو شرط فعل کو مقتضی ہے پس ان مفتوحہ اپنے جملہ کیساتھ مل کر فعل محذوف کا فاعل ہو گا جیسے لو انک اے مثبت اور لولا کے بعد ان مفتوحہ پڑھتے ہیں اسلئے کہ لولا کے بعد مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا کا مفرد ہونا ضروری ہے جان چاہیئے کہ ان سات مواضع کے علاوہ اور مواضع بھی ہیں جہاں پر فتح واجب ہے لہذا یہ مواضع بیان حصر کے لیے نہیں ہیں چنانچہ مبتدا کی خبر میں اگر چہ فتح واجب نہیں ہے لیکن مناسب ہے چونکہ اصل خبر میں افراد ہے بعد لولا مضیفہ کے بعد اور حتی عاطفہ و جارہ کے بعد واجب ہے اور ایسے ہی جب ان مکسورہ کے اسم پر جس کا عطف ہو جیسے انک لا تجرع فیہا ولا فخر کی اور انک لا تنظلم فیہا دل تفضلے ایسے ہی بعد اس قول کے جو ظن کے معنے میں ہو اور علمت اور اس کے مشتقات کے بعد بھی ان مفتوحہ واقع ہوتا ہے اور ان مکسورہ واقع نہیں ہوتا ۱۲ **قولہ ویجوز العطف علی اسم ان المکسورہ بالرفع الخ** اس کا عطف یجوز العطف یعنی اور اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنے کو نہیں بدلتا ہے بلکہ معنی جملہ کی تاکید کرتا ہے تو لہذا جب کسی اسم کا ان مکسورہ کے اسم پر عطف کریں تو اس کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہوتا ہے اسکے اسم کے محل پر عطف کر کے رفع پڑھنا درست ہوتا ہے چونکہ ان کا اسم باعتبار محل کے بنا بر ابتدا کے مرفوع ہے اور اسکے اسم کے لفظ پر عطف کر کے نصب پڑھنا درست ہوتا ہے چونکہ انکا اسم لفظاً منصوب ہے اور یہ عطف محل پر اسوجہ سے درست ہوتا ہے

کہ ان مکسورہ جملہ کے معنے میں تغیر پیدا نہیں کرتا ہے تو اب جائز ہے کہ محل اسم ان پر کسی اسم کا رفع کے ساتھ عطف کریں اسلئے کہ ان کا اسم اصل میں مرفوع یا مبتدا ہے پھر ان عام ہے کہ لفظاً مکسورہ ہو جیسے ان زیداً قائم و عمرو وغیرہ یا محلاً علت ان زیداً قائم وغیرہ کی مثال مذکور میں اگر چہ ان مفتوحہ ہے مگر محلاً مکسورہ ہے اور وجہ یہ ہے کہ ان علم کے بعد اگر چہ اپنے اسم و خبر سے مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے مگر قاعدہ میں جملہ کے ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں مبتدا اور خبر ہیں الغرض ان مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ جب کسی اسم کا عطف کرنا چاہیں تو ان کو معدوم فرض کر کے عطف محل اسم ان پر جائز ہو گا مگر ان مکسورہ کے بجائے ان مفتوحہ کے کہ اسکے محل اسم پر رفع کیساتھ عطف مذکور جائز نہ ہو گا اسلئے کہ جملہ کو متغیر کر دیتا ہے پس ان مفتوحہ کو معدوم فرض کر کے اس کے محل اسم پر عطف مذکور جائز نہ ہو گا مگر ان مکسورہ کے محل اسم پر عطف مذکور اسوقت جائز ہو گا جبکہ معطوف سے پہلے ان کی خبر آچکی ہو لفظاً جیسے ان زیداً قائم وعمرو یا تقدیراً جیسے ان زیداً وعمرو قائمان اس جگہ پر ان کی خبر پہلے گذر چکی ہے اور معطوف کی خبر اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی وجہ سے غالباً اس کو حذف کر دیا جاتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہے ان زیداً قائمٌ وعمرٌو قائمٌ بہر حال صحت عطف کیلئے معطوف سے پہلے ان کی خبر کا مذکور ہونا شرط ہے یہاں تک کہ اگر خبر معطوف سے پہلے نہ لفظاً نہ تقدیراً تو اسوقت محل اسم پر عطف ناجائز ہو گا جیسے ان زیداً وعمراً ذاہبان اسلئے کہ اگر مثال مذکور میں عطف کو جائز کہیں گے تو اس وقت ایک معمول کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم آئیگا اور وہ ناجائز ہے تشریح مقام کی یہ ہے کہ مثال مذکور میں ذاہبان معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی خبر ہے پس اس حیثیت سے کہ وہ معطوف علیہ یعنی اسم ان کی خبر ہے ان عامل ہو گا اور اسی حیثیت سے کہ وہ معطوف یعنی عمرو کی خبر ہے اس میں عامل ابتدا ہو گا پس اس وقت ایک معمول یعنی ذاہبان کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے پس یہ مذہب بصریوں کا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محل اسم ان پر عطف کرنے کیلئے خبر کا پہلے گذر جانا شرط نہیں پس ان کے نزدیک ان زیداً وعمراً ذاہبان میں عطف مذکور جائز ہے اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خبر ان میں ان عامل نہیں بلکہ ابتدا رہے پس ان کے نزدیک ایک معمول کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم نہیں آتا ہے بعد ازاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ مذہب جمہور میں عطف مذکور کے جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ معطوف سے پہلے خبر گذر چکی ہو بہر حال میں ہے خواہ اسم ان کا معطوف ہو یا مبتدا اسم ان کے مبنی ہونے کو اسمیں دخل نہیں بخلاف مبرد اور کسائی کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا اسم جس وقت مبنی ہو گا تو اس کے محل پر بدوں خبر کے گذرے ہوئے عطف مذکور جائز ہو گا پس ان کے نزدیک ترکیب انک وزید ذاہبان جائز ہو گا اور جمہور کے نزدیک ناجائز کسائی اور مبرد کی دلیل یہ ہے کہ خبر ان میں ان کا عمل تابع ہے اسم ان میں عمل کرنے کے اور جبکہ اسم ان مبنی ہے تو بوجہ اس کے مبنی ہونیکے ان کا عمل ظاہر نہیں ہوا پس گویا اس نے عمل نہیں کیا لہذا خبر میں بھی ان کو عامل ماننا جائیگا پس اس صورت میں خبر کے بدوں گذرے عطف مذکور جائز ہو گا اور اسم ان کے مبنی ہونیکے مشکل میں نہ اور دو عاملوں کا اجتماع ایک معمول کے اعراب پر لازم آئیگا ۱۲ **قولہ اعلم ان ان المکسورۃ یجوز الخ** یعنی جب یہ ثابت ہوا کہ ان جملے کے معنی میں تغیر پیدا نہیں کرتا تو اب اس وجہ سے اس کا خبر پر لام تاکید داخل ہو جاویگا نہ کہ ان مفتوحہ کی خبر پر اس لئے کہ لام تاکید معنی جملہ کی تاکید کیلئے ہوتا ہے اور اس چیز کی خبر پر داخل نہ ہو گا جو جملہ کی حیثیت کو باقی رکھتی ہے اور اس چیز کی خبر پر داخل نہ ہو گا جو جملہ کو تاویل مفرد کر دیتی ہے اور وہ ان مفتوحہ ہے علی ہذا القیاس لام تاکید کا ان مکسورہ کے اسم پر داخل ہو جانا جبکہ اسم اور درمیان فعل واقع ہو اور ان مفتوحہ کے اسم پر داخل نہ ہو گا نیز لام تاکید کا اس شے پر داخل ہو جاتا ہے جو کہ ان مکسورہ کے اسم اور خبر کے درمیان متعلقات جملہ سے ہے جیسے ان زیداً لطعامک آکل نیز جاننا چاہیئے کہ جب لام ان پر داخل ہو جاتا ہے تو کبھی ان کا ہمزہ ہا سے بدل جاتا ہے جیسے اَیْمُنُکَ زیدٌ

کہ ان مفتوحہ میں ۱۲

دخول اللام علی خبرها وقد تخفف فیلزمها اللام کقوله تعالیٰ وان کلاً لما لیوفینهم وحینئذٍ یجوز الغاؤها کقوله تعالیٰ وان کل لما جمیع لدینا محضرون ویجوز دخولها علی الافعال علی المبتدأ والخبر نحو قوله تعالیٰ وان کنت من قبله لمن الغافلین وان نظنک لمن الکاذبین وکذلک ان المفتوحة قد تخفف فحینئذٍ یجب اعمالها فی ضمیر شان مقدر فتدخل علی الجملة اسمیة کانت نحو بلغنی ان زیدٌ قائمٌ او فعلیة نحو بلغنی ان قد قام زیدٌ ویجب دخول السین او سوف او قد او حرف النفی علی الفعل کقوله تعالیٰ علم ان سیکون منکم مرضیٰ والضمیر المستتر اسم ان والجملة خبرها وکان للتشبیه نحو کان زیدٌ الاسد وهو مرکب من

قوله قد تخفف فیلزمها اللام الخ اور ان مکسورہ ثقل شدید اور کثرت استعمال کی وجہ سے مخفف کر لیا جاتا۔ تخفیف کے بعد جو نکہ ان کی صورت ان ناقیہ جیسی ہو جاتی ہے لہذا اسوقت ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کیلئے اس کی خبر پر لام تاکید کا آنا ضروری ہے خواہ اسکو عمل دیا جائے خواہ نہ دیا جائے جیسے قول باری تعالیٰ وان کلاً لما لیوفینهم پڑھنے میں مع تنوین ہے اور کلا منصوب مع تنوین ہے اور ان مخففہ کا اسم ہے اور کلا کی تنوین معاف الیہ کے عوض میں ہے اور لیوفینهم قسم محذوف کا جواب ہے اور اس پر لام جواب قسم کا ہے اور لما پر لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فارقہ ہے اور پھر لفظ ما کو زائدہ کیا تاکہ دو لاموں کا اجتماع جو مکروہ ہے نہ لازم آئے آیت کے معنے یہ ہیں کہ ان کل ہم سب جمیع المختلفین فی الکتاب دائمًا لیوفینهم تحقیق ان سب کو جو اللہ کی کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اللہ کی قسم وہ ضرور ان کو پوری جزا دے گا ۱۲ **قوله وحینئذٍ یجوز الغاؤها الخ** اور اس وقت جبکہ ان مکسورہ مخففہ ہو تو اس کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے اور اس صورت میں اعمال سے ابطال عمل اکثر ہے اس لیے کہ آخر کے ساکن ہونیکے وجہ سے اسکے مشابہ ہو گئی جس کی وجہ سے دو عمل کرنا تھا نہیں رہی مثلاً اس کے آخر کا فتح اور اس کا سرخی ہونا جیسے قول باری تعالیٰ وان کل لما جمیع لدینا محضرون اس آیت میں ان مکسورہ مخففہ ہے جس کا عمل باطل ہو گیا ہے اور کل کو رفع ہے اور لما مخففہ لام فارقہ اور ما زائدہ کیلئے زائدہ کیلئے مرکب ہے معنے یہ ہیں کہ ان کلہم لمجموعون یوم القیامة محضرون عندنا للحساب تحقیق سب کے سب قیامت کے روز حساب کے لیے جمع کئے جائیں گے اور ہمارے پاس حاضر کئے جائیں گے اور اس صورت میں باعتبار اصل عمل دینا بھی جائز ہے جیسے آیت مذکورہ وان کلا لما لیوفینهم میں ان مکسورہ مخففہ عمل کر رہا ہے ۱۲ **قوله ویجوز دخولها علی الافعال الخ** اسکا عطف یجوز الغاؤها پر ہے ای وحینئذٍ یجوز دخولها الخ اور اسوقت جبکہ ان مکسورہ مخففہ ہو تو اس کا ان افعال پر داخل ہونا جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جائز ہے جیسے افعال ناقصہ اور افعال قلوب وغیرہ جیسے قول باری تعالیٰ وان کنت من قبله لمن الغافلین (تحقیق آپ اس سے پہلے غفلت والوں میں سے تھے) اور جیسے قول باری تعالیٰ ان نظنک لمن الکاذبین (تحقیق ہم تم کو جھوٹ بولنے والوں سے خیال کرتے ہیں) اسلئے کہ اسکی اصل یہ تھا کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا پس اگر تخفیف کی وجہ سے اس کی یہ اصل جاتی رہے تو کم از کم اسکو ان افعال پر داخل ہونا چاہیئے جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں تاکہ بقدر امکان اصل کے ساتھ رعایت باقی رہے اور اس وقت بھی اسکو لام تاکید لازم ہے جیسا کہ دونوں آیتوں میں موجود ہے ۱۲ **قوله وکذلک ان المفتوحة الخ** یعنی ان مفتوحہ میں بھی تخفیف کر سکتے ہیں اور وہ تخفیف کے بعد عامل سیبویہ اور جو ضمیر شان میں عمل کرتا ہے بایں طور کہ ضمیر شان اسکا اسم اور وہ جملہ جو کہ ضمیر شان کی تفسیر ہے اسکی خبر ہے اور اگر کوئی کہے کہ ان مخففہ کے ضمیر شان میں عمل کرنے کی وجہ کیا ہے جواب یہ ہے کہ مفتوحہ کو بہ نسبت مکسورہ کے فعل کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ مکسورہ تو تخفیف کے بعد نثر کلام میں عمل کرتا ہے اور مفتوحہ عمل نہیں کرتا پس مفتوحہ کے بعد ضمیر شان کو مقدر مانیں گے تاکہ مکسورہ کی مفتوحہ پر فوقیت لازم نہ آئے ۱۲ **قوله فتدخل علی الجملة الخ** یعنے ان مخففہ سب جملوں پر داخل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ اسمیہ ہو جیسے بلغنی ان زیدًا قائمٌ یا فعلیہ اور فعلیہ عام ہے کہ اس میں فعل ایسا ہو کہ جو مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہو جیسے یا ایسا فعل نہ ہو جیسے بلغنی ان قد علمت زیدًا فاضلًا اور بلغنی ان قد قام زیدًا ۱۲ **قوله ویجب دخول السین وسوف الخ** یعنی ان مفتوحہ بعد تخفیف کے جب فعل پر واقع ہوگی تو اس وقت فعل پر سین و سوف یا قد یا حرف نفی لازم ہوگا سین کی مثال قولہ تعالیٰ علم ان سیکون منکم مرضیٰ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تحقیق تم عنقریب بیمار ہو گے اور سوف کی مثال قول الشاعر واعلم فعلم المرء ینفعه ان سوف یأتی کل ما قدرا۔ اور قد کی مثال قولہ تعالیٰ لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم اور حرف نفی کی مثال قولہ تعالیٰ اولا یرون ان لا یرجع الیهم ہے پھر امور مذکورہ کا لزوم اس وجہ سے ہے کہ ان مخففہ اور ان مصدریہ کے درمیان فرق ہو جائے لیکن حرف نفی چونکہ ان مفتوحہ اور مصدریہ دونوں کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اس لیے کہ دونوں میں فرق کرنے کیلئے حرف نفی کے ساتھ کسی اور چیز کا اعتبار کرنا پڑیگا اور وہ یہ کہ اگر وہ فعل کے جس کے حرف نفی ہے منصوب ہو تو ان مصدریہ ہے ورنہ مخففہ پھر یہ حکم فعل متصرف کا ہے اور جب غیر متصرف فعل پر داخل ہو تو اس وقت امور مذکورہ میں سے کوئی شئے نہ آئیگی جیسے قولہ تعالیٰ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ اور جیسے قولہ تعالیٰ وان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلهم ۱۲ **قوله والضمیر الخ** یہاں سے مصنف ان مفتوحہ مخففہ کی ترکیب بتا رہے ہیں کہ ضمیر شان مستتر ان مفتوحہ مخففہ کا اسم ہوگا اور جملہ جو اس کے بعد ہوتا ہے ان مفتوحہ مخففہ کی خبر ہوگا ۱۲ **قوله وکان للتشبیه الخ** حروف مشبہ بالفعل میں سے ایک کان ہے اور اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ مرکب ہے یا حرف برأسہ ہے خلیل کہتا ہے کہ کان تشبیہ اور ان مکسورہ سے مرکب ہے اور مصنف کا مختار بھی یہی ہے اور جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ حرف برأسہ ہے جس طرح حروف برأسہ ہیں ترکیب کی صورت میں کان کو اس لیے مقدم کیا ہے تاکہ اول دہلہ میں معلوم ہو جائے کہ کلام انشاء تشبیہ کے لیے اور یہ تشبیہ کے لیے آتا ہے یعنی ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے ہوتا ہے ۱۲ ✦

كافَ التشبيه وأنّ المكسورة وإنّما فتحت لتقدم الكاف عليها تقديره ان زيداً كالاسد وقد تخفف فتلغى نحو كان زيدٌ اسدٌ ولكن للاستدراك ويتوسط بين كلامين متغايرين في المعنى نحو ما جاءني القوم لكنّ عمراً جاء وغاب زيد لكن بكراً حاضرٌ ويجوز معها الواو نحو قام زيدٌ ولكن عمراً قاعدٌ وتخفف فتلغى نحو مشى زيد لكن بكر عندنا وليت للتمنّي نحو ليت هنداً عندنا واجاز الفراء ليت زيداً قائماً بمعنى أتمنّى ولعلّ للترجي كقول الشاعر شعر

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ۔۔۔ لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

وشذّ الجرّ بها نحو لعل زيد قائمٌ وفي لعلّ لغاتٌ علّ وعنّ وأنّ ولأنّ ولعنّ

قولہ انما فتحت الخ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب کان حرف براسر نہیں ہے بلکہ کان تشبیہ اور ان مکسورہ سے مرکب ہے تو چاہیے تھا کہ اس میں ہمزہ مکسور ہوتا نہ مفتوحہ حالانکہ ان کا ہمزہ مفتوح ہے مصنف جواب دیتے ہیں کہ کان میں ہمزہ کو فتحہ اس لیے ہے کہ کاف جو اصل میں حرف جر ہے ان پر مقدم ہے گویا وہ جارہ ہونے کے حکم سے نکل گیا ہے اور حرف جر کے بعد مبتدا آتا ہے وہ ان مفتوحہ ہوتا ہے اس لیے کہ حرف جر مفرد پر داخل ہوتا ہے پس صورت کی رعایت کی وجہ سے اس کے ہمزہ کو فتحہ دیا اگرچہ باعتبار معنے کے وہ مکسور ہے اور کان زیداً الاسد ہے تقدیر ان زیداً کالاسد ہے تحقیق مثل خبر ہے کہ کان کو مقدم کر دیا تاکہ انشائے تشبیہ شروع ہی سے معلوم ہو جائے اور ہمزہ ان کان جارہ کی رعایت کی وجہ سے فتح سے بدل گیا اسلئے کہ حرف جارہ مفرد کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ سوال وجواب میں گذر چکا اور یہ خلیل کا مذہب ہے مصنف نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن جمہور نحاۃ کے نزدیک یہ اور حروف کی طرح حرف براسر ہے کسی سے مرکب نہیں ہے کیونکہ حروف میں اصل عدم ترکیب ہے ۱۲ **قولہ قد تخفف الخ** کبھی کان میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور بعد تخفیف کے وہ ملغی ہو جاتا ہے یعنی عمل نہیں کرتا اور یہ اصح مذہب ہے جیسا کہ قول شاعر، کان ثدیاہ حقان میں ثدیا مشبہ ہے اور مرفوع ہے اور وجہ تخفیف کے بعد اسکے عمل نہ کرنے کی یہ ہے کہ اس وقت اسکی مشابہت فعل کے ساتھ جاتی رہی آخر کے فتح زوائل ہونیکی وجہ سے جاننا چاہیے کہ کبھی اس کو انما تشبیہ یعنے تشبیہ ظاہر کرنے کیلئے نہیں بولتے بلکہ شک کیلئے لاتے ہیں جیسے کانک تمشی ۱۲ **قولہ ولکن للاستدراک الخ** حروف مشبہ بالفعل میں سے استدراک کیلئے آتا ہے استدراک کے معنی لغت میں پانا کسی چیز کو اور اصطلاح میں استدراک کے معنی کلام سابق سے وہم دور کرنے کے ۳ کے درمیان آتا ہے جو باعتبار معنے کے نفی اور اثبات میں متغائر ہوں یہ ضروری ہے کہ لفظ کے اعتبار سے متغائر ہوں یا نہ ہوں اول کی مثال جاء زید لکن عمراً ہے یعنی اس لیے کہ اس جگہ دونوں کلاموں میں تغائر معنوں کے ساتھ تغائر لفظی بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ کلام اول مثبت اور کلام ثانی منفی ہے اور ثانی کی مثال زید حاضر لکن عمرو غائب ہے اس لیے کہ ان دونوں کلاموں میں لفظی تغائر بالکل نہیں دونوں مثبت ہیں تغائر صرف معنوی ہے **قولہ ویجوز معہا الواو الخ** اور یہ جائز ہے کہ لکن کے ساتھ واو ذکر کریں برابر ہے کہ لکن مشدد ہو یا مخفف اور اس واو میں اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ واو عطف جملہ علی الجملہ کیلئے ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واو اعتراضیہ ہوتا ہے رضی نے اس کو اظہر قرار دیا ہے اور اس واو کو لکن سے پہلے اس واسطے زیادہ کرتے ہیں تاکہ اس لکن اور لکن عاطفہ کے درمیان فرق ہو جائے کیونکہ عاطفہ پر دخول حرف عطف درست نہیں ہے ۱۲ **قولہ قد تخفف فتلغی الخ** یعنی جس میں تخفیف ہو جاتی ہے اور وہ اس وقت ملغی ہو جاتا ہے عمل نہیں کرتا اس لیے کہ تخفیف کے بعد اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو جاتی ہے اور لکن عاطفہ کے ساتھ لفظاً اور معنیً مشابہ ہو جاتا ہے اور لکن عاطفہ عامل نہیں جیسے مشی زید لکن عمرو اور یہ مذہب اکثر کا ہے اور اخفش اور یونس جواز عمل کے قائل ہیں ۱۲ **قولہ ولیت للتمنی الخ** یعنی حروف مشبہ بالفعل میں سے لیت تمنی کیلئے ہے جیسے لیت الشباب یعود الخ یعنی کاش جوانی لوٹ آئے اور فرمائے کہتا ہے کہ لیت کے بعد دونوں جزؤں کو نصب دینا جائز ہے اسلئے کہ لیت بمعنے تمنی ہے پس لیت کے بعد دونوں جزء رہنا بر مفعولیت منصوب ہونگے اور لیت زیداً قائماً کہنا صحیح ہوگا ۱۲ **قولہ ولعل للترجی الخ** یعنی لعل ترجی کے لیے ہے ترجی اور توقع میں فرق یہ ہے کہ تمنی ہر شے کی ہو سکتی ہے ممکن ہو یا محال اور ترجی اس چیز کی ہوتی ہے کہ جس کا ہونا ممکن ہو پس لیت الشباب یعود نہیں کہہ سکتے ہیں اور لعل الشباب یعود نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ جوانی کا لوٹنا ممکن نہیں ہے **غرض** لعل امر مرجو کی امید کی ظاہر کرنیکے واسطے آتا ہے جیسے قول شاعر احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً میں نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اور میں ان میں سے نہیں ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو صلاحیت عطا فرمائے **قولہ شذ الجر بہا الخ** یعنی لعل کی وجہ سے جر شاذ ہے جیسے قول شاعر لعل ابی المغوار منک قریب یعنی ابی المغوار تیرے نزدیک ہے پس اس مثال میں ابی المغوار لعل کی وجہ سے مجرور ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ شعر میں ابی المغوار لعل کی وجہ سے مجرور نہ ہو بلکہ اس پر اعراب حکائی ہو اور وہ ابی المغوار کے نام سے مشہور ہو پس قول شاعر سے استدلال صحیح نہ ہوگا ۱۲ **قولہ وفی لعل لغات الخ** جاننا چاہیے ۔۔۔

وعند المبرد اصله علّ زيد فيه اللام والبواقي فرع فصل حروف العطف عشرة الواو والفاء وثمّ وحتّى وأو وأمّا وأم ولا وبل ولكن فالأربعة الأول للجمع فالواو للجمع مطلقاً نحو جاء في زيدٌ وعمرٌو سواء كان زيدٌ مقدماً في المجيء أو عمرو والفاء للترتيب بلا مهلة نحو قام زيدٌ فعمرو إذا كان زيدٌ متقدماً وعمرٌو متأخراً بلا مهلة وثم للترتيب بمهلة نحو دخل زيد ثم عمرو إذا كان زيد متقدماً وبينهما مهلة وحتى كثم في الترتيب والمهلة إلا أن مهلتها أقل من مهلة ثم ويشترط أن يكون معطوفها داخلاً في المعطوف عليه وهي تفيد قوة في المعطوف نحو مات الناس حتى الأنبياء أو ضعفاً نحو قدم الحاج حتى المشاة وأو وأمّا وأم ثلثتها لثبوت الحكم لأحد الأمرين مبهماً لا بعينه نحو مررت برجل أو امرأة وأمّا أنما تكون

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۷) کہ لعل اس کی بھی اصل عل ہے لام شروع میں زیادہ کیا گیا ہے اور مذکورہ لغات فروع ہیں اور جمہور کے نزدیک لعل انفع اور اشہر ہے ۱۲ **قولہ حروف العطف الخ** حروف مشبہ بالفعل سے فارغ ہوکر مصنف نے حروف عاطفہ کو بیان کیا کہ حروف عاطفہ واو اور فا اور ثم اور حتی وغیرہ ہیں اور چار اول کے معطوف اور معطوف علیہ کو حکم واحد میں جمع کرنے کیلئے آتے ہیں حتی کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے عطف لغت میں بمعنی مائل کرنا یہ حروف بھی معطوف کو حکم اور اعراب میں معطوف علیہ کی طرف مائل کرتے ہیں ۱۲ **قولہ فالواو للجمع الخ** یہ واو کا بیان ہے حروف عاطفہ میں سے واو مطلق جمع کیلئے ہے جیسے جاءنی زیدٌ وعمرٌو (یعنی زید عمر میرے پاس آئے) پس مثال مذکور میں واو نے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مطلق جمع کا فائدہ دیا اور یہ نہ بتایا کہ دونوں ایک ساتھ آئے یا آگے پیچھے مہلت کے ساتھ یا بدون مہلت کے بخلاف فا اور ثم کے کہ یہ دونوں مطلق جمع کیلئے نہیں آتے بلکہ فا بغیر مہلت کے ترتیب کیلئے ہے جیسے جاءنی عمرٌو زیدٌ (یعنی عمرو میرے پاس پہلے آیا پھر زید پس مثال مذکور میں فا نے اس امر کا فائدہ دیا کہ عمرو پہلے آیا اور اس کے بعد زید فی الفور بغیر مہلت کے آیا اور ثم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں ترتیب مہلت کے ساتھ ہے جیسے جاءنی زیدٌ ثم خالد یعنی زید میرے پاس آیا اور دیر کے بعد پھر خالد آیا پس اس جگہ ترتیب مہلت کے ساتھ ہے **قولہ وحتی کثم الخ** مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ افادۂ ترتیب اور مہلت میں حتی ثم کے مثل ہے مگر فرق یہ ہے کہ حتی میں کم مہلت ہوتی ہے اور ثم میں زیادہ دوسرے حتی میں یہ شرط ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں داخل ہو یعنی حتی میں ضروری ہے کہ معطوف اپنے معطوف کا جزو ہو اور اسی وجہ سے ضروری ہے تاکہ جو حکم کے لئے ہے وہ معطوف کے واسطے قوۃً یا ضعفاً ہو تو اگر . . . . . معطوف علیہ کا جزو قوی ہے تو فائدہ قوت کا دیگا جیسے مات الناس حتی الانبیاء یعنی سب لوگ مرے یہانتک کہ انبیاء نے بھی وفات پائی اور اگر جزو ضعیف ہے تو ضعف کا فائدہ دیگا جیسے قدم الحاج حتی المشاۃ یعنی سب حاجی آگئے یہانتک کہ پیادے جو لوگ تھے وہ بھی آگئے حتی و ثم میں یہ فرق بھی ہے کہ حتی میں مہلت ذہنی ہوتی ہے اور ثم میں مہلت خارجی جیسا کہ ظاہر ہے کہ مات الناس حتی الانبیاء میں عام آدمیوں کی موت کے بعد انبیاء کی وفات ایک ذہنی شے ہے خارج میں یہ ترتیب نہیں بلکہ انبیاء کی وفات دیگر انسانوں کی موت کے درمیان ہے نیز جاننا چاہیے کہ نحاۃ اس امر پر متفق ہیں کہ حتی عاطفہ میں واجب ہے کہ اس کا معطوف علیہ میں حقیقۃً داخل ہو اسی بنا پر مثال مذکور الصباح حتی الصباح میں الصباح کو جر ہے نہ کہ نصب شیخ رضی فرماتے ہیں کہ حتی عاطفہ ما بعد اس کے ماقبل کا جزو ہوتا ہے یا اس کا جزو ہوتا ہے جس پر ماقبل حتی دلالت کرتا ہے اور حتی جارہ کے متعلق اکثر نحات جائز کہتے ہیں کہ اس کا ما بعد اس کے ماقبل کے آخر کے ساتھ متصل ہو جیسے مذمت البارحۃ حتی الصباح شیخ رضی کا یہ کلام صاف بتلا رہا ہے کہ حتی عاطفہ کیلئے واجب ہے کہ اسکا ما بعد اس کے ماقبل کا حقیقی جزو ہو اور اس میں اسکا جزو اعتباری ہونا کافی نہیں ہے ۱۲ **قولہ او اما وام الخ** بیان ہے مصنف ان حروف عطف کو بیان کرتے ہیں جو دو امروں میں سے مصنف کسی ایک امر مبہم کیلئے آتے ہیں جو علم متکلم میں غیر معین ہو اور وہ او اور اما وام ہیں ان میں سے او دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کیلئے موضوع ہے خواہ متکلم کے نزدیک مبہم ہوں اس صورت میں او شک کے واسطے ہو جاویگا خواہ متکلم کو معلوم ہو اور متکلم نے سامع پر ابہام کا قصد کیا ہو یا تفصیل کا یا اباحت کا یہ رہا تسویہ کا کیونکہ او کا مدخول دو امروں میں سے ایک کیلئے ہوتا ہے اور خصوصیات قرینوں سے سمجھا جاتا ہے اور جس طرح دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کیلئے یہ تینوں آتے ہیں ایسے ہی دو سے زیادہ امروں میں سے کسی ایک مبہم امر کے لئے آتے ہیں، مصنف نے اقل درجہ کو بیان کیا ہے جاننا چاہیے کہ او الی اور الا کے معنی میں بھی آتا ہے . . . . . جیسا کہ پہلے معلوم ہوا اور بل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون ۱۲ **قولہ واما انما تکون الخ** قطرب کے سوائے اما عاطفہ میں کسرہ ثقیل کرتے ہیں قطرب نے فتح کا حکایت کی ہے اور سیبویہ کہتا ہے کہ ان اور ما سے مرکب ہے اور اس کے ماسوائے سب اس کو حرف مستقل کلمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ حروف میں افراد اصل ہے اور ابو علی اور عبد القاہر نے اس کے عواطف میں سے ہونے کا انکار کیا ہے اور اس پر دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ معطوف علیہ کے اول میں آتا ہے حالانکہ حرف عطف معطوف علیہ کے اول میں نہیں آتا ہے دوسرے جو اما کہ معطوف کے اول میں ہوتی ہے اس کے ساتھ واو عاطفہ ملا ہوا ہوتا ہے جو کہ عطف میں اصل ہے اس کے ساتھ عطف ہوگا بہذا ہر دو اما جو کہ معطوف اور معطوف علیہ کے اول میں ہے عطف کیلئے ہونے سے

حرف العطف اذا تقدمتها اما اخرى نحو العدد اما زيد واما فرد ويجوز ان يتقدم اما على او نحو زيد اما كاتب او امي وام على تسمين متصلة وهي ما يسئل بها عن تعيين احد الامرين والسائل بها يعلم ثبوت احدهما مبهما بخلاف او واما فان السائل بها لا يعلم ثبوت احدهما اصلا وتستعمل بثلثة شرائط الاول ان يقع قبلها همزة نحو ازيد عندك ام عمرو والثاني ان يليها لفظ مثل ما يلي الهمزة اعني ان كان بعد الهمزة اسم فكذلك بعد ام كما مر وان كان بعد الهمزة فعل فكذلك بعدها نحو اقام زيد ام قعد فلا يقال ارايت زيدا ام عمرا والثالث ان يكون احد الامرين المستويين محققا وانما يكون الاستفهام عن التعيين فلذلك يجب ان يكون جواب ام بالتعيين دون نعم ولا وفاذا قيل ازيد عندك ام عمرو فجوابه بتعيين احدهما اما اذا سئل باو واما فجوابه نعم او لا ومنقطعة

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۸) اما اول میں اس غرض سے لاتے ہیں تاکہ اول امر میں معلوم ہو جاوے کہ یہ کلام شک پر مبنی ہے واو جو دوسرے اما کے ساتھ لگا ہوا ہے یہ اما ثانیہ کو اما اولیٰ پر عطف کرنے کے واسطے ہوتا ہے یا واو اور اما دونوں ایک حرف کے مثل ہو گئے ہیں دونوں سے مابعد کو ماقبل پر عطف کیا جا رہا ہے لیکن اندلسی کے اس قول کو چند وجوہ سے بار دقرار دیا گیا ہے معلومات میں جو بات مذکور ہیں ۱۲ **قولہ اما اخری الخ** حاصل کلام یہ ہے کہ اما کے ذریعہ سے عطف اسی وقت کرنا درست ہوتا ہے جبکہ معطوف علیہ کے اول میں ایک اما زائد کر دیا جاتا ہے غرض یہ کہ معطوف علیہ کے اول میں اما کا لانا واجب ہوتا ہے بخلاف جب او سے عطف کریں تو معطوف علیہ کے اول میں اما لانا واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ جائز ہوتا ہے لیکن اما لانا کاتب او امی بدون بھی درست ہوگا اور کاتب او امی بولنا بھی درست ہوگا لیکن اول افصح ہے ۱۲ **قولہ وام الخ** یہاں سے وام کے معنی کی تحقیق اور ام اور اما اور او کے درمیان جو فرق ہے اس کو شروع کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ ام کی دو قسمیں ہیں ایک متصلہ اور دوسرا منقطعہ ام متصلہ کے ذریعہ سے دو امر طلب میں سے ایک کی تعیین سے سوال کیا جاتا ہے ایسی حالت میں کہ سائل جانتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا ثبوت ہے یعنی دو امروں میں سے کسی ایک امر کی جو لا علی التعیین ثابت ہے تعیین طلب کی جائے بخلاف او اور اما کے کہ ان کے ذریعہ سے بھی دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کے ثبوت سے سوال ہوتا ہے لیکن سائل سوال کے وقت یہ نہیں جانتا ہے کہ دو امروں میں سے لا علی التعیین کون سا ثابت ہے جیسے مثلاً جب کہا جاوے کہ ازید عندک ام عمرو تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ زید اور عمرو میں سے ایک کا وجود مخاطب کے پاس ہے لیکن متکلم تعین نہیں کر سکتا ہے مخاطب سے تعیین کرنا چاہتا ہے اور جب کہا جاوے ازید عندک او عمرو یا کہا جاوے اما زید عندک واما عمرو تو مقصود یہ ہے کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کوئی ساتھ تیرے پاس ہے یا نہیں انمیں سے ہونے اور نہ ہونے کو دریافت کرتا ہے وجود کے بعد طلب تعیین سے سوال نہیں ہے ۱۲ **قولہ تستعمل بثلثۃ شرائط الخ** مصنف کہتے ہیں کہ ام متصلہ کا استعمال تین شرطوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جب تین شرطیں پائی جائیں گی تو ام متصلہ کا استعمال درست ہوگا ورنہ درست نہیں ہوگا جس میں پہلی شرط یہ ہے کہ ام متصلہ سے پہلے ہمزہ استفہامی ہو نہ بل کیونکہ ہمزہ استفہام میں غرض ہے بخلاف بل کے کہ وہ کبھی قد بھی آتا ہے لیکن ہمزہ استفہام میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے ازید عندک ام عمرو خواہ تقدیری ہو جیسے صدری بها افضی ام البیدر اے صدری اور جیسے لعمری ما ادری وان کنت دریا بسبع رمیت الجمار بثمان اے السبع بخلاف او اور اما کہ ان سے پہلے ہمزہ کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے دوسری شرط یہ ہے کہ ام کے ساتھ اول تم کا ہمزہ کے ساتھ اسم لگا ہوا ہو تو ام کے ساتھ بھی اسم لگا ہوا ہو جیسے ازید عندک ام عمرو اور اگر ہمزہ کے ساتھ فعل متصل ہو تو ام کے بھی ساتھ فعل متصل ہو اسم کا اتصال درست نہ ہوگا اقام زید ام قعد بخلاف او اور اما کے کہ ان دونوں میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس قسم کا لفظ ہمزہ سے ملا ہوا ہو اسی قسم کا لفظ او اور اما کے ساتھ ملا ہوا ہو لہذا ام میں جب یہ ضروری ہے کہ جس قسم کا لفظ ہمزہ سے ملا ہوا ہو اس قسم کا لفظ ام سے بھی ملا ہوا ہو لہذا ضروری ہوا کہ ارایت زیداً ام عمرو لانا غلط ہو کیونکہ جس قسم کا کلمہ ہمزہ کیساتھ متصل ہے اسی طرح کلام کے متصل نہیں ہے چنانچہ ہمزہ کے ساتھ فعل متصل ہے اور ام کے ہم سے متصل ہے تیسری شرط یہ ہے کہ متکلم کے نزدیک دونوں امروں میں سے کوئی ایک یقینی طور سے ثابت ہو استفہام فقط دونوں میں سے ایک کی تعیین کیساتھ ہو رہا ہے تو چونکہ متکلم کے نزدیک دونوں میں سے کوئی ثابت ہوتا ہے تو سوال میں تعیین مطلوب ہوتی ہے جیسے مثلاً کہا کہ ازید عندک ام عمرو پس مثال مذکور میں بعد ثبوت اس امر کے کہ مخاطب کے پاس زید اور عمرو میں سے لا علی التعیین ایک ہے متکلم تعیین چاہتا ہے کہ وہ زید ہے یا عمرو تو چونکہ سوال ایک معین کے ثبوت سے ہے اسی وجہ سے ام کا جواب احد الامرین کی تعیین سے ہوگا یعنی سوال مذکور کے جواب میں ایک معین کہنا ہوگا نعم اور لا کے ساتھ جواب دینا غلط ہوگا مثلاً جواب میں کہا جاویگا زید عندنا یا عمرو بخلاف جبکہ او یا اما سے سوال کیا جاوے تو جواب میں نعم یا لا کہنا درست ہوگا کیونکہ مطلوب سوال سے احد الامرین کا ثبوت بلا تعیین کے ہوتا ہے مثلاً کہا کہ اجارک زید او عمرو یا اما اجارک زید واما عمرو تو جواب میں لا یا نعم کہدیا تو درست ہوگا ۱۲

وهي ما تكون بمعنى بل مع الهمزة كما اذا رأيت شبحاً من بعيد قلت انها لإبل على سبيل القطع ثم حصل لك شك انها شاة فقلت ام هي شاة تقصد الاعراض عن الاخبار الاول والاستيناف بسؤال آخر معناه بل أهي شاة واعلم ان ام المنقطعة لا تستعمل الا في الخبر كما مرّ وفي الاستفهام نحو اعندك زيد ام عمرو سألت اولاً عن حصول زيد ثم اضربت عن السؤال الاول واخذت في السؤال عن حصول عمرو ولا وبل ولكن جميعها لثبوت الحكم لاحد الامرين معيناً اما لا فلنفي ما وجب للاول عن الثاني نحو جاءني زيد لا عمرو وبل للاضراب عن الاول والاثبات للثاني نحو جاءني زيد بل عمرو ومعناه بل جاءني عمرو وما جاء بكر بل خالد معناه بل ما جاء خالد ولكن للاستدراك ويلزمها النفي قبلها نحو ما جاءني زيد لكن عمرو جاء او بعدها نحو قام بكر لكن خالد لم يقم **فصل**

قولہ ومنقطعۃ وہی ما تکون بمعنی بل الخ دوسری قسم کلام منقطع ہے اور یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنے میں ہوتا ہے یعنی پہلے کلام سے اعراض ہوتا ہے اور دوسرے کلام میں شک ہوتا ہے اور یہ معنی ام کے اکثر ہے کبھی محض اضراب کیلئے آتا ہے جبکہ ام کا مابعد مقطوع ہو یعنی امر یقینی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ام انا خیر من ہذا الذی ہو مہین یہاں پر استفہام کے کچھ معنے نہیں ہے ایسے ہی جب ام کا مابعد استفہام پر شامل ہوتا ہے تو اب ام اضراب کیلئے ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ام ہل تستوی الظلمات والنور غرضیکہ ام اکثر بل اور ہمزہ کے معنی میں آتا ہے جیسے مثلاً ایک شئی کو دور سے دیکھا اور اس کو اونٹ سمجھ کر یقین سے کہدیا کہ انہا لابل یعنی بیشک وہ صورت البتہ اونٹ ہے پھر شک ہوگیا اور خیال ہوا کہ وہ صورت بکری کی ہے اور اونٹ کی نہیں تو اس شک کے بعد پہلے کلام انہا لابل سے اعراض کرکے کہتا ہے ام ہی شاۃ تو ام ہی شاۃ کلام سے میرا مقصد پہلے کلام سے اعراض ہے اور دوسرے کلام سے سوال کی ابتدا ہے لہذا ام ہی شاۃ کے معنے بل ہی مشاۃ ام شئی آخر یعنی بلکہ بکری ہے یا دوسری چیز ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ انہا لابل ام ہی شاۃ میں عطف الانشاء علی الاخبار ہے اور اس کے عطف کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے جواب یہ ام ہی شاۃ استفہام مستانف ہے اس وجہ سے انشاء کا عطف اخبار پر لازم نہیں آئیگا لیکن اس جواب میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ یہ ام منقطعہ حروف عطف سے نہ ہو بلکہ یہ حرف استیناف ہوگا حالانکہ اس کو حروف عطف سے شمار کر رہے ہیں لہذا بہتر جواب یہ ہے کہ کہا جاوے کہ انشاء کا عطف اخبار پر مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ جبکہ اخبار اور انشاء دونوں قصہ کے تاویل میں ہو جاویں تو پھر عطف جائز ہو جاویگا خاص کر مقام اعراب میں یہاں پر ایسا ہی ہے ۱۲ **قولہ اعلم ان ام المنقطعۃ الخ** ام منقطعہ کے استعمال کا دو صورتیں ہیں کبھی بعد استفہام کے واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثال مذکور میں اور کبھی بعد استفہام کے واقع ہوتا ہے جیسے ازید عندک ام عمرو اس میں اولاً زید کے حصول سے سوال کیا ہے پھر اول سوال سے اعراض کرکے عمرو کی موجودیت سے سوال شروع کر دیا ہے ۱۲ **قولہ اولاً الخ** اولاً سالت کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی سالت زماناً سابقاً وقتاً ماضیاً عن حصول زید ۱۲ **قولہ ولا وبل ولکن الخ** یہ تینوں ایسے حروف عطف ہیں جو کہ یہ معطوف اور معطوف علیہ میں سے کسی ایک کی طرف بعد تعیین کے نسبت حکم کرتے ہیں لیکن ان میں سے لا ثانی اسی شے کی نفی کے واسطے آتا ہے جس کو اول کیلئے ثابت کیا ہے جیسے جاءنی زید لا عمرو پس لا عاطفہ سے اس جگہ معطوف سے اس حکم کی نفی کرے کہ جو معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے اس امر کا فائدہ دیگر مذکور معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے اور بل ان میں سے اضراب اور ثانی کے واسطے ثابت کرنے کیلئے آتا ہے یعنی معطوف علیہ سے اعراض ہوتا ہے اور حکم معطوف کیلئے ثابت ہوتا ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو یعنی میرے پاس زید آیا پھر اس سے اعراض کرکے کہا نہیں بلکہ عمرو آیا پس ظاہر ہے کہ اس جگہ تعیین کے ساتھ حکم معطوف کیلئے ہے اور معطوف علیہ حکم میں مسکوت عنہ کیلئے ہے مگر یہ حال اس وقت ہے کہ جب کہ بل کلام مثبت میں واقع ہو اور اگر کلام منفی میں واقع ہو جیسے ما جاءنی زید بل عمرو تو اس میں اختلاف ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بل کلام منفی میں حکم منفی کو معطوف علیہ سے معطوف کی طرف پھیر دیتا ہے چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک مثال مذکور کے یہ معنی ہیں ما جاءنی زید بل جاءنی عمرو پس اس وقت حکم منفی مرتبہ معطوف کیلئے ہے اور معطوف علیہ حکم میں مسکوت عنہ کیلئے ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بل معطوف علیہ سے معطوف کی طرف اس حکم کو پھیرتا ہے جو کہ معطوف علیہ سے منفی ہے چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک مثال مذکور کے یہ معنی ہے کہ ما جاءنی زید بل عمرو جاءنی پس اس وقت بھی حکم معطوف کیلئے ہوا اور معطوف علیہ یا تو مسکوت عنہ کے درجہ میں ہے یا معطوف کیلئے ہے جو حکم ثابت کیا گیا ہے وہ معطوف علیہ سے منفی ہے ۱۲ **قولہ ولکن للاستدراک الخ** لکن استدراک یعنی دفع وہم سابق کیلئے آتا ہے جیسے ما قام زید لکن عمرو جاء اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لکن کو نفی لازم ہے برابر ہے کہ وہ نفی لکن سے پہلے ہو یا اس کے بعد پھر لکن میں دو صورتیں ہیں یا اس سے جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا جیسے جاءنی زید لکن عمرو فقد جاء اور یا مفرد کا مفرد پر جب لکن کو نفی لازم ہے تو اب لکن کے ذریعہ معطوف علیہ میں سے ایک کے لیے تعیین کے ساتھ حکم ہونا ظاہر ہے ۱۲

حروف التنبیہ ثلثۃ الا واما وھا وضعت لتنبیہ المخاطب لئلا یفوتہ شئ من الکلام فالا واما لا یدخلان الا علی الجملۃ الاسمیۃ کانت نحو قولہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وقول الشاعر شعر

اما وَالَّذِیْ اَبْکٰی وَاَضْحَکَ وَالَّذِیْ اَمَاتَ وَاَحْیٰی وَالَّذِیْ اَمْرُہُ الْاَمْرُ

او فعلیۃ نحو اما لا تفعل والا لا تضرب والثالث ھا تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ نحو ھا زیدٌ قائمٌ والمفرد نحو ھذا او ھؤلاء **فصل** حروف النداء خمسۃ یا وایا وھیا وای والھمزۃ المفتوحۃ فای والھمزۃ للقریب وایا وھیا للبعید ویا لھما وللمتوسط وقد مر احکام المنادی **فصل** حروف الایجاب ستۃ

قولہ حروف التنبیہ الخ تنبیہ کے معنے بیدار کرنا کسی چیز پر خبردار کرنا حروف تنبیہ تین ہیں الا اما یا یہ حروف جملہ کے سر پر آتے ہیں تاکہ مخاطب اس کلام کے کسی جزء سے بھی غفلت نہ کرے جس کو متکلم اس کی طرف القاء کر رہا ہے اسی وجہ سے ان کا نام حروف تنبیہ رکھا ہے اور چونکہ غرض مذکور پر دلالت کرنے کی وجہ سے شروع میں آتے ہیں اس وجہ سے ان کا نام حروف استفتاح بھی رکھا جاتا ہے ان میں سے الا فتح ہمزہ اور تخفیف لام کیساتھ ہے اور ان میں سے اما فتح ہمزہ تخفیف میم کیساتھ ہے اور اس میں چند لغت ہیں (۱) ہما ہمزہ کو ہا سے بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۲) عما ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۳) ہم ہمزہ کو ہا سے بدلنے اور الف کو حذف کرنے کے ساتھ (۴) عم ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو گرا دینے کے ساتھ (۵) فقط الف کو گرانے کے ساتھ ۱۲ **قولہ وضعت الخ** یعنی حروف تنبیہ کا وضع اس غرض سے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ سے مخاطب کو متنبہ کر دیا جائے تاکہ اس سے کلام کا کوئی حصہ فوت نہ جائے ۱۲ **قولہ فالا واما الخ** یعنی ان میں سے الا اور اما دونوں جملہ پر ہی فقط داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے قولہ تعالیٰ الا انہم ہم المفسدون کو کہ انہم یہ جملہ اسمیہ ہے اسی کے اوّل میں الا حرف تنبیہ لایا گیا ہے ایسے ہی اسی شعر میں اما والذی ابکی الخ یہ شعر ابو الفتح بزی کا ہے اسی میں اما حرف تنبیہ ہے اور واؤ قسمیہ الذی ابکی یہ مقسم بہ ہے اور اضحک کا ابکی پر عطف ہے اور والذی امات واحیٰ اور والذی امرہ الامر دونوں کا عطف الذی سابق پر ہے جواب قسم اگلے شعر میں ہے ایکا رو دنا اضحاک ہنسنا اماتہ مارنا احیاء زندہ کرنا امرہ ہمیشہ حکم اس شعر میں حرف تنبیہ جملہ اسمیہ پر داخل ہے اور جس طرح جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں فعلیہ پر بھی داخل ہوتے ہیں جیسے اما لا تفعل خبردار مت کر والا تضرب خبردار مت مار ۱۲ شعر کا ترجمہ یہ ہے (آگاہ قسم ہے اس ذات کی جو رلاتا ہے اور ہنساتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کا حکم حکم ہے ۱۲ **قولہ والثالث الخ** یعنی تیسرا حرف تنبیہ ہا ہے اس کا دخول جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے اور مفرد پر مصنف کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہا تنبیہ پر مفرد داخل ہوتی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس فن کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہائے تنبیہ تمام مفردات میں صرف اسم اشارہ پر داخل ہوتی ہے زمخشری نے عرب کا جو قول ذہاب زیدٌ منطلق وہا انا فعل کذا نقل کیا ہے اسکے متعلق رضی کہتا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ جس کے مشاہدہ پر مجھ کو خبرداری نہیں ہے جاننا چاہئے کہ کبھی ہا اور اسم اشارہ کے درمیان فصل کرتے ہیں اور یہ اکثر با قسم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ہا واللہ یا ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ جیسے ہا انتم اولاء اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اسم اشارہ اور اس کے درمیان فصل بطور قلت کے پایا جاتا ہے جیسے ہا ان تاعذرت قبلت اور خلیل کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امثلہ میں ہا را اسم اشارہ کے ساتھ متصل ہے یعنی قیاس یہ تھا کہ اللہ ہذا وانتم ہولاء وان تاعذرۃ کہا جاتا لہذا ان سب جگہ فصل شاذ کے درجہ میں ہے ۱۲ **قولہ حروف النداء الخ** الندا بالمد وبالقصر بمعنی آواز دینا مصدر نادیٰ کا ہے اور معنی اصطلاحی پہلے گذر چکے ہیں کہ پانچ حروف ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے ان میں سے ایا وھیا بعید کے واسطے ہیں خواہ حقیقۃً بعید ہو خواہ حکماً جیسے ہیا ہی قائم تحیر آیا اور ہیا بعید کے واسطے اسی وجہ سے مخصوص ہیں کہ بعید کو آواز دینے کو آواز کو اونچا کرنا ضروری ہے اور حروف کی زیادتی اور مد سے ہو سکتا ہے اور یہ ایا اور ہیا میں پایا جاتا ہے اور میں نہیں ہے اس وجہ سے یہ دونوں بعید کے واسطے ہیں اور ای اور ہمزہ میں حروف کی زیادتی بھی نہیں ہے اور مد بھی نہیں ہے اس وجہ سے یہ دونوں قریب کیلئے ہو گئے ہیں اور یا میں مد نہیں ہے اگرچہ زیادتی حرف اس میں نہیں ہے اس وجہ سے یہ قریب اور بعید دونوں کیلئے ہے اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہمزہ اقرب کیلئے ہے اور ای قریب کے لیے ۱۲ **قولہ ویا لھما الخ** یعنی ایا بعید اور قریب اور متوسط سب کیلئے آتا ہے جاننا چاہیے کہ یا جس طرح معنی کے اعتبار سے عام ہے اسی طرح موارد استعمال کے اعتبار سے بھی عام ہے چنانچہ حروف ندا میں سے مذکور نفی ہوتی ہے اور محذوف اور حرف ندا میں سے . . . . . اور کوئی حرف محذوف نہیں ہوتا ہے اور اسم اللہ کی بھی ندا یا کے ساتھ کی جاتی ہے اور زجر اور استغاثہ میں بھی حروف ندا سے فقط یا ہی مستعمل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ حروف الایجاب الخ** ایجاب کے معنے جواب دینا اور ثابت کرنا ہے لیکن یہ حروف جواب دینے اور تصدیق اور اثبات اور تحقیق کے واسطے آتے ہیں اسی وجہ سے ان کو حروف ایجاب کہا جاتا ہے نیز ان کا نام حروف تصدیق بھی ہے ایجاب سے مراد یہاں پر مقابل نفی نہیں ہے یہاں پر جواب دینا ہے خواہ ماسبق کی تقریر کے ساتھ ہو خواہ نفی سابق کے اثبات کے ساتھ ہو ۱۲

نعم وبلیٰ واجل وجیر وان وای اما نعم فلتقریر کلام سابق مثبتاً کان او منفیاً نحو اجاء زید قلت نعم واما جاء زید قلت نعم وبلیٰ تختص بایجاب ما نفی استفهاماً کقوله تعالیٰ الست بربکم قالوا بلیٰ او خبراً کما یقال لم یقم زید قلت بلیٰ ای قد قام وای للاثبات بعد الاستفهام ویلزمها القسم کما اذا قیل هل کان کذا قلت ای واللہ واجل وجیر وان لتصدیق الخبر کما اذا قیل جاء زید قلت اجل او جیر او ان ای اصدقک فی هذا الخبر فصل حروف الزیادة سبعة ان وان وما ولا ومن والباء واللام فان تزاد مع ما النافیة نحو ما ان زید قائم

قولہ اما نعم الخ اس میں چار لغت ہیں لا، نون اور عین کا فتح اور یہ اس میں مشہور لغت ہے (۲) نون کا فتح اور عین کا کسرہ (۳) نون کا کسرہ اور عین کا کسرہ (۴) نحم یعنی عین مفتوحہ حاء حطی سے بدل لیتے ہیں غرض کہ مصنف یہاں سے حروف ایجاب کی تفصیل شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ نعم مضمون سابق کی تقدیر کیلئے آتا ہے اگر کلام سابق مثبت ہے تو مثبت کی تقریر کریگا جیسے کوئی شخص اقام زید کہے اور اس کے جواب میں نعم کہا جاوے مطلب یہ ہوگا نعم قام زید اور اگر کلام سابق منفی ہے تو منفی کو ثابت کریگا مثلاً کسی شخص نے کہا ما جاء زید اس کے جواب میں کہا نعم تو مطلب یہ ہوگا کہ یہاں زید کیلئے بھی ثابت نہیں ہے یعنی ہاں زید نہیں آیا ۱۲ **قولہ بلیٰ الخ** بلیٰ ایجاب نفی کے ساتھ مختص ہے یہاں تک کہ کلام منفی کے جواب میں آتا ہے اور اس کو مثبت کر دیتا ہے خواہ نفی استفہام کے ساتھ ہو جیسے قولہ تعالیٰ الیس اللہ بکاف عبدہ کے جواب میں بلیٰ کہیں اے بلیٰ اللہ بکاف عبدہ یعنی ہاں اللہ بندے کو کافی ہے یا بدوں استفہام کے ہو جیسے کسی نے لم یرکب زید کہا اور اس کے جواب میں بلیٰ کہیں تو مطلب ہوا بلیٰ رکب زید آیت کریمہ الست بربکم میں نفی استفہام کیساتھ ہے لہذا اس کے جواب میں جو بلیٰ کہا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کہ بلیٰ انت ربنا ۱۲ **قولہ ای** تیسرا حرف ایجاب ہے یہ استفہام کے بعد ایجاب کیواسطے آتا ہے بعض کہتے ہیں کہ خبر کی تصدیق کیلئے بھی آتا ہے اور ابن مالک کہتا ہے کہ ای بھی نعم ہے اسکا یہ قول ابن حاجب اور مصنف کے قول کے مخالف ہے اور قسم اسکو لازم ہے یعنی اسکا استعمال قسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور فعل قسم معہ اسکے بعد ذکر نہیں کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے ہل کان کذا یعنی کیا ایسا تھا تو جواب میں ای واللہ کہتے ہیں یعنی ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی تھا اور ای اقسمت واللہ نہیں بولا جاتا ہے البتہ کبھی حرف قسم کو حذف کر دیتے ہیں اور اسوقت مقسم بر کو نصب دیتے ہیں اور یوں بولتے ہیں اے واللہ ذا اگر حرف تنبیہ مقسم بر کے اول میں لائیں تو پھر مقسم بہ کو جر بھی دیتے ہیں اور یوں بولتے ہیں ای باللہ کیونکہ اس وقت حرف تنبیہ حرف جار سے چاہئے کہ اگر با تنبیہ ای کے بعد نہ لاویں اور نہ حرف قسم تو پھر ای میں تین صورتیں ہیں ایک یا کا حذف کرنا التقاء ساکنین کی وجہ سے دوسرے یا کا فتحہ تاکہ اجتماع ساکنین دور ہو جاوے اور فتح خفت کی وجہ سے دیتے ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ اجتماع ساکنین کو باقی رکھتے ہیں تاکہ حرف ایجاب کی حفاظت ہے اگرچہ اجتماع ساکنین مکروہ ہے کیونکہ دو کلموں میں لازم آیا ہے مگر ان دونوں کلموں کو بمنزلہ ایک کلمہ قرار دے دیا ہے اس وجہ سے یہ اجتماع ساکنین علیحدہ کے مشابہ ہو گیا نیز جاننا چاہئے کہ ای کے ساتھ جو قسم لائی جاتی ہے اس میں مقسم بہ ہمیشہ لفظ اللہ ہی لایا جاتا ہے ۱۲ **قولہ اجل وجیر وان الخ** یہ خبر دینے والے میں کی تصدیق کیلئے آتے ہیں اور استفہام کرنے والے کی تصدیق کے واسطے یہ نہیں آتے ہیں مثلاً جب کسی نے کہا جاء زید اور تم نے جواب میں اجل کہدیا یا جیر یا ان تو تم نے اس خبر کے قائل کی تصدیق کی اور گویا کہ تم نے اصدقک فی ہذا الخبر کہا اور بعض کہتے ہیں کہ اجل نعم کے مانند ہے اور ان بعض میں سے اخفش بھی ہے چنانچہ یہ کہتا ہے کہ نعم استخبار میں احسن ہے اور جیر خبر میں اور بعض کہتے ہیں کہ عرب کے نزدیک جیر ایسا قسم ہے بولتے ہیں جیر لا فعلن کذا یعنی حقا لا فعلن کذا یعنی جیر بمعنی حقا ہے بعض کہتے ہیں جب اس پر تنوین داخل ہو جاتی ہے تو دخول تنوین کے بعد یہ اعتراف اور اقرار کیواسطے آتا ہے اور کبھی ان تصدیق دعا کیلئے بھی آیا ہے چنانچہ ابن زبیرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے ایک چیز کا سوال کیا اور ابن زبیرؓ نے اسکو وہ چیز نہ دی تو اعرابی نے کہا لعن اللہ ناقۃ حملتنی الیک تو اسوقت اسکے جواب میں ابن زبیرؓ نے ان ورا کہا کہا یعنی اللہ اونٹنی پر بھی لعنت کرے اور اس کے راکب پر بھی دیکھو ابن زبیرؓ کے قول میں جو اعرابی کے جواب میں واقع ہے ان تصدیق دعا کیلئے آیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان تصدیق دعا کیواسطے بھی آتا ہے ۱۲ **قولہ حروف الزیادۃ الخ** مصنف حروف ایجاب کے بیان سے فراغت کے بعد حروف زیادہ کو بیان کرتا ہے حروف زیادہ سات ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہیں چونکہ یہ حروف مذکورہ فی الکتاب کبھی کلام میں زائد آتے ہیں یعنی جب یہ چاہتے ہیں کہ کلام میں کسی حرف کو زائد لاویں تو ان حروف میں سے لاتے ہیں اسی وجہ سے یہ اس نام کیساتھ موسوم ہو گئے ہیں اور حروف زیادہ کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ زائد ہوتے ہیں اور ان حروف زیادہ کا نام حروف صلہ بھی ہے اور ان کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اصل معنے ان کے ذکر کے بغیر مختل نہیں ہوتے ہیں اور ان کے زیادہ ہونیکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ذکر میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ کلام عرب میں انکے واسطے فائدے لفظی اور معنوی دونوں ہیں فائدہ معنوی معنی کی تاکید ہے اور فائدہ لفظی لفظ کی فصاحت اور تحسین اور وزن شعر کی استقامت اور سجع وغیرہ فوائد ہیں اگر یہ حروف دونوں قسم کے فائدوں سے خالی ہوں تو پھر کلام میں ان کا لانا بے فائدہ ہوگا اور وہ کلام فصاحت سے خارج ہو جائیگا ۱۲ **قولہ فان الخ** اس میں فان تفصیل کی ہے اب یہاں سے مصنف حروف زیادۃ کی تفصیل بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ ان بکسرہ الہمزۃ وسکون النون اکثر ما نافیہ کے ساتھ زائد آتا ہے جیسے ما ان زید قائم (بقیہ بر صفحہ ۱۷۳)

ومع ما المصدرية نحو انتظرما ان يجلس الامير ومع لما نحو لما ان جلست جلست وان تزاد مع لما كقوله تعالى فلما ان جاء البشير وبين لو والقسم المتقدم عليها نحو والله ان لو قمت قمت وما تزاد مع اذا ومتى واى وانى اوين وان شرطيات كما تقول اذا ما صمت صمت وكذا البواقى وبعد بعض حروف الجر نحو قوله تعالى فبما رحمة من الله وعما قليل ليصبحن نادمين ومما خطيئتهم اغرقوا فادخلوا نارا وزيد صديقى كما ان عمرا اخى ولا تزاد مع الواو وبعد النفى نحو ما جاءنى زيد ولا عمرو وبعد ان المصدرية نحو قوله تعالى ما منعك ان لا تسجد قبل القسم كقوله تعالى لا اقسم بهذا البلد بمعنى اقسم واما من الباء واللام فقد مر ذكرها فى حروف الجر فلا نعيدها

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) اور حضرت حسانؓ کے اس شعر میں ما ان مدحت محمدا بمقالتی لکن مدحت مقالتی بمحمد اور بعض کہتے ہیں کہ ان نافیہ پر ما داخل ہو گئی ہے تاکید نفی کی غرض سے ان کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نحوی دو حرف اصلی کے اجتماع کو ایک معنی کے واسطے مکروہ قرار دیتے ہیں چنانچہ اسوجہ سے ان لزید قائم اور یا الرجل جائز نہیں ہے ۱۲ **قولہ ومع ما المصدریہ الخ** جانتا چاہیے کہ جس طرح ان مامصدریہ کیساتھ زائد آتا ہے اسی طرح ما اسمیہ کے ساتھ بھی زیادہ آتا ہے جیسے قولہ تعالی ولقد مکنا ہم فیما ان مکنا کم فیہ اور وہ الا جو تنبیہ کے لیے آتا ہے اس کے ساتھ بھی زیادہ آتی ہے جیسے الا ان قام زید ۱۲ **قولہ وان الخ** یعنی ان بفتح الہمزہ وسکون النون جاننا چاہیے کہ ان مفتوحہ کی زیادتی لما کیساتھ کثیر ہے اور ان بکسر الہمزۃ کی زیادتی لما ماضیہ کے ساتھ کثیر نہیں ہے بلکہ کمی کیساتھ زیادہ ہوتا ہے ضمار میں کہا ہے کہ ان مفتوحہ کی زیادتی لما کا صلہ ہے اور کبھی ان زائد آتا ہے جیسے قولہ تعالی وما لہم ان الا یعذبہم اللہ اس میں ان زائد ہے ضمار والے نے اس ان کو جو کہ لما کے بعد آتا ہے زائد کے مقابل ٹھیرا دیا ہے اس ٹھیرانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وبین لو والقسم المتقدم الخ** یعنے ان مفتوحہ لو اور اس قسم کے درمیان بھی زائد آتا ہے جو لو سے پہلے ہوتی ہے اور اسطرح پر زائد اکثر ہے جیسے واللہ ان لو قمت قمت ان میں ان قسم اور لو کے درمیان زائد ہے فائدہ جاننا چاہیے کہ ان کان تشبیہ کے ساتھ بھی زائد آتا ہے لیکن کمی کے ساتھ جیسا کہ اس شعر میں ویوما توافینا بوجہ مقسم کان ظبیۃ تعطو الی ناظر السلم اس شعر میں ان کا زائد ہونا اس تقدیر پر ہے جبکہ ظبیۃ مجرور روایت کیا جاتا ہے اور ظبیۃ کے رفع کی تقدیر پر ان زائد نہ ہوگا بلکہ اسوقت کان ان مشددہ کا مخفف کیا ہوا ہوگا اے کانہا ظبیۃ ۱۲ **قولہ شرطیات الخ** یہ حال ہے اذ ما وغیرہ سے یعنی ما کا زائد ہونا ان کلمات کے بعد جب ہوگا جبکہ یہ کلمات شرطیہ ہوں یعنی ادوات شرطیہ ہوں اور اگر یہ کلمات ادوات شرط نہ ہوں تو پھر ان کے بعد ما کی زیادتی نہیں کی جاتی ہے ۱۲ **قولہ وکذا البواقی الخ** یعنی اذا کے علاوہ اور باقی ان ادوات کی مثالیں اسی طرح ہے جس طرح اذا کی لہذا باقی کی مثالیں ہیں متی ما تخرج اخرج ان ما تضرب اضرب قولہ تعالی ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی اینما تجلس اجلس اور قولہ تعالی لما ترین اما تدعن بک واما تخافن جاننا چاہیے کہ اما کے نقل میں نون تاکید کا اکثر نا ضروری ہے کیونکہ جب حرف سے بیان تاکید مقصود ہے تو فعل میں تاکید زیادہ بہتر ہوگا اور بلا نون تاکید کے فعل اما کے ساتھ کم آتا ہے جیسے اما تقسم اقسم ۱۲ **قولہ وبعد بعض حروف الجر الخ** مصنفؒ کی اس عبارت کا عطف مع ظاہر ہے یعنی یا کا زیادتی حروف جر کے بعد بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشلانی الکتاب سے ظاہر ہے لیکن سب حروف جر کے بعد زیادہ نہیں ہوتی ہے بلکہ بعض حروف جر کے بعد نہ زیادہ ہوتی ہے یعنی باء عن من وک کے بعد زیادہ ہوتی ہے اور ایسے ہی غلت کے طور پر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان زیادہ آتی ہے جیسے قولہ تعالی مثل ما انکم تنطقون میں مثل مضاف کے بعد ما زائد ہے اور جیسے غضبت من غیر ما جرم اس مثال میں کلمہ ما زائد ہے اور کلمہ غیر جرم کی طرف مضاف ہے اے غضبت من غیر جرم بعض کہتے ہیں کہ ما حروف جر اور مضاف کے بعد نکرہ مجرور ہوتا ہے اور مائے کے بعد جو مجرور ہوتا ہے اور وہ ما سے بدلا ہوتا ہے ۱۲ **قولہ ولا تزاد مع الواو الخ** یعنے کلمہ لا واو کے ساتھ بعد نفی کے زائد ہوتا ہے مما یرہ کہ نفی لفظاً ہو جیسے لم یقل زید ولا عمرو یا معنیً ہو جیسے قولہ تعالی غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہ یہاں لفظ غیر معنے میں نفی کے ہے اور اس کے بعد لا زائد ہے نیز لا ان مصدریہ کے بعد بھی زائد ہوتا ہے جیسے قولہ تعالی ما منعک ان لا تسجد اگر ان لا تسجد اور لفظ اقسم سے پہلے بھی لا زائد ہوتا ہے مگر قلت کے ساتھ جیسے لا اقسم بہذا البلد مگر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لا کا زائد ہونا بے شاذ ہے جیسے قول شاعر فی بیر لا حور وما شعر میں لا زائد ہے باقی رہے حروف زیادت میں سے من اور با اور لام سو ان کا ذکر حروف جر کی بحث میں گذر چکا ہے ۱۲ **قولہ فلا نعیدہا الخ** چونکہ من با اور لام کی زیادہ بہت ہے اور کان کی زیادہ کم اسوجہ سے مصنفؒ نے کان کی زیادۃ کو بیان نہیں کیا اور ما کاف اور حیثما اذا ما اگرچہ حروف زوائد میں سے ہیں لیکن چونکہ اس ما کی تاثیر کلام میں ملی ہے یعنی جس چیز کے ساتھ لاحق ہوتی ہے اس کو اس کے مقتضیٰ سے روکتی ہے جیسا کہ حروف مشبہ بالفعل کو ما کافہ عمل سے روکتی ہے اور حیث اور اذا کو اضافت سے روک دیتا ہے اسوجہ سے مصنفؒ نے ان کو حروف زیادۃ سے نہیں شمار کیا ہے ۱۲

فصل حروف التفسیر ای وان فای کقولہ تعالیٰ واسئل القریۃ ای اھل القریۃ کانک تفسرہ اھل القریۃ وان انما یفسر بہا فعل بمعنی القول کقولہ تعالیٰ ونادیناہ ان یا ابراھیم فلا یقال قلت لہ ان اکتب اذ ھو لفظ القول لا معناہ فصل حروف المصدر ثلثۃ ما وان وان فالاولیان للجملۃ الفعلیۃ کقولہ تعالیٰ وضاقت علیھم الارض بما رحبت ای برحبھا وقول الشاعر شعر:۔ یسر المرء ما ذھب اللیالی ؛ وکان ذھابھن لہ ذھابا ۔ وان نحو قولہ تعالیٰ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا ای قولھم وان للجملۃ الاسمیۃ نحو علمت انک قائم ای قیامک

قولہ حروف التفسیر الخ یعنی وہ حروف جو تفسیر مبہم کیلئے وضع کئے گئے ہیں دو ہیں ای آن انہیں سے ای ہر مبہم کی تفسیر کرتا ہے برابر ہے کہ وہ جملہ ہو یا مفرد مفرد کی مثال شتمک ہاری ای عمرو اور جملہ کی مثال جیسے قتل زید عمرو ای ضربہ شدیدا باقی کلمہ ان وہ ہمیشہ اس فعل کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے جو بمعنے قول ہو پھر وہ مفعول جس کی یہ تفسیر کرتا ہے اکثر مقدر ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ونادیناہ ان یا ابراہیم کہ یہاں پر ندا بمعنے قول ہے اور ان یا ابراہیم ای مفعول مقدر کی تفسیر ہے ای ناديناه بلفظ ہو اور کبھی عام ملفوظ مفعول کی تفسیر کرتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وادعینا الیہ ان اقترفیہ اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر فعل ایسا ہو کہ جو قول کے معنی میں نہیں تو اب دو صورتیں ہیں یا صریح قول ہے یا اور کوئی فعل ہے جو قول کے معنی میں نہیں تو دونوں صورتوں میں ان سے اس کے مفعول مقدر یا ملفوظ کی تفسیر نہ کیجائیگی لہذا قلت ان اکتب بولنا غلط ہوگا اور قولہ تعالیٰ ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ میں ان سے امر کی تفسیر کی جارہی ہے اور قول کی تفسیر نہیں کی جارہی ہے جاننا چاہیے کہ ان مفسرہ کا ما بعد ما قبل سے مربوط نہیں ہوتا بلکہ کلام اس کے بغیر پورا ہو جاتا ہے مبہم مقدر کی تفسیر کی غرض سے اسی کو لایا جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قولہ تعالیٰ وآخر دعواہم ان الحمد للہ رب العٰلمین میں ان مفسرہ نہیں ہے کیونکہ ان الحمد الخ مبتدا مقدم کی خبر ہے ۱۲ قولہ حروف المصدر الخ اس میں اضافت ادنیٰ ملابستہ کی وجہ سے ہے یہ حروف جملہ کو مصدر کے حکم میں کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کو حروف مصدریہ کہا جاتا ہے یہ حروف مصدریہ تین ہیں بعض نے ان پر کے اور لو کو بھی زائد کیا ہے اور وہ تین ما وان وان ہیں ان میں سے اول کے دو یعنی ما اور ان صرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو مصدر کے معنے میں کر دیتے ہیں جیسے بما رحبت میں ما برحبہا کے بمعنی کر رہی ہے ایسے ہی شاعر کے قول یسر المرء ما ذھب اللیالی کے اندر ما ذھب اللیالی جملہ کو فعل کے معنی میں کر رہی ہے اور للان قالوا کو قولہم کے معنے میں کر رہا ہے لیکن یہ دونوں اسی جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں جس میں فعل متصرف ہو اور امر نہی نہ ہو کیونکہ اگر ان مشددہ اور ما اور کے صلہ میں بھی ان کا آنا درست ہوتا اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے ابو علی اور سیبویہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور ما مصدری اپنے صلہ سمیت مصدر کے حکم میں ہو کر ظروف زمان کی نائب ہوتی ہے اور اس وقت اس کا صلہ اکثر فعل ماضی مثبت ہوتا ہے یا منفی بلم لیکن ہر دونوں کے معنے مستقبل کے ہوتے ہیں اور ایک قول پر اس کا صلہ فعل مضارع ہوتا ہے اور کے اس وقت حرف مصدری ہوتا ہے جبکہ اس پر تعیین کا لام ہو اور لو اس وقت ہوتا ہے جبکہ اسکے بعد ایسا فعل واقع ہو جس سے تمنی کے معنی مفہوم ہوتے ہوں ۱۲ قولہ یسر المرء الخ یسر فعل مضارع معروف مسرت بمعنے شاد کرنا سے اور المرء نصر سے آتا ہے اور اس کا مفعول المرء ہے اور ما مصدریہ مع اپنے صلہ کے مصدر کے حکم میں ہو کر فاعل یسر کا ہے اور ذہب بروزن فتح ذہاب بالفتح بمعنے جانا اور گذرنا سے ماخوذ ہے اور لیالی لیل کی جمع ذہب کا فاعل اور جملہ وکان ذھابھن لہ ذھابا بتقدیر مرقد حال المرء سے ہے اور لیالی سے بھی بنا سکتے ہیں اس شعر کا ترجمہ فارسی تا معنی الفاظ سے کرتا ہے ؎ شب و روز در عیش و عشرت گذاری ؛ تو غافل بخبی صورت گذاری ۱۲ قولہ ان للجملۃ الاسمیۃ الخ یعنی ان جملہ اسمیہ ہی پر داخل ہو کر اس کو مصدر کی تاویل میں کرتا ہے اسی طرح پر کہ خبر کا مصدر نکال کر اس کے اسم کی طرف اضافت کر دی جائے جیسے علمت انک قائم اے قیامک یہ اس وقت ہے جبکہ خبر مشتقات سے ہو ورنہ تو خبر کو مصدر کے معنی میں لیں گے الخ ممکن ہو جیسے اعجبنی ان زیدا اخوک اے اخوۃ زید لک اور اگر مصدر کے معنے میں خبر کا کرنا ممکن نہ ہو تو کون مقدر کر لیا جاوے گا جیسے قولہ تعالیٰ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام اے لو ثبت کون ما فی الارض جاننا چاہیے کہ سیبویہ کا مذہب حروف مصدری میں یہ ہے کہ ما اور ان جملہ فعلیہ ہی پر داخل ہوتے ہیں اور ان جملہ اسمیہ پر ہی فقط اور سیبویہ کے علاوہ اور لوگ کہتے ہیں کہ ما مصدریہ کے بعد جملہ اسمیہ لانا بھی جائز ہے نیز جاننا چاہیے کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ ان کا اختصاص اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ مشتقل ہے اور مخفف نہیں اور اس کے ساتھ ما کافہ نہیں ملی ہے اور جب اس میں تخفیف کر لی جاتی ہے یا ما کافہ اس کے ساتھ ملا دی جاتی ہے تو پھر جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

فصل حروف التحضيض اربعة هلّا والّا ولولا ولوما لها صدر الكلام ومعناها حض على الفعل ان دخلت على المضارع نحو هلّا تاكل ولوما ان دخلت على الماضي نحو هلّا ضربت زيدًا وحينئذٍ لا تكون تحضيضًا الّا باعتبار ما فات ولا تدخل الا على الفعل كما مرّ وان وقع بعدها اسمٌ فباضمار فعل كما تقول لمن ضرب قومًا هلا زيدًا اى هلّا ضربت زيدًا وجميعها مركبة جزؤها الثانى حرف النفى والاوّل حرف الشرط او الاستفهام او حرف المصدر ولولا معنًى آخر هو امتناع الجملة الثانية لوجود الجملة الاولى نحو لولا على لهلك عمر وحينئذٍ يحتاج الى جملتين اولهما اسمية ابدًا فصل حرف التوقع قد وهى فى الماضى لتقريب الماضى الى الحال نحو قد ركب الامير اى قبيل هذا ولاجل ذلك سمّيت حرف التقريب ايضًا ولهذا تلزم الماضى ليصلح ان يقع حالا وقد تجئ للتاكيد اذا كان جوابا لمن يسئل هل قام زيد تقول قد قام زيد

قولہ حروف التحضیض الخ تحضیض کے معنے لغت میں ابھارنا اور آمادہ کرنا ہے چونکہ یہ حروف فعل کے کرنے پر ابھارتے اور آمادہ کرنے کیلئے آتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف تحضیض کہا جاتا ہے یہ چار حروف ہلّا اور الّا اور لولا اور لوما یہ کلام کی صدارت کو مقتضی ہیں کیونکہ یہ کلام کی قسموں میں سے ایک قسم پر دلالت کرتے ہیں اسی وجہ سے انکا شروع میں آنا ضروری ہے تاکہ اول امر میں معلوم ہو جاوے کہ فلاں قسم کا کلام ہے ان کا دخول فعل مضارع پر بھی ہوتا ہے اور فعل ماضی پر بھی جب انکا دخول فعل مضارع پر ہوتا ہے تو ان کے معنے حض یعنی فعل کرنے کیلئے برانگیختہ کرنے کے ہیں ہلا تضرب یعنی تو کیوں نہیں مارتا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حروف متکلم کی طلب پر دلالت کریں گے مخاطب سے تو اسصورت میں مضارع امر کے حکم میں ہوگا لہذا لہا تاکل کے معنے کل یعنی کھا تو ہونگے اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتے ہیں تو لوم یعنی گذشتہ فعل پر ندامت کا فائدہ دیتے ہیں جیسے ہلا ضربت اسی وجہ سے یہاں پر کہا گیا کہ ان حروف کا نام حروف تحضیض تندیم ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ انجام تقدیم کا بھی حض ہے اسوجہ سے ان کا نام حروف تحضیض کہدیا ہے بیان بالا سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان حروف تحضیض کا دخول فعل پر ہی ہوگا کیونکہ تحضیض اور حث کا تعلق فعل سے ہوتا ہے لیکن اس میں تعمیم ہے کہ خواہ فعل لفظی ہو جیسا کہ مثلہ مذکورہ میں اور خواہ تقدیری ہو جیسا کہ مصنف اپنی عبارت دان وقع بعدہا اسم فباضمار فعل سے بیان کرتا ہے رضی نے کہا ہے کہ جب ہلا کے بعد ظرف ہو تو اس فعل کے ساتھ منصوب ہوگا جو اس ظرف کے بعد واقع ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب نہ ہوگا چونکہ ظروف میں توسع ہے جیسے مثلاً ہلا یوم الجمعۃ زرتنی یوم الجمعۃ اس میں زرتنی کی وجہ سے منصوب ہے اور ضرورت کی بنا پر اسکے بعد جملہ اسمیہ بھی آیا ہے جیسا کہ اس شعر یقولون لیلی ارسلت بشفاعۃ = الیّ فقلّا نفس لیلی شفیعہا ہلا جملہ اسمیہ داخل ہے ۱۲ قولہ ولولا معنًی آخر الخ مصنف کہتا ہے کہ لولا کے واسطے معنے تحضیض کے سوا ایک اور معنی ہے اور وہ جملہ ثانیہ کا امتناع جملہ اولی کے وجود کی بنا پر جیسے لولا علی لہلک عمر اصل میں لولا علی موجود لہلک عمر تھا لولا تحضیضیہ اور اس لولا میں فرق ہے کہ لولا تحضیضیہ میں کلام ایک جملہ پر پورا ہو جاتا ہے مثلاً لولا ضربت زیدًا اور اس میں ایک جملہ نہ ملایا جاوے جیسے لولا علی اس پر کلام تام نہیں بلکہ جب لہلک عمر کو اس کے ساتھ ملایا جاوے کلام تام ہوگا غرضیکہ جب لولا کے یہ معنی ہوئے تو اس وقت لولا دو جملوں کی طرف محتاج ہوتا ہے کبھی پہلا جملہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے اور جملہ ثانیہ کا اسمیہ اور فعلیہ ہونا دونوں درست ہے یہ بصریین کا مذہب ہے لہذا اس کے نزدیک لولا کے بعد جو اسم ہوتا ہے اس کو مبتدا قرار دیتے ہیں اور خبر محذوف مانتے ہیں بخلاف کسائی کے کہ وہ کہتا ہے کہ جو اسم لولا کے بعد واقع ہوتا ہے وہ فعل مقدر کیلئے فاعل ہے تو اس کے مذہب پر پہلا جملہ اسمیہ نہیں ہوتا اور فراء کہتا ہے کہ بخود لولا ہی اس اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے جو اس کے بعد واقع ہوتا ہے ۱۲ قولہ حرف التوقع الخ توقع بمعنے امید دلانا جو تا اس حرف قد کو حرف توقع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو متوقع اخبار ہے اسکو اس سے خبر دی جاتی ہے اس کا دوسرا نام حرف تقریب ہے چونکہ یہ ماضی پر داخل ہو کر اسی کو زمانہ حال کی طرف قریب کرتا ہے اسی وجہ سے یہ ہے کہ جو ماضی حال ہو اس پر قد کا آنا لازم قرار دیا گیا خواہ لفظاً خواہ تقدیراً تاکہ وہ ماضی حال ہونے کے قابل ہو جاوے کیونکہ جب ماضی کو حال بنا دینگے تو اس کا زمانہ زمانہ عامل سے سابق ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے زید رکب الدابۃ اسمیں رکوب مجئ پر مقدم ہے حالانکہ زمانہ حال اور زمانہ عامل حال کا اقتران ضروری ہے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس پر ایسا قد داخل کر دیا جائے جو اس کو حال کی طرف قریب کر کے زمانہ عامل کی طرف قریب کر دے اور پھر معنی کی مقارنت ہو جاوے اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ جس ماضی پر قد داخل نہیں ہو سکتا ہے اس کا حال ہونا بھی درست نہیں ہے چنانچہ قدمات الشیخ یا قد ولد فی یوم کذا اور قد قال فلان الیوم وقد قال رسول اللہ بولنا درست نہیں ہے کیونکہ تقریب نہیں پائی جاتی ہے ۱۲ قولہ قد تجئ للتاکید الخ اور کبھی قد محض تاکید کیلئے آتا ہے اور معنی تقریب سے خالی ہوتا ہے جبکہ ماضی جس پر قد داخل ہوا ہے کسی سوال کے جواب میں واقع ہو رہی ہو مثلاً کوئی سوال کرے کہ ہل قام زید تم اس کے جواب میں قد قام زید تحقیق زید کھڑا ہے کہدو ۱۲

وفی المضارع للتقلیل نحو ان الکذوب قد یصدق و ان الجواد قد یبخل و قد تجیئ للتحقیق کقولہ تعالی قد یعلم اللہ المعوقین و یجوز الفصل بینہما و بین الفعل بالقسم نحو قد واللہ احسنت و قد یحذف الفعل بعد قد عند القرینۃ کقول الشاعر شعر :- اقد الترحل غیر ان رکابنا ؛ لما تزل برحالنا و کان قد ۔ ای و کان قد زالت فصل حرفا الاستفہام الہمزۃ و ہل لہما صدر الکلام و قد یدخلان علی الجملۃ اسمیۃ کانت نحو ازید قائم او فعلیۃ نحو ہل قام زید و دخولہما علی الفعلیۃ اکثر اذ لاستفہام بالفعل اولی و قد تدخل الہمزۃ فی مواضع لا یجوز دخول ہل فیہا نحو ازیدا ضربت و اتضرب زیدا و ہو اخوک و ازید عندک ام عمرو

قولہ فی المضارع الخ اس کا عطف فی الماضی پر ہے حاصل یہ ہے کہ مضارع پر قد داخل ہو کر تقلیل یعنی فعل کے کبھی ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور مقام مدح میں تکثیر یعنی فعل کے ہمیشہ ہونے یا زیادہ ہونے کو بیان کرتا ہے جیسے قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا اور مضارع میں کبھی تحقیق کے واسطے بھی آجاتا ہے معنے تقلیل سے خالی ہو کر جیسے قولہ تعالی قد یعلم اللہ المعوقین میں قد تحقیق کیلئے ہے لیکن قد جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ مضارع نواصب و جوازم و حروف تنفیس یعنے سین و سوف سے خالی ہو اور اگر مضارع پر نواصب یا جوازم یا سین و سوف داخل ہوگا تو پھر مضارع پر قد داخل نہ ہوگا ۱۲ قولہ اقد الترحل الخ یہ شعر نابغہ ذبیانی بضم ذال معجمہ و کسرہ اس کا نام زیاد بن معاویہ ہے یہ شعر جس طرح اس امر کے استدلال میں لایا جاتا ہے کہ قد کے بعد فعل کو حذف کر دیتے ہیں اسی طرح اس سے اس پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ حرف پر تنوین ترنم داخل ہوتی ہے اسی شعر میں کان قدن اصل میں قد زالت تھا زالت کو ترفیہ کے بناء پر حذف کر دیا کیونکہ ماقبل اس پر دال ہے اقد بہمزہ مع بعض نزدیک ہمزہ البعض روایت میں الف ہے یعنی اسکے بھی قریب ہوا کے ہیں الترحل لوحۃ کرنا اقد کا فاعل اور غیر مبعی الاکلب بالکسر یعنے وہ اونٹ جو پر سفر کیا جاوے یہ بابعنے مجیئ ہے اسکا واحد نہیں ہے یا بعض اسی کا واحد راحلہ من غیر لفظ کہتے ہیں یہ لان کا اسم ہے اور لما حرف نفی جو لازم فعل مضارع سے ہے تنزل اصل میں تنزول تھا لم یقل کا طرح اس میں سے واؤ گر گیا یعنے زالت الخیل پر کیا تھا یعنے گھوڑے اپنے اپنے سواروں کو لیکر چلے گئے اور انہوں نے کوچ کیا ما تزل برحالنا جملہ ان کی خبر ہے رحال رحل کی جمع ہے بمعنی پالان کان کا ان کا مخفف ہے اس کا اسم ضمیر واحد مؤنث محذوف ہے جو رکاب کی جانب راجع ہے اور قد زالت جو ہے تو جملہ کوچ قریب ہو گئی مگر تحقیق ہماری سواری کے اونٹ ہمیشہ ہمارے کجاووں کے ساتھ رہے یعنے انہوں نے کوچ نہیں کیا گویا شان یہ ہے کہ وہ سواریاں عنقریب زائل ہو جائیں گی یعنی وہ کوچ کرینگی اسلئے کہ ہمارا کوچ کرنے کا پختہ ارادہ ہے ۱۲

قولہ لہما صدر الکلام الخ یعنی چونکہ حروف استفہام بھی کلام کی ایک نوع پر دال ہیں یعنی کلام استفہامی پر اس وجہ سے ان کا بھی صدر کلام میں آنا ضروری ہے تاکہ اول وہلہ میں معلوم ہو جائے کہ کلام فلاں قسم کا ہے اسی وجہ سے اعلا ماقبل انکے مابعد میں عامل نہیں ہوتا اور نہ ان کا مابعد ان کے ماقبل میں عامل ہوتا ہے ۱۲ قولہ قد یدخلان الخ یعنی ہمزہ اور ہل دونوں قسم کے جملوں پر داخل ہوتے ہیں جیسے ازید قائم اور اقام زید مثال اول جملہ اسمیہ پر ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کا ہے اور مثال ثانی جملہ فعلیہ پر ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کی ہے اور جس طرح پر ہمزہ استفہام دونوں قسم کے جملوں اسمیہ اور فعلیہ پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ہل بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے جیسے ہل زید قائم اور ہل قائم زید لیکن فرق یہ ہے کہ ہمزہ تو ہر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے خواہ خبر اس میں فعل ہو یا اسم اور ہل اس جملہ اسمیہ کے داخل ہوتا ہے کہ جسمیں خبر فعل نہ ہو اور وجہ یہ ہے کہ اصل میں یہ ہے کہ وہ معنے میں قد کے ہے اور قد لوازم فعل میں سے ہے پس جب ہل اپنے مابعد جملہ میں فعل کو دیکھیگا تو یہ چاہیے کہ فعل کے متصل ہو لہذا یہ نہ ہوگا کہ فعل کے ہوتے ہوئے اسم پر داخل ہو ۱۲ قولہ و قد تدخل الہمزۃ الخ یہاں سے مصنف نے ہمزہ اور ہل کے مابین فرق کو بیان کیا اور کہا کہ کلام کے چند مقامات ایسے ہیں کہ وہاں ہمزہ کا استعمال درست ہوتا ہے اور ہل ان مواضع میں نہیں آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہمزہ استعمال میں ہل سے اعم ہے ۱۲ قولہ ازیدا ضربت الخ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ استفہام ایسے اسم پر داخل ہو جاتا ہے جس کے بعد فعل ہو اور ہل کا دخول جائز نہیں ہے لہذا زیداً ضربت بولنا درست ہے اور ہل زیداً ضربت بولنا درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ ہل اصل میں یعنے قد ہے اور قد فعل کیلئے مختص ہے جیسا کہ قولہ تعالی ہل اتی علی الانسان اسے قد اتی جبکہ ہل اپنے مابعد فعل پائیگا تو ہل بعد سابق کو یاد کریگا اور اسکی طرف مائل ہوگا اور غیر کے ساتھ منفصل نہیں ہوگا اور جبکہ اپنے مابعد میں نہیں پائیگا تو اپنی اصل سے غافل ہو کر اسم پر داخل ہو جاویگا لہذا ہل زیداً ضربت بولنا درست نہ ہوگا جس طرح قد زید خرج قد زیداً ضربت بولنا درست نہیں خلاف ہل زید قائم بولنا درست ہے چونکہ یہاں فصل نہیں ہے ۱۲ قولہ اتضرب زیداً و ہو اخوک الخ یہ دوسرا موضع ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس کلام سے استفہام انکاری مراد ہو وہاں ہمزہ آئیگا اور ہل نہیں آئیگا کیونکہ اس صورت میں در حقیقت مستفہم عنہ محذوف ہوتا ہے اسلئے کہ اتضرب زیداً و ہو اخوک کا اصل اتری مضرب و ہو اخوک ہے اور ہمزہ استفہام میں اصل ہے اور ہل اسکی فرع ہے اس وجہ سے ہمزہ کے بعد تو حذف جائز ہوگا اور ہل کے بعد جائز نہ ہوگا اسی وجہ سے ہل تضرب زیداً و ہو اخوک بولنا درست نہ ہوگا ۱۲ قولہ ازید عندک ام عمرو الخ یہ تیسرا موضع ہے جہاں ہمزہ کا استعمال درست ہے اور ہل کا درست نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ام متصلہ کے مقابل ہمزہ ہو سکتا ہے اور ہل نہیں آسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں استفہام دو امروں میں سے ایک مقصود ہوتا ہے لہذا اسمیں مستفہم عنہ متعدد ہو گئے لہذا ہمزہ چونکہ اقری اور اصل ہے اس وجہ سے اس کا استعمال ام متصلہ کے مقابل میں ایسی اور انسب ہوگا بخلاف ہل کے کہ اس کا استعمال مناسب نہیں ہوگا بلکہ اس کا استعمال ام منقطعہ کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ منقطعہ اضراب کے واسطے آتا ہے اسمیں مستفہم عنہ متعدد نہیں ہوتے بلکہ پہلے سوال سے اضراب اور دوسرے سوال کی طرف ہل مقدر ہے مع ہمزہ استیناف ہوگا ۱۲

واومن کان وامن کان واثم اذا ما وقع ولا تستعمل هل فی هذه المواضع وهٰهنا بحث فصل حروف الشرط ان ۵ لو واما لها صدر الکلام ویدخل کل واحد منها علی الجملتین اسمیتین کانتا او فعلیتین او مختلفتین فان للاستقبال وان دخلت علی الماضی نحو ان زرتنی اکرمتك ولو للماضی وان دخلت علی المضارع نحو لو تزورنی اکرمتك ویلزمها الفعل لفظاً کما مر او تقدیراً نحو ان انت زائری فاذا اکرمك واعلم ان ان لا تستعمل الا فی الامور المشکوکة فلا یقال ایتك ان طلعت الشمس بل یقال ایتك اذا طلعت الشمس ولو تدل علی نفی الجملة الثانیة بسبب نفی الجملة الاولی کقوله تعالی لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا واذا وقع القسم فی اول الکلام وتقدم علی الشرط یجب ان یکون الفعل الذی تدخل علیه حرف الشرط ماضیاً لفظاً نحو والله ان اتیتنی لاکرمتك او معنیً نحو والله ان لم تأتنی لاهجرنك وحینئذٍ تکون الجملة الثانیة فی اللفظ جواباً للقسم لا جزاءً للشرط فلذلك وجب فیها ما وجب فی جواب القسم من اللام ونحوها

قولہ او من کان وامن کان الخ یہ جو ضامقام ہے جس میں ہمزہ کا استعمال جائز ہے نہ ہل کا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کا حروف عاطفہ پر آسکتا ہے اور ہل نہیں آسکتا ہے کیونکہ ہمزہ استفہام ہل سے اولی ہے اور اسی وجہ سے کہ ہمزہ ہل سے اخصر ہے اس وجہ سے ہمزہ اس مقام میں استعمال میں الیق ہوگا ۱۲ قولہ وہٰہنا بحث الخ مصنف کہتا ہے کہ اس مقام میں ایک بیان ہے جس سے ہل کا اختصاص بعض مواضع میں ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ ہمزہ کا آنا درست نہیں ہے (۱) حروف عاطفہ کے پہلے آسکتے ہیں ہمزہ سے پہلے نہیں آسکتے جیسے فہل انتم شاکرون فہل یہلك الا القوم الفاسقون (۲) ہل کے بعد ہل آتا ہے ہمزہ نہیں آتا ہے (۳) اثبات میں نفی کے واسطے ہل آتا ہے ہمزہ نہیں آتا ہے جیسے ہل ثوب الکفار لما یثوبون (۴) ہل نفی کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ قصد ایجاب کی وجہ سے اس کے بعد الا آتا ہے اور ہمزہ نفی کا فائدہ نہیں دیتا ہے جیسے ہل جزاء الاحسان الا الاحسان (۵) جس جملہ پر ہل داخل ہوتا ہے اس کی خبر پر بار زیادہ آتی ہے اور ہمزہ نہیں آتا ہے ان مقامات سے ہل کا عموم مفہوم ہوتا ہے ۱۲ قولہ اسمیتین الخ یعنی حروف شرط دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں خواہ دونوں اسمیہ ہوں خواہ دونوں فعلیہ یا خواہ کوئی سا ایک اسمیہ اور کوئی سا ایک فعلیہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اور لو کی شرط جملہ اسمیہ ہو سکتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ ان دونوں کا دخول ہمیشہ دو جملے فعلیوں پر ہوتا ہے دو جملے اسمیوں پر نہیں ہوتا ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ اسمیہ سے مراد یہاں اعم ہے چاہے حقیقۃً اسمیہ ہو خواہ بحسب الظاہر اسمیہ ہو اور حقیقت میں فعلیہ جیسے ان احد من المشرکین استجارك ولو انتم تعلمون ان دونوں جملوں میں جملہ اسمیہ ظاہری ہے حقیقت میں فعلیہ ہے لہذا اب مصنف پر اعتراض نہیں ہے ۱۲ قولہ فان للاستقبال الخ یعنی ان استقبال کے واسطے آتا ہے اگرچہ ماضی پر داخل ہوا بھی وجہ سے اسکے قول ان اکرمتنی الیوم فقد اکرمتك اسکے معنے یہ ہیں کہ اگر آج تو میرا اکرام کریگا تو میں نے اکرام کرنیکے بعد میرا خیر دینا اس امر کے ساتھ درست ہوگا کہ میں کل گذشتہ تیرا اکرام کیا ۱۲ قولہ ولو للماضی الخ یعنی لو ماضی کیواسطے اگرچہ مضارع پر داخل ہو قرآن کا مذہب اس میں یہ ہے کہ لو کان کے ساتھ مستقبل میں مستعمل ہوتا ہے یہ اگرچہ کم ہے لیکن ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے جیسے قولہ علیہ السلام اطلبوا العلم ولو بالصین اور لو کان اور بغیر کان بھی مستقبل میں مستعمل ہوتا ہے یعنی بمعنے ان آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وللامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم اور ان ناصبہ کے معنے میں بھی آتا ہے جیسے قولہ والوزن یومئذ الحق ۱۲ قولہ ویلزمہا الفعل الخ یعنی ان اور لو کو فعل لازم ہے برابر ہے کہ فعل لفظاً ہو جیسا کہ گذرا یا تقدیراً جیسے قولہ تعالیٰ ولو انتم تملکون اے لو تملکون انتم اور جیسے قولہ تعالیٰ وان احد من المشرکین استجارك اے وان استجارك احد من المشرکین قولہ واعلم ان ان الخ یعنی ان کا استعمال فقط ایسے امور میں ہوتا ہے جن کے وجود اور عدم میں شک ہو اسی وجہ سے آیتکہ ان طلعت الشمس پلنا درست نہ ہوگا کیونکہ طلوع شمس امور یقینیہ سے ہے بخلاف اذا کے کہ اسکا استعمال امور یقینیہ میں ہوتا ہے لہذا آیتك اذا طلعت الشمس بولنا درست ہے ۱۲ قولہ ولو تدل الخ یعنی لو کی دلالت دوسرے جملہ کی نفی کے سبب سے ہے جیسے لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اس میں لو انتفاء فساد پر دلالت کرتا ہے تعدد آلہہ کے انتفاء کے سبب سے اس معنی کو لو کا استعمال بہت زیادہ ہے کبھی یہ ثانی جملہ کے اثبات کے واسطے آتا ہے پہلے جملہ کے ہونے اور نہ ہونے کی تقدیر پر جیسے نعم العبد صہیب لم یخف اللہ ای لم یعص یعنی صہیب اچھا بندہ ہے اگر اللہ کی نافرمانی نہ کرے اسمیں نفی عصیان نفی خوف کیلئے لازم ہے جس طرح وجود حذف کے لئے لازم ہے اور جیسے لو آتیتنی لاکرمتك یعنی میرا اکرام تمہارے لیے ثابت ہے خواہ تو میرا اکرام کرے یا میری اہانت کرے ۱۲ قولہ اذا وقع القسم فی اول الکلام الخ یعنی جب ابتدائے کلام میں قسم شرط سے پہلے واقع ہو تو شرط کو ماضی لفظاً ہونا لازم ہے برابر ہے کہ ماضی لفظاً ہو یا معنیً تاکہ شرط مذکور عدم عمل حرف شرط میں جواب قسم کے مطابق ہو (الحاصل) جس شرط نے چونکہ جواب میں لفظاً ہو اس لئے کہ جواب قسم ہونیکے عمل کیا لہذا شرط کو حتمیہ فعلیہ ماضی لائیں گے تاکہ اسمیں حرف شرط عمل نہ کرے اور وہ عدم عمل حرف شرط میں جواب کے موافق ہو جائے ۱۲ قولہ حینئذ تکون الجملۃ الخ یعنی وہ جواب کہ قسم اور شرط کے بعد واقع ہے لفظوں میں جواب قسم ہے شرط اور قسم دونوں کا جواب نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواب شرط ہونیکے اعتبار سے غیر مجزوم ہو اور یہ بھی ایک شے کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا باطل ہے باقی رہا سکا جواب تو سو وہ شرط اور قسم دونوں کا جواب ہے قسم کا اسی حیثیت سے کہ قسم اس پر واقع ہے اور شرط کا اسی حیثیت سے کہ وہ مشروط ہے ۱۲

كما رأيت في المثالين اما ان وقع القسم في وسط الكلام جاز ان يعتبر القسم بان يكون الجواب له نحو ان اتيتني والله لاتيتك و جاز ان يلغى نحو ان تاتني والله تاتك و اما التفصيل فاذكر مجملا نحو الناس سعيد وشقي اما الذين سعدوا ففي الجنة و اما الذين شقوا ففي النار ويجب في جوابها الفاء ان يكون الاول سببا للثاني وان يحذف فعلها مع ان الشرط لابد له من فعل و ذلك ليكون تنبيها على ان المقصود بها حكم الاسم الواقع بعدها نحو اما زيد فمنطلق تقديره مهما يكن من شيء فزيد منطلق فحذف الفعل والجار والمجرور واقيم اما مقام

قولہ اما ان وقع القسم الخ یعنی قسم ابتداء کلام میں نہ آئے بلکہ شرط یا غیر شرط کے مقدم ہونیکے سبب درمیان کلام میں مذکور ہو تو اسوقت دونوں امر جائز ہیں یہ کہ شرط کا اعتبار کیا جائے اور جواب کو جزاء کہا جائے اور یہ کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور جواب کو جواب قسم کہا جائے ۱۲ اور بوجہ حصر وضبط کے اس طرح بیان کیا جائے کہ قسم اول کلام میں ہوگی یا وسط میں یا آخر میں اگر اول میں ہو تو اس کا اعتبار واجب ہوتا ہے خواہ اسکے بعد شرط ہو یا نہ اول کی مثال واللہ ان آتیتنی لاتیتک ثانی کی مثال واللہ ان آتیتک اور اگر وسط میں ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو شرط قسم پر مقدم ہے یا نہیں اول پر شرط کا اعتبار ضروری ہے اور قسم کا اعتبار اور الغاء دونوں جائز ہیں خواہ شرط پر طالب جزء مقدم ہو جیسے انا ان آتیتنی آتک فی اللہ لاتیتک اور انا ان آتیتنی واللہ آتک اول میں قسم کا اعتبار کیا اور ثانی میں نہیں یا طالب جزء شرط سے مقدم نہ ہو جیسے ان آتیتنی فواللہ لاتیتک آتک اور ان آتیتنی واللہ آتک اول میں قسم کا اعتبار کیا ہے اور ثانی میں نہیں اور شرط کا چاروں مثالوں میں اعتبار کیا ہے اور اگر شرط قسم سے مقدم نہیں ہے تو صورت میں یا شرط قسم کے بعد ہے یا نہیں اگر ہے تو قسم کا اعتبار کرنا اور شرط کو لغو کرنا اور شرط کا اعتبار کرنا قسم کا لغو کرنا دونوں درست ہے لہذا انا واللہ ان آتیتنی آتیتک کہ اسمیں قسم کا اعتبار کیا ہے اور شرط کو لغو اور انا واللہ ان آتیتنی آتک (کہ اسمیں قسم لغو قرار دیکر شرط کا اعتبار کیا ہے) کہیں گے اور اگر قسم کے بعد کوئی جملہ ہو اور مفرد نہ ہو تو اعتبار قسم اور الغاء قسم دونوں جائز ہے لہذا واللہ لاتیتک اور انا واللہ آتک دونوں بولنا درست ہوگا اور اگر قسم کے بعد مفرد ہے تو قسم کا الغاء واجب ہے جیسے ان واللہ قائم اور اگر تیسری صورت یعنی قسم کلام ہے متاخر ہو تو اسی تقدیر پر الغاء قسم واجب ہے جیسے انا قائم واللہ اور ان آتیتنی آتک واللہ **قولہ واما الخ** بفتح ہمزہ وتشدید میم اور کبھی ثقل کی وجہ سے میم اول کو یاء سے بدلتے ہیں اور ایما کہتے ہیں اور یہ حرف شرط وتفصیل وتاکید کے واسطے آتا ہے **قولہ التفصیل الخ** یعنی اس چیز کی تفصیل کیلئے آتا ہے جسکو متکلم نے سابقاً بطریق اجمال ذکر کیا ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں جو کتاب میں مذکور ہے جانا چاہیے کہ اما کا تعدد لازم نہیں ہے جیسے قولہ تعالیٰ فاما الذین فی قلوبہم زیغ (الآیۃ) چنانچہ اس آیت میں دوسرا اما مذکور نہیں ہے چونکہ اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ والراسخون فی العلم اما الراسخون فی العلم کی تقدیر میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوسرا اما بالکل لازم نہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً اور اس امر کی صحت میں اسکطرح بولنا کہ اما انا فقد قلت ہذا سابقاً پر دلالت کرتا ہے اور کبھی اما اس امر کی تفصیل کیلئے آتا ہے جو ذہن متکلم میں مجمل ہو اور مخاطب کو بواسطہ قرائن معلوم ہو جاوے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ مجملاً میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو خواہ تقدیراً اول کی مثال جیسے لقیت اخوتک اما زیداً فاکرمتہ واما عمراً واما بکراً وثانی کی مثال جیسے اما زیداً فاکرمتہ واما عمراً فلا تاتنی جگہ یہ کلام اس مخاطب سے کریں کہ جو اپنے بھائیوں کی نسبت علم رکھتا ہے کہ وہ متکلم سے ملے ہیں پس اخوتک مقدر ہے اور یہاں مجمل تقدیراً مذکور ہے اور کبھی اما استیناف کیلئے آتا ہے بلا اس کے کہ اس کے پہلے اجمال ہو جیسے وہ اما جو کتابوں کے خطبوں میں واقع ہوتا ہے یعنی اما بعد انہ مصنف نے کہا ہے کہ اما کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے اور یہ اسی وقت ہے جبکہ اما کے بعد فا اور امر اور نہی ہو اور ان کے ماقبل منصوب ہو مفعول بہ ہو لہذا زید فعزت اور زید ضربتہ کے بولنا درست نہ ہوگا نیز ہوتا دیل تقدیر اما کی بعد میں کی جاتی ہے جو کہ اہل کتب میں واقع ہے غلط ہے اور عدم تدبر پر مبنی ہے ۱۲ **قولہ ویجب فی جوابہا الخ** اما کے جواب میں دو امر لازم ہے ایک جواب پر فاء کا داخل ہونا دوسرے اول کا ثانی کیواسطے سبب ہونا یہ دونوں امر اسوجہ سے لازم ہیں کہ یہ دونوں امر اس کے ملحقہ شرط ہونے کا حکم کریں گے ۱۲ **قولہ وان یحذف فعلہا الخ** اس کا عطف الفاء پر ہو رہا ہے یعنی اما جس فعل پر داخل ہوتی ہے اس کا حذف کرنا واجب ہے اور یہ وجوب حذف دو وجہ سے ہے ایک ثقل لفظی ہے اور ایک غرض معنوی ثقل لفظی تو اس وجہ سے کہ اما اصل میں تفصیل کے واسطے موضوع ہے اور تفصیل تکرار کو مقتضی ہے اور تکرار موجب ثقل ہے لہذا حصول تخفیف اور کثرت استعمال کی وجہ سے فعل کا حذف کرنا واجب ہو گیا اور غرض معنوی یہ ہے کہ نحاۃ کا ارادہ حذف فعل سے اس چیز کا لانا ہے جو حقیقت میں قصد متکلم کے اندر ملزوم ہے بجائے اس شرط کے جو کہ وہ کلام میں ملزوم ہے قصد متکلم میں بیان اس کا یہ ہے کہ اما زید فمنطلق کی اصل فیہا یکن من شیء فزید منطلق ہے یعنی اگر دینا میں جب کوئی چیز ہوئے گی تو وہ انطلاق زید پر ہوگا اور یہ وقوع انطلاق زید کا یقینی ہے کیونکہ حصول انطلاق زید دنیا میں چیز کے حصول کے ساتھ لازم ہو گیا ہے اور جب تک دنیا باقی ہے اس چیز کا وقوع ہونا ضروریات سے ہے اور جب کہ غرض کلی اس ملازمت سے شرط اور جزاء کے درمیان لزوم انطلاق زید کے واسطے ہے اور کلام میں یکن من شیء شرط ملزوم ہے تو قصد متکلم میں تو اس کو حذف کر دیا اور انطلاق کے ملزوم کو جو کہ متکلم کے قصد پر ہے یعنی زید کو اس کے بجائے لے آئے اور فاء کو مبتدا سے خبر کی جانب نقل کر دیا چونکہ فاء کے مابعد کو ماقبل کے واسطے سبب ہونا لازم ہے لہذا وہ غرض کلی جو کہ لزوم انطلاق زید کے واسطے ہے وہ حاصل ہو گئی یہ ہی مطلب ہے مصنف کی عبارت ذلک لیکون تنبیہا یعنی فعل کو اس وجہ سے حذف کرتے ہیں کہ اما کے ساتھ اس اسم پر حکم کرنا مقصود ہے جو اس کے بعد واقع ہے ۱۲ **قولہ فحذف الخ** یعنی پہلے فعل شرط یکن کو حذف کر دیا پھر جار مجرور یعنی من شیء کو حذف کر دیا اور فیہا کی جگہ میں اما کو رکھ دیا اب اما فزید منطلق ہو گیا اب حرف شرط فاء جزائیہ پر داخل ہے اس لیے حرف شرط اور فاء جزائیہ کے درمیان اس چیز کو لے آئے جو فاء کے تحت میں ہے۔ تاکہ بعد حذف فعل شرط کے علامت شرط اور علامت جزاء کا اجتماع بعد فصل لازم نہ آئے ۱۲

مہما حتی یفی اما فزید منطلق ولما لم یناسب دخول حرف الشرط علی فاء الجزاء نقلوا الفاء الی الجزاء الثانی ووضعوا الجزء الاول بین اما والفاء عوضا عن الفعل المحذوف ثم ذالک الجزء الاول ان کان صالحا للابتداء فہو مبتداء کما مرّ والا فعامل ما یکون بعد الفاء کاما یوم الجمعۃ فزید منطلق فمنطلق عامل فی یوم الجمعۃ علی الظرفیۃ **فصل** حرف الردع کلا وضعت لزجر المتکلم وردعہ عما یتکلم بہ کقولہ تعالی واما اذا ما ابتلہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اہانن کلا ای لا یتکلم بہذا فان لیس کذالک ہذا بعد الخبر وقد تجیئ بعد الامر ایضا کما اذا قیل لک اضرب زیدا فقلت کلا ای لا افعل ہذا قط وقد تجیئ بمعنی حقا کقولہ تعالی کلا سوف تعلمون وحینئذ تکون اسما مبنیا لکونہ مشابہا لکلا حرفا وقیل تکون حرفا ایضا بمعنی ان للتحقیق الجملۃ نحو کلا ان الانسان لیطغی بمعنی ان **فصل** تاء التانیث الساکنۃ

قولہ ثم ذلک الجزء الخ یعنی اگر مبتدا بننے کے قابل ہے تو مبتدا بنایا جاویگا اور نہیں تو اس کا عامل وہ ہوگا جو فاء کے بعد ہے خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ نحویوں میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ اسم جو اما کے بعد واقع ہوتا ہے کیا یہ اسکا جز ہے جو اس کے جواب میں ہے یا نہیں سیبویہ اس طرف گیا ہے کہ یہ اس کا جز ہے جو اس کے جواب کے تحت میں ہے خواہ وہ مرفوع ہو یا منصوب خواہ فاء کے بعد ایسا جز ہو جو تقدیم کو منع کر دیتا ہے خواہ ایسا جز نہ ہو اور یہی مصنف کے نزدیک مختار ہے اور ابو العباس مبرد اس طرف گیا ہے کہ یہ جواب کا جز نہیں ہے مطلقا خواہ ایسی چیز وہاں موجود تقدیم سے روکتی ہے خواہ ایسی چیز نہ ہو بلکہ فعل محذوف کا معمول ذکر ہوتا ہے خواہ مرفوع ہو یا منصوب لہذا اس مذہب پر امازید منطلق کی تقدیر ہوگی مہما اذکر زید فہو منطلق تیسرا مذہب اسمیں مازنی کا ہے اور وہ یہ کہ جز مذکور اگر جائز التقدیم ہو یعنی فاء جزائیہ کے علاوہ اس کی تقدیم سے کوئی اور مانع نہ ہو تو قسم اول سے ہے یعنی وہ چیز فا کا جز ہے جو فاء پر مقدم کیا گیا ہے اور اگر جز مذکور جائز التقدیم نہ ہو بلکہ سوائے فاء کے اس کی تقدیم سے کوئی مانع ہو تو وہ قسم ثانی سے ہے جیسے اما یوم الجمعۃ فانک مسافر پس اس مثال میں یوم الجمعۃ کی تقدیم سے علاوہ فاء کے ان کا حرف مشدد مانع ہے اس لئے کہ ما بعد ان کا اسکے ماقبل میں عامل نہیں ہو سکتا ہے لہذا جز مذکور فعل مذکور یعنی شرط کا معمول ہے ۱۲ قولہ اما یوم الجمعۃ الخ اما شرطیہ کی مثال ہے مذہب اول کی بنا پر اما یوم الجمعۃ فزید منطلق کی اصل مہما یکن من شیء فزید منطلق یوم الجمعۃ ہے لیکن شیء شرط کو حذف کر کے اما کو قائم مقام مہما کے کیا گیا ہے اور جزاء کے معمول یوم الجمعۃ کو اما اور فاء کے درمیان بعوض محذوف کے لائے اور مذہب ثانی پر اسکی اصل مہما یکن من شیء یوم الجمعۃ فزید منطلق ہے پس اس وقت یوم الجمعۃ شرط کا معمول ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے اور تیسرے مذہب پر وہ تقدیر ہے جو اول مذہب پر ہے چونکہ یہ جزاء جائز التقدیم ہے ۱۲ قولہ حرف الردع الخ ردع کے معنی زجر اور منع ہے چونکہ کلا زجر اور منع کیلئے موضوع ہے اس جہت سے کلا کو حرف ردع کہتے ہیں اور لفظ کلا میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ یہ لفظ بسیط ہے یا مرکب جمہور کے مذہب پر یہ لفظ بسیط ہے اور ابن یعیش کہتا ہے کہ کاف تشبیہ اور لا سے مرکب ہے اسکو تشبیہ سے خارج کرنیکے واسطے تشدید دیدی ہے ۱۲ قولہ وضعت لزجر الخ یعنی کلا متکلم کو جھڑکنے اور روکنے کیلئے موضوع ہے اس چیز سے جس کے ساتھ متکلم نے تکلم کیا ہے جیسے آیت کریمہ ہیں ربی اہانن کلا یعنی اسکے ساتھ تکلم مت کر کیونکہ امر ایسا نہیں ہے یہ معنی اسوقت ہے جبکہ یہ خبر کے بعد آوے اور کبھی اسی معنی میں امر کے بعد بھی آتا ہے جیسے اضرب زیدا فقلت کلا یعنی ایسا میں کبھی نہیں کرونگا اور کبھی یہ بمعنے حقا آتا ہے جیسے کلا سوف تعلمون اس سے مقصود جملہ کے معنی کی تحقیق ہوتی ہے جیسے ان سے ہوا کرتی ہے جاننا چاہیے کہ نحاۃ اس مقام میں مختلف ہیں سیبویہ اور اکثر نحاۃ اس پر ہیں کہ کلا بمعنے زجر اور زجر ہے اسکے اس معنی کے سوا اور کوئی معنے نہیں ہے اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ کلا ہمیشہ زجر اور ردع کیلئے موضوع نہیں ہے چنانچہ آیت کریمہ یوم یقوم الناس لرب العلمین میں کلا کے معنے ردع اور زجر کے نہیں ہے معنی کی تعیین میں ان کے اندر اختلاف ہو گیا بعض بمعنے حقا کہتے ہیں اور بعضے بمعنی الا اور نعم اس قول پر کلا ہر دو حروف ایجاب کے بمنزلہ ہے اور بعضے بمعنی سوف کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ کلا کے یہ سب معانی مجازی معانی ہیں مقام کی قرائن کی مدد سے ان معانی پر محمول ہوتا ہے لہذا ان لوگوں کا قول سیبویہ اور اکثر نحاۃ کے مذہب پر قادح نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کا وہ کلام اس کے حقیقی معنے کے اندر ہے ۱۲ قولہ حینئذ تکون اسما الخ جاننا چاہیے کہ نحاۃ کے درمیان اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ آیا کلا کہ جس وقت یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے اسم ہے یا حرف ہے نحویوں کی ایک جماعت اسی معنی پر اس کے اسم ہونے کی قائل ہے اب سوال ہوتا ہے کہ جبکہ یہ اسم ہے اور اسم میں اصل اعراب ہے تو یہ اسم معرب ہوگا تو مصنف کہتا ہے کہ اسم معرب نہیں ہے کیونکہ اسی معنی میں بھی اسم مبنی ہے چونکہ یہ اس کلا کے مشابہ ہے جو حرف ہے اور حرف کا مشابہ مبنی ہوتا ہے اس کلا بمعنے حقا کو بعض نحوی لیکا تھ لفظی اور معنوی دونوں طرح کی مشابہت ہے مشابہت لفظی تو ظاہر ہے اور مشابہت معنوی کا بیان یہ ہے کہ زجر اس چیز کی تنقیص سے ہوتا ہے جس کی حقیقت اعتقاد سے منفک نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ کسی چیز کی حقیقت کا بیان کبھی اس چیز کی تنقیص کے زجر سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے عکس سے ہوتا ہے لہذا ہر دو معنے یعنی زجر اور حقیقت میں ملازمت ہے پس یہ ملازمت کے مشابہت ہے اور یہ کہنا کہ بمعنے حقا کے یہ اس کلا کے مشابہ ہوگا جو کلا کہ معنی زجر و ردع ہے اور کسائی اور اس کے تابعین کہتے ہیں کہ جب کلا بمعنے حقا ہوتا ہے اسی وقت بھی حرف ہوتا ہے کیونکہ حقا کے معنی میں اسی کے کلام کی تحقیق ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں کلا بمعنے حقا ہے یعنی لہذا یہ حرف ہے

نواب حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے ۱۲ قولہ تاء التانیث الساکنۃ الخ یعنی تانیث کی ساکن تاء نہ متحرک جو فعل ماضی کے آخر میں آتی ہے تاکہ اس حرف مؤنث ہونے پر دلالت کرے جس کی طرف فعل کی اسناد کی جاوے یعنی فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرے ساکنہ کی قید اس وجہ سے لگائی ہے تاکہ اجتماع ساکنین نہ ہو جاوے کیونکہ متحرک اسم کے ساتھ مختص ہے سکون سے مراد یہ ہے کہ اصل میں ساکن ہو اگرچہ بعض مقام میں کسی سبب سے متحرک ہو جاوے تو کچھ حرج نہیں جیسے قامت میں کہ دو ساکن کے التقاء کی وجہ سے تاء متحرک ہو گئی ہے (بقیہ بر صفحہ ۱۸۰ پر)

تلحق الماضی لتدل علی تانیث ما اسند الیہ الفعل نحو ضربت ہند وقد عرفت مواضع وجوب الحاقہا واذا القیہا ساکن بعدہا وجب تحریکہا بالکسر لان الساکن اذا حرک حرک بالکسر نحو قد قامت الصلوٰۃ وحرکتہا لا توجب رد ما حذف لاجل سکونہا فلا یقال ردت المرأۃ لان حرکتہا عارضیۃ واقعۃ لرفع التقاء الساکنین فقولہم المرأتان ماتا ضعیف واما الحاق علامۃ التثنیۃ وجمع المذکر وجمع المؤنث فضعیف فلا یقال قام الزیدان او قام الزیدون ومن النساء وبتقدیر الالحاق لا تکون الضمائر لئلا یلزم الاضمار قبل الذکر بل علامات دالۃ علی احوال الفاعل کتاء التانیث فصل التنوین نون ساکنۃ تتبع حرکۃ آخر الکلمۃ

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۹) جاننا چاہیے کہ قیاس یہاں پر یہ تھا کہ یہ تا مسند الیہ کو لاحق ہوتی کیونکہ وہ مؤنث ہوتا ہے اور فعل جو کہ مسند ہے اس کے ساتھ لاحق نہ ہوتی لیکن یہ ماضی جو کہ مسند ہوتا ہے اس کے ساتھ لاحق ہوتی کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان اسناد کے اندر اصل اتصال ہے اور یہ اتصال اصل اس وجہ سے ہے کہ فعل فاعل کی طرف محتاج ہے کیونکہ فاعل فعل کے واسطے جزو کے مانند ہے اسی وجہ سے ضربت میں جب تا فاعل کی تو لام کلمہ ساکن ہو گیا تاکہ ایک کلمہ میں توالی متحرکات اربعہ لازم نہ آوے اس وجہ سے یہ تانیث کی تا بھی فعل کے ساتھ لگ گئی نہ فاعل کیساتھ ۱۲ قولہ اسند الیہ الفعل الخ یعنی مسند الیہ کی تانیث پر خواہ تحقیقاً ہو جیسے ضربت میں خواہ تنزیلاً جیسا کہ ان جموع میں جو مؤنث کے مرتبہ میں اتاری جاتی ہیں ۱۲ قولہ وقد عرفت الخ یعنی تا تانیث ماضی کے ساتھ جہاں جہاں لاحق کی جاتی ہے ان مواضع کو تم نے پہچان لیا ہے یہاں مواضع سے مراد جمع منتہی الجموع نہیں ہے بلکہ ما فوق الواحد مراد ہے کیونکہ جگہ جگہ یہاں تا لگانا واجب ہے کل دو ہیں (۱) جبکہ فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو (۲) فاعل ضمیر مؤنث ہو خواہ حقیقی ہو یا لفظی ان دو صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا واجب ہوتا ہے جیسے قالت ہند و ہند قالت ۱۲ قولہ اذا القیہا ساکن الخ یعنی تا تانیث ساکنہ کے بعد ساکن آجاوے تو دو ساکن جمع ہو جاویں گے اس وجہ سے اس کو کسرہ کی حرکت دینا واجب ہے کیونکہ اصل ساکن کا تحریک میں کسرہ ہے اور کسرہ اپنے قلت کی وجہ سے عدم یعنی سکون کے مشابہ ہے ۱۲ قولہ وحرکتہا لا توجب رد ما حذف الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ ایک ساکن اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہوتا ہے تو جب باقی ساکن متحرک ہو جاوے تو چاہیے کہ وہ محذوف لوٹ آوے کیونکہ سبب زائل ہو گیا تو چاہیے مرتا اور رمت المرأۃ میں الف ابھی آجاوے اور یوں بولا جاوے رمتا اور رمات المرأۃ حالانکہ وہ محذوف لوٹتا نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے مصنف اس کا جواب دیتا ہے کہ تا تانیث متحرک ہونا جو ساکن ہونے کے سبب سے محذوف ہوا ہے اس کے لوٹانے کو نہیں چاہتے کیونکہ یہ حرکت عارضی بغرض رفع التقاء ساکنین کی وجہ سے اس پر آتی ہے اسی وجہ سے رمات المرأۃ نہیں بولا جاتا ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ اگر تمہارے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو ان کا قول المرأتان ماتا غلط ہونا ہے حالانکہ عرب اس طرح بولتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جیسے تم کہتے ہو ایسے نہیں ہے جواب یہ ان کا قول ضعیف ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے چونکہ قاعدہ مذکورہ کے مخالف ہے ۱۲ قولہ اما الحاق علامۃ الخ یہ جملہ مستانفہ ہے ایک وہم کے دور کرنے کیلئے لایا ہے وہم یہ ہوتا ہے کہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں الحاق میں تا تانیث کے مانند ہیں تو جس طرح پر مسند الیہ کی آگہی کیلئے تا تانیث فعل پر بڑھائی جاتی ہے اسی طرح چاہیے کہ مسند الیہ جبکہ اسم ظاہر ہو تو اس کے مثنیٰ اور مجموع پر دلالت کرنے کیلئے فعل کیساتھ تثنیہ اور جمع کی علامتیں بڑھا دینی چاہئیں حالانکہ بڑھائی نہیں جاتی ہے مصنف جواب دیتا ہے ان کا الحاق فعل کے ساتھ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ مثنیٰ اور مجموع ان علامتوں کی طرف محتاج نہیں ہیں کیونکہ مسند الیہ مثنیٰ اور جموع ہونا معلوم ہو جاتا ہے بخلاف تانیث کے کہ بعض دفعہ وہ معنوی ہوتی ہے کہ فوراً مسند الیہ سے اسکا مؤنث ہونا معلوم نہیں ہوتا اسی وجہ سے فعل کیساتھ علامت تانیث کا الحاق ضروری ہو گیا ہے اور چونکہ جب فاعل مثنیٰ اور مجموع ہو تو دلیل مذکور اس کو مقتضی ہے کہ فعل کے ساتھ علامات تثنیہ و جمع نہ بڑھائی جاوے اس وجہ سے ان کا الحاق ضعیف ہو گیا ہے اس وجہ سے قاما الزیدان وقاموا الزیدون وقمن النساء میں الحاق کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس وجہ سے یہی جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو حالانکہ الحاق کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے تو مصنف اس کے متعلق کہتا ہے کہ ان علامات کے الحاق کے وقت میں یہ ضمیریں نہ ہونگی بلکہ تاکہ خرابی مذکور لازم نہ آئے بلکہ ان کو فاعل پر دلالت کرنے والی محض علامات قرار دیا جائیگا جیسے تا تانیث ساکنہ کہ محض علامت ہے اور ضمیر نہیں ہے کیونکہ اگر ضمیر ہوتی تو اظہار فاعل کے وقت میں اس کا حذف واجب ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ضربت ہند بولنا جائز ہے لہٰذا یہ ضمیریں ضمیریں بھی نہیں ہیں ۱۲ قولہ التنوین الخ تنوین دراصل مصدر ہے جس کے معنے نون داخل کرنا ہے اب خود نون کو تنوین بولنے لگے ہیں اصطلاح میں جو معنے ہے مصنف اسکو بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے تنوین نون ساکن ہے جو کلمہ کی آخر حرکت کے تابع ہوتا ہے نہ بغرض تاکید فعل جاننا چاہیے کہ یہ تنوین تلفظ میں نون ساکن ہوتا ہے اور کتابت میں نون نہیں ہوتا بلکہ نون کے بجائے دو زبر یا دو زیر یا دو پیش لگاتے ہیں اور یہ بذات خود ساکن ہوتی ہے اور حرکت عارضی سے اس کو کچھ ضرر نہ ہوگا جیسے قاد الی اور تتبع کی قید سے من اور عن کا نون خارج ہو گیا کیونکہ اگرچہ یہ نون ساکن ہے مگر حرکت کے تابع نہیں ہے بلکہ یہ نون ان کلموں کا آخر حرف ہے ۱۲ قولہ حرکۃ آخر الکلمۃ الخ یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے تتبع آخر الکلمۃ کیوں نہیں کہا لفظ حرکت کیوں کہا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ تنوین حالت وقف میں حرکت کے ساقط کرنے کے وقت ساقط ہو جاتی ہے اگر مصنف تتبع آخر کہتا تو لازم آتا کہ تنوین حالت وقف میں ساقط نہ ہو بعض نے لفظ حرکت کے اندراج کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر مصنف یوں کہتا کہ آخر الکلمۃ بلا لفظ حرکت زیادہ کرنے کے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ بلا کسی تخلل کے کلمہ کے آخر کو تنوین لاحق ہوتی ہے حالانکہ حرکت آخر کلمہ اور تنوین کے درمیان حائل ہے غرضیکہ واقع کے خلاف بیان لازم آتا اس علت پر اعتراض کیا جاتا ہے جہاں اس سے وہ متبادر ہوتا ہے اس کیساتھ یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ درمیان میں حرف بھی حائل نہ ہو لہٰذا اس کے اندراج کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی یہ نہیں ہے (بقیہ حاشیہ بر ص۱۸۱)

لا لتاکید الفعل وھی خمسۃ اقسام الاول للتمکن وھو ما یدل علی ان الاسم متمکن فی مقتضی الاسمیۃ ای انہ منصرف نحو زید و رجل والثانی للتنکیر وھو ما یدل علی ان اسم نکرۃ نحو صہ ای اسکت سکوتا ما فی وقت ما واما صہ بالسکون فمعناہ اسکت السکوت الآن والثالث للعوض وھو ما یکون عوضا عن المضاف الیہ نحو حینئذ و ساعتئذ و یومئذ ای حین اذ کان کذا والرابع للمقابلۃ وھو التنوین الذی فی جمع المؤنث السالم نحو مسلمات وھذہ الاربعۃ تختص بالاسم والخامس للترنم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اور طرہ سے مراد یہاں اسم ہے خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً لہذا اس میں قافیہ اور بصری کی تنوین داخل ہو جاویگی اور آخر سے مراد وہ حرف ہے جس پر تکلم ختم ہو اور اس مراد پر قاضی کی تنوین کو یہ تعریف شامل ہو جاویگی کیونکہ ضاد آخر کلمہ ہے نہ حقیقۃً اور نہ حکماً بلکہ آخر کلمہ اس کا محذوف ہے یا خود تنوین ہے لیکن ضاد آخر میں تکلم کے اعتبار سے ہے جو یہاں پر مراد ہے مصنف نے آخر کلمہ کے بجائے آخر الاسم کے اس وجہ سے نہ کہا ہے تاکہ یہ تنوین تنوین ترنم اور غالی کو بھی شامل ہو جاوے کیونکہ یہ دونوں جس طرح اسم پر آتی ہے اسی طرح فعل اور حرف پر بھی آتی ہے ۱۲ **قولہ لا لتاکید الفعل الخ** یہ نون ساکن جو آخر کلمہ کی حرکت کے تابع ہوتا ہے فعل کی تاکید کے واسطے نہ ہو اس قید سے نون خفیفہ تعریف تنوین سے خارج ہو گیا کیونکہ وہ نون ساکن آخر حرف کی حرکت کے تابع ہے لیکن تاکید فعل کے واسطے ہے لہذا تنوین نہ ہوگا اور لا لتاکید الفعل میں لا حرف نفی ہے جو فعل مقدر پر داخل ہوا ہے جس پر مصنف کا قول لتاکید دلالت کرتا ہے کیونکہ جار مجرور فعل کے متعلق ہوگا یہاں فعل چونکہ لفظاً نہیں اس وجہ سے تقدیراً مان لیا جاویگا پھر یہ جملہ تنوین کی صفت ہے تقدیر عبارت ہوئی لا تکون التنوین ساکنۃ لتاکید الفعل یا حرف عطف ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے اس صورت میں تقدیر یہ ہے التنوین نون ساکنۃ تتبع حرکۃ آخر الکلمۃ لا نون ساکنۃ تلحق الآخر لتاکید الفعل ۱۲ **قولہ وھی الخ** یعنی تنوین پانچ قسم پر ہے بلکہ چھ قسم پر ہے کیونکہ ایک قسم تنوین غالی ہے ۱۲ **قولہ وھو ما یدل الخ** یہ تنوین تمکن کی تعریف ہے یعنی تنوین تمکن وہ تنوین ہے جو اس پر دلالت کرے کہ وہ اسم جس پر داخل ہوئی وہ متمکن یعنی مقتضی اسمیہ میں راسخ ہے یعنی اس پر دلالت کرے کہ وہ اسم منصرف ہے یہ تنوین تمام اسماء معربہ پر جو کہ منصرف ہوتے ہیں داخل ہوتا ہے اگرچہ مؤنث سالم اور غواش کے ان دونوں پر یہ تنوین داخل ہوتی ہے اور اس تنوین کا نام تنوین تمکین اور تنوین الصرف بھی ہے چونکہ منصرف اور غیر منصرف کے درمیان اس سے فرق ہوتا ہے ۱۲ **قولہ نحو زید و رجل الخ** بعض نے وہم کیا ہے اور کہا ہے کہ رجل میں تنوین تنکیر کی تنوین ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اگر تنوین تنکیر ہوتی ہے تو جس وقت اسکے ساتھ کسی کا نام رکھدیا جاتا اور علم بنا دیا جاتا تو تنوین باقی نہ رہتا حالانکہ یہ تنوین بحالہ باقی رہتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس میں متمکن کی تنوین ہے نہ تنکیر کی ۱۲ **قولہ والثانی الخ** یعنی دوسری قسم تنوین کی تنوین تنکیر ہے اور تنوین تنکیر وہ تنوین ہے جو اس پر دلالت کرے کہ جس پر وہ داخل ہے نکرہ اور معرفہ نہیں ہے یہ تنوین مبنی اسموں پر آتی ہے معرفہ اور نکرہ میں فرق کرنے کیواسطے جیسے صہ با تنوین اور صہ بالسکون دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول نکرہ ہے اور ثانی معرفہ اول کے معنی ہے اسکت سکوتاً ما فی وقت ما صحاح میں ہے کہ صہ میں وصل اور وقف کے درمیان فرق کرنے کیلئے ہے یعنی منون بولتے ہیں تو صہ حالت وصل میں ہوتا ہے اور بلا تنوین کے حالت وقف میں ہوتا ہے اس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ تنوین کی ایک چھٹی قسم ہے جو وصل اور وقف کے درمیان فارق ہے رضی نے کہا ہے کہ تنوین تنکیر صوت اور اسم فعل کے ساتھ مختص ہے جیسے سیبویہ اور صہ جبکہ بلا تنوین کے بولا جاتا ہے تو اسکے معنے اسکت السکوت الآن کے ہوتے ہیں یعنی یہ معرفہ ہوتا ہے ۱۲ **قولہ والثالث الخ** یعنی ان اقسام میں سے تیسری قسم کی تنوین عوض ہے اور تنوین عوض تین قسم پر ہے ایک وہ جملہ کے عوض میں ہوتی ہے یہ وہ تنوین ہے جو اذ کے آخر میں جملہ کے عوض میں آتی ہے جو کہ اذ کے بعد ہوا کرتا ہے اور اس کو حذف کرکے یہ تنوین لائی جاتی ہے اور یہ جملہ اذ کا مضاف الیہ ہوتا ہے جیسے حینئذ ۔ کہ اصل میں حین اذ اکان کذا تھا حین اذ کا مضاف ہے اور اذ جملہ کی طرف پھر جملہ کو تخفیف کی غرض سے حذف کرکے اس کے بدلے میں اذ کے ساتھ تنوین لگا دی ایسے ہی ساعتئذ اور یومئذ ساعت اذ اکان کذا اور یوم اذ اکان کذا تھا تنوین عوض کی دوسری قسم وہ ہے جو اسم کے بدلے ہوتی ہے اور تنوین کل کے آخر میں مضاف الیہ کے بدلے میں آیا کرتی ہے جس کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کل قائم کہ اصل میں کل انسان قائم تھا انسان کو حذف کر دیا اور اس کی عوض میں تنوین لے آئے تیسری قسم وہ ہے جو حرف یا حرکت کے عوض میں ہوتی ہے اور یہ مثل جواز غواش میں حالت رفع اور جر میں آتی ہے ایک مثال یہ یعنی اصل میں جواری اور غواشی کے آخر میں یا رفع اس پر حرکت ضمہ یا کسرہ کو حذف کر دیا اور اسی کے بدلے میں تنوین لے آئے اور یا اجتماع ساکنین کی بنا پر حذف ہو گئی یعنی بعض یا ضمہ و کسرہ کے بدلے میں تنوین لاتے ہیں ادبار کا بعد حذف ضمہ اور کسرہ کے تقدیر تنوین کے ساتھ اجتماع ساکنین سے اس کو حذف کر دیتے اور پھر تنوین یا کے عوض میں لاتے ہیں ۱۲ **قولہ الرابع الخ** چوتھی قسم تنوین کی مقابلہ کیلئے ہے یعنی تنوین مقابلہ ہے یہ وہ تنوین ہے جو جمع مؤنث سالم پر داخل ہوتی ہے جیسے مسلمات اصل میں تنوین نون کے مقابلہ میں ہے جو کہ مسلمون یا مسلمین میں ہے اور مسلمات میں الف تاء علامت جمع ہے جیسا کہ واؤ مسلمون میں اور یا مسلمین میں علامت جمع ہے اور اس میں یہ تنوین تنوین تمکن نہیں ہے جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے اور تنوین تنکیر بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تنوین اذن کلام میں پائی جاتی جس میں تصرف ممتنع ہے اور تنوین عوض بھی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنے نہیں بنتے ہیں اور یہ تنوین ترنم بھی نہیں ہے چونکہ وہ شعروں اور مصرعوں کے آخر میں آتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ مسلمات میں تنوین مقابلہ ہے ۱۲ **قولہ وھذہ الاربعۃ الخ** یعنی یہ مذکورہ چار قسمیں اسم کے ساتھ مختص ہیں دو جو اختصاص علامات اسم میں بیان ہو چکی ہے مصنف کے اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تنوین کی پانچویں قسم یعنی تنوین ترنم اسم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ اسم و فعل پر داخل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ الخامس الخ** یعنی ان اقسام میں سے پانچویں قسم تنوین ترنم ہے اور یہ وہ ہے جو شعروں اور مصرعوں کے آخر میں آوے ترنم اچھی آواز اور گانا اور آواز کا پھرانا اور کمان کے کھینچنے کے وقت آواز کرنا اور قرآن خوانی میں بلند آواز کرنا یہ سب معنے ترنم کے آتے ہیں یہ تنوین شعروں اور مصرعوں کے آخر میں شعر خوانی کی تحسین کیواسطے داخل ہوتی ہے کیونکہ ترنم کے معنی لغت میں گانا اور یہ تنوین ایسا حرف ہے جس کے سبب سے ناک میں آواز کی گھمانا آسان ہو جاتا ہے اور ناک میں آواز گھمانا راگ کی خوبی کے سبب سے ہے لہذا اس بیان سے ثابت ہوا کہ تنوین ترنم خوبی راگ کے حاصل کرنے کے واسطے لاحق ہوتا ہے ابن یعیش کا مذہب یہ ہے اور ابن حاجب کے نزدیک بھی یہی مختار ہے اور بعضوں (جن میں سے رضی بھی ہے) کے نزدیک اسی تنوین کو تنوین ترنم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ترنم کے چھوڑنے کیواسطے آتی ہے کیونکہ اس تنوین کو حروف اطلاق ضعف کرکے لگاتے ہیں (بقیہ ص ۱۸۲ پر)

وهو الّذی یلحق اٰخر الابیات والمصاریع کقول الشاعر شعر

اَقِلِّی اللّوم عاذِلُ والعِتابَن وقُولِی اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصابَن

وکقوله یا ابتا علک او عساکن وقد یحذف من تعلم اذا کان موصوفا بابن او ابنة مضافا الی علم اٰخر

نحو جاءنی زید بن عمرو وهند ابنة بکر فصل نون التاکید وهی وضعت لتاکید الامر والمضارع

اذا کان فیه طلب وهی باداء قد لتاکید الماضی وهی علی ضربین خفیفة ای ساکنة ابدا نحو اضربَن

(بقیہ حاشیہ صـ۱۸۱) اور یہ حرف مذکورہ درازی آواز کی وجہ سے ترنم کی خود صلاحیت رکھتے ہیں تو لہذا جب شعروں میں ترنم کا مقصود ہوتا ہے تو حروف اطلاق کو حذف کر کے تنوین لگاتے ہیں جو درازی آواز سے خالی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تنوین ترنم کے چھوڑنے کے واسطے آتی ہے اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تنوین معنے کے واسطے موضوع نہیں بلکہ غرض ترنم کے واسطے موضوع ہے اور ایسے ہی اور تنوینات جیسے عوض اور مقابلہ کہ غرض تعویض اور مقابلہ کیلئے موضوع ہیں اور نفس تعویض اور نفس مقابلہ کیلئے موضوع نہیں ہے لہذا ان کو حروف سے شمار کرنا درست نہیں جیسے حروف تہجی کہ حروف نحویہ نہیں کیونکہ حروف نحویہ کلمہ نحوی کی قسم ہیں اور یہ چونکہ معنی کیلئے موضوع نہیں اس وجہ سے حروف نحویہ نہ ہوئے بعض نے کہا ہے کہ ذکر تنوین میں برائے افادہ ان کو ذکر کیا ہے اس وجہ سے اعتراض نہیں ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲ **قولہ اقلی الخ** یہ جریر ابن عطیہ کا شعر ہے جو طول شعر اور اسلام سے شمار کیا جاتا ہے اقلی واحد مؤنث حاضر امر اقلال بمعنے چھوڑنا کم کرنا اور یا عاذل اللوم اقلی کا مفعول اللوم والعذل اور عتاب مراد الفاظ ہیں سب کے معنی عذاب دینا ملامت کرنا ہے عاذل مرخم عاذلہ منادی یا حرف ندا محذوف یہ مبنی الضم ہے علی حرف المحذوف یا الموجود والعتابن اللوم پر معطوف اور منصوب کا معطوف منصوب ہو جاتا ہے اس وجہ سے یہ منصوب ہے نون ساکن اس میں ترنم کی ہے جو الف اطلاق کو حذف کر کے بعد لگایا گیا ہے اور قولی اقلی پر معطوف ہے واحد مؤنث حاضر قول سے اگر بمعنی کہنا ہے اور یا اس میں فاعل ہے ان حرف شرط اصبت فعل ماضی با فاعل متکلم اصابت بمعنے صواب کو پہونچنا سے متعلق محذوف اے مجھ سے یا فاعل ماضی با فاعل مخاطبہ اصابت بمعنے ٹھیک بولنا سے ماخوذ ہے اس وقت بھی متعلق محذوف ہے ان فی ما تقولیہ بدل اللوم پر فعل شرط ہے اور جواب شرط محذوف جس پر قول ماقبل دلالت کرتا ہے اور لقد میں لام مؤطئہ للقسم ہے یعنی قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اے اللہ اصابن فعل ماضی اس میں ضمیر فاعل جو جریر کی طرف لوٹتی ہے اور نون اس میں الف اطلاق کے محذوف کے بدلے میں ہے موضع استشہاد والعتابن اور اصابن ہے یہ دونوں العتابا اور اصابا الف اطلاق تھے اسکو حذف کر کے نون ترنم کا اس کے ساتھ لگا دیا اس سے معلوم ہوا کہ تنوین ترنم قوافی مطلقہ کے آخر میں آتی ہے بخلاف تنوین کے کہ وہ قوافی مقیدہ کے آخر میں لگا کرتی ہے قوافی مطلقہ وہ ہیں جو آخر میں حرف اطلاق یعنی حروف مدہ ہوں اور قوافی مقیدہ جن کے آخر میں حروف اطلاق یعنی مدہ نہ ہوں ۱۲ **قولہ یا ابتا الخ** یا ابتا منادی مضاف الی یاء المتکلم ہے اور تا والف اس میں یا کے عوض میں ہے اور عسک اور لعلک کے معنی میں ہے اور عساک اس پر معطوف ہے اور لعل وعسے کی خبر محذوف ہے تقدیر یہ ہے علک تجد رزقا او عساک تجد یہ پہلا قول تنوین ترنم کی مثال جو بیت کے آخر میں ہے اور ثانی مثال جو فعل کے آخر میں داخل ہوئی اور مصرع کے آخر میں لاحق ہوئی ہے حرف پر تنوین داخل ہوا اسکی مثال آخر قول فہل لہا ان تردا نخس بن ہے ۱۲ **قولہ ویحذف من العلم الخ** علم سے تنوین کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے جبکہ علم موصوف ہو اور صفت اس کی ابن اور ابنۃ ہو اور اس کی دوسرے علم کی طرف اضافت ہو رہی ہو جیسے زید ابن عمرو اور ہند ابنۃ اس میں زید اور ہند موصوف ہے جس کی صفت ابن اور ابنۃ ہے جو عمرو اور بکر کی طرف مضاف ہے لہذا زید اور ہند موصوف سے تنوین کا حذف واجب ہے علم پر سے تنوین کا حذف کرنا تخفیف کی غرض ہوتا ہے چونکہ ایسے وقت لفظ طویل ہو جاتا ہے اور علم ثقیل ہے اور اس طرح پر استعمال کثیر ہے اور یہ امر خفت کو مقتضی ہیں لہذا تنوین کا حذف کرنا ضروری ہو گیا جاننا چاہیے کہ خاص کر ابن کے الف کو کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے اور ابنۃ کے الف کو حذف نہیں کیا جاتا ہے ابن کے الف کو دو وجہ سے حذف کرتے ہیں (۱) خط میں تخفیف حاصل ہو جاوے (۲) حذف اس امر پر دلالت کرے کہ موصوف کا اتصال صفت کے ساتھ بہت زیادہ ہے اور ابنۃ کے الف کو اس وجہ سے خط میں حذف نہیں کرتے ہیں کہ اگر حذف کریں تو ابنۃ کا بنت سے التباس ہو جاویگا اور اس سے بچنا ضروری ہے اسوجہ سے حذف کرنا ممنوع ہے نیز جاننا چاہیے کہ اس کلام میں اس کے امر کی طرف اشارہ ہے کہ جبکہ ابن غیر علم کیواسطے صفت ہو جیسے نام رجل ابن عمرو یا ابن صفت نہ ہو جیسے زید ابن بکر کہ اس میں ابن بکر زید کی خبر ہے صفت نہیں ہے یا ابن علم کیلئے صفت ہو لیکن علم کی طرف مضاف نہ ہو جیسے قام زید ابن اخوان سب صورتوں میں تنوین کو حذف نہیں کریں گے اور ابنۃ کا حکم تمام مذکور رات میں ابن کا حکم ہے مگر حذف ہمزہ میں یعنی اس کے ہمزہ کو کتابت میں حذف نہ کیا جاویگا نیز جاننا چاہیے کہ کبھی تنوین کو حرکت بھی دی جاتی ہے جبکہ تنوین دوسرے ساکن سے ملتقی ہو جاوے کبھی کسرہ کی حرکت دیتے ہیں چونکہ وہ اصل ہے اور کبھی ضمہ کی حرکت دیتے ہے جیسے عذاب نکر ۱۲ **قولہ نون التاکید الخ** اس میں اضافت بیانیہ ہے اے نون الذی یفید التاکید یعنی مطلوب کے حصول میں تاکید کا فائدہ دے نون تاکید کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ نون تاکید وہ نون ہے جو امر اور مضارع کی تاکید کے واسطے موضوع ہو جبکہ مضارع میں طلب ہو کیونکہ اس نون کے ساتھ وہی چیز تاکید کی جاتی ہے جو مطلوب ہوتی ہے اور یہ نون تاکید مضارع میں اس قید کے مقابلہ میں ہے جو تاکید ماضی کیلئے موضوع ہو یعنی جس طرح قد تاکید ماضی کیلئے موضوع ہے اس طرح تاکید مضارع کیلئے نون موضوع ہے بشرطیکہ مضارع میں طلب کے معنی ہو ۱۲ **قولہ وہی علی ضربین الخ** یعنی تاکید نون دو قسموں پر منقسم ہے خفیفہ اور ثقیلہ نون خفیفہ ساکن نون ہوتا ہے اور یہ اپنی اصل پر ہے (بقیہ بر صـ۱۸۳) پر

وثقیلۃ[۲] ای مشددۃ مفتوحۃ ابداً ان لم یکن قبلہا الف نحو اضربنّ ومکسورۃ ان کان قبلہا الف نحو اضربانّ واضربنانّ وتدخل[۱] فی الامر والنہی والاستفہام والتمنی والعرض جوازاً لانّ[۲] فی کل منہا طلبا نحو اضربنّ ولا تضربنّ وھل تضربنّ ولیتک تضربنّ والا تنزلن بنا فتصیب خیراً وقد تدخل[۳] فی القسم وجوبا لوقوعہ علی ما یکون مطلوبا للمتکلم غالبا فارادوان لا یکون اٰخر القسم خالیاً عن معنی التاکید کما لا یخلو اوّلہ منہ نحو واللّٰہ لافعلن کذا واعلم انّہ[۴] یجب ضم ما قبلہا فی جمع المذکر نحو اضربن لیدل علی الواؤ المحذوفۃ وکسر[۵] ما قبلہا فی المخاطبۃ نحو اضربن لیدل علی الیاء المحذوفۃ

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۲) کیونکہ مکسور میں اصل سکون ہے اسی وجہ سے اس کو ثقیلہ پر مقدم بھی کیا ہے دوسری وجہ تقدیم کی یہ ہے کہ نون خفیفہ نون ثقیلہ کا جزء ہے اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے اور نون ثقیلہ (یعنی مشدد اور یہ تاکید میں مشدد سے بڑھا ہوا ہے) متروک ہوتا ہے چونکہ فتح خفیف ہے ثقل فتحت کو مقتضی ہے لیکن فتح جب آتا ہے جبکہ اس کے پہلے الف نہ ہو جیسے اضربن اور جبکہ اس کے پہلے الف ہو خواہ الف ضمیر ہو جیسا کہ تثنیہ میں جیسے اضربان خواہ زائد ہو جیسے کہ جمع مؤنث میں ہوتا ہے جیسے اضربنان تو مکسور ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وتدخل فی الامر الخ** یعنی نون تاکید خواہ ثقیلہ ہو خواہ خفیفہ ایک تو امر میں داخل ہوتا ہے خواہ مدعا معلوم ہو یا مجہول ہو خواہ حاضر ہو خواہ غائب ہو یہاں پر ایک اعتراض ہوتا ہے تقریر یہ ہے کہ نون تاکید حروف معانی سے ایک حرف ہے جیسے حرف نفی اور استفہام اور قسم اور ان کا محل کلام کا شروع ہے لہذا نون تاکید بھی شروع میں داخل ہونا چاہیے تھا کیوں کہتا کہ تدخل فی اول الامر جواب نون خفیفہ اول میں چند وجہ سے داخل نہیں ہوتا بلکہ آخر میں لاحق ہوتا ہے (۱) اگر اول میں داخل ہو تو ابتداء ساکن لازم آتی ہے اور یہ متعذر ہے (۲) نون تاکید تنوین کے مشابہ ہے اور یہ تنوین آخر میں آتی ہے اسی وجہ سے یہ بھی آخر میں آتا ہے (۳) تاکید ایسا معنی ہے جو آخر کو چاہتا ہے کیونکہ مؤکد ہمیشہ مؤکد سے متأخر ہوتا ہے (۴) حروف مذکور کلام کے صدر کو چاہتے ہیں اور متفصل ہوتے ہیں اور یہ متفصل نہیں ہوتا اسی وجہ سے کلمہ کے آخر میں متصل ہوتا ہے اول میں ۱۲ **قولہ لان الخ** یہ مواضع مذکورہ میں نون تاکید کے داخل ہونے کی علامت ہے نون تاکید ان پانچ موضعوں میں اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ ان مواضع میں سے ہر ایک کے اندر علت کے معنے ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کی تاکید مناسب ہے اسی وجہ سے طلب تاکید کے واسطے نون تاکید کا دخول ان پر ہوتا ہے طلب کا وجود امر نہی استفہام میں تو ظاہر ہے

لیکن تمنی میں اور عرض میں طلب اس وجہ سے موجود ہے کہ یہ دونوں بمنزلہ امر کے ہے نون تاکید کا دخول نفی میں بطور قلت کے ہوتا ہے اگرچہ اس میں طلب کے معنی نہیں ہے چونکہ نفی نہی کے مشابہ ہے مثلاً چونکہ نفی میں دخول قلیل ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا چونکہ قلت عدم کے ساتھ ملحق ہے بیان سابق سے معلوم ہوا کہ نون تاکید ماضی اور حال پر داخل نہیں ہوگا چونکہ یہ معنی طلب سے خالی ہیں ۱۲ **قولہ وقد تدخل فی القسم وجوباً لوقوعہ الخ** مصنف کی عبارت میں قسم سے مراد جواب قسم ہے کیونکہ نون تاکید نفس قسم پر داخل نہیں ہوتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جواب قسم میں نون تاکید کا دخول واجب ہے لیکن یہ دخول اسوقت واجب ہے جبکہ جواب قسم مثبت ہو اور نون تاکید کا دخول اس وجہ سے واجب ہے کہ قسم متکلم اکثر اس پر کھاتا ہے جو چیز اس کو مطلوب ہوتی ہے لہذا نحویوں نے یہ چاہا کہ قسم کا آخر تاکید کے معنے سے خالی نہ ہو جس طرح کہ قسم کا اول تاکید کے معنے سے خالی نہیں ہے جیسے واللہ لافعلن کذا جاننا چاہیے کہ اما شرطیہ کے ساتھ نون تاکید کا استعمال کثیر ہے جیسے اما تفعلن کیونکہ اس کے حرف شرط میں تاکید کیلئے ما زائدہ لایا گیا ہے تو جب حرف شرط کی تاکید کی تو فعل شرط کی بھی تاکید مناسب ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ نون تاکید لگایا جاتا ہے **قولہ واعلم انہ یجب ضم الخ** یہاں سے مصنف نون تاکید کے ماقبل کی حالت بیان کرتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ نون تاکید خواہ وہ نون خفیفہ ہو یا ثقیلہ جمع مذکر میں اس کے ماقبل مضموم ہونا واجب ہوتا ہے خواہ وہ جمع مذکر حاضر ہو یا غائب امر میں لیضربن تضربن اس جگہ میں نون تاکید کے ماقبل کا مضموم ہونا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ ماقبل کا ضمہ واو محذوفہ پر دلالت کرے جو کہ مثلاً امر میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوا ہے اور وہ دو ساکن واؤ اور نون علت اور نون تاکید ہے اگرچہ یہ اجتماع ساکنین ایسا ہے کہ جس کا جمع ہونا جائز ہے کیونکہ اول مدہ ہے اور ثانی مدغم ہے مگر چونکہ یہاں تخفیف مقصود ہے اس وجہ سے ضمہ پر کفایت کرکے واؤ کو حذف کر دیا جاتا ہے سوال نون تاکید کے جمع مذکر میں لگانے سے واؤ اور نون میں اجتماع ساکنین ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے واؤ جو علامت جمع و ضمیر فاعل ہے حذف کر دی جاتی ہے اس کا حذف کرنا کیسے درست ہو گیا جبکہ یہ فاعل ہے کیونکہ فاعل کا حذف کرنا درست نہیں ہے جواب ہم تسلیم نہیں کرتے کہ واؤ محذوف ہے کیونکہ جو اس پر دال ہے یعنی ضمہ وہ موجود ہے تو گویا کہ واؤ حذف نہیں ہوا ہے چنانچہ جب اس پر دال یعنی ضمہ واؤ سے پہلے نہیں ہوتا تو واؤ کو حذف نہیں کرتے ہیں بلکہ اجتماع ساکنین کے دور کرنے کے واسطے واؤ کو ضمہ دیتے ہیں جو واؤ کے مناسب ہے جیسے لایخشون ۱۲ **قولہ وکسر ماقبلہا الخ** یہ ضم پر معطوف ہے جو یجب کا فاعل ہے لہذا یہ بھی یجب کا فاعل ہے مطلب یہ ہوا کہ واحد مؤنث حاضر میں نون تاکید کے ماقبل کو کسرہ دیا جاتا ہے وجوب کسرہ ماقبل اور اس وجہ سے ہے کہ یہ کسرہ یاء محذوفہ پر دلالت کریگا جو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوتی ہے اور وہ ساکنین حرف علت یاء اور نون تاکید ہے اور یہاں کا اُ بغرض تخفیف ہے اگرچہ یہ اجتماع ساکنین جائز تھا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا یہاں پر بھی ماتقدم سوال و جواب عائد ہوتے ہیں ۱۲

وفتح ماقبلها[1] فی ما عداهما اما فی المفرد فلانه اوضح لالتباس بجمع المذکر ولو کسر لالتبس بالمخاطبة واما[2] فی المثنی وجمع المؤنث فلان ماقبلها الف نحو اضربان واضربنان وزیدت[3] الف قبل النون فی جمع المؤنث لکراهة اجتماع ثلث نونات نون الضمیر ونونا التاکید ونون[4] الخفیفة لاتدخل فی التثنیة اصلا ولا فی جمع المؤنث لانه لوحرکت النون لم تبق خفیفة فلم تکن علی الاصل وان ابقیتها ساکنة یلزم التقاء الساکنین علی غیر حده وهو غیر حسن ۵ تمت

قولہ وفتح ماقبلہا الخ یعنی جمع مذکر اور مخاطبہ کے سوا میں نون تاکید کے ماقبل کا فتح واجب ہے یعنی مفرد مذکر میں خواہ غائب ہو یا حاضر یا غائبہ ہو اور مثنی میں مطلقاً اور جمع مؤنث میں مطلقاً اور متکلم میں مطلقاً یعنی ان سب میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے مفرد میں تو اس لئے کہ اگر ضمہ دیں تو جمع مذکر سے اشتباہ ہوتا ہے اور اگر کسرہ دیں تو مخاطبہ سے التباس ہوتا ہے اور اگر ساکن رکھیں تو اجتماع ساکنین لازم آتا ہے لہذا فتح متعین ہو گیا رہا یہ امر کہ جمع کو فتح دیتے ہیں اور مفرد کو ضمہ تو یہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ مفرد بہ نسبت جمع کے کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کو چاہتی ہے اس وجہ سے مفرد کو فتح دیا اور جمع کو ضمہ اور مفرد کو فتح اور مخاطبہ کو کسرہ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صیغہ بہ نسبت مخاطبہ کے اشرف ہیں چونکہ مذکر بھی ہوتے ہیں اور فتحہ حرکت خفیف ہے اور کسرہ ثقیل اور خفیف بہ نسبت ثقیل کے اشرف ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اشرف کو اشرف دیا جائے اس وجہ سے فتحہ مفرد کو دیا اور کسرہ مخاطب کو اور ضمہ بہ نسبت کسرہ کے ثقیل ہے . . . . . اس وجہ سے کسرہ ضمہ سے اعلیٰ ہے اور مخاطبہ بھی بہ نسبت جمع کے اعلیٰ ہے چونکہ اس کے افراد زیادہ ہیں اور کثیر الاستعمال بھی ہے لہذا کسرہ مخاطبہ کو دیا اور ضمہ جمع کو دیا اور متکلم مفرد مذکر کے اس حکم میں تابع ہے ایسے ہی واحد مؤنث غائب ہے ۱۲ قولہ اما فی المثنی وجمع المؤنث الخ یہاں پر سے مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ مثنی اور جمع مؤنث میں نون تاکید کے ماقبل کا فتح کیوں واجب ہے مصنف کہتا ہے کہ اس وجہ سے واجب ہے کہ ان دونوں میں نون تاکید سے پہلے الف ہوتا ہے اور الف فتحہ کے حکم میں ہے اور مراد فتح ماعدا ہما سے اعم ہے کہ وہ فتحہ حقیقۃً ہو جیسے اضربن میں ہے یا حکماً ہو جیسے اضربان میں اور الف مثنی میں محذوف نہیں ہوتا کیونکہ اگر حذف کر دیا جاوے تو واحد کے ساتھ التباس لازم آئیگا اور یہ درست نہیں ہے ۱۲ قولہ زیدت الخ یعنی جمع مؤنث میں نون سے پہلے ایک الف بڑھا دیا گیا چونکہ جب نون یعنی نون مفرد اور تاکید کے دونوں کا جمع ہونا یعنی توالی امثال ہونا مکروہ ہے الف کے لانے سے وہ ثقل جو موجب ادغام ہے دفع ہو جائے گا الف کو حروف زوائد سے اس وجہ سے اختیار کیا ہے کہ الف اخف ہے دوسری صورت اجتماع امثال کے رفع کی یہ تھی کہ نون ضمیر کو حذف کرتے چونکہ یہ نون علامت رفع نہیں ہے بلکہ جمع مؤنث کی ضمیر ہے لہذا اس کا محذوف ہونا کیسے بھی درست نہیں ہے ۱۲ قولہ نون الخفیفۃ الخ چونکہ نون خفیفہ کا دخول ادلہ مقامات پر جائز ہے جہاں ثقیلہ داخل ہوتا ہے مگر دو مقام ایسے ہیں کہ ان میں خفیفہ کا داخل ہونا ممنوع ہے اس وجہ سے مصنف ان دونوں مقام کو بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ متکلم بصیرت پر ہو جاوے چنانچہ کہا کہ نون خفیفہ تثنیہ میں بالکل داخل نہیں ہوتا اور ایسے ہی جمع مؤنث میں بھی بالکل داخل نہیں ہوتا ہے کیونکہ نون خفیفہ کو جب اس کے ساتھ ملایا جاوے تو دو ساکن جمع ہونگے ایک الف اور دوسرے نون خفیفہ اور صورتیں ہیں یا تو نون کو حرکت دی جائے یا ساکن رکھا جائے اول پر وہ خفیفہ باقی نہیں رہتا ہے لہذا وہ اپنی اصل پر نہیں رہیگا اور ساکن رہنے دیا جاوے تو التقاء ساکنین علیٰ غیر حدہ لازم آتا ہے چونکہ اگرچہ پہلا ساکن مدہ ہے لیکن دوسرا ساکن ادغام نہیں اور یہ اجتماع ساکنین درست نہیں اس وجہ سے ان دونوں میں نہیں لاتے ہیں غیر حسن ادنیٰ ما یستقیم پر عمل کرتے ہوئے کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ ممنوع ہے غیر حسن ہی نہیں یہ امر مذکور تثنیہ میں تو ظاہر ہے کیونکہ الف تثنیہ ضمیر ہے جس کو حذف نہیں کر سکتے ہیں مگر جمع مؤنث میں نہ اتنا ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس میں الف ناصل ہوتا ہے تاکہ اجتماع توالی امثال لازم نہ آوے اور یہاں پر یہ خرابی لازم نہیں آتی ہے تو پھر اس کے نہ آنے کی وجہ کیا ہے تو جواب دیا گیا ہے کہ نون خفیفہ سب احکام میں نون ثقیلہ کے مثل ہے جیسا کہ کتب صرف کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے اور نون ثقیلہ کے احکام میں سے ہے کہ جب وہ جمع مؤنث میں داخل ہوتا ہے تو ایک الف فاصل لانا لازم ہے اگرچہ اس کی علت تین نون کے درمیان فصل کرنا ہے وہ یہاں پر مفقود ہے لہذا جمع مؤنث میں جب نون خفیفہ داخل ہو تو الف کا لانا ضروری ہوگا اس کے بغیر چارہ نہیں جاننا چاہیئے کہ نون خفیفہ کا جمع مؤنث حاضر اور مثنیٰ میں نہ آنا یہ جمہور کا مذہب ہے بخلاف یونس کے کہ اس کے نزدیک دونوں میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک التقاء ساکنین محال نہیں ہے کیونکہ مدہ الف ہے اس کے نزدیک بمنزلہ حرکت کے ہے دونوں میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک التقاء ساکنین محال نہیں ہے کیونکہ وہ مدہ جو الف ہے اس کے نزدیک . . . . . چونکہ مدہ خفیف ہے جیسے محیای اسلوبن الیار قولہ تعالیٰ ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین قد تم ہذہ الحاشیۃ بعون اللہ تعالیٰ وفضلہ فلہ الحمد وعلی رسولہ الذی ہدانا بہ محمد الصلوۃ وعلی آلہ واصحابہ المنتخبین بکرامتہ اللہم صلی علیہ نقواعدہ وزین قاصدیہ بفرائدہ وارزق الراغبین الی اللہ من مقاصدہ والمرجو منہم ان یدعو لی بالخیر والغفران عسیٰ ان یختمنی اللہ سبحانہ بالسعادۃ مع الاہمال

تمت الخیر